

طُرُحات شمس المصنفین

اسلام
اور
عصر حاضر

مولانا سید امین

مؤثر المصنفین

دار العلوم حقانیہ الزمہ کراچی

پیشکش

مطبوعات مؤتمِر المصنِّفین (۱)

اسلام اور عصرِ حاضر

عصرِ حاضر کی مادہ پرست تہذیب اور عالمِ اسلام پر اس کے فکری، تمدنی اور عملی اثرات کا جائزہ
علمی و دینی فتنوں، تجدد و اشتقاق اور فرق باطلہ کا تعاقب، موجودہ دور کے نسبی معاشی، تمدنی، خدائی، معاشرتی
اور آئینی مسائل میں اسلام کا موقف، قانون، فتنہ و شکست اور اسباب عروج و زوال، الغرض، بیسویں صدی
کے کارزارِ اِحق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک جھلک۔

مولانا سمیع الحق

مؤتمِر المصنِّفین

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ
ندوة العلماء لکھنؤ

اسلام اور عصر حاضر کے سلسلے میں جتنی مشکلات و مسائل ہیں وہ بیشتر مغربی تہذیب کے پیدا کردہ اور اس کی پروردہ ہیں، اس تہذیب سے شاید مغرب کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا مشرق اور خصوصاً عالم اسلام کو کیونکہ یہ تہذیب مغربی ممالک کے سیاسی و سماجی حالات و حوادث کے ساتھ تدریجاً ارتقاء پذیر ہوئی تھی لیکن مشرق اور عالم اسلام کی سرزمین کے لیے یہ پودا بالکل اجنبی تھا اس لیے اس کے غیر فطری نتائج سامنے آنا ضروری تھے، مشرقی اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے مغربی تمدن و ثقافت کے تصادم کے نتیجے میں عجیب و غریب اور حد درجہ پیچیدہ صورت حال پیدا ہو گئی اور اس نے طوفانِ بلا خیز اور ایک سیلِ بے پناہ کی طرح مشرق کی آب و ہوا، تمدن و تہذیب، علوم و فنون، سیاست و ثقافت، معیشت و معاشرت، ایک چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

اس صورت حال نے مشرقی اور اسلامی ممالک میں دو قسم کے ذہن پیدا کیے۔ ایک وہ جس نے زمانہ سازی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا کہ ”ہر چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی اور دوسرے جس نے اس خطرے کی دہشت ناکی اور دُور رس اثرات و نتائج کا اندازہ کر کے اسے

ایک چیلنج سمجھا اور اس کے خلاف جدوجہد شروع کی، یہ دوسرے ذہن دینی احساس و شعور اور ہلکی جیت رکھنے والے افراد کا تھا جنہیں تیار کرنے اور جن کی ذہن سازی میں اہل دروازہ اور فکر مند علماء کا بہت کچھ ہاتھ تھا، لیکن ایسے علماء کی تعداد بہت کم تھی اور ہے جو مغربی تہذیب و ثقافت کے کمزور پہلوؤں اور اس کی دکھتی رگوں کو اچھی طرح پہچانتے ہوں اور اسلام کی طرف سے اس کے جواب و دفاع کا فرض بھی خوش اسلوبی اور جدید طرز پر انجام دے سکتے ہوں۔

مقام شکر ہے کہ مولانا سمیع الحق صاحب، علماء کے اسی باشعور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو مغربی تہذیب کے نقائص و عیوب کو جانتے اور ان پر بروقت گرفت کرتے رہتے ہیں۔
 ”اسلام اور عصر حاضر“ کے نام سے انھوں نے اپنی لکھی ہوئی تحریرات یکجا کر دی ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً پیش آنے والے مسائل اور تحریکات کے جواب میں لکھیں۔

اس لیے اس کے موضوعات میں خاصا تنوع ہے اور انھوں نے تہذیب، جدید کے براہ راست یا بالواسطہ پیدا کردہ تقریباً تمام ہی تحریکات و اثرات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔
 میں اپنی نظر کی کمزوری سے کتاب کو جتنے جتنے ہی دیکھ سکا لیکن ایک سرسری جائزے سے بھی مصنف کے دینی مزاج و سلامت ذہن اور اصابت رائے اور شگفتہ طرز تحریر کا اندازہ ہو جاتا ہے اور مصنف کے جذبہ اسلامی اور دینی جوش و ہوش کا اظہار کرتا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مصنف ان متفرق مضامین کے علاوہ اس موضوع پر مستقل تصنیف کی داغ بیل بھی ڈالیں گے۔ بہر حال یہ کتاب بھی ہر اصلاح پسند اور دردمند مسلمان کے ہاتھ میں جانے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی محنت قبول کرے اور ان خیالات کو مقبول عام بنائے۔

ابوالحسن علی ندوی

دارہ شاہ علم اللہ رائے بریلی

۴ شوال ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتاحیہ

بیسویں صدی بڑھاپے کے حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ صدی ملت مسلمہ کے لیے اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک انوکھی آزمائش کا دور ثابت ہوئی، جب کہ یورپ کی مادہ پر تمذیب اور خدا بیزار مغربی تمدن اپنی پوری توانائیوں اور بھرپور منصوبوں کے ساتھ عالم اسلام پر حملہ آور ہوا اور جہاں بھی اسے قدم جمانے کا موقع ملا، تمدن و معاشرت، اخلاق و تمذیب سیاست و معیشت، تعلیم و تربیت، غرض زندگی کے ہر میدان میں اس نے قدیم و جدید اقدار میں معرکہ برپا کر دیا۔ مسلمانوں کو مغربیت کے اس فتنہ عیاں سے بڑھ کر کسی فتنے کا سامنا کرنا نہیں تھا، اس لیے خدا کے سچے آخری پیغام کے علمبردار نبی الرحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند کریم نے خود بار بار اس فتنے کے علمبردار اقوام یہود و نصاریٰ کی فتنہ سامانیوں سے اُمت کو مختلف پیرایوں میں متنبہ کیا۔ بہ جو قہ نمازوں کی ہر رکعت میں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی شکل میں ان اقوام کے طرز حیات سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی، مگر جب مغربیت کا فتنہ عالم اسلام پر پوری طرح چھا گیا، تو اس کی ظاہری اور مادی شان و شوکت، حکومت و اقتدار کی جاذبیت اور اخلاق و تمذیب سے آزاد فلسفہ حیات نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کے دل و دماغ کو بھی پابند طوق غلامی کر دیا۔ ذہن و فکر کی یہ غلامی اتنی سخت جان ثابت ہوئی کہ مغربی حکومتوں کا ممالک اسلامیہ سے بوریا بستر سمیٹ دینے کے بعد بھی یہ سرطان کی طرح ان لوگوں کے قلب و دماغ میں جڑیں راسخ کر گئی اور یہ لوگ انسانی دور ارتقاء کے اس قدیم جاہلیت اور تمذیب نما حیوانی تمدن کے اس نئے ظہور کو تہجد و ترقی سمجھتے رہے اور مذہب کی اخلاقی سچائیوں اور تمذیبی صداقتوں اور بے مثال روایات کو اس کے قدموں پر نثار کرتے رہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مغرب کا جدید دور صنعتی، سائنسی اور مادی ترقی و عروج کے لحاظ سے عالم انسانیت کے لیے ایک انقلابی دور ثابت ہوا مگر یہ تہذیب اپنے جلو میں خدا فراموشی اور مادہ پرستی اور اس پر مبنی ہزاروں تمدنی، اخلاقی اور تہذیبی قباحتوں کا سیلاب بھی لیے ہوئے تھا، جو اپنی راہ میں حامل ہونے والی مذہب اور انسانیت کی ہر چھٹی بات کو بہانا چاہتا تھا، اب عالم اسلام کے لیے اعتدال مصلحت پسینی حقیقت پسندی اور عاقبت اندیشی کا راستہ یہی تھا کہ اس سیلاب کو روکنے کے بجائے (جو اس کے بس کی بات نہ تھی) اس کے آگے ایسے ڈیم بنالیتا اور خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی چھلنی رکھ دیتا جو اس مفید ثمرات و نتائج سے استفادہ کا تو ذریعہ بنتا، صنعتی اور سائنسی علمی اور تمدنی ترقیات سے بھرپور فائدہ اٹھاتا، اس لیے کہ صنعت و سائنس تو مشرق کی میراث ہے اور نہ اس پر مغرب کی اجارہ داری ہے مگر اس تمدن اور معاشرت میں مذہب و اخلاق، حیا اور شرافت سے عاری نظام میں جو خرابیاں تھیں اس سے مکمل طور پر بچا رہتا، اس کے لیے مومنانہ دماغ، مدبرانہ صلاحیتوں اور معتدلانہ منصوبوں کی ضرورت تھی اور نہایت باریک بینی اور دور اندیشی کی بھی، اس لیے کہ مغربی تمدن کی بھلائی اور بُرائی، خیر و شر اٹھ و نفع کا باہمی اختلاط اتنا شدید تھا کہ گویا یخرج من بین حنث و دم لنا حلالاً سائناً للشر بین جیسی صورت پیدا ہو گئی تھی، مگر افسوس کہ مسلمانوں میں اس فتنہ ضالہ (مغربیت) کا سامنا کرنے میں کسی نے تو نہایت افراط سے کام لیا کہ ایمان یقین اور اخلاق و صداقت کی ہر متاع مغربی تمدن کی رعنائیوں اور ظاہری آب و تاب پر قربان کر دی، یہ ہمارے ہاں کا نتیجہ دلپسند اور مغرب زدہ طبقہ تھا، جو اگر سوچتا تو اپنی کے دماغ سے، بولتا تو اپنی کی زبان سے، لکھتا تو اپنی کے قلم سے۔ اس طبقہ نے برصغیر کی غلامی کے بعد یورپ کی ہر لے میں لے ملائی، مذہب اور اخلاق کا مذاق اڑانے میں یہ اپنے آقاؤں سے بھی آگے رہے۔ مغربی تقلید میں یہ لوگ مذہب کو فرد کا نجی معاملہ سمجھنے لگے، اخلاقی اور معاشرتی بندشوں کو مرد و عورت کے طبقاتی تفاوت اور عورت پر ظلم سے موسوم کیا گیا۔ سیاست میں مسیحیادگی کو مقتدا

بنایا گیا، فحاشی اور بے حیائی کے تمام مظاہر کو تفریح اور آرٹ و ثقافت کی شکل دی گئی، دستور اور آئین کو مغربی جمہوریت اور سوشلزم کے سانچوں میں ڈھالا گیا، معاملات اور معاشیات کو خود غرضی جذبہ منفعت، استحصال، مساوات کے نام پر ظالمانہ غصب و منہب کے خراد پر چڑھایا گیا اور دوسری طرف اسلامی شعائر و اقدار، عقائد اور تعلیمات کو سامان استہوار بنا کر ان پر کبھی لبرل ازم کی آری چلائی گئی اور کبھی تحقیق و ریسرچ کی قینچی اور کبھی استشراق کا تیشہ لے کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہا۔ مغربی تہذیب کی علیحدہ ریہ بیسویں صدی اپنے پہلو میں ایک طرف تو خدا و رسول سے بغاوت مذہبی قدروں سے مذاق کا سلوگن لے کر اٹھی، دوسری طرف مسلمانوں کی تدبیر منزل اور تہذیب و اخلاق اور مساوات مرد و زن اور آزادی نسواں کی شکل میں دھاوا بول دیا گیا، جس کے نتیجے میں عالمی نظام درہم برہم کرنے کی سعی کی گئی، بے پردگی، عالمی قوانین، تعدد ازدواج پر پابندی خاندانی منصفیہ بندی جیسے دسیوں مسائل کھڑے کر دیئے گئے، آرٹ اور ثقافت کے نام سے نظام عفت و عصمت پر شجرِ مارا گیا، علم و تحقیق کے نام پر ماڈرن ازم اور سجدہ کے ادارے قائم ہو گئے پھر مسلمانوں کی فکری یگانگت اور اتحاد عقیدہ کا شیرازہ منتشر کر دینے کے لیے کچھ تو فائدہ دیا نیت وغیرہ کی صورت میں نئے نئے فتنے برپا کئے گئے اور کچھ پرائے فتنوں اور فرق باطلہ کو نئی قوت اور طاقت فراہم کی گئی، فتنہ رفض، انکار صحابہ، اسلام سے بغاوت، فتنہ انکار حدیث، بہتیت وغیرہ کو نئے سرے سے منظم کیا گیا۔ دین کے حقائق اور مقاصد کو رسومات سے بدلنے کی سعی کی گئی اور اہل روح کے بجائے نامی لغو اور پُر فریب مظاہروں پر قناعت کی گئی۔ الغرض سیاست اور نظام حکومت میں مغربی جمہوریت کی تقلید نے اسلام کے نظام حکمرانی و جانبانی کو نگاہوں سے مستور کر دیا۔ ان سب چیزوں کا مختلف پیرایوں میں اس صدی میں مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا اور اسکے دفاع ترویج و فروغ اور پُر زور دکالت میں دہی لوگ پیش پیش رہے جو رنگ و جسم سے تو عالم اسلام اور شرق سے تعلق رکھتے تھے، مگر قلب و دماغ اور فکر و نظر کے لحاظ سے مکمل غلام۔

دوسری طرف کچھ لوگوں نے تفریط سے کام لے کر اور مغرب کی عادت کے ایمانی جذبہ
 میں مغلوب ہو کر یورپ سے آمدہ ہر صنعتی اور سائنسی ترقی، تمدنی پیش رفت اور مادی عروج سے آنکھیں
 بند کرنی چاہیں اور عالم اسلام کی سرحدات پر پھرے بٹھانے چاہے کہ اس طبقے کی نگاہ میں اس کی
 اچھائیاں بڑائیوں سے بہت کم تھیں، تفریط کا یہ رستہ بھی اعتدال کا نہیں تھا کہ جس سلاک کے سامنے
 بند باندھنا ممکن نہ تھا، اس کا رخ کارآمد منصوبوں کی طرف موڑنا چاہتے تھے۔ بہر حال جب اس
 صدی کے پیدا کردہ فتنوں مفاسد اور مسائل نے عالم اسلام کو ایک نازک موڑ پر کھڑا کر دیا تو دینی حمیت
 اور ایمانی حرارت سے لبریز اذہان و قلوب نے مختلف طریقوں سے اپنی اپنی صوابدید پر علاج تجویز
 کیا، کسی نے علم و تحقیق کے میدان میں بھرپور تعاقب کیا، کسی نے جہاد و سیاست کے ذریعہ اس کا
 استیصال کرنا چاہا، کسی نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ، ایمان و اسلام کی حفاظت کا کام سنبھالا اللہ
 تعالیٰ سب کو اپنے حسن عمل اور اخلاص کے مطابق صلہ دے گا۔

اس نو وارد نے نا تجربہ کاری کم علمی اور ہر طرح کی بے بضاعتی کے باوجود جب تحریر و
 صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو وطن عزیز مغرب کی پیدا کردہ ارباب و تذبذب کے اسی غیر
 یقینی دور سے گزر رہا تھا اور ملک کی باگ ڈور انہی ہاتھوں میں تھی، جو عقل و فکر تمدن اور تہذیب ہر لحاظ
 سے غلامی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے، یہی ملک کے ارباب حل و عقد تھے اور یہی تمدن و سیاست
 و شعور و معیشت پر اثر انداز ہونے والی قوت اس لیے قدرتی طور پر زیادہ تر انہی حالات اور مسائل کا
 سامنا کرنا پڑا اور مختلف اوقات میں عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل پر اسلام کی روشنی میں کچھ خامہ فرسائی
 کرنی پڑی، محدود علم، محدود بصیرت، مگر ایمانی جذبہ اور حمیت حق کی بنا پر جو کچھ ہو سکا "ماہنامہ"
 الحق کے ذریعے پیش کرتا رہا۔ جسے آج اس مجرّمہ کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر
 رہا ہوں۔

اسلام اور عصر حاضر ایک ایسا ہمہ گیر اور عالمگیر موضوع ہے جس کا حق ادا کرنا

نہ تو کسی ایک فرد کے بس میں ہے اور نہ آسان۔ اور پھر مجھ جیسے؛ کم سواد طالب العلم کے لیے تو اتنے اہم موضوع کا نام لینا بھی شرم کی بات ہے۔ اس لیے اس کتاب میں موضوع سے متعلق مباحث کے تمام گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی نہ تو اُمید کی جاسکتی ہے اور نہ ایک حقیر طالب العلم سے اس کی توقع۔ اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ کوئی مربوط اور مستقل تصنیف نہیں کہ اس میں تصنیفی محاسن تلاش کیے جائیں بلکہ ان خیالات اور تاثرات کا مجموعہ ہے جو پچھلے دس سال میں وقتی طور پر کوئی مسئلہ سامنے آجانے کی شکل میں سپرد قلم کئے گئے، ایک طرح اسے رواں اور سرسری تبصرہ کہنے کے لکھنے والے نے تحقیق و تیسرچ اور تصنیف و تالیف کی حیثیت سے نہیں بلکہ کسی مسئلے پر اپنے محاضرات کے جذبات برانگیختہ کر دینے یا ان کے فکر کا رخ موڑ دینے کے لیے لکھے انھیں ایک قسم کے واعیانہ مضامین کہیے جس میں خطاب سے بھی کام لے لیا جاتا ہے، مگر تحقیق و استقصا اور مباحث کے تمام پہلوؤں کا احاطہ مقصود نہیں ہوتا، پھر لکھے گئے بھی تو اکثر ایسے حالات میں کہ پرچہ تکمیل ہے دو ایک صفحات کے ادارے کے لیے کام رکھا ہوا ہے۔ ایسے میں شٹم پشٹم قلم اٹھا کر روادری میں کچھ لکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ نہ لکھنے والے کے سامنے کوئی تصنیف اور مقالہ، نہ یہ وہم و گمان کہ آگے چل کر یہ چیز کتابی شکل اختیار کرے گی۔ نہ وہ اپنے آپ کو اس کام اور مقام کا اہل پاتا ہے، پھر ایک ایسا شخص جس کی مادری زبان اردو نہیں، علم سے تہی دامن ہونے کے علاوہ وہ اردو ادب و صحافت کے کوچوں سے بھی قطعی نااہل ہے، نہ اسے اردو کے مجالس علم و ادب کی صحیفیں میسر ہوتی ہیں محض ایک سوز دروں اور احتیاق حق کے دلولہ سے تسلیم اٹھاتا ہے۔ الفاظ کے سچوں میں خود بھی الجھنا نہیں چاہتا کہ الفاظ کی درست تذکیر تانیث، اعراب اور گرامر کے قواعد کی بندشیں مطالب و مقاصد، احساسات و جذبات کے مقابلے میں اسے ثانوی معلوم ہوتی ہیں، اس لیے وہ اپنی لفظی اغلاط سے بھی غفود و درگزر کا طلب گار ہے۔ اور اگر سررہبات کتاب سے کسی فرد یا کسی جماعت کی نادانستہ دلازاری اور دل شکنی ہو سکتی ہے تو اس کے لیے بھی عفو و صغح اور تسامح کا سزاوار ہے کہ اس کے جان بوجھ کر، کسی طبع اور خوف کی وجہ سے یا ذاتی رجحانات

کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، مقصود ایسے مواقع پر محض رضائے الہی کی بنا پر کلمہ حق کا اظہار تھا، اس میں علم و فہم کی غلطی ہو سکتی ہے، مگر قصد و ارادہ بہر حال اصلاح ہی رہا۔ واللہ علیم بذات الصدور

یہ کتاب مؤتمر المصنفین کی دوسری پیش کش ہے۔ اس کی پہلی پیش کش ”وہوات حق“ کو خدائے جس مقبولیت سے نوازا اور قومی پریس، اصحاب علم و فضل نے جس طرح اس کا خیر مقدم کیا، یہ محض خداوند کریم کے فضل و کرم کا کرشمہ تھا، اسی ذات رحیم و کریم کی عنایتوں اور رحمتوں سے امید ہے کہ اس حقیر کاوش کو بھی مسلمانوں کے لیے بالخصوص نئے تعلیمیافتہ طبقے اور نوجوان نسل کے لیے کسی طرح کارآمد بنادے۔ واللہ التوفیق و بہو خیر و فیک

چشمہ فیض سے اگر ایک اشارہ ہو جائے
لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

سمیع الحق

مؤتمر المصنفین

دارالمصنفین

۲۴ شعبان ۱۴۳۹ھ / ۱۹ اگست ۱۹۶۶ء

مؤتمر المصنفین کی پہلی پیش کش

انادات وارشارات

شیخ الحدیث مولانا

عبدالحق صاحب

دعوات حق (جلد اول)

تالیف و ترتیب

مولانا سمیع الحق

قومے پر پیسے کے تبصروں کے اقتباسات

”چٹان“ لاہور، جون ۱۹۶۶ء

اسلامی مسائل پر اگرچہ صدیوں سے بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے اور عصر حاضر میں بھی، لیکن مولانا عبدالحق کا انداز منفرد و یگانہ ہے وہ عوام سے عوام کی زبان میں نہایت دلنشین انداز میں بات کرتے ہیں، انکی باتیں دل میں ترزو ہوتی جاتی ہیں اور دینی مرقف سمجھ میں آجاتا ہے۔

”خدام الدین“ لاہور، ۱۴ مئی ۱۹۶۶ء

یہ کتاب ملت کے ہاتھوں اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ باید و شاید مختلف عنوانات سے اتنا کچھ ملجکا کہ آپ کئی ضخیم کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

”سیارہ ڈائجسٹ“ لاہور، جون ۱۹۶۶ء

”دعوات حق“ ایک بڑے عالم اور بڑے انسان کے خیالات و افکار کا مجموعہ، دینی کتب میں ایک اہم اضافہ، اُن تمام موضوعات پر اسلام کی روشنی میں خیالات کا اظہار جو نہ صرف مذہب کی بنیادی روح بلکہ انسانی بہبود سے گہرا واسطہ رکھنے والے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔

”مشرق“ لاہور، ۱۶ اپریل ۱۹۶۶ء

زندگی کے روزمرہ مسائل کے بارے میں قرآن و سنت کے احکام و نیشیں پیرائے ہیں۔ واعظوں، خطیبوں، مبلغین کے علاوہ عام آدمی بھی اس کتاب کے احکام و دین کو عملی زندگی میں برتنے کا لالہ ہے، مدلل ہے، بارہ ابواب، اہم موضوعات، پانچ سو سے زائد عنوانات کے تحت مضامین بیان۔

”البلاغ“ کراچی رجب ۱۹۶۶ء

اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو دلوں پر اثر انداز ہونے کی خاص توفیق عطا فرمائی ہے انکے موعظ اس
قلب میں سوز و گداز ایمان میں بختگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں دین کی تعلیمات و ہدایات اور ان کے سرور
حکم ملتے ہیں۔ ان خطبات میں زمانہ حاضرہ کے بہت سے مسائل پر بڑے بصیرت افروز، جاندار
تبصرے ہیں۔ کتاب تمام مسلمانوں کے لیے نہایت مفید اور ائمہ و خطباء کیلئے بہترین رہنما ہے۔

”المعارف“ لاہور جون ۱۹۶۶ء

مولانا کا سلسلہ فیض عالم شباب پر ہے یہ کتاب نصیحت آموز اور بہترین تذکار و موعظت کا
دلائل مجموعہ نہایت سلیقہ سے بھرے ہوئے جو اہر پارے پیش کیے گئے ہیں عبادات و
معاملات وغیرہ سب چیزیں بڑی اچھی ترتیب کے ساتھ۔

”فیض الاسلام“ راولپنڈی جولائی ۱۹۶۶ء

اصلاح معاشرہ اور تزکیہ نفس کے سلسلہ میں یقیناً ایک عمدہ، قابل قدر اور قابل مطالعہ۔

”قومی زبان“ کراچی جون ۱۹۶۶ء

اسلامی افکار و تعلیمات کا ایسا خزینہ جسکی مثال موجودہ دور میں اردو زبان میں نظر نہیں
آتی۔ اتادیت کا حلقہ اور فیضان عام مسلمانوں سے لے کر طلبہ، اساتذہ، ائمہ مساجد، خطباء
علماء و معلمین امت، ارباب سیاست و حکومت تک پھیلا ہوا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث
کے قلب کے سوز و ملّت کی درو مندی، اصلاح امت کے جوش و ولولہ مزاج و مسلک کے
اعتدال نے اس مجموعہ کو اور بھی پُر تاثیر بنا دیا ہے۔

صفحات پورے سات سو اعلیٰ جلد آفسٹ طباعت قیمت ۳۰ روپے

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ کوڑہ خٹک (پشاور) پاکستان

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۹	دیگر مذاہب مادہ پرستانہ تخیل کی گرفت میں	۳	پیش لفظ
۴۰	کیا مذہب فرد کا نجی معاملہ ہے	۱۱	فہرست
۴۰	مادی نظریات کا مقابلہ صرف اسلام سے ہے		
۴۱	حیرت کا چوراما		
۴۲	مذہب کی اہمیت کا احساس		باب
۴۳	مذہب اور سیاست کی تفریق		
۴۴	استحصال اور مادہ پرستی کا انجام	۲۵	بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب
۴۷	دولت و ثروت کی بے وفائی		اور عالم اسلام پر اس کے اثرات
۴۸	اطمینان سے کھوکھلی تہذیب	۲۹	خلافت اور فضیلتِ انسانی کی وجہ
۴۸	رنگ و نسل کے جھگڑے	۲۹	مقصدِ تخیل
۵۱	برطانوی دارالعوام کی قرارداد	۳۰	اطمینان کا نقطہ عروج اور اسلامی معاشرہ
۵۳	اقوام متحدہ	۳۱	مغرب کی خدا بیزار تہذیب
۵۴	انسانیت کے دو دشمن	۳۱	نعرہ انا الحيوان کے تباہ کن نتائج
۵۵	سامراج کا جنازہ	۳۲	صنعتی انقلاب
۵۶	چین کے لئے سلامتی کا راستہ	۳۲	غیر فطری سامراج کا غیر فطری ردِ عمل
	باب ۲	۳۲	مذہب اور اخلاق سے جنگ
		۳۳	معاشی اور معاشرتی مسائل کا اصل حل
۵۷	عالم اسلام مغربیت کی زد میں	۳۴	مادہ پرستیوں کا داویلا
۵۸	جشنِ شہنشاہیت یا احیاءِ جاہلیت	۳۵	بادِ عبا ایں ہمہ آوردہ تست
۵۹	مسئلے کا اصل رخ	۳۶	خدا بیزار تہذیب پر مگر مجھ کے آنسو
۵۹	تحسین عہدِ جاہلیت اور اسلام	۳۶	نئے دور کا چیلنج
۶۰	ایران کی شبِ دیوگر	۳۷	ہیب روحانی خلا کے کرشمے
		۳۹	مذہب اور انسانی زندگی کا باہمی تعلق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب ۳	۶۰	مزدکیت، زردشت
		۶۱	مانویت
		۶۱	بعثت بنوی اور بلوک فارس کا رد عمل
۸۵	عورتوں کے حقوق بے پردگی اور آزادی کا مسئلہ	۶۲	چراغ مصطفوی اور فارس کے بوجی شرارے
		۶۳	اسلام جہنوں کا روادار نہیں
۸۷	بے پردگی اور آزادی نسواں کی تحریک	۶۳	قابلِ فخر اسلاف کون ؟
۸۷	مساوات مرد و زن کا فتنہ مغرب	۶۳	جاہلیت لائقِ اعتناء نہیں
۸۷	بے حیائی کا عروج	۶۴	حسین کے شیدائی مگر شہنشاہیت کا جشن
۸۸	اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق	۶۵	خلافت اور سوشلزم کے دعویٰ داروں کا گوارا
۸۹	ظہور اسلام سے قبل	۶۶	تاریخ اور منظر پرستی کی سنگین گرفت
۸۹	جاہلی اقوام کے نظریات	۶۷	مادہ پرست اسلامی حکومتوں کا فلسفہ حیات
۹۰	عورت پر اسلام کے احسانات	۶۸	دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی وجہ
۹۰	دینی و نبوی اجتماعی معاشرتی حقوق کا تحفظ	۶۹	منافقانہ روش
۹۲	عورت کی عصمت و آبرو کا احترام	۶۹	تبلیس حق و باطل سے برتری پر پھر
۹۳	آزادی نسواں یا تبرج جاہلیت	۷۰	ثقافت کے نام پر مخاشی
۹۳	آزادی نہیں غلامی کی دعوت	۷۲	ثقافتی طائفوں کی یلغار
۹۴	اسلام کا نظام عفت و عصمت	۷۴	ہاکس بے کے ساحل پر قومی شرافت کا جنازہ
۹۴	پردہ کے احکام	۷۵	اونچی سوسائٹی کی گھناؤنی تصویر
۹۵	جلباب	۷۶	دشمنی صرف استعمار سے نہیں لادینی نظام بھی
۹۵	آیتِ حجاب	۷۶	صوبالیہ کا شرمناک واقعہ
۹۶	حامیانِ بے پردگی کی منہ پھڑکی	۸۰	فلموں کے ذریعہ دین سے تلاءب
۹۶	ستر اور حجاب میں فرق	۸۲	نبی کریمؐ کے نام پر فلم
۹۷	بات چیت میں احتیاطی تدابیر	۸۳	تبلیغ کے نام پر مذاق
۹۷	مخصوص حالات میں باہر نکلنے کی اجازت	۸۴	ایسی فلم رابطہ کی نظر میں
۹۸	خروج کی شرائط اور قیودات		✽
۱۰۰	صرف علمی، عملی، نہیں تصوراتی تحدیدات		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۲۰	اخلاقی اور سماجی پہلو	۱۰۱	کیا پردہ محسوس ہے یا نہیں؟
۱۲۳	بے حیائی کی دعوت	۱۰۱	مرد اور عورت کا دائرہ کار
۱۲۴	سلاطین کی ممانعت حرام کی کفالت	۱۰۲	گھروں میں بیٹھنا قید ہے یا راحت
۱۲۵	مذہب عالم کا اجماع	۱۰۲	بے پردگی خرابی صحت کا باعث
۱۲۶	اسلام سے لا تعلقی	۱۰۳	نظر بازی انتشار و فساد کا ذریعہ
۱۲۷	اسباب حیات و موت میں تلبیس	۱۰۳	تعلیم اور بے پردگی
۱۲۸	ارزاق کا کفیل	۱۰۴	ماڈرن سینے کے شوقین
۱۲۹	عذاب کی شکل میں قدرتی منصوبہ بندی	۱۰۵	عصمت و غیرت کا نذرانہ
	باب	۱۰۵	عورتیں سیاسی سیٹج پر
		۱۰۶	عورتوں کے جلوس
		۱۰۷	تجدد پسند خواتین اور شاہ فیصلؒ
۱۳۱	عالم اسلام میں تجدد (ماڈرن ازم) کی تحریک ریسرچ و تحقیق اور فتنہ استشرق	۱۰۷	افغانستان اور مغربیت
		۱۰۸	عالم اسلام کی تین تصویریں
۱۳۳	اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام	۱۱۰	عالمی قوانین
۱۳۴	دین کی غربت کا عبرتناک دور	۱۱۲	تعدد از دو ارجح کی افادیت
۱۳۵	منصب اجتہاد	۱۱۳	پرنسپل لاء اور سیکورسٹیٹ
۱۳۶	سلف کی بے حرمتی		باب
۱۳۶	صحابہ کی بے وقعتی		
۱۳۶	شان رسالت پر دست درازمی		
۱۳۷	ردشہ خیالی اور دین سے مذاق	۱۱۵	خانہ دانی منصوبہ بندی (برقہ کنٹرول) خطرات - محرکات - نتائج
۱۳۷	نبوت اور اخبار غیب سے انکار		
۱۳۷	معجزات سے استہزاء	۱۱۷	خطرات و نتائج
۱۳۸	اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ)	۱۱۸	قومی خودکشی
۱۳۹	اکبر کی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے	۱۱۸	افراد قوت اور یورپ
۱۳۹	تاریخ کی تطہیر	۱۱۹	سیاسی اور دفاعی ضرورت
۱۴۰	اکبر کی رواداری کا نتیجہ	۱۱۹	تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۰	ماڈرن علمی تحقیقاتی اداروں کا	۱۴۰	فرنگی ثقافت اور کلچر
۱۵۰	اسلاف کے کام سے موازنہ	۱۴۰	سیاست یا اتحاد
۱۵۰	بے سرو سامان اسلاف کے	۱۴۱	ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام
۱۵۲	محیر العقول کارنامے	۱۴۱	حلف و فاداری، تنخے
۱۵۲	نبی امی کے شانِ اعجازی کے کرشمے	۱۴۱	اکبری عقائد و عبادات
۱۵۲	طے شدہ مسائل پر کلوکیم اور کانفرنسیں	۱۴۲	ریس کورس اور تعدادی قرضے
۱۵۳	تجدد اور لاومینیت کی خاطر	۱۴۳	محکمہ آبکاری، جامِ صحت، شیو
۱۵۴	اسلامی تحقیقات اور فاؤنڈیشن	۱۴۳	عسلِ جنابت منسوخ
۱۵۶	تجدد اور اصلاح کے نعروں کی حقیقت	۱۴۳	عالمی قوانین کی اصلاح
۱۵۶	عالمِ اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ	۱۴۴	آزادی نسواں
۱۵۶	مغرب اور معتدلانہ راستہ	۱۴۴	مخلوط کلب اور فحاشی
۱۵۶	علمبردارانِ تجدد کے اصل عزائم	۱۴۴	دیگر اصلاحات
۱۵۸	آوازہ تجدید یا تقلید فرنگ	۱۴۵	خفتہ پر پابندی
۱۵۸	علماء اور مسلمانوں کی تشویش	۱۴۵	مگ پرست تہذیب
۱۵۸	عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام	۱۴۵	ذبیحہ کا وپر پابندی
۱۵۹	مغربی برائیاں تقاضا نہیں کہلا سکتیں	۱۴۵	علماء اور مدارس پر دست درازی
۱۵۹	اسلام کا جمود اور تصلب	۱۴۶	عربی سے دشمنی
۱۶۰	ریسرچ کا اصل ہدف	۱۴۶	اسلامی علوم کی کس میرسی
۱۶۱	خدشات کی تائید	۱۴۶	دینی اداروں پر پابندیاں
۱۶۲	ڈاکٹر فضل الرحمن کے لمحہ آنہ خیالات	۱۴۶	محکمہ قضاء کا خاتمہ
۱۶۵	قصر اسلام میں شگاف کی سعی —	۱۴۷	رویت ہلالِ کمیٹی
"	کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے ؟	۱۴۷	ادقاف سرکاری تحویل میں
"	ملت کی حفاظت کیلئے حضور اور صحابہ کی قربانیاں	۱۴۷	مجدد الف ثانی کی شکل میں رحمتِ حق کا ظہور
۱۶۶	قصر اسلام کے ارکانِ خمسہ	۱۴۸	دین کی بے کسی کا ماتم
۱۶۶	ارکان کا باہمی ربط و تعلق	۱۴۸	شاہ ولی اللہ کا تبصرہ
	کسی رکن سے انکار یا تبدیلی کفر	۱۴۸	اکبر کا آرٹیکل پیش کرنے والے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۹۳	اکتشافات کا عہد	۱۶۹	منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیقی
۱۹۴	مذہب اور سائنس کے حدود کار	۱۷۰	مانعین زکوٰۃ بھی اسے ٹیکس سمجھ رہے تھے
"	فطری تجسس	۱۷۱	مقادیر و مصارف میں قطع برید
۱۹۵	سائنس کی در ماندگی کے اعترافات	"	اسلامی ریاست کے مدات آمدنی
"	کائنات کی حقیقت اور سائنسدانوں کا	۱۷۳	جاہلی نظریات کی جدید تعبیر
۱۹۶	اعترافِ عجز	"	خفیت یا مہانت اور نتائج
۱۹۸	اقلیم مذہب کے حدود اور وسعتیں	۱۷۴	نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت
"	تسخیر کائنات میں مذہب کی رہنمائی	۱۷۵	ملت مسلمہ کا فریضہ
۱۹۹	دعویٰ اسلام کی تائید	"	دل آزار کتاب اور حکومت
۲۰۰	رسول کریم اور عروج و پرواز	۱۷۷	شاگرد کو استاد کی شاباش
"	تسخیر مخلوقات اور معرفت خالق	۱۷۸	اہل تجدید کے لادینی جھٹکے
۲۰۱	تسخیر و اکتشاف اور قرآن	۱۷۹	قربانی کے بجائے قیمت
۲۰۳	نعمتِ تسخیر کا حق اور تقاضا	۱۸۰	مشاورتی کونسل اور قانون وراثت و ازداد
۲۰۴	چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف	۱۸۱	دیگراں رانصیحت
"	طبیعیاتی علوم میں امام غزالی کی اصولی بات	۱۸۲	شان رسالت اور تشریفین
"	حسن و قبح کا دار و مدار مقاصد اور استعمال	۱۸۴	برطانیہ کا اسلامی جشن
۲۰۶	پر ہے۔	۱۸۵	تشریفین کے نئے حربے
۲۰۷	ایجاد و اختراع اور برباد فی عالم	۱۸۷	ماڈرن ازم یا باطنیت
۲۰۸	تہذیبِ جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں	۱۸۸	قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت
۲۱۰	چاند اور ستاروں کی تسخیر	۱۸۹	قاہرہ سے متجددین پر طمانچہ
"	فطرت انسانی کے تجسس کا جواب	۱۹۰	مغرب زدہ طبقہ کا سہارا
"	لامحدود کائنات اور سائنسی اعترافات		باب
۲۱۲	عالمِ غیب		اسلام اور سائنس
"	کائنات اور تسخیر کائنات		عصر حاضر کے خلائی اور تسخیری کارنامے
۲۱۳	مذہب اور سائنس کی سرحدات اور سرچشے	۱۹۱	
۲۱۴	سائنس و مذہب میں تصادم نہیں	۱۹۳	اسلام اور عصر حاضر کے سائنسی کارنامے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳۹	عبادات	۲۱۵	خدا کی تعلیمات کا اصل موضوع
۲۴۰	معاشرتی معاملات	۲۱۶	راہ اعتدال
۲۴۱	اسلامی اصطلاحات اور شعائر	۲۱۶	اسلام کا موقف
۲۴۱	مسلمان اور کفر گو ہونے کی حقیقت	۲۱۶	نظام فلکی اور ائمہ سلف
۲۴۳	ائمیں انبیاء سے بنتی ہیں۔	۲۱۸	آسمانوں کا وجود
۲۴۵	بھڑپور تعاقب کی ضرورت	۲۱۸	اسلام نے مادی سائنسی ترقیات سے نہیں روکا
۲۴۷	جمیٹہ نیپ حکومت سبقت کرے۔	۲۱۹	مسلمانوں کے تحلف کے اصل ذمہ دار
۲۴۹	خدا کے گھر میں ایمان کے ڈاکو	۲۱۹	تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج
۲۵۱	تقدیس عربین کا تقاضا	۲۲۰	سائنس یا سامانِ ہلاکت
۲۵۲	بیرون ملک تعاقب	۲۲۱	پستی اور بلندی
۲۵۳	ہنگامہ دیش اور قادیانی	۲۲۲	برٹریٹڈ رسل کا معنی خیز مشورہ
۲۵۴	مکسیرین جہاد اور دفاع	۲۲۳	انسانیت دشمنوں کی کمندیں ستاروں پر
۲۵۵	ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ	۲۲۳	دل کا اپریشن
۲۵۶	حملہ کے بعد عدالت میں بیان	۲۲۳	بے نور دلوں کا علاج
۲۵۹	دوسرے ربوہ کا منصوبہ	۲۲۵	انسانیت کو خودکشی سے بچائیے
۲۶۱	مرزائی مسجد میں دولتانہ کا تجدد و وفا	۲۲۶	مسخ باطنی کے بعد مسخ جسمانی
۲۶۲	مرزا ناصر کے منصوبے	۲۲۶	انسان نما حیوانوں میں حیوانات کا دل
۲۶۳	تحریریں سرگرمیاں	۲۲۷	اخبار عجیب اور معجزات کی تائید
۲۶۳	گرمائی ربوہ	۲۲۸	غیر انسانی اور غیر اخلاقی
۲۶۵	قادیانیت اور مکہ معظمہ کی اجمالی قرارداد		باب
۲۶۹	رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد کا عربی متن	۲۲۹	فرق باطلہ کا تعاقب علمی و دینی فتنے
۲۷۱	سرحد اسمبلی کی قابل تحسین قرارداد	۲۳۱	قادیانیت ایک شجرہ خبیثہ
۲۷۲	قومی اسمبلی اور آئین میں مسلمان کی تعریف	۲۳۶	مطالبہ اقلیت کا ایک سرسری جائزہ
۲۷۸	قومی اسمبلی اور قادیانیت	۲۳۸	آزاد کشمیر کی قرارداد
۲۸۲	۴ ستمبر کا تاریخی اور اسلامی فیصلہ		ہر شعبہ دین و دنیا میں علیحدگی کا اعلان
۲۸۳	ختم نبوت کا منطقی مطالبہ		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۱۲	سنت اور عصر حاضر کے جاہلانہ تصورات	۲۸۴	۱۴ اگست نہیں بلکہ ۱ ستمبر
۳۱۳	مشرقین اور تہجد زدہ طبقہ	۲۸۵	اسے اقوام عالم مرکز ثقل سے وابستہ ہو جاؤ
۳۱۳	سنت اور حدیث کے بارہ میں منافقانہ کردار	۲۸۶	قومی اسمبلی کے اقلیتی فیصلہ پر نذرانہ عقیدت
۳۱۳	نظریۂ سنت جاریہ و غیر جاریہ	۲۸۹	مرزائیت اور آئین کی قرین
۳۱۵	پروری نظریہ سے مہلک	"	قادیانی فیصلہ کے عملی تقاضے
۳۱۵	آزاد اجتماع اور شخصی رائے	۲۹۳	پاکستان اور ابو طہی کے مبارک اقدامات
۳۱۶	عوام کو فیصلہ کرنے کا حق	۲۹۴	رابطہ اور اعتدالی تدبیر اختیار کرنے کی اپیل
	جمہوریت کے نام پر اجتماع وغیرہ کے بارہ	"	رابطہ کی اہم قرار دادیں
۳۱۶	میں صدر ایوب کے غلط خیالات	"	قادیانیت
۳۱۶	ملائیٹ پاپائیت نہیں	۲۹۵	صیہونیت اور قادیانی
	جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کمان تک	۲۹۶	مرزائیوں کی لاہوری جماعت
۳۱۸	اہمیت ہے	۲۹۶	الجواب
۳۱۸	اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے	۲۹۸	محمد علی لاہوری کے تحریفات قرآنی
۳۱۹	اجتہاد اور اجتماع	۲۹۹	لاہوری جماعت کے اعترافات
"	خلاصہ بحث	۳۰۰	ضروریات دین میں تاویل و تحریف کفر ہے
۳۲۰	خواجہ شہاب الدین کی سادہ لوحی یا گمراہی	۳۰۱	قادیانیوں کا تقیہ
۳۲۱	باب ۹		باب
	فتنہ رخص و انکار صحابہ رضی	۳۰۲	فتنہ انکار حدیث
۳۲۳	فتنہ رخص اور انکار صحابہ رضی		متجددین اور منکرین حدیث کا جاہلانہ تصور سنت
"	تعدیل صحابہ مدار دین ہے	۳۰۳	منکرین حدیث کی بے جا دوکالت
۳۲۴	عظمت صحابہ اور شان عدالت پر حملے	۳۰۵	فتنہ انکار حدیث
۳۲۵	دفاع صحابہ رضی اور ہمارا فرض	۳۰۶	فتنہ اشتراق
۳۲۵	دفاع صحابہ رضی سب مسلمانوں کا فریضہ ہے		انکار حدیث اور انکار ختم نبوت میں باہمی
۳۲۶	اہل الحاد و فتن کی سینہ زدوری	۳۰۷	مماثلت
۳۲۷	نبوت کا ذہب کا پرچار	۳۱۱	رسول کا تشریف منسوب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	باب	۳۲۷	شیعہ معتقدات کا فروغ
		۳۲۸	سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج
۳۲۶	بہائیت	"	سنی کنونشن
۳۲۷	بہائیت	۳۲۹	سنی سوار اعظم پر مزاح زیادتی
"	غیر اسلامی صیہونی فرقہ	۳۳۱	خلفاء ثلاثہ کے بارہ ہیں شرانگیزی
۳۲۸	مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت	"	شیعہ سازشیں
"	بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد	۳۳۲	خلافت راشدہ اور نصاب تعلیم
۳۲۹	استعماری مقاصد کا آلہ کار	۳۳۳	شیعہ نصاب اور افتراق و انتشار کا راستہ
"	اسلامی حکومتوں کا فرض	۳۳۴	سنی اکثریت سے ظالمانہ مذاق
"	فری ملین روٹری اور لائسنز کلب	۳۳۵	قومی یک جہتی پر ضرب کاری
	باب	۳۳۶	نہ ختم ہونے والا سلسلہ
۳۵۱	اسلامی معاشیات	"	وسیع النظری یا ملی بے حسی
	اسلامی اور ایمانی پہلو کی کچھ جھلکیاں	۳۳۷	دیگر مسلم فرقے
۳۵۳	معاشیات کا ایمانی پہلو	۳۳۸	کیا شیعہ اپنے فرقوں کو علیحدگی کا حق دیں گے
۳۵۴	کفرانِ نعمت کا وبال	"	اہل سنت کا مسک حق
۳۵۶	ہولناک سیلاب نوح	۳۳۹	شیعہ معتقدات
۳۵۸	مادی اور معاشی شرک کا انجام	۳۴۰	آگ اور پانی کا نباہ
"	مبغوض اقوام کا مشبہ	"	ہر شعبہ میں علیحدگی کا دروازہ
۳۵۹	عذاب بھی ذریعہ تفریح	۳۴۱	دو قومی نظریہ کا حشر
۳۶۰	شفاعت کی انتہا	"	صحیح طریق کار
"	خیر و برکت کے معنوی اسباب	۳۴۲	اقتصادی لحاظ سے
۳۶۱	سود کے ہولناک نتائج	"	سرد سز کے لحاظ سے
۳۶۲	غیر اسلامی معاشی اصلاحات	۳۴۳	دورنجی پالیسی
"	سوشلزم کے دعویدار مگر سود کی وکالت	"	اہل تشیع کی نا عاقبت اندیشی
۳۶۳	انفرادی اور شخصی ملکیت	۳۴۴	نا قابل عمل فیصلہ
			اخلاقی معتقدات پر مبنی کلمہ اسلام

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۸۳	زمانہ بعثت نبوی	۳۶۱	حکمت عملی کی پالیسی
۳۸۴	رسول اور امت کا رشتہ	۳۶۵	شخصی ملکیت کے شواہد
"	رسول کریم اور امت کے حق کی ادائیگی	۳۶۶	سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصال اور مادیت
۳۸۵	چراغ سے تشبیہ	۳۶۷	مساوات یعنی مساوات استحصال نہیں احتساب
"	انسانیت کا نجات دہندہ	"	سوشلزم گھر گھر کا بھیجی
۳۸۶	امت کی فکر	۳۶۸	سوشلزم عیار لیڈروں کا دام فریب
"	طائف کا واقعہ	"	اسلام اور دیگر معاشی ازم
۳۸۷	عبر و تحمل کے سمندر میں طوفان	۳۶۸	ریشم میں ٹاٹ کا پیوند
۳۸۹	حجۃ الوداع میں امت کا اقرار و اعتراف	۳۷۰	پیٹ اور رزق کا مسئلہ
۳۹۰	ہر طبقہ کے حقوق کا تعین	"	یہ ظالمانہ سرمایہ داری نظام
"	منشور انسانیت	"	باب
۳۹۱	رنگ و نسل کے جھگڑے	"	قرآن حکیم اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
"	مساوات مگر کوئی	۳۷۲	اصل وابستگی اور حقیقی یاد
۳۹۲	حضور کی معاشرتی مساوات	"	نزول قرآن کا حقیقی جشن
"	قانونی مساوات	۳۷۳	قرآن سے انکار مگر جشن میں پیش پیش
۳۹۳	حضور کا اولین حق امت پر	"	قرآن بیزار نصاب تعلیم
۳۹۴	دوسرا حق	۳۷۴	قرآن مجید کا بطور فیشن استعمال
۳۹۵	محبت کا معیار	۳۷۵	مجاہد قرآن یا خدائی عدالت
۳۹۶	صحابہ کا جذبہ اطاعت	۳۷۶	قرآن کا ہر تہائی عاشق
۳۹۸	حضور کی اصل یاد	"	مفضل تلاوت یا خدائی عدالت
۳۹۸	سیرت کی ضرورت اور اہمیت کبھی اتنی نہ تھی	۳۷۸	سیرت کی اہمیت اور جامعیت
۳۹۹	اخلاقی اور معاشرتی بحران	۳۷۹	سیرت کی وسعت اور ہمہ گیر
۴۰۰	کردار کا محاسبہ	"	جامع کامل اور لافانی آسودہ
"	نسخہ شفا کے ورد کی نہیں اشغال کی ضرورت	۳۸۰	قرآن مجسم
۴۰۱	اخلاقی زوال مسلمانوں کا اہم ترین مسئلہ ہے	۳۸۱	ضرورت ثبوت
"	عید میلاد النبی کے نام پر اخلاقی قدروں کی	"	

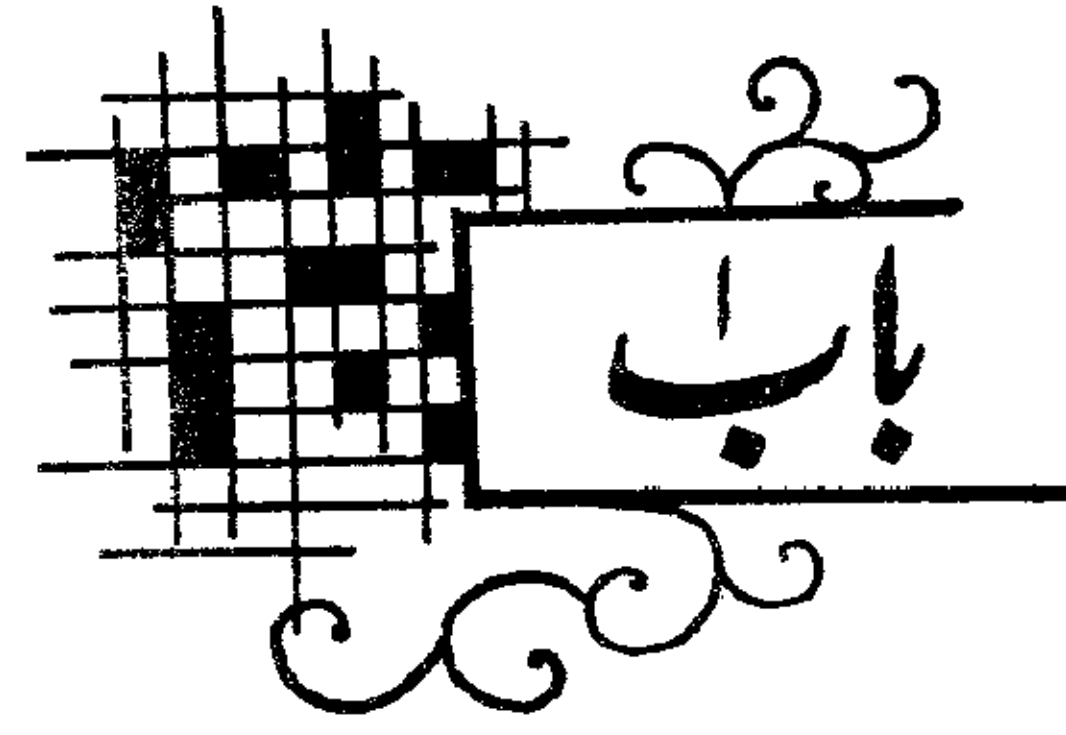
صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۲۴	تشریح نہیں تشریح	۴۰۱	پانامالی
۴۲۶	دور حاضر کے تقاضے	۴۰۲	اخلاقی زوال کے چند پوائے نمونے
"	پچھلے کام سے استفادہ	۴۰۳	ربیع الاول کی رسومات اور بدعات
۴۲۸	مغربی جمہوریت اور آئین سازی	۴۰۴	ذکر رسول اور حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ
۴۲۹	نفاق اور ٹکڑا بگردی	"	باہر چراغاں مگر دل کی دنیا تاریک
"	اسلام اور جماعت و مانعیت	"	محبت یا جوسنا کی
۴۳۳	سوشلزم اور جمہوریت لات و منات	۴۰۵	صاحب سیرت کی تعلیمات سے بغاوت
۴۳۴	تدوین و تشریح کا حق کس کو ہے	"	بدعت کی ہلاکت آفرینیاں
۴۳۵	اسلام کا تصور جمہوریت	۴۰۶	عشق رسول کے نام پر سوداگری
۴۳۶	فقہاء اُمت کا قانونی سرمایہ	"	بین الاقوامی سیرت کا نگرش
۴۳۷	خطرات اور مشکلات	۴۰۹	لندن کا اسلامی جشن یا اسلام کے خلاف
۴۳۸	اختلافات کا اصل دائرہ		گنہگار فی سازش
۴۴۰	اسلامی آئین میں ضروری شرائط	۴۱۰	مسلمانوں کا افسوس ناک طرز عمل
۴۴۲	غیر مسلم اور کلیدی مناصب	۴۱۲	باب ۱۳
۴۴۳	غیر مسلم ارکان		
"	مسلمان کی تعریف		اسلامی دستور و قانون
۴۴۴	بنیادی حقوق کے نام پر استدلال		حدود و تعزیرات تدوین آئین اسلامی کی جدوجہد
۴۴۵	بنیادی حقوق میں اسلام سے ہم آہنگی		
"	اقامت حدود اور مساوات	۴۱۳	اسلامی آئین کی تدوین اور نفاق کا مسئلہ
۴۴۶	خصوصی نیچ	۴۱۴	بحرانوں کا حل - اسلامی آئین پر اتفاق کی ضرورت
۴۴۷	بنیادی حقوق اور اسلام	۴۱۵	اہل افرا کی ضرورت
۴۴۸	غیر مسلم اقلیت اور کلیدی مناصب	"	علم و تقویٰ کے بنیادی شرائط
۴۵۱	اسلامی مشورتی کونسل کی تشکیل	۴۱۹	علماء کا عملی سیاست میں حصہ
۴۵۲	موجودہ شکل	۴۲۱	علماء کے فرقہ بندی کے افسانے
۴۵۳	شریعت بل کا استرداد	۴۲۲	قومی زندگی میں آئین کی اہمیت
۴۵۴	کونسل کی حقیقت	۴۲۳	آئین اور یورپ کا تصور جمہوریت

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۷۸	طبقاتی تفاوت، سبب نہیں	۴۵۵	زنا قابلِ تعزیر
۴۷۹	آئین کا آہنی شکنجہ	۴۵۶	مسلم اور غیر مسلم کا غیر مبہم مفہوم
۴۸۰	اندرونی انقلاب کی ضرورت	۴۵۸	اسلام کا نظام عدل و انصاف
۴۸۱	نسخہ شفاء، فراموشی	"	شاہ فیصل کا قصاص
"	عالم اسلام کی معاشرتی قدریں	۴۵۹	بنیادی حقوق کا تحفظ
۴۸۲	اخلاقی اور اصلاحی انقلاب	۴۶۰	اس نظام عدل کے برکات
۴۸۳	دین سے گریز کا نتیجہ	"	یورپ کا فلسفہ جرم و سزا
۴۸۴	ام النجاشی کی فراوانی	"	مغربی تعلیم اور صحبت کے اثرات
۴۸۵	قتل و جہل کا دور دورہ	۴۶۱	فلسفہ جرم و سزا
۴۸۷	صیام رمضان ایک قرآنی نسخہ	۴۶۲	معاشرہ کا بھیانک تصور
۴۹۱	روزہ اور جہاد کا مقام	"	انسداد جرائم کا صحیح طریقہ
۴۹۵	تعمیر معاشرہ میں حیار کا مقام	۴۶۳	معاشرے سے زیادہ اخلاق کا مسئلہ
۴۹۷	حیار اور عفت کا مظاہرہ	"	اصلاح کا نبوی نسخہ
۴۹۸	میں ہر اکافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا	۴۶۴	حدود و تعزیرات غیروں کا اعتراف
۵۰۰	اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں حکمرانوں کا حصہ	۴۶۵	عیسائی قانون دان کا اذان
۵۰۱	علامہ شرابی قولاً اسلامی معاشرہ	۴۶۶	ظلمتوں میں نور کی کرنیں
"	خدا کی نگاہ احتساب	"	مصر - لیبیا
۵۰۲	ہارون کو فضیل کی نصیحت	۴۶۷	آزاد کشمیر
"	اظہار حق اجتماعی حقوق کا تقاضا	۴۶۸	ترکی کی اسلامی کروٹ
۵۰۳	فضیل و ہارون کی مجلس	۴۶۹	قذافی کی مومنہ باتیں
"	صدر یحییٰ سے	۴۷۰	سرحد میں جمعیت کی حکومت
۵۰۵	نظر باقی سرحدات کی اصل تعمیر	"	باب ۱۳
۵۰۶	علماء حق کا فریضہ	"	
	باب ۱۵	۴۷۵	خود اور معاشرہ کی اصلاح
۵۰۷	عروج و زوال قانون فتح و شکست	۴۷۷	اصلاح معاشرہ کے جدید عطائی طریقے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۲۸	روس دوست غارتھمن	۵۰۸	عالم عربی کا المیہ
"	جنگ کے اچھے نتائج	۵۰۹	سقوط بیت المقدس
۵۲۹	عربوں کی بالادستی	۵۱۰	درس عبرت، خود اختیاری کی ضرورت
"	خوشگوار ایمانی تبدیلی	۵۱۱	قانون فطرت خداوندی
۵۳۰	صلاح الدین کا پہلا خطبہ بیت المقدس	"	مہذب الاسباب پر ایمان
۵۳۲	اسرائیلی جارحیت اور اولین فریضہ	"	محیر العقول کرشمے
۵۳۳	رباط کی اسلامی کانفرنس	۵۱۲	صلیبی جنگیں اور صلاح الدین ایوبیؒ
۵۳۵	قدرت کے نازیباں	۵۱۳	سلطان کی کیفیت ایمانی
۵۳۶	نوح خوانوں کا ایک ٹولہ	"	عمر حاضر سے موازنہ
۵۳۷	لبنان کی صورت حال	۵۱۴	صلیبی اقوام کی تقلید
۵۴۰	اتحاد عالم اسلام سربراہ کانفرنس	۵۱۵	ظاہری اسباب پر گھمنڈ
۵۴۲	اسباب عروج کا اجتماعی جائزہ	۵۱۶	دنیا پرستی اور قربانی سے گریز
۵۴۳	اتحاد کا اصل سررشتہ	"	صحابہؓ کی سرفروشی
۵۴۴	عالم اسلام کا فکری محاسبہ	۵۱۷	مغیر صادق اور اسباب شکست
۵۴۵	علاقائی اور لسانی عنقریب	۵۱۸	امت مرحومہ اور رواشنے رحمت
۵۴۶	مسلمانوں کی مردم شماری	۵۱۹	پاس و قنوط
۵۴۷	اسلام اور امن و سلامتی	۵۲۰	اسباب شکست اور مدد نامہ کا ایمانی تجزیہ
	باب ۱۶	۵۲۱	مغضوب قوم کا عارضی غلبہ
۵۴۹	پاکستان کا سیاسی و آئینی بحران	۵۲۲	دینی مسئلہ میں غفلت کا خمیازہ
۵۵۱	اسلام کا تجربہ گاہ کفران نعمت کی زد میں	۵۲۳	تجدید عہد کا دن
۵۵۲	قرآنی فلسفہ عروج و زوال	۵۲۴	یہودی عدالت کے شرم ناک فیصلے
"	نااہل قیادت	۵۲۵	عرب رمضان
۵۵۳	بزرگوں کے اندیشے	۵۲۶	عرب مسئلہ اور عالم اسلام کا فرض
۵۵۴	پاکستان کی حرمت	"	جنگ اور جنگ کے بعد
۵۵۵	سالیات اور بقا کا راستہ	۵۲۷	امریکہ اور صیہونیت کی سرپرستی
		"	ویننام کا داغ اور عربوں کا خون

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۸۵	جنگ کے بعد	۵۵۵	نقص یشاق
	باب ۱	۵۵۷	شعۃ کے انتخابات یا نہر طالت
	حاملین علوم نبوت	۵۵۸	منافقانہ کردار
	تعلیم و تربیت، علم و عمل، مدارس عربیہ،	۵۵۹	علماء کی مخلصانہ کوشش
	نظام و نصاب تعلیم	۵۶۰	شعۃ کا معرکہ حق و باطل اور ہمارے اکابر
		۵۶۱	نازک ذمہ داریاں
		۵۶۲	امتحان و آزمائش
۵۸۹	امرار اور خلق خدا سے بے نیازی	"	پیش قدمی اور پسپائی
۵۹۱	اسلام کی شان بے نیازی	۵۶۳	اسلام کے دو دشمن
۵۹۲	دستار فضیلت یا کانٹوں کا ڈھیر	۵۶۵	جناب اور اقبال کا غلط سہارا
۵۹۳	امام ابو حنیفہ کی اوداعی نصیحت	۵۶۶	صحیح فیصلہ کی ضرورت
"	شیخ الازہر کی نصیحت	"	علماء کی سیاستدانوں سے فریب خوردگی
۵۹۶	علمی ماضی سے رابطہ کی ضرورت	۵۶۸	دین اور مروجہ سیاست
۵۹۷	عروج و زوال میں علماء کا کردار	۵۶۹	محاسبہ اور اصلاح کی ایک مہلت
۵۹۸	علماء اور معاشرہ کی تشکیل	۵۷۰	غفلت کشیوں کا رد عمل
"	ملائیٹ کے دشمن تجدید پسند	۵۷۱	انقلابات - زندگی کے نئے موڑ
۵۹۹	ملائیٹ اور سائنسی ترقی	۵۷۲	ہممہ گیر بحران کے اصل اسباب
۶۰۰	مقام دعوت و عزیمت	۵۷۶	نوجوان نسل کی عالمی بیماری اور علاج
۶۰۱	علماء قوم کی رہنمائی کریں	"	نئے اور قدیم علوم کے اثرات میں تفاوت
۶۰۳	علماء حق کے ایمانی مظاہرے	۵۷۸	خوابوں کا اصل علاج
۶۰۵	بحرم عشق تو ام می کشند	۵۷۹	سقوط ڈھاکہ سے سات دن قبل
۶۰۷	قابل تقلید اقدام	۵۸۰	پاس و قنوط نہیں امید و عزم
۶۰۸	زوال علم کی ایک کرب ناک تصویر	۵۸۱	سقوط مشرقی پاکستان
۶۱۰	علماء کے لیے ضابطہ اخلاق	۵۸۲	تاریخ کا ذلیل ترین سانحہ
"	تقریب بین المذاہب	۵۸۳	اسلام کی شکست نہیں
۶۱۱	مقصد علماء سوچنا	۵۸۳	کھوکھلے نعروں کی موت

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۲۸	حکومت اور خدمت اسلام کا اصل کام	۶۱۳	نظام دعوت و تعلیم
۶۲۹	علوم مشرقی برطانوی دور سے بہتر حالت	۶۱۴	عربی مدارس اور چند سوالات
۶۳۱	قومی ملکیت کی تلواریں اور مدارس عربیہ	۶۱۶	شراب کہنہ اور جام نو
۶۳۲	عربی لغت الاسلام	۶۱۸	دور جدید کے مسائل
۶۳۳	ہاجی ربط کا ذریعہ	۶۲۰	دینی مدارس اور لادینی قوانین
۶۳۵	عصری نظام تعلیم اور دین سے بیگانگی	۶۲۱	مسجد و محراب کی قفل بندی
۶۳۶	اسلامیات کی بے کسی	۶۲۳	قادیانیوں کے عزائم
۶۳۷	رہے سے آثار کو مٹانے کی سعی	۶۲۵	اصلاح کے پر فریب سنہری وعدے
۶۳۸	سکولوں کے نصاب اسلامیات میں نفاق کا بیج	۶۲۶	اہل مدارس کا مضحک نظر
۶۳۹	تدوین نصاب کی اہمیت	۶۲۷	زہد و ایثار کا صلہ
	نئی تعلیمی پالیسی	۶۲۷	سرکاری تحویل اور اوقاف کی حالت
		۶۲۷	سکولوں کا بچوں کی حالت



بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب
 اوج
 عالم اسلام پر اُسکے اثرات

بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب

یورپ کے ملاحقوں پوری انسانیت بے چینی اور اضطراب میں مبتلا ہوئی، پریشانی انتشار اور بے یقینی کی اس بحرانی کیفیت نے رفتہ رفتہ پورے عالم اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، مغرب کی خدا بیزار تہذیب اور مادیت پر کھڑا کیا گیا، تمدن طاعون کی طرح ہر سو پھیلنے لگا، اور آج بدقسمتی سے مملکتِ عزیز پاکستان بھی پوری شدت سے اس کی زد میں ہے۔ طبقاتی، علاقائی، لسانی اور نظریاتی جنگ ایک عفریت کی طرح اسے ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔ اور تاریخ کی بے مثال قربانی سے حاصل کی گئی مملکت پر نزع کی سی کیفیت طاری ہے، مریض جان بلب ہے مگر مرض کی تشخیص کون کرے اور علاج کب موثر ہو جبکہ مرض کا علاج مرض ہی سے کیا جا رہا ہو اور اسی عطار سے نسخہ شفا مانگا جا رہا ہو جس نے زہر کھلا کھلا کر مریض کو لب گورت تک پہنچا دیا ہے۔ گویا حالت یہ ہے کہ

تداویٰ من لیلیٰ بلیلیٰ عن المصاوی

کما یتداویٰ شارب الخمر بالخم

اس مصیبت اور ہولناک عذاب سے چھٹکارا ہم اسی مادیت میں ڈھونڈ رہے ہیں جس نے پوری انسانیت اور پورے عالم اسلام کو موت کے چور ہے پر کھڑا کر دیا ہے۔ مادیت خواہ مارکسزم اور سوشلزم کی شکل میں ہو یا مغربی نظامِ حیات اور وہاں کے معاشرتی نظاموں کی صورت میں اسکی اساس خدا فراموشی، آخرت فراموشی، انسان کی اعلیٰ اور اخلاقی اقدار کی پامالی پر ہے۔ اس کا خلاصہ جسم کی پرستش اور پیٹ کی عبادت کی ہے، وہ انسان کا رخ اعلیٰ سیرت،

ستھرے کردار اور معنوی اقدار سے موثر صورت کی زیبائش، معدہ کی پرورش اور خواہشات
نفس کی تسکین کی طرف کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پوری کائنات اور پوری انسانیت
کو مادہ اور معدہ کے پیمانہ سے ناپا جا رہا ہے، انسان کی تمام عالمی جدوجہد اجتماعی اور انفرادی
ساری کوششوں کا محور دنیا کی چند روزہ زندگانی اور یہاں کی عیش کوشی رہ گئی ہے۔ پھر اس حرص و
آز کی گہرائی اتنی شدید ہے کہ ڈیڑھ ہفتہ بالشت پیٹنے نے زمین کو اس کی تمام وسعتوں کے ساتھ
ہٹپ کر دیا مگر ہوسنا کی جڑ صحتی گئی اور چاند ستاروں اور آسمانوں پر کمند ڈالی جانے لگی۔

خدا اور آخرت کے تصور سے آزاد انسان کی اس حیوانی فطرت کو حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ اگر اسے سونے کی دو بھری وادیاں بھی مل جائیں تو
یہ تیسری کی تلاش میں رہے گا۔ پیٹ اور خواہشات، یہ انسان جیسے ناتوان اور محتاج مخلوق
کے فطری تقاضے تھے، قدرت نے اسے روکا نہیں بلکہ پوری فیاضی سے اس ساری
کائنات کو عرش سے لیکر فرش تک اس کی جسمانی خدمت پر لگا دیا۔ یہ چاند یہ ستارے
یہ آسمان یہ زمین یہ سمندر اور یہ ہوائیں یہ بادل اور یہ بارشیں سب اس کی جسمانی حاجتوں
اور تقاضوں کا مجسم جواب ہیں، وہ اس کے لئے مسخر ہیں۔ اور اس وسیع کائنات میں
ابر دباؤ اور مہ و خورشید سب کی ترک تازیایں اس مٹھی بھر جسم "جسد انسانی" کی خاطر ہیں۔
پھر کیا انسان جو کائنات کے ذرہ ذرہ، کیا ہوا کیا پانی، کیا دھوپ کیا مٹی، ہر چیز کا محتاج
ہے، اس کا مقصد بھی صرف دیگر چرند اور پرند کی طرح چرنا کھانا پینا ہے۔ اگر یہ مقصد ہوتا
تو بڑی حیرت اور تعجب کی بات ہوتی کہ ان چیزوں میں تو انسان سے ایک سے ایک
بڑھ کر مخلوق چوپائے اور درندے موجود ہیں۔ کھانے پینے میں تو گدھا اور لکھتی اس سے
زیادہ آسودہ ہے۔ نہ ہل جوتے نہ بونے نہ کاٹنے نہ صاف کر کے پکانے کی فکر ہے۔
نہ پوشاک کی نہ مکان کی۔ شہوت رانی میں وہ ایک چڑیا کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قوت اور
طاقت میں ایک معمولی درندہ اس پر غالب ہے۔ پھر یہ سراپا احتیاج ہے۔ مگر کائنات کی
کوئی چیز اس کی محتاج نہیں۔ یہ عناصر اور مادیت کے بغیر پل بھر کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا۔
مگر اس کی پوری نوع بھی مٹ جائے تو پانی، ہوا، آگ، چاند، سورج اور زمین کا کیا بگڑ

سکتا ہے، پھر اس پر کیا سرخاب کے پرنگے ہوئے تھے کہ اسے پوری کائنات پر فضیلت دی گئی اور اسے اس عالم آب و گل میں اللہ کا خلیفہ بنایا گیا اور تمام عالمین پر اس کو شرافت اور کرامت دی گئی۔

خلافت اور فضیلت انسانی کی وجہ | موٹی سی بات ہے کہ اگر انسان کا مقصد پیدائش اور اس کا نقطہ معراج صرف وہ ہوتا جو بیسویں صدی نے سمجھ لیا ہے کہ انسان صرف چھوٹے پیمانہ پر ”کھاد کی ایک مشین“ بن کر رہ جائے۔ حیوانات اور درندے بھی اسکی درندگی اور اس کے اٹھائے ہوئے شر و فساد سے سرپیٹ لیں۔ اس کی ہوسناکیوں کو دیکھ کر شیطان بھی الامان پکار اٹھے۔ تو یہ چیز خدائے بزرگ و برتر کی حکمتوں اور اس کی شانِ عدل کے خلاف ہوتی کہ ”کھاد کی مشین“ کو پوری کائنات، اور اسکی بزرگ ترین مخلوق ملائکہ تک ایسی فضیلت دی جائے اور سب کو اس کی بیگار میں لگا دیا جائے، اگر ہمارے طبیعت ایک پر غیر منصفانہ اور عقل و فہم سے کوسوں دور کوئی فیصلہ گوارا نہیں کر سکتی، تو خدائے حکیم و علیم جیسی غیور ذات کی غیرت کب اسے گوارا کر سکتی تھی۔

مقصد تخلیق | آفرینش آدم سے لیکر اب تک وہ ہمیں بیشاق ازلی کا دیا ہوا سبق دہرا دہرا کر رہا ہے کہ اس سارے ہنگامہ ما و ہو کا مقصد چنہ روزہ زندگی کی عیاشی کرنا، ڈبل روٹی کھانا، کلر کی کرنا اور خوشی و غمستی میں بھول جانا نہیں بلکہ یہ ساری چیزیں تو ایک بلند و برتر مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور اصل منزل تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ اصل مقصد تو دائمی سرخروئی اور ابدی زندگی کا حصول ہے۔ نفسانی خواہشات اور حیوانی تقاضوں کو کنٹرول کر کے انسانیت کی معراج تک پہنچنا ہے، آفاق اور انفس میں پھیلے ہوئے اس وسیع کارخانہ قدرت کو اپنے خالق کی پہچان اور اس کے دئے گئے وسائل اور قوتوں کو اسکی رضامندی کا ذریعہ بنانا ہے۔ اس مقصد کی پہچان اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد اسے صحیح معنوں میں انسان اور خلیفۃ اللہ بناتی ہے۔ اور وہ پیٹ کا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔ وہ لا الہ الا المادۃ والمعدۃ کا نہیں بلکہ لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ اطمینان کا نقطہ معراج | وہ اپنے بنی نوع انسان کو ذلیل و خوار اور اُسے ہڑپ نہیں کرتا بلکہ اس کے غم اور رنج کو اپنا غم اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ کو کاٹ کر دوسروں کی حاجت روائی کرتا ہے۔ وہ لوٹ کھسوٹ ظالمانہ استحصال اور طبقاتی نفرت کا نہیں بلکہ عدل و انصاف، ایتار و محبت کا پیکر محسوس بن جاتا ہے۔ اگر اس کے پڑوس میں کوئی بیمار ہے تو یہ کہتا ہے، بھوکا ہو تو تڑپتا ہے۔ ننگا ہو تو کپکپاتا ہے۔ الغرض وہ شیطان اور درندوں کا نہیں بلکہ خدائے ہی و قیوم کی شانِ عدل و کرم کا ایک چلتا پھرتا نمونہ بن جاتا ہے، اور اسی طرح وہ پوری انسانیت کو اللہ کے ایسے سایہ رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے۔ جہاں نہ خوف ہے نہ حزن نہ بے چینی ہے اور نہ اضطراب نہ حرص و ہوس ہے اور نہ ظلم و بے انصافی نہ استحصال ہے نہ حقوق کی پامالی اور نہ انسان کے دکھ درد سے غلط فائدہ اٹھانے کی سیاسی عیاریاں بلکہ ہر چیز اپنے مرکز اور اپنے نقطہ پر قائم اور چاروں طرف سکون ہی سکون ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ قائم کیا وہ اس دورِ عافیت و اطمینان کا نقطہ معراج تھا۔ اور انہوں نے قیامت تک انسانیت کی فلاح کیلئے یہی شاہراہ متعین کی۔

مگر پھر کیا ہوا —؟ اس عہدِ سعادت سے ہم جتنے دور ہوتے گئے، شر و فساد اپنی ظاہری رعنائیوں کے ساتھ ہم پر مسلط ہوتا گیا، مادہ پرستی اور نفس پروری کی نظر فریب روشنی سے آنکھیں چند یا گئیں، ہم مقصد و منزل کو جانے والے جادہ حق سے ڈگمگانے لگے۔

مغرب کی خدا بیزار تہذیب | یہاں تک کہ انیسویں صدی میں مغرب اور اس کی خدا بیزار تہذیب نے نہ صرف ہماری بلکہ پوری انسانیت کی گاڑی منزل تک پہنچنے والی پٹری سے اتاری، مقصدِ تخلیق کو فراموش کر دیا۔ ہم سیرت و اخلاق، روح اور ایمان کو بھول گئے اور مادیت کے سنہری جال میں پھنس کر کشاں کشاں ہلاکت اور بربادی کی طرف دوڑنے لگے۔ پرکار جب تک اپنے نقطہ پر جمار ہے تو سارے نقشے ٹھیک بنتے ہیں اور اگر بال برابر بھی مرکز سے ہٹ جائے تو سارے دائرے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔

نعرۂ انا الحيوان کے تباہ کن نتائج | انسان نے انا الحيوان (میں ایک مہذب حیوان ہوں۔) کی صدا لگائی اپنے مرکز ثقل مقام انسانیت سے ہٹ گیا اور نتیجہ اس عظیم الشان بے چینی افزا نفی اور تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ابدی الناس کی ایسی ہولناک تصویر اب تک تاریخ کے کسی دور میں ہمارے سامنے نہیں آ سکی۔ مقصد کو بھول جانے والا مادیت کا پرستار انسان ہیٹ اور اسکی خواہشات کے سامنے کتنا مجبور و بے بس ہے، اسکی تصویر مغربی مادیت اور اس کے رد عمل میں رونما ہونے والے معاشی اور اخلاقی معاشرہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، وہ کبھی اپنی تشنگی کی تسکین کی خاطر خوشحال اور آباد بستیوں کو رکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ کبھی اپنے ظلم و عدوان کے لئے نئی نئی آبادیاں ڈھونڈھتا ہے، اس جذبہ حیوانیت نے صرف ایک جنگ عظیم میں چھ کروڑ انسانوں کو ہلاک اور مجروح کر دیا۔ ۵۰ کروڑ گھر تباہ ہوئے، ڈھائی کروڑ افراد ابرٹ گئے، ہیروشیما اور ناگاساکی جہنم کردہ بن گئے، اسی خدا فراموشی نے کوریا کی معمولی دو سالہ جنگ میں پچاس لاکھ انسانوں کی ہلاکت اور ایک کروڑ افراد کے مجروح ہونے کی شکل اختیار کی، اس خود غرضانہ تمدن نے ہمیں انسانی رشتوں سے بے نیاز کر دیا ہم صلہ رحمی کو دقیا نوسیت سمجھنے لگے۔ بڑے بوڑھوں اور ابا بچوں کو مردانے کی تجویزیں پیش کیں، یہاں تک کہ جگہ کے ٹکڑوں معصوم بچوں کا گلہ فیل پلاننگ اور برحق کنٹرول جیسے خوشناموں کے پردہ میں گھونٹنے لگے اور مادر پدر آزاد بننے کے بعد پورے معاشرہ کو آئین، قانون، اخلاق و درایات کے بنیادوں سے آزاد کرانے کیلئے "ہیپی ازم" کا ایک پورا فلسفہ کھڑا کر دیا۔ ناتوان اور بے کس مخلوق عورتوں کو سادات کے نام سے زندگی کی کٹھن جدوجہد میں جوت دیا۔ اخلاق اور شرافت کے نقوش خواہشات کی بھٹی میں گھٹنے لگے اور عفت و عصمت نام کی کوئی چیز بھی ایک گالی بن کر رہ گئی اور اس تہذیب کے صدقے جو جنسی پیاس پیدا ہوئی اسکی تسکین کیلئے کتوں اور خنزیروں سے بھی کام لینے میں نخل نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ ہم جنس پرستی کے حق میں اسی تہذیب کے اولین مرکز برطانیہ میں بھرے ایوان نے تابیوں کی گونج میں قرار داد منظور کی۔ بوڑھا اور لب گور عیار برطانیہ جاتے جاتے امریکہ

کی شکل میں اپنا جو تنو مند اور دیوہیکل حرامی بچہ چھوڑ گیا ہے، وہ نئے جوش اور دلولہ سے بھر پور ہو کر اس جانشینی کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اور آج کی خبر ہے ٹائم اخبار کے حوالہ سے کہ امریکہ کے ہم جنس پرست پورے زور شور سے منظم ہو کر اسے سرکاری طور پر جائز اور انسانی حق قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور ایک اندازہ کے مطابق امریکہ کے ۲۶ لاکھ مرد اور ۱۴ لاکھ عورتیں ہم جنس پرستی کے اس شوق کا قانونی مظاہرہ کر دانا چاہتی ہیں۔

صنعتی انقلاب | ہوس زر اور خواہشات نفس کے اس جذبہ نے لوٹ کھسوٹ جالب زر اور حصول دولت کی عجیب عجیب شکلیں اختیار کیں صنعتی اور مشینی دور شروع ہوا جس کے نتیجہ میں مٹھی بھر افراد رزق کے خزانوں پر قابض ہوئے اور انسانوں کی اکثریت اس مشینی دور کے صدقے بھوک افلاس اور بیماریوں سے کراہنے لگی۔ ایثار، اخلاص اور ہمدردی کی بجائے قومی، علاقائی، لسانی، طبقاتی اغراض معیار شرافت بن گئے اور جو بھی انسانوں کا جتنا خون پسینہ چوس سکا اُسے معاشرہ نے زیادہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔

غیر فطری سامراجی نظام کا غیر فطری رد عمل | یہ انسان کا ایک ظالمانہ غیر فطری اور غیر انسانی مظاہرہ تھا۔ پھر جب ہر غیر فطری عمل کا رد عمل بھی غیر فطری ظاہر کرنا قانون قدرت ہے۔ تو لازم تھا کہ اس کا رد عمل بھی اتنا ہی شدید اور سفاکانہ ظاہر ہو جائے، نتیجہ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سوشلزم اور کمیونزم کی شکل میں ظاہر ہوا، جس نے انسانیت کے رہے سہے تمام اقدار اور اخلاق بھی تھس تھس کر دیئے، مجبور اور مظلوم کی ہمدردی کے نام پر پوری انسانیت سے بولی کھلی گئی۔ غریب اور کسان کے نام سے تمام وسائل رزق پر چند غنڈوں نے پارٹی اور جماعت کی شکل میں قبضہ کیا۔

مذہب اور اخلاق سے جنگ | مساوات، اشتراکیت اور غریب پروری کے خوشامیادوں میں انسانی فطرت، انسانی ضمیر، ابدی اقدار اور روحانی مقاصد روندے گئے، حقیقی مقصد حیات کی ذرا سی جھلک بھی مذہب، تعلیم اور اخلاق کی شکل میں دکھائی دی، اس کا نام نشان تک مٹا دیا گیا، اور اس ساری جدوجہد کی اساس بھی مادیت اور تن پروری پر ہی رکھی گئی، ایسی مادیت جو نہ مذہب کی روادار تھی، نہ خدا اور نہ انسانی اقدار

اور روایات کی۔ یہ نئی مادیت بھی سوشلزم وغیرہ کی شکل میں انسان کو ایک ”سنہری جنت“ اور اسکی بھول بھلیوں میں ڈال دیتی ہے، اور روٹی کے چند ٹکڑوں اور چند ٹکڑوں کی خاطر انسان کے تمام اعلیٰ و ارفع مقاصد حیات خرید لیتی ہے، اور یہ ہے وہ ”سرخ جنت“ جسکی خاطر روس میں بالکل ابتدائی ایام میں کروڑوں افراد قتل، ہلا وطن، مجروح اور عمر بھر زندہ درگور کر دئے گئے، اور چین میں ڈیڑھ کروڑ زمیندار پھانسی پر لٹکائے گئے، جبر و تشدد سے نہ کہ نظریہ کی صداقت کے زور سے، مزدور اور کسانوں کے نام پر ”اشتراکیت“ کا جو ہوا کھڑا کر دیا گیا، خود اسٹالن معترف ہے کہ ایک کروڑ تو صرف کسان مارے گئے، صرف یہی نہیں بلکہ سٹالین نے کمیونزم کے قیام کے لئے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا اور یہ تمام تشدد صرف مال چھیننے کے لئے نہیں تھا بلکہ ذاتی عقیدہ، دین، فطری آزادی، شخصی آزادی اور تمام اخلاقِ فاضلہ اس کے بھینٹ چڑھا دئے گئے۔ دین اور انسانیت کی اس قربان گاہ پر جو کتبہ نصب کئے گئے، یہاں ہم ان میں سے صرف ایک کتبہ پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں سے متعلق ہے۔ اور وہ چینی صدر ماوزے تنگ کے پیروں اور چینی لیڈروں کا ایک پیغام ہے جس کا متن یہ ہے :

”اے مسلمانو! گوش ہوش سے سن لو آج کے بعد تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے چہروں پر دین کا نقاب ڈال سکو ورنہ ہم تمہیں جلا وطن یا نیست و نابود کر دیں گے۔ آج کے بعد تمہیں گائے کی بجائے خنزیر کا گوشت کھانا پڑے گا، آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ تم اپنے اوقات نماز میں ضائع کرو، قرآن کی تلاوت کرو۔ اے مسلمانو! پورے غور سے سنو تمہیں اپنی مساجد اور مدارس کو ڈھانا ہوگا۔ اپنی اسلامی تعلیمات کو توڑنا ہوگا، نماز کو خیر باد اور خلتے سے اجتناب کرنا ہوگا۔“

(اسلام اور کمیونزم ص ۶۷ بحوالہ چینی اخبار تن بات باؤ ہانگ کانگ)

۱۱ نومبر ۱۹۶۷ء

معاشی اور معاشرتی مسائل کا اصل حل | یہ ہے وہ رد عمل جو مغرب کے سامراجی نظام کا

غیر فطری بواب تھا جس نے معاشی ترقی روک دی، شرفِ انسانیت توڑ دی، انسانی اخوت اور تصویرِ آخرت سے ہمیں محروم کر دیا، اس وقت دونوں نظاموں کا تجربہ ہمارے سامنے ہے ہم ایک چوراہے پر کھڑے ہیں اور ہمیں فیصلہ کرنا ہے، ہمارا اہم ترین مسئلہ صرف اقتصادی اور معاشی نہیں، ہمیں اپنے روحانی، علمی، اخلاقی اور دینی امراض کا بھی علاج کرنا ہے، بیشک معاشی عدم توازن فوری اصلاح طلب ہے مگر ہمارا معاشرہ، ہماری سیاست اور ہماری تہذیب جس انارکی اور انتشار کا شکار ہو رہی ہے، اس کی وجہ صرف بھوک، فقر اور معاشی بد حالی نہیں کیونکہ خوشحال اور فارغ البال گھرنے اس انارکی اور خرابی کے زیادہ شکار ہیں۔ اگر یہاں کے گیارہ کروڑ انسانوں میں سے ہر شخص معاشی لحاظ سے "قارون" بھی بن جائے تب بھی اصل مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اصل مسئلہ وہی ہے جو ابتداء میں بیان ہوا کہ ہم ایک مادہ پرست قوم نہ بنیں، مسلمان بن جائیں، صرف جسم پیٹ اور صورت پر نظر نہ ہو، اخلاق، ایمان، اعمال صالحہ بھی ملحوظ رہیں، ہم یورپ اور سوشلسٹ ممالک کی طرح ایک خوشحال حیوان نہیں بلکہ زمین میں اللہ کا خلیفہ اور خیر امت، امتِ محمدیہ کا ایک حسین نمونہ بن جائیں اور یہ تب ہوگا کہ ہم اپنے مقام اپنے نظریہ اپنے مقصدِ حیات اور اپنے فرائض کی پہچان سکیں یہی ایک صورت ہے جو ہمیں معاشی مسائل سے بھی نجات دلاتی ہے۔ اور معاشرتی خرابیوں سے بھی۔ اور اس سے نہ صرف ہمارا جسم اور پیٹ بلکہ روح اور ضمیر بھی عافیت اور سکون کی نعمت سے آسودہ ہو سکتا ہے، اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ کون سا راستہ اپنے لئے پسند کریں۔ (نومبر ۱۹۶۹ء)

مادہ پرستوں کا اوایلا

پچھلے دنوں منگھم یونیورسٹی (برطانیہ) کے شعبہ علوم اسلامیہ کے پروفیسر مشرق جان ٹیلر نے بھارت کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تقریر کے دوران برطانیہ کی مسلم اقلیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا اور کہا کہ — "درحقیقت اس وقت دنیا میں

آسمانی دین کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا دعویٰ کرنے والی دونوں قومیں مسلمان اور عیسائی مادیت اور دہریت کی گود میں جانے والوں کی بہ نسبت اقلیت میں ہیں، دونوں کو مادیت اور ظاہر پرستی کا سامنا ہے۔ اور منکر خدا اقوام اس اقلیت کو اپنے اندر مدغم کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔“ (البعث الاسلامی لکھنؤ عربی مجلہ)

پروفیسر صاحب موصوف کی بات اس حد تک معقول ہے کہ موجودہ حیوانی تہذیب و تمدن جسکی بنیاد مادی مفادات، خواہشات کی تکمیل، جلب منفعت، زر پرستی، حصول دولت، معاشی افکار اور اقتصادی فلسفوں پر ہے۔ اس کا وار کسی خاص مذہب اور کسی ایک دین پر نہیں۔ دہریت اور نفس پرستی کا یہ عفریت ہر اس نظریہ، دین، علم و حقیقت، ادراک و معرفت کو چیلنج کر رہا ہے جس کا تعلق روح، آخرت، سچائی و صداقت، معنوی اقدار یا کسی بھی مابعد الطبعیاتی عقیدہ سے ہو کہ موجودہ تہذیب کا خمیر ہی جسم و مادہ اور نفع عاجل، لذت پرستی اور استیلاء و استبداد سے اٹھایا گیا ہے، معنوی اقدار، روحانی صفات اور انسان کے باہمی روابط و علائق سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ تبتغون عرض الحیوة الدنیا واللہ یرید الآخرة۔

باد صبا! یہ ہمہ آوردہ تست | مگر سوال یہ ہے کہ خدا اور خود فراموش تہذیب جس نے آج انسان کو بامرد و بے حس حیوان اور جسم پرورمی کی ایک مشین بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس تہذیب نے جہنم لیا کہاں سے؟ کس نے اس شجرہٴ خبیثہ کو پروان چڑھایا؟ عیسائیت کا علمبردار یورپ اور دیگر صلیبی اقوام علی الخصوص برطانیہ کے علاوہ اور کون تھا جس نے انسانیت کو موت کے چور ہے پر لا کھڑا کیا۔ جس نے رنگ و بو، خواہش اور شہوات کی ایک نظر فریب جنت لبائی، جس نے باشت بھر پیٹ اور معدہ سے ساری کائنات کو ناپا، اور جس نے لالہ الالمعدۃ والمادۃ کے بلند بانگ نعروں سے خدا کے وجود اور تمام غیبی حقائق سے انکار کیا۔ وہ عیسائیوں کا مکروہ کلیسائی نظام اور دشمن فطرت اصول ہی تھے جنہوں نے عقل و دانش کو مذہب سے بغاوت پر آمادہ کیا، وہ یورپ ہی تو تھا جس نے اپنے علم و ادراک کی اساس حواس اور مشاہدات پر رکھی جس کا منطقی اور طبعی نتیجہ یہی ظاہر ہوا کہ وہ تمام مابعد الطبعی حقائق خدا و رسول، روح و آخرت،

بعث بعد الموت اور حساب و کتاب مفروضہ اور من گھڑت افسانے معلوم ہونے لگے، جو عقل و حواس کی گرفت میں نہ آ سکے۔ نتیجہً دنیا مادیت کے چنگل میں پھلی گئی اور مذہب سے محروم ہو کر منکر خدا، اقوام اطمینان و سکون سے عاری زندگی کی جلتی بھٹی میں کودتی چلی گئیں۔

خامیزا تہذیب پر مگر مچھر کے آنسو | آخر یہ آگ سلگائی کس نے ہے، جس کے سوز و تپش سے آج یورپ کے دانشور نالال ہیں۔ یہ حالات پچھلی چند صدیوں میں یورپ ہی کے مذہب بیزاری سے پیدا ہوئے جس نے پہلے اپنے مذہب کا حلیہ بگاڑ دیا، اسے اپنے حیوانی مقاصد کا آلہ کار بنایا۔ آسمانی تعلیمات سے مسیحیت کا رشتہ کاٹ کر رومی و یونانی تہذیب کے ملبے سے اس کی عمارت اٹھائی، اس میں بت پرستی کی آمیزش کی، رہبانیت کے نام سے زندگی سے فراہ کی راہ اختیار کی، پھر جبر و استبداد اور استعماری عزائم کے سہارے اس خدا بیزار تہذیب کو دیگر اقوام و مذاہب پر بھٹونسنے کی کوشش کی اور اس طرح خدا کی زمین کو ہرقسم کی درندگی و بربریت اور شر و فساد سے بھر دیا۔ آج پروفیسر جان ٹیلر صاحب مادیت اور دہریت کا رونا رو رہے ہیں۔ اگر یہ آنسو مگر مچھر کے آنسو نہیں ہیں تو یہ تلخ حقیقت کیوں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے کہ اس تمام حیوانیت اور مذہب بیزاری کا سہرا تو یورپ کے مسیحیوں کے سر ہے۔ ع۔ باد صبا این ہمہ آوردہ تست

نئے دور کا چیلنج اور اسلام | یہاں ہم اتنا مزید عرض کئے دیتے ہیں کہ اس وقت مادیت اور ظاہر پرستی کے چیلنج کو صرف اسلام ہی قبول کر سکتا ہے جس میں طلب معاش، حصول رزق اور کسبِ حلال کی گنجائش تو ہے، مگر خدا فراموشی کی نہیں، جہا نبانی اور جہانگیری ہے مگر ظلم و استبداد نہیں۔ حصولِ منفعت کا حق ہے مگر حق تلفی اور خود غرضی کا نہیں۔ دشمن سے مقابلہ ہے مگر عیاری نہیں۔ دنیا ہے مگر دین سے بناوٹ نہیں۔ رہبانیت ہے مگر رہبانیت نہیں۔ علم و معرفت ہے مگر جمود و تعصب نہیں۔ نعمتوں اور لذتوں سے لذت اندوزی ہے۔ مگر اباحت اور انارکی نہیں۔ عیسائیت تو اس وقت اپنا دم توڑ چکی تھی جبکہ خدا نے انسانی ہدایت کے لئے آخری روشنی بھیجی۔ قرونِ وسطیٰ کا غیر متدین اور بیسویں صدی کا ترقی یافتہ یورپ، تو علم و تحقیق کے نام پر کتب مقدسہ میں الحاق و تحریف اور دشمنِ فطرتہ خود ساختہ مسیحی اصول کے ذریعہ اس

تاہوت میں آخری کیل ٹھونک چکا ہے — مسیحیت، دین و مذہب اور علم اور معرفت کے ہر معرکہ میں شکست کھا چکی ہے، تو مادیت کے میدان میں کیا سنبھل سکے گی۔ عصر حاضر کی انسانیت آج جس خلاء کا شکار ہے یہ خلاء صرف اور صرف اسلام ہی سے پُر ہو سکتا ہے کہ موجودہ بے چینی اضطراب درد و تڑپ، پریشانی اور تشنگی کا مداوا صرف اسلام ہی ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام فطرة اللہ اللہ فطر الناس علیہا — اور انشاء اللہ دیر یا سویر اسلام ہی ہوگا جو مادہ پرست اکثریت کو اپنے اندر جذب کر کے رہے گا۔ ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ و یوکرہ المشرکون - مجربہ اوقر و منہ روق علیہ السلام نے فرمایا جسے حضرت مقادون نے نقل کیا — لا یبقی علی ظہر الارض بیت مدیر ولا ویرالا اخذہ اللہ کلمۃ الاسلام بعزیز و ذل ذلیل اما یجزہم اللہ فیجعلہم من اہلہا و یدلہم فی دینہم لھا۔ مقادون نے آخر میں فرمایا: فیکون الدین کلہ اللہ - (رواہ احمد)

مہیب روحانی خلاء کے کرشمے

اخبار جنگ کا ایک مراسلہ نگار مقیم امریکہ ۳ اکتوبر کے پرچہ میں اپنے مشاہدات امریکہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہے:

”آج کل امریکہ میں جناتِ محاضرات اور علومِ روحانیہ سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ نئی پووائیون، گانجے کی نشہ آور مجذوبیت سے بیکہ مردوں کی بوچھاڑ سے بات چیت کرنے اور علمِ نجوم سے حالاتِ زندگی تلاش کرنے کی طرف بہت مائل ہے۔ زیادہ ذہین اور متلاشیِ نوجوان مذاہب مختلف پر کتابیں پڑھتے اور تقریریں سنتے ہیں۔ اور ہر اس علامہ اور سوامی کے در پر پہنچتے ہیں کہ جہاں سے انہیں دلی اور روحانی تسلی ہو سکے۔ آج کل ”yoga“ کا یہاں کافی تذکرہ ہے مگر سب سے زیادہ تسلط

جادو ٹوٹنے کا ہے ، ٹوٹنے ٹوٹنے کا کاروبار زوروں پر ہے علم پر موز کے پھٹنے والے
سے روپیہ بٹورنے والے کافی ہیں۔ کم و بیش دس گیارہ ماہنامے علوم مخفیہ پر یہاں
چھپتے اور لاکھوں کی تعداد میں پکتے ہیں۔ ہر اخبار میں روزانہ نجوم کا کالم ہوتا ہے۔“

اس سے اندازہ لگائیے اس مہیب روحانی خلاء کا جس سے آج کا یورپ دوچار ہے سائنس
فلسفہ اور ٹکنالوجی کا عہد عروج ، روشن خیالی کے دعوے مگر چاند پر کمنڈ ڈالنے والا انسان جتنا بلندی
پر جاتا ہے اتنا ہی تنہائی و تنہائی اور طلسمات کی کھائیوں میں گرتا جا رہا ہے۔ رمل و جفر، کہانت، جوگ
اور یوگ القاء شیطان اور متراض جوگیوں کے گورکھ دھندوں سے جس مذہب نے انسان کو
نکالا تھا اسے نظر انداز کر کے یورپ آج اپنی فطری طلب و تحسس کی پیاس کہاں کہاں بجھانا چاہتا
ہے۔ مگر فطرت کی تشنگی جس آبِ زلال سے ہو سکتی ہے اسے تو ہاتھ نہیں بڑھایا جاتا۔ نتیجہً
بے چینی اور اضطراب بڑھ رہا ہے۔ اب اسے کون سمجھائے کہ سکون اور مسرت ان اہام و
خرافات میں نہیں نہ اسرار و رموز پر مبنی مخفی علوم میں ، یورپ کا مشینی انسان یہ دولت اگر پا
سکتا ہے تو صرف اس آسمانی دین سے جو نہ عقل سے متصادم ہے نہ سائنس سے ، اس میں
ظن و تشکیک کی کوئی تاریکی ہے ، نہ جادو ٹوٹنے کی توہم پرستی ، جس کا ظاہر اور باطن ایک ہے۔
دن اور رات برابر لیلیٰ کنسا رہا۔ مغرب کے مجبور و بے کس انسانو! اگر تمہیں سکون خاطر
کی تلاش ہے ، تو آؤ! محمد عربی صلوٰۃ اللہ علیہ کے مطب سے تمہاری تڑپتی روح کو سکون اور
آسودگی کا سارا سامان مل سکے گا۔ اور اسلام کے شجرہ طوبیٰ کے سائے میں راحت قلب و
نظر بھی۔ (دکتوبر ۱۹۸۷ء)

مذہب اور انسانی زندگی کا باہمی تعلق

مذہب انسان کی زندگی میں کس قدر دخل انداز ہوتا ہے، یہ کسی مغرب زدہ فلسفی یا پروردہ الحاد انسان سے نہ پوچھئے۔ اس لئے کہ اس کی پرواز کو مادی اسباب و وسائل سے بالا نہیں ہے۔ اس کے یہاں زندگی کا حاصل جسم کی آرائش و زیبائش اور دنیا کے رنگ و بو سے لطف اندوزی ہے۔ مغرب کی ساری زندگی اور زندگی کے سارے کاروبار کا محور صرف اور صرف یہی مادی تعیش اور دنیا کی ہوس ہے۔ اس کے سارے کل پرزے اسی مقصد کے لئے ڈھلتے اور جڑتے ہیں۔

اسلام کے علاوہ اکثر مذاہب مادہ پرستانہ تخیل کی گرفت میں آچکے ہیں | دنیا کے بیشتر تھے نے مغرب کے اس تخیل و تصور کو اعتقاداً نہ بھی عمل اور کردار سے قبول کر لیا ہے۔ دنیا کے بیشتر مذاہب اس مغربی آئیڈیالوجی سے مرعوب ہو کر اس کو شمش میں ہیں کہ اس تصور کو قبول کرنے کے ساتھ اس کو مذہبی رنگ دے دیا جائے۔ اور یہی کی جا رہی ہے کہ ہندو مذہب کی طرف سے یہ اجازت نامہ حاصل ہو جائے۔ کہ یورپ کا مادی نظام، خدا فراموشی اور معدہ پرستی اور دنیوی آسائشوں کے لئے شبانہ روز دوڑ دھوپ نہ صرف یہ کہ مذاہب اس کے مخالفت نہیں۔ بلکہ ان کی تعلیمات میں اس تہذیب و نظام کی گنجائش ہے۔

عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم، ہندو ازم اور اس کے علاوہ وہ نظریات جو اپنے آپ کو مذہب کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں۔ ان سب کا حشر گزشتہ چند سال بلکہ چند صدیوں سے ہی ہو رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ اب تقریباً سب مذاہب یورپ کے مادی نظام کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ اور اپنی بچی بچی روحانیت کو خاک میں ملیا میٹ کرتے ہوئے اپنے روحانی نظام سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور ہاتھ تک

غور کیا جائے اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان مذاہب میں زندگی کے سب مراحل کے لئے کوئی ایسا جامع نظام نہیں جو ایک طرف فرد کے حیات کی نگہبانی کرے۔ اور دوسری طرف صحیح اجتماعی نظام کے پھلنے اور پھولنے کے مواقع بہم پہنچائے۔

کیا مذہب فرد کا نجی معاملہ ہے؟ اسی حقیقت کے پیش نظر مغرب سے متاثر لوگوں میں یہ نعرہ سنا جاتا ہے کہ مذہب فرد کا نجی فعل ہے۔ قوم و ملت کی اجتماعی حیات میں اس کا کچھ دخل نہیں۔ ان کا یہ نعرہ اس حیثیت سے صحیح ہے کہ جن مذاہب سے ان کو واسطہ پڑا ہے یا جن کی ریسرچ و تحقیق میں یہ اپنی زندگیاں صرف کرتے ہیں۔ ان کی گرفت کسی فرد سے آگے بڑھ کر کسی اجتماعی نظام پر نہیں پڑی۔ اس لئے ان کے یہاں مذہب کا اجتماعی زندگی میں مؤثر کردار ادا کرنا اس جدید تہذیب و تمدن کے دور میں مجنون کی بڑے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

مادی نظریات کی فکر صرف اسلام سے ہے | اسلام چونکہ ایک عالمگیر اور مکمل مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات کا دائرہ صرف چند رسومات تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ فرد اور قوم دونوں کی زندگیوں پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ جہاں فرد کی زندگی کے لئے لائحہ حیات تجویز کرتا ہے۔ وہاں سوسائٹی اور اجتماعی زندگی کے نظام کو بھی ایک صحیح رخ پر ڈالتا ہے۔ اور یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ بلکہ اسلام نے یہ سب کچھ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں کر کے دکھایا ہے۔ اگر ایک مسلمان اسلام کی تعلیمات پر گہری نظر رکھتا ہو تو کوئی دوسرا نظریہ اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ خلاف اسلام کسی تصور حیات سے وہ مصالحت کر سکتا ہے۔ اسی ذہنی کشمکش کے دور میں اسلام کے نام لیواؤں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ یورپ کے مادی نظام اور دوسرے نظریات کی فکر براہ راست اب اسلام سے ہے۔ اسلام ہی ان کا حریف ہے۔ اور اب ان کا سارا زور اور سب صلاحیتیں اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی اور انسانیت کو اسلام سے متنفر کرنے کے لئے وقف ہیں۔ بد قسمتی سے آج کا مسلمان ”قرون اخیر سے دور ہوتے ہوئے اسلام کو خیر باد کہہ رہا ہے۔ اور اس کی زندگی آہستہ آہستہ سلام

کی گرفت سے آزاد ہوتی جا رہی ہے۔ دینی حس کمزور ہونے کی وجہ سے عملی اعتبار سے مسلمان وہ نہیں رہا جو قرونِ اولیٰ کا باعمل اور مذہبی مسلمان تھا۔

یورپ مسلمان کے کردار کو کھوکھلا کرنے کے لئے اس سے بہتر چال اور کیا چل سکتا تھا۔ کہ اس کو زندگی کے ایسے پرکشش خطوط سے روشناس کر دیا، اور ایسا دامنِ ہمرنگ نہیں اس کے لئے بچھایا کہ مسلمان کا کردار تو ایک طرف اس کا ایمان ڈگمگا رہا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایمان کی دولت اور اس کی حلاوت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

مسلمان کے مذہبی شعور اور اس کے دینی استقلال سے یہ توقع ہونی چاہیے تھی کہ کفر و الحاد، ایمان کو متزلزل کرے والے نظریات، اخلاقی بے ہوشی، جنسی آوارگی، اور اس کے علاوہ جن جن راستوں سے مسلمان کے ایمان پر ٹوٹا کہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی، مسلمان ان تحریکوں کے پھلنے پھولنے سے پہلے ہی ان کا سرکھل دیتے۔

حیرت کا پورا ہمارا مگر مذہبی اقدار سے گریز نے آج مسلمان کو ایک ایسے پورا ہے کہ کھڑا کر دیا ہے جہاں وہ تیران و شمشیر اپنی کھوئی ہوئی منزل کی راہ تلاش کرنے میں متفکر ہے۔

آج مسلمان کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ جو راستہ اسلام نے اس کے لئے تجویز کیا تھا۔ اس سے بہتر اور سیدھا راستہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث پر غور فرمائیے۔

عن ابن مسعود قال خط رسول	ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاً ثم	نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا
قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطاً	راستہ ہے۔ پھر سکے ارد گرد ایسے بائیں اور خطوط
عن يمينه وشماله وقال هذه سبيل	کھینچا اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان
على كل فيما شيطان يدعو اليه	میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہو کر لوگوں کو گمراہ
وقد ان هذا صراط مستقيماً	دے رہا ہے اور اپنے یہ آیت پڑھی کہ بیشک یہ
فاتبعوه (مسند احمد و نسائی)	میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس پر چلو۔

جس طرح ایک رہبر اپنی منزل کی طرف رداں دواں ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کی طرف جانے والے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ مسلمان کو بھی ایسا ہی سوچ لینا چاہیئے کہ جب اس کی منزل اسلام نے متعین کر دی ہے تو اب اس کو دوسروں کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے اصولوں کو قربان کرتے ہوئے کسی اور نظریہ سے مصالحت نہیں کر سکتا وہ اپنا راستہ ایک خطِ مستقیم کی طرح متعین کر چکا ہے۔ اس خط کے ارد گرد جتنے بھی ٹیڑھے خطوط اور لائنیں ہوں گی۔ اسلام ان کو ”شیطانی راستے“ تصور کرے گا۔

مذہب کی اہمیت کا احساس | اس سترہ روزہ جنگ (۱۹۶۵ء کی لڑائی) میں پوری قوم پر یہ حقیقت واشگاف ہو گئی ہے کہ ان کی جائے پناہ صرف اسلام ہے۔ اسلام ہی وہ عظیم طاقت ہے جو اپنے نام لیواؤں کے دلوں میں اپنے سے چھگنا زائد فوجی طاقت والے ملک کے مقابلہ میں روحِ جہاد بھونکتے ہوئے فتح و کامرانی کے راستے ہموار کرتا ہے پہلے جو لوگ مذہب سے تمسخر کیا کرتے تھے اب مجبوراً دینی زبان سے مذہب کی اہمیت اور ضرورت کا اقرار کرنے لگے۔

اس جنگ کی وجہ سے اٹھارہ سال بعد ہمارے اذہان سے غفلت کے پردے سرکنے لگے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ صرف ہنگامی کیفیت ہی نہ ہو بلکہ ایک دائمی عمل ہو۔ اور مسلمان اپنے بھولے ہوئے سبق کو دوبارہ یاد کر لے۔ اور خدا کے خلاف بغاوت، یورپ کی تقلید، مذہب سے تمسخر و استہزاء، اور خلافِ شریعت عادات و اطوار سے مکمل پرہیز کرے۔ اگر ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا تو بعید نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں ہم کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ (دسمبر ۱۹۶۵ء)

مذہب اور سیاست کی تفریق

مشرقی پاکستان کے ایک پارٹی لیڈر نے کراچی کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی رائے میں مذہب، سیاست اور معیشت علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں مذہب میرے سر کا تاج ہے مگر روٹی کے لئے جدوجہد سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں، اس جلسہ میں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ کئی دوسری پارٹیاں بھی مذہب کے بارے میں اسی قسم کے مضحکہ خیز تصور کا برملا اظہار کرتی رہتی ہیں اور عام مسلمانوں کے لئے مذہب کے بارے میں ایسی ناقص سطحی اور غیاراہ ذہنیت بجا طور پر موجب حیرت اور تعجب بن جاتی ہے۔ یہ لوگ ایک طرف تو منافقانہ روش اختیار کر کے مذہب کو سر کا تاج کہہ دیتے ہیں مگر اس کے فوراً بعد اپنے چار پانچ فٹ جسم کی قلم کو بھی اس تاج کی فرمانروائی سے الگ کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مذہب کا یہ تاج اتنا مجبور و بے بس ہے کہ پیٹ اور روٹی جیسے بنیادی مسائل میں بھی اپنی بالادستی منوانہیں سکتا تو پھر اس تاج کو سر پر رکھنے کا تکلف کیوں کیا جاتا ہے؟ اور انتخابی مہم میں عوام کو درغلانے کی خاطر قرآن و سنت کی بنیاد پر آئین کے معرووں کو ان کا ضمیر کیسے برداشت کر لیتا ہے؟ اگر احساس اور ضمیر زندہ ہو تو ایسے دو غلہ پن سے انسان خود بھی شرمندہ ہو جاتا ہے۔ مذہب اگر سیاست اور معیشت جیسی گہرائی اور گہرائی رکھنے والے مسائل پر بھی کنٹرول نہ رکھ سکے اور عبادات میں تو پہلے سے ایسے معرہ بازوں کی جگہ صفر ہوتی ہے تو آخر مذہب کس مرض کی دوا رہ جاتا ہے جس کا نام تیز گایا اغراض کی خاطر استعمال کیا جائے، ہمارے اکثر سیاست دانوں کا یہی طمانہ ذہن اور منافقانہ روش ہے جس نے قوم کو ایسے ہولناک چور بے تک پہنچا دیا ہے۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانی زندگی

کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اشعیرے بھی بے تعلق نہیں رہ سکتا وہ اگر روٹی کا مسئلہ اور غنئی تقاضوں کو جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی پابندیوں سے آزاد چھوڑ دے تو پھر انسان اور دیگر حیوانات اور چوپایوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ مذہب انسان کو انسان بنانا چاہتا ہے اس لئے وہ سیاست اور معیشت تو کیا، بول و براز جیسی باتوں پر بھی اپنے احکام اور ہدایات لاگو کرتا ہے، بلاشبہ مذہب ہمارے سروں کا تاج ہے، مگر ایسا تاج کہ اس کے پہننے والے اپنے زمانہ کے جبر و استحصال کرنے والی سب سے بڑی طاقت قیصر اور کسریٰ کے تاج کو مدینہ کی گلیوں میں ٹھوکریں لگاتے اور روندتے پھرتے ہیں، پوری انسانیت اس تاج کی چمک دمک سے دشمن ہوئی، اس تاج نے دکھوں کا مداوا کیا، انسان کو انسان بنایا، اس کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کیا۔ مگر جب مذہب دلہن کا روایتی تاج بن کر رہ گیا جس کا مقصد صرف وقتی آرائش اور نمائش سمجھا گیا ہو اور باقی تمام جسم اس تاج کی حکمرانی سے آزاد کر دیا گیا۔ تو روٹی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ پوری انسانیت پیٹ کے فقر و قلت میں جاگری اور ساری دنیا اس غلبہ گڑھے کے گرد بھوکے گدھے کی مانند گھومنے لگی مگر نہ تو کسی کی ہوس پوری ہوئی نہ بھوک اور پیاس ختم ہوئی۔ اگر روٹی کا مسئلہ مذہب سے آزاد ہو گیا تو یاد رکھئے کہ انسان ایک ایسا بھوکا کتا رہ جائے گا جو کسی مردار کو نوچنے کی خاطر پوری زندگی اپنے بنی نوع پر غرآنے اور چنگاڑنے میں گزار دیتا ہے۔

خدا کے بند و ذرا ہوش سے کام لو۔ مذہب کو اتنا سمجھ کر پوری انسانیت کو دولت کے بازار میں اتنا گھٹیا اور بے دام مت بناؤ، مذہب ہمیں ایک لامثال اور معیاری مخلوق بنانا چاہتا ہے اور یہ تب ممکن ہے کہ ہماری سیاست و معیشت تمدن اور معاشرت اور ہمارے تمام حوائج اور ضروریات کی کوئی ادنیٰ اسی بات بھی مذہب کے دائرہ سے باہر قدم نہ رکھ سکے۔ (منشی شاہ)

مذہب اور عصری تقاضوں میں معتدلانہ راستہ

صدر آغا محمد نجفی خان نے راجشاہی میں خطاب کے دوران فرمایا کہ ہمارے معاشرے کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ اپنے عقیدے اور نظریے کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہنچائے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں شامل ہو جائے، انہوں نے کہا کہ اسلام خود علم کے حصول و توسیع پر زور دیتا ہے اور بنیادی طور پر سائنس اور ہمارے عقیدے میں کوئی تضاد نہیں۔ صدر محترم کا سائنسی ترقی کے ساتھ عقیدے اور نظریے کے تحفظ پر زور دینا ایک خوش آئند تبدیلی ہے جو پچھلے آمرانہ دور اور موجودہ اقتدار انداز فکر میں محسوس ہو رہی ہے۔ عصر حاضر کے فکر و نظر کا اصل گمراہی یہی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یا تو دین اور عقیدہ کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے یا اسے ثانوی حیثیت دی جائے، یہی مذہب کو موجودہ دور کے تقاضوں سے نہیں بلکہ موجودہ تقاضوں کو مذہب سے ہم آہنگ کرنا ہے، سائنس کو مذہب کی لگام لگا کر ہم موجودہ ترقی کی دوڑ میں منزل سے ہٹنا ہو سکتے ہیں، دین اور عقیدے سے بے لگام سائنس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

صدر ایوب خان کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ وہ فطرت کے ابدی حقائق، مذہب، اور عقیدہ کو عصری تقاضوں کی قربان گاہ پر قربان کرنا چاہتا تھا، حالانکہ مذہب انسان کیلئے نہیں بلکہ انسان مذہب (عبادت) کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ ہر دور اور اس کے تقاضوں کو عبودیت کا طوق پہنا کر ہی مقصد تخلیق سے ہٹنا ہو سکتا ہے۔ سائنس اور مذہب کے مونیوے پر سابق صدر کے خیالات کو سامنے رکھ کر ہم موجودہ صدار کے محتاط اور حقیقت پسندانہ خیالات کی تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکتے، پچھلے دنوں ایسے ہی معتدلانہ خیالات کا اظہار ہمارے گورنر جناب نور خان بھی فرما چکے ہیں۔

استحصال اور مادہ پرستی کا انجام

امریکہ کے صدر ترقی امیدوار رابرٹ کینیڈی کا قتل ایک المیہ ہے۔ مگر یہ تو ایک شخصی معاملہ ہے۔ اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا المیہ خود امریکہ اور امریکی قوم ہے جس کے ہاتھوں ہزاروں لاکھوں انسان ویٹ نام میں جل رہے ہیں۔ فلسطین اُپرٹ گیا ہے، سرزمینِ قدس کے مظلوم عرب خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں، اور جو بچ گئے ہیں وہ درد کی خاک چھان کر ذلت و مسکنت کی زندگی گزار رہے ہیں اور یہ تو صرف فلسطین اور ویٹ نام کا حال ہے ورنہ اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی استحصال و استعمار یا انسانی حقوق کی پامالی اور جبر و بالادستی ہے۔ اس میں بالواسطہ یا براہِ راست ان ہی سفید فام یورپیوں کا ہاتھ ہے۔ امریکہ نے جو کچھ بویا اب اس کا پھل کاٹ رہا ہے۔ قدرت کا عجیب دستور ہے، بسا اوقات اللہ تعالیٰ ظالم کا گلا خود اس کے ہاتھوں سے کٹا دیتا ہے مظلوم و مقہور انسانیت سے کھیلنے والے امریکیوں کے ہاتھ اب اپنے ہی گریبانِ عصمت اور دامنِ عفت و عافیت کو تار تار کر رہے ہیں۔

پچھلے ماہ کے صرف ایک ہفتہ کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں تقریباً دو ہزار افراد یا تو قتل ہوئے، یا انہوں نے خودکشی کی۔ افلاس بیروزگاری، طبقاتی کشمکش کا عفریت الگ اس کے سر پر سوار ہے اور بین الاقوامی بدنامی، سیاسی تخلف، جنگی زیردستی الگ اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر رنگ و نسل کا مسئلہ جس نے امریکیوں کے امن و امان کو تھس نہیں کر دیا ہے، اور یہ ظہور ہے اس خدائی قانون، مکافاتِ عمل کا جس کی گرفت سے کوئی قوم

یا فرد اور معاشرہ نہیں بچ سکا، ظالم کا ظلم اور سفاکی جتنی شدید ہوگی قدرت کی پکڑ بھی اتنی ہی سخت ہوگی۔ آج اگر امریکہ پر قتل و قتال اور خون ریزی کے بادل چھائے ہوئے ہیں، تو یہ ٹھیک رد عمل ہے۔ اس عالمی ڈکیتی اور غنڈہ گردی کا جسکی بناء پر امریکہ نے یہود جیسے رانڈہ درگاہ قوم کی سرپرستی کی اور اسے عربوں کے سینہ پر براجمان کر دیا۔ ایسی قوم کی پشت پناہی جسکی ذلت اور مغضوبیت پر خدا نے دائمی ہرثبت کی ہو ہرگز ہرگز عزت، غلبہ اور دنیا میں مقبولیت کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ کینیڈی کو کسی عرب نے قتل کیا یا امریکی نے، مگر ووٹ کی خاطر یا اپنی مسخ شدہ اسلام دشمن فطرت کی وجہ سے وہ اسرائیل کی حمایت میں پیش پیش تھا۔ اور خدا نے مغضوب اور ذلیل قوم کی حمایت کا مزہ اسے چکھا دیا۔

دولت و ثروت کی بے وفائی | یہ تو امریکہ کی تصویر کا وہ سیاہ رخ ہے، جس پر ظاہر بین نگاہیں نہیں پڑتیں، یورپ کی سرمایہ داری، عیاشی اور دولت کی ریل پیل اور مادی آسائش کا روشن پہلو بھی اس سے کم سیاہ اور مہیب نہیں، ایمان، تصور آخرت اور روح سے کھوکھلی زندگی کا یہ پہلو بظاہر بڑا دلکش مگر باطن سراپا عذاب ہے۔ ایک کینیڈی خاندان کو لیجئے، اس مختصر کتبہ کو اپنے والد سے اخبار ڈیلی میل کی اطلاع کے مطابق ۲۵ کروڑ پونڈ کی دولت ملی جو پورے مغربی پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے۔ مگر دولت کی اس فراوانی کے باوجود اس خاندان کا کیا حشر ہوا یا پورہ رہا ہے۔ کچھ قتل ہوئے اکثر مختلف حوادث کے شکار ہوئے اور کچھ اندرونی بے چینی اور پریشانی کے ماتحتوں ذہنی یا جسمانی طور پر مفلوج ہیں۔ یہ ایک عبرت انگیز مثال ہے مال و دولت اور مادی زندگی کی بے ثباتی اور بے مروتی کی اور تصدیق ہے ان ارشادات ربانی کی جس میں مال و دولت کو ڈھلتی چھاؤں، چند روزہ بہار، نظر کا دھوکا اور متاع فریب کہا گیا ہے۔

کشد عیشے اعجب الکفار نباتہ ثم یحییٰ فترہ مصفراً ثم یکون حطاماً۔

(دنیا کی مثال بارش جیسی ہے جس کی بزمی نے کسانوں کو خوش کر دیا پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تو اسے زرد شدہ دیکھتا ہے۔ پھر وہ پھرا ہو جاتا ہے۔)

دنیا سے فانی کی یہی وہ بے وقعتی ہے جسے قرآن نے ان الفاظ سے ظاہر کیا۔ وما اغنیٰ

عنه مالہ اذا تردی۔ (جس وقت وہ ہلاک ہوتا ہے تو اس کا مال اسے کچھ نفع نہیں پہنچاتا)

ما اغنیٰ عنہ مالئ وما کسب۔ (اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا۔) اور جب پردہ فریب نگاہوں سے ہٹ جائے گا تو یہ بندہ ہنسی و ہوس اور نشہ دولت سے مرثا انسان خود بھی چیخ اُٹھے گا۔ ما اغنیٰ عنہ مالہ ہلک عنی سلطانہ۔ (میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی۔) — اور یہی وہ معیشتہ ضنک — (تنگ زندگی) ہے۔ جو ہوس دنیا خالق و مخلوق سے بے نیازی اور سیٹیوں کو جھٹلانے کی صورت میں انسان کو گھیر لیتی ہے۔

اطمینان و عافیت سے کھوکھلی تہذیب | یورپ کے کروڑ پتی امیروں کی خوش عیشی پر مرٹنے والو ذرا دیدہ عبرت کھو، ان میں سے ہر ایک کا حال اُس راک فیلڈ اور ہنری فورڈ جیسا پاؤ گے جن سے اپنی دولت کا حساب تک نہ ہو سکتا تھا، مگر اندرونی بے چینی اور ذہنی غلامی کی وجہ سے انہیں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہو سکا۔ اور جن میں سے ایک (راک فیلڈ) بھری پارلیمنٹ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ایوان سے پوچھنے لگا کہ مجھے بتا دو کہ حقیقی کامیابی کیا چیز ہے؟ اگر مال و دولت کامیابی ہے تو میں اپنی ساری متاع ایک رات کے سکون پر نثار کرنے کو تیار ہوں۔ مگر آہ اُسے کون سمجھاتا کہ سکون قلب، حیات طیبہ، اور عافیت سے بھرپور زندگی تو صرف اور صرف اللہ کی یاد، اس سے صحیح تعلق اور ایمان و یقین کی دولت سے مل سکتی ہے، بیسویں صدی کی مادی تہذیب پر مرٹنے والو تمہارے لئے صد ہزار نصیحت ہے ان کینیٹیویوں اور راک فیلڈوں کے حسرتناک انجام میں، خالص مادی تہذیب تو خدا کا وہ عذاب ہے، جسکی تپش دل کی گہرائیوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ نار اللہ الموقدۃ اللتی تطلع علی الافئدة - عافیت اور سکون کی دولت تو خدا کی یاد ہی سے مل سکتی ہے۔ لا بذكر الله تطمئن القلوب۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دل مطمئن ہو سکتا ہے۔ (جولائی ۱۹۷۸ء)

رنگ و نسل کے جھگڑے

مغربی تہذیب اور محمدی تہذیب کا موازنہ

امریکہ کے سیاہ فام نیگرو سہنا ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کو کتنی بے دردی سے قتل کیا گیا، اس لئے کہ اُسے خدا نے سیاہ فام پیدا کیا تھا۔ اور وہ اپنے اور اپنے ہم رنگ و ہم نسل انسانوں

کے حقوق کا تحفظ چاہتا تھا، اُن سیاہ نام انسانوں کے حقوق جنہیں یورپ کے "سفید بندوں" نے حیوانات سے بھی بدتر اور حقیر سمجھ رکھا ہے، جن پر ملک کی معاشی راہیں مسدود ہیں، جن کے لئے نصاب تعلیم تعلیم گاہیں، ہوٹل، بسیں اور گاڑیاں تک علیحدہ ہیں، یہاں تک کہ کارخانوں میں ان کے آنے جانے کے راستے تک الگ ہیں اور جن کے ساتھ رشتہ ناطہ بہت بڑا پاپ سمجھا جاتا ہے۔ یہ سیاہ نام انسان بدترین طبقاتی تفاوت، استحصال، ظلم و جبر اور حقوق کی حق تلفی کا شکار ہیں۔ اُس امریکہ اور یورپ میں جو "تہذیب و تمدن" کی امامت کا مدعی ہے، اُس امریکہ میں جو اقوام متحدہ کا چوہدری ہے جو انسانی حقوق کی حفاظت کا دعویدار ہے، اُس امریکہ میں جو ہمیشہ انسانی حقوق کے چارٹر کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنے ظلم، سفاکی اور دولت کے داغ چھپانا چاہتا ہے، اپنے ملک کے باشندوں کے ساتھ بھڑکے بکریوں جیسا سلوک، اُس دعویدار تہذیب ملک میں ہو رہا ہے، جہاں کے سب سے بڑے شہر نیویارک کی بندرگاہ میں "آزادی کا مجسمہ" دنیا سے آنے والوں کا استقبال ان الفاظ سے کرتا ہے:

"اپنے بے کس مصیبت زدہ اور غلام عوام کو ہمارے سپرد کیجئے تاکہ وہ آزادی کی زندگی بسر کر سکیں وہ لوگ جن کا نہ کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ کوئی وطن۔ لیجئے میں حاضر ہوں اور سنہری دروازہ کے قریب اپنی مشعل لئے کھڑا ہوں۔"

مگر اُن قول و عمل کے تضاد کی ایسی بھینٹ، مثال کیا تاریخ کے کسی دوسرے حصہ میں بھی مل سکتی ہے۔ ہرگز نہیں تاریخ میں پہلی بار دھوکہ، فریب، دجل و تبلیس اور عالمی پیمانے کی یہ بد معاشی صرف یورپ اور مغربی تہذیب ہی کو نصیب ہو سکی ہے جس کے نسلی، علاقائی اور قومی امتیازات سے خود امریکہ اور برطانیہ جل رہا ہے۔ ریوڈیشیا مظلوم انسانوں کے خون سے لالہ زار ہے، یڈیا نالان ہے، اور جنوبی افریقہ پوری انسانیت پر اقم کناں ہے، جہاں انسانی خون کی وقعت بول و براز کے برابر بھی نہیں رہی۔ اُن کتنی شوخ چشم اور حیاء سے تہی ہے یہ تہذیب اور کتنے جرسی ہیں اس کے علمبردار جنہیں اب بھی اپنے آپ پر ناز ہے، کتنی کوہ چشمی اور دیدہ ویرمی ہے ان گستاخ نگاہوں کی جو اپنی اس ساری شقاوت، درندگی اور دولت و رسوائی کو تہذیب و تمدن اخلاق اور انسانی حقوق کی رعایت کا نام دیکر بار بار اٹھتی ہیں، تو اُس مذہب پر جو حقیقی مساوات

کا نمبر دار، انسانی حقوق کا نقیب اور پوری کائنات کیلئے رحمت بن کر آیا ہے، اور جو ابتداء سے لیکر آج تک احترام انسانیت کا عملی نمونہ پیش کر رہا ہے۔ جس کے بھیجنے والے کا اعلان ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ بیشک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ منقہ ہو جس کے پیغمبر کا و داعی پیغام تھا: الناس من آدم و آدم من تراب (ابن سعد)۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ آگے ارشاد فرمایا: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا للاسود علی الاحمر ولا للاحمر علی الاسود الا بالعلم والتقوى۔ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی سیاہ نام کو سرخ رنگ والے پر اور سرخ رنگ والے کو سیاہ نام پر کوئی فضیلت ہے۔ مگر علم اور تقویٰ کے لحاظ سے، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: ولا لابيض علی اسود۔ نہ کسی سفید نام کو سیاہ نام پر کوئی فضیلت ہے۔ یہ اس مذہب کی بات ہے، جس نے ایک سیاہ نام حبشی غلام بلالؓ کو انسانیت کی معراج سے نوازا، جنہیں حضورؐ اقدس نے جنت میں اپنے سے آگے آگے چلنے کی بشارت دی اور جب ایک صحابیؓ نے انہیں ”اصحاب کے بیٹے“ کہہ کر پکارا۔ تو حضورؐ نے اسے ڈانٹ کر فرمایا تم میں اب بھی جاہلیت کی بو باس باقی ہے۔ یہ اُس سیاہ نام بلالؓ کی بات ہے جسے اسلامی قلم و کلمہ کے سب سے بڑے فرمانروا فاروق اعظمؓ یاسیدنا! ”اے ہمارے سردار سے پکارا کرتے تھے اور یہ وہ فاروق اعظمؓ ہیں جن کا جنازہ اپنے علم و فضل کی بدولت ایک عجمی نژاد صہیب رومیؓ نے پڑھایا جب کہ سرخ و سفید رنگ والے کئی جلیل القدر صحابہؓ موجود تھے۔

یہ اُس دینِ قیم کی امتیازی شان ہے جس نے والی مصر کے ساتھ ملنے والے وفد کی قیادت ایک ایسے سیاہ نام صحابی حضرت عبادہ بن صامتؓ کو سونپ دی تھی جسے دیکھ کر بادشاہ لرز گیا اور اصرار کرنے لگا کہ دوسرے شخص کو میرے ساتھ گفتگو کے لئے مقرر کر دو، مگر مسلمانوں نے والی مصر کی یہ خواہش ٹکراتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ شخص علم و فضل اور تقویٰ میں ہم سب سے بڑے ہیں، اس لئے یہی ہمارا امیر ہے۔ نیز فرمایا کہ ہماری فوج میں تو ایک ہزار سے زیادہ ایسے سیاہ نام شخص ہیں۔ یہ اُس مذہب کی بات ہے جس نے ہر دور میں عجمی موالی اور سیاہ نام

غلاموں کو دین اور علوم دین میں اجتہاد اور امامت کا منصب عطا فرمایا یہ اُس دینِ حنیف کی خصوصیت ہے جس نے ایک بھینگے، ٹنگڑے، اپاہج اور چمپٹی ناک، والے سیاہ فام شخص حضرت عطاء بن ابی رباح کے سامنے اجدادِ علم و فضل کو سرنگوں کر دیا جن کی وفات کو اہل مدینہ نے عافیت سے محرومی سمجھا۔ (ما وجدنا الا کالعافیت) جن کے بارہ میں اسلامی سلطنت کے فرمانروا عبدالملک بن مروان موسم حج میں مادی کرتے تھے کہ عطاء کے علاوہ کوئی اور فتویٰ نہ دے، وہ عطاء جو اہل حرمین کا امام اور فقیہ تھا، اور جنہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے پیشوا ابوحنیفہؒ نے اپنے تمام اساتذہ اور شیوخ سے افضل قرار دیا۔ یہ اُس روشن محمدی تہذیب اور حنیفی ملت کی داستان ہے جس کے ایک خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک سیاہ فام بونڈی کی شکایت پر والی مصر الویب بن شرجیل کو مامور کیا کہ میرا خط ملتے ہی تم خود سواری کسو، خود روانہ ہو جاؤ اور اپنے سامنے اُس کے گھر کی دیوار بلند کر دو۔ گورنر نے جا کر بڑی تلاش کے بعد گنام بونڈی کا مکان معلوم کیا اور خود اپنی نگہانی میں امیر المومنین کی خواہش پوری کی۔ تفت ہے اس عقل و خرد پر جو اس روشن اور تابندہ تہذیب کی عصرِ حاضر کی خونی اور ذلیل تہذیب سے کچھ بھی نسبت قائم کرے۔

برطانوی دارالعوام کی قرارداد جاہلیت کا نقطہ معراج

۴ جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلینڈ کے ہاؤس آف کامنز (دارالعوام) نے ۱۴ مخالف اور ۶۹ موافق ووٹوں سے تالیوں کی گونج اور پرجوش خیر مقدم سے اس بل کو منظور کر لیا کہ بالغ مرد باہمی رضامندی سے تہذیبی حاصل کر سکتے ہیں، اور قانون کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بل کی منظوری کے وقت، ہاؤس کی گیلیریاں کھپا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ اس کے بعد یہ بل ہاؤس آف لارڈز (دارالامراء) سے گزر کر ملکہ عالیہ کے دستخط سے قانون کی آخری شکل اختیار کر گیا۔ یہ ہے مغربی تہذیب کا نقطہ عروج اور منتہائے کمال، مظلوم کی داد رسی اور ظالم کی مذمت میں تو اس سفید سامراج کی وہ سہ دہری

(جس کا مظاہرہ اقوام متحدہ میں کیا گیا) اور بے غیرتی و بے حیائی میں یہ جوش و خروش اور اتفاق —
 بے حیائی کا اونچی اور اجتماعی سطح پر سب بازار ایسا مظاہرہ — بے شرمی اور دیوتی پر دیوتوں کی اتنی
 خوشی — یقیناً آج قوم لوط بھی شرم میں ڈوب چکی ہوگی اور ابلیس نے تو سر پیٹ لیا ہوگا کہ ان
 ”لارڈوں“ اور ”پرنسوں“ کے ہوتے ہوئے شیطنیت کا کلنگ صرف میرے ماتھے کے لئے
 کیوں مخصوص ہے۔؟

اس قرار داد کی منظوری پر ہم تہذیب مغرب پر ریچنے والے تمام ”روشن خیال اور ترقی پسندوں“
 کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ گناہ کس قوم میں نہیں پائے جاتے۔؟ مگر کسی اور قوم نے
 بھی تالیوں کی گونج اور پارلیمانی سطح پر اپنی ذلت اور خباثت، بے حیائی اور زناقت کا ایسا ثبوت
 بہم پہنچایا ہے؟ اگر بے حیائی کے یہ طور طریقے (استلزام بالجنس) کتوں اور خنزیروں کے ہاں بھی
 رائج نہیں، تو اب ہم ان علمبرداران تہذیب کے لئے وہ کونسا نام تجویز کریں جو ان کی اس شاندار
 قومی خصوصیت پر دلالت کر سکے؟ اس خبر کے بعد بھی کیا کسی کو ان اقوام کے بارہ میں ارشادات
 خداوندی: وضربت علیہم الذلۃ۔ اور اولئک کا الانعام بل اہم اسئل۔ اور
 ثم ردناہ اسفل سافلین۔ کی صداقت میں کوئی تردد ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لوگ صالحین اور
 مغضوب علیہم نہیں ہیں تو آپ اس کا وجود کہاں ڈھونڈیں گے۔؟ مغربی تہذیب کی یہ قرار داد
 جاہلیت کی معراج ہے۔ اور انسان کو ذلیل چوپائیوں سے بھی بدتر مخلوق بنانے میں ابلیس کی سب
 سے بڑی فتح —۔

پھر فسوس اور ماتم تو ان اقوام کی عقل و خرد پر ہے۔ جو یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی حیوانیت
 اور شیطنیت کے ان علمبرداروں کی تقلید و اتباع کو ”قومی عظمت“ کا نشان سمجھے ہوئے ہیں —
 اے رب کائنات، اس ننگ انسانیت مخلوق کے ماتحتوں اشرف المخلوقات، انسان کی مٹک
 تک پلیدہ ہوتی رہے گی۔ تو دیکھ رہا ہے کہ سارا عالم اس گندی تہذیب کی غلامیوں سے بھر گیا ہے۔
 اور ساری دنیا اس کے شر و فساد سے نالاں ہے۔ یہ تہذیب مغرب، کیا ہے؟ اس دھرتی پر
 خدا سے قہار کی سب سے بڑی پھٹکار، انسانیت کے لئے گالی اور تہذیب و شرافت کے منہ
 پر ایک طمانچہ — ہزار صد ہزار لعنت ہو اس تہذیب پر خدا اور تمام برگزیدہ مخلوق کی —

دینِ فطرتِ اسلام کے مسئلہ تعدد ازواج پر پھبتیاں کسے دے "جریدہ ٹائم" اور اس کی ساری قوم کو ہم خاص طور سے مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اس قرارداد کی منظوری کے بعد تو اب آپ کو ایک شادی کی ضرورت بھی نہ رہی۔ اس قرارداد کی منظوری سے آپ کے روحانی باپ، فریڈ کی روح کتنی سرشار ہوگی۔ (اگست ۱۹۷۷ء)

اقوام متحدہ

بیسویں صدی کے شیطانی ڈراموں کا سب سے بڑا اسٹیج

مشرق وسطیٰ کے حادثہ پر ایک ماہ کے غور و فکر کے بعد جنرل اسمبلی کا اجلاس ختم ہو گیا۔ اس پروری مدت میں اس کا صرف ایک مسئلہ پر اجماع ہو سکا، اور وہ تھا اجلاس کو درخواست کرنے کی "قرارداد" گویا مغرب کے اس طلسماتی چکر کا ڈھونگ صرف برخاستہ کے لئے رچایا گیا تھا۔ اصل مسئلہ پر قرارداد تو کیا مذمت کا کوئی لفظ بھی منظور نہ ہو سکا۔ ظلم و انصاف کی تاریخ کا جائزہ لینے والا مورخ اس انکشاف سے مبہوت ہو گا کہ دنیا میں مظلوم کی داد رسی اور حق و انصاف کا کلاسب سے زیادہ بے دردی اور عیاری سے جس ادارے کے ذریعہ گھونٹا گیا اس کا نام اقوام متحدہ تھا۔ حقوق انسانی اور انسانی قدر و احترام اور آزادی اقوام کا محافظ و پاسبان ادارہ؟ — عکس برعکس ہند نام رنگی کافور — دنیا بھر میں ہر سال اس کے انصاف اور مساوات پروری کے دن منائے جاتے رہے۔ مغرب تو مغرب مشرق بھی اپنی سادہ لوحی سے اس کی جمہوریت نوازی کے ڈھنڈورے پیتا رہا مظلوم و بے کس "اسلامی مشرق" کی اس ادارے سے نیاز کشی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ بعد اس "کالی دیوی" کے قدموں پر سینکڑوں نہیں ہزاروں انسانوں کا خون نثار کرتا رہا۔

مغربی سامراج کے اس خونخوار "عفریت" کے "مقدس" چارٹر کی روشنی میں خدا کی بستیاں اجڑتی رہیں، انسانی قافلے گھر بار سے بھٹکتے اور کھٹے رہے، ناموس لٹتے رہے مظلوم خدا کی بے بس آبادیاں اس کی حرام پیداوار کے ہاتھوں نیپام بھوں سے جلتی رہیں، یہ قبرص و فلسطین اور

یہ کشتیرا، ایٹھویہ اور رہوڈیشیا اور خاص طور سے جنوبی ویٹ نام اور خود سفید فام بندروں کے سیاہ فام نیگرو علاقے، یہ سب ادارہ اقوام کی "عدل پروریوں" کے شاہدِ عدل ہیں۔ اسکی سحر طرازیوں کا بھی عجیب حال ہے کہ جب بھی اس نے انسانیت کو خونی پنجہ میں کسا، لوگوں

نے اسی کی دہائی دی اور اسی کو پکارتے رہے۔ آئینوالی نسلوں کو بیسویں صدی کی یہ منحوس حقیقت حیرت میں ڈال دے گی کہ ابلیس نے اپنی زندگی میں ظلم و شیطنت کے جو سب سے بڑے ڈرامے کھیلے ان کا ایٹھویہ ہی اقوام متحدہ تھا جسے چاروں طرف سے انسانی حقوق، مساوات، اور آزادی اقوام کے خوشنما پردوں سے سجایا گیا تھا۔ مگر حقیقت بینوں کیلئے مستقبل کے انتظار کی کیا ضرورت؟ اسکی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کے حالیہ کردار نے یہ پردے ابھی سے پاک کر دئے ہیں۔ پردے کے پیچھے کیا ہے؟ انسانیت کا بین الاقوامی منہج، عدل و انصاف کی سب سے بڑی قربان گاہ، انسانی حقوق اور آزادی اقوام کے لئے ایک گالی، یہ اس ڈرامے کا ڈراما پسین ہے، جس کا نام ہے اقوام متحدہ۔

روس اور امریکہ

انسانیت کے دو بڑے دشمن

امریکہ ہزاروں میل دور ویٹ نام کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے، وہی کچھ روس نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے چیکو سلواکیہ کے ساتھ کیا، اپنے استعماری عزائم پر پردہ ڈالنے کیلئے روس اب ہزاروں تادیلات کرے گا۔ مگر حریت پسند اور باشعور دنیا ان تادیلات پر کیسے کان دھرے گی؟ جبکہ اب تک خود روس، ویٹ نام کے بارہ میں امریکہ کی ایسی تادیلات کا مذاق اڑاتا رہا۔ حقیقت بہر حال حقیقت رہے گی کہ روس ہو یا امریکہ مظلوم اور پسماندہ اقوام اور کمزور ممالک کو اپنے استبدادی پنجہ میں رکھنے اور انسانیت کا گلا گھونٹنے کے بارہ میں دونوں یکساں ہیں۔ امریکہ روس کو اس سلامتی کا دشمن سمجھتا ہے۔ اور روس امریکہ کو ظلم و استعمار کا علمبردار، مگر ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانی حقوق

اور حریت اقوام کے جذبات موجب جن ہوں اور یہ جذبات سیاسی مصالح کے دبیز پردوں میں دب نہ چکے ہوں، اُس کا ضمیر یہی فیصلہ کرے گا۔ کہ روس ہو یا امریکہ دونوں نہ مشرق کے دست ہیں نہ مغرب کے، انہیں غرض ہے تو اپنی چودہراہٹ سے اور انہیں سرکار ہے تو اپنی خبیث اغراض اور اپنے استعماری مقاصد سے، اپنے مقصد کے لئے دونوں جب بھی چاہیں کسی بھی پُرامن اور ہنستے کھیلنے پر سکون ملک کو جہنم زار بنا دیں۔

صدیوں قبل یہود نے عیسائیوں پر اخلاق و تہذیب اور سچائی سے عاری ہونے کی بھتی کسی، جواب میں عیسائیوں نے یہودیوں کو ہر خیر و بھلائی اور اخلاق و شرافت سے عاری قرار دیا۔ ایک جلیل القلم صحابی عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کی زبانی دونوں کے ریمارکس سن کر فرمایا: صدقت۔ یعنی دونوں نے سچ کہا۔ یہود و نصاریٰ واقعی ایسے ہیں، آج بھی اسی زبان میں کہا جاسکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بارہ میں روس اور امریکہ دونوں سچے ہیں۔ ویٹ نام اور اس کے بعد چیکو سلواکیہ اس حقیقت کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر فلسطین، قبرص اور کشمیر سے ماؤف ذہن سبق نہیں لے سکے تو ان تازہ مثالوں میں تو ساری انسانیت سارے مشرق اور خاص طور پر سارے عالم اسلام کے لئے کھلی اور واضح نشانی موجود ہے۔ ویٹ نام بننے سے تو سب پناہ مانگتے ہیں۔ پھر کیا چیکو سلواکیہ کا حشر ویٹ نام سے مختلف ہے؟

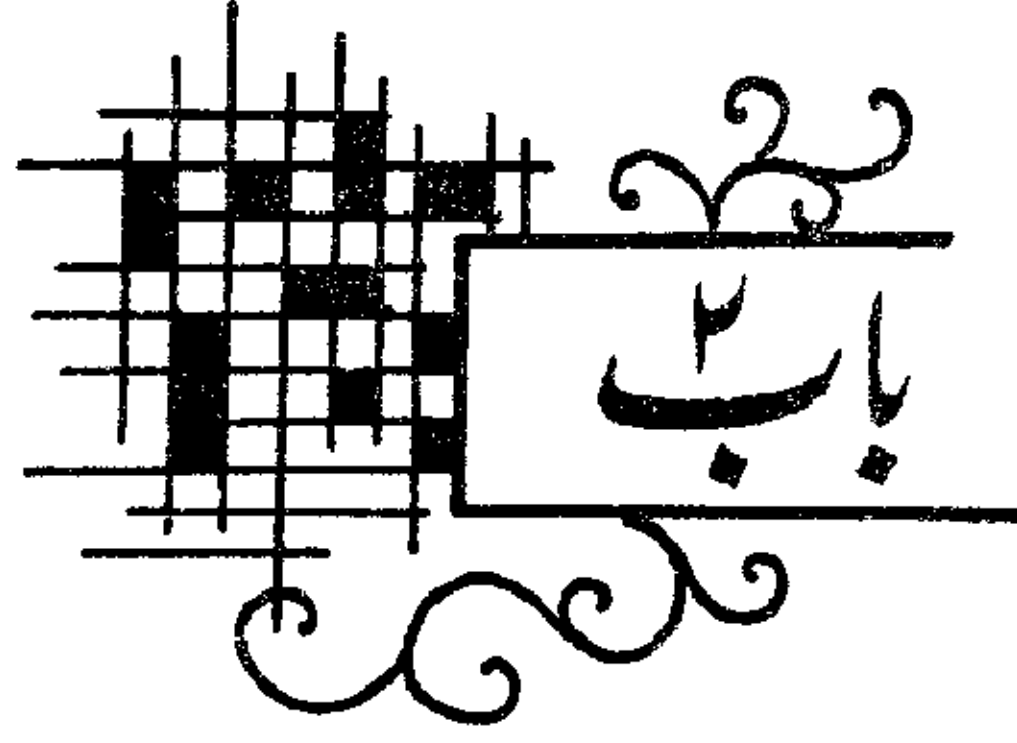
سامراج کا جنازہ جنگ ویٹ نام کا خاتمہ

ویٹ نام سے بعد از خرابی بسیار امریکی سامراج کا جنازہ نکل گیا۔ ۳۰ سالہ جنگ میں امریکہ کے ہاتھ کیا آیا۔ ۲۳ لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے، دو کروڑ بے گھر، نو لاکھ یتیم دیت نام کی آدھی آبادی پناہ گاہوں سے محروم ہوئی امریکہ نے پونے بیس کھرب روپے اس آگ میں پھونک ڈالے جو پوری دنیا کو بھوک سے نجات کا ذریعہ بن سکتے تھے اور جس سے ڈھائی سو سال تک پاکستان جیسے ملک کا بجٹ پورا ہو سکتا تھا۔ امریکہ کو اس کے عوض ملا تو کیا؟

عالمی رسوائی، ذلت، شرمندگی، و زندگی اور بھیت کا سٹیفیکٹ۔ اب تھائی لینڈ سے امریکہ بھگایا جا رہا ہے۔ کمبوڈیا نے رسوا کر کے گھر سے نکال دیا۔ کوریا اور لاؤس میں پٹائی ہو رہی ہے۔ یہ ہے اس صدی کے عظیم سامراجی کا عبرتناک انجام۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ سامراجی قوتوں کے بارہ میں ہمارے اکابرین جنگ آزادی حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ کی پیشگوئیاں ایک ایک کر کے پوری ہو رہی ہیں۔ برطانیہ کے بعد امریکہ کا شیر بھی مر رہا ہے۔ سامراج سکڑ رہا ہے، اور اس صدی کے اختتام تک برطانیہ کی طرح امریکہ کا بھی دنیا کی تلاش اور غریب و بے دست اقوام میں شمار ہونا کوئی ناممکن بات یا خوش فہمی نہیں رہی۔

چین کے لئے سلامتی کا راستہ

چین کو بالآخر فتح ہوئی اور امریکہ کو شکست ماننی پڑی۔ یہ ایشیائی اقوام کی جیت ہے۔ چین یہاں کے مظلوم اور ستم رسیدہ اقوام کا سہارا ہے۔ مگر ہمیں ڈر ہے کہ مغربی سامراج کا یہ حریف حلیف بن جانے کے بعد اپنے مثالی کردار کو چھوڑ نہ بیٹھے کہ الکفر، ملتہ واحدہ کی بناء پر رشتہ وحدت پہلے سے موجود ہے۔ لوگ امریکہ اور چین کے قرب و تعلق پر خوش ہو رہے ہیں۔ لیکن ہم چین کو نہایت مضبوط مگر مغربی سازشیوں سے بہت دور دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے عداوت ہی میں چین کی بھلائی ہے۔ اور ایشیائی اقوام کی بھی، ہماری دعا ہے کہ چین اس امر کی دایم ترین کی فریب کاریوں میں نہ آئے جس سے سمندر کی مچھلیاں اور فضاؤں کے پرندے بھی الامان والحفیظ کہہ کر پناہ مانگتے ہیں۔



عالمِ اسلام مغربیت کی زد میں

جشن شہنشاہیت یا اجماع جاہلیت

قابل احترام عظیم دوست اور ہمسایہ مملکت ایران کی تحریک پر نہ صرف ایران و پاکستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی ایران کی اڑھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا جا رہا ہے۔ تقریبات کا ایک طویل سلسلہ ہمارے ہاں بھی شروع ہے۔ پورا پریس خاص ایڈیشن اور مضامین نکال رہا ہے۔ سرکاری سطح پر دفاتر میں تعطیل کی گئی ہے اور رنگا رنگ پروگراموں سے اس جشن کی نگینوں میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ — ایران ہمارا امن پسند پڑوسی اور ساتھی ہے۔ شاہ ایران با نقابہ ہمارے مخلص حلیف ہیں۔ پھر اسلام کے اٹوٹ بندھنوں نے ہم سب کو جسد واحد بنا دیا ہے۔ ایک کی خوشی سب کی شادمانی اور ایک کا غم سب کی بے چینی ہے۔ اس لئے بجا طور پر ہم شہنشاہ ایران اور ایرانی عوام کی سرتوں میں شریک ہیں۔ ہم خلوص و وفا کا بدلہ خلوص سے دینا جانتے ہیں اور انشاء اللہ ایرانی قوم ہر نازک مرحلہ پر ہمیں احسان شناس اور وفات شعار قوم پائے گی۔ پس بلاشبہ ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں شاہ ایران اور ان کے معزز خاندان بلکہ اسلامی ایران کے تمام بہادر اور محب ملت و وطن سپوتوں کے لئے جذبات تحسین و جہن پاتے ہیں۔

پس امید ہے کہ وفائیکشی کے اس واضح اعتراف کے بعد اسلامی تقاضوں اور جذبہ ایمانی سے مجبور ہو کر اس ڈھائی ہزار سالہ جشن پر ایک خاص زاویہ سے کچھ عرض کرنے کی جسارت کو کسی برے جذبہ پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ مقصد نصیح و خیر خواہی ہے۔ اپنے وطن عزیز کیلئے گہری قدر ہمسایہ ایران کیلئے اور پورے عالم اسلام کے لئے اس لئے ان گذارشات کو جذبہ خلوص اور احساس مسئولیت خداوندی ہی پر محمول کیا جائے گا۔

دنیا کی تمام جاہلیتوں سے بیزار ہونے والے محمد عربی علیہ السلام کے نام لیا۔ بلا لحاظ اختلاف مسلک اگر غور کریں گے تو غیر شعوری طور پر اس اجتماعی جرم عظیم کی شدت اور گہرائی پر محو حیرت ہو کر اشکِ ندامت بہائے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ جو بے خبری میں اس جشن کی شکل میں سرزد ہو چکا ہے۔ اگر خدا نے چاہا اور یہ اشک بہائے ندامت اس کی تلافی بن سکے تو اس خامہ فرسائی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

مسئلہ کا اصل رخ | بظاہر معاملہ کسی ایک خاندان کے جشن کا ہے مگر ہے تاریخ اسلام کی بھیا ناک ترین لغزش اور جاہلیتِ اولیٰ کی اتنی زبردست تحمین جسکی نظیر دوسری تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ — مسئلے کا ایک رخ تو یہ ہے کہ کیا اسلام نے شہنشاہیت کی حوصلہ افزائی کی ہے؟ اور کیا ملکیت کی کوئی بھی شکل تصور کے پیش کردہ نظام سیاست و مملکت سے جوڑ رکھا سکتی ہے؟ دوسرا گوشہ یہ ہے کہ کیا اسلام نے کسی شخصیت، خاندان، کسی طبقہ یا کسی عہد یا تاریخ کے کسی خاص دور کا مروج طریقوں سے جشن منانے کی اجازت دی ہے۔ یا نہیں؟ اور کیا اسلام کا عمومی مزاج شہنشاہیت کی اس انداز میں رد وادار ہے؟ سلطانی جمہور اور مساوات کے غفلتوں میں مسلمانوں کا ایسے نمونوں پر قائم رہنا غیروں پر کیسے اثرات چھوڑ سکتا ہے۔ — کتاب و سنت کی روشنی میں ان سب باتوں پر گفتگو کی گنجائش ہے مگر بات صرف اتنی نہیں اور نہ ہمارا رویہ سخن ان چیزوں کی طرف ہے۔؟ ذرا غور کیجئے یہ جشن اگر صرف سیادتِ مآب رضا شاہ پہلوی یا ان کے قریبی بزرگوں کا منایا جاتا یا اس سے بھی ایک قدم بڑھ کر اس کا دائرہ صرف سرزمینِ فارس میں آفتابِ اسلام کی سنیا پاشی کے آغاز تک وسیع ہوتا تو مشکل سہی لیکن گنجائش شاید اس جشن کی نکل آتی اور اس حد تک ہم بھی جذباتِ سپاس و محبت میں شریک ہوتے۔ —

عہدِ جاہلیت کی تحسین اور | نگہ یہاں تو بابت چودہ سو سال کی نہیں ڈھائی ہزار سال کی ہے۔
اسلام جمع نہیں ہو سکتے | جس میں گیارہ سو سالہ دور خالص اس عہدِ جاہلیت کے شہنشاہوں کا ہے جب کہ اس پورے عرصہ میں ایران کی تیرہ و تاریک سرزمین کسی بھی آسمانی دین اور توحید کی روشنی سے شناسا نہ ہوئی نہ ان ملک و امراء کے ہاں کسی اخلاقی قدر کی قدر افزائی تھی۔ پھر اس اڑھائی ہزار سالہ عہد میں ان ملک کا وہ عہدِ ناسعود بھی شامل ہے۔ جب کہ بعثتِ نبوی کے بعد خلافتِ راشدہ قریب الختم ہونے تک ان شہنشاہوں نے اپنی ساری قوت و سطوت اسلام اور داعیِ اسلام کے مقابلہ میں صرف کر دی اور ہر قیمت پر اسلام کے تابندہ چراغ کو بجھانا چاہا مگر اسلام کے بہادر جرنیلوں نے سب کچھ ٹاکر یہ روشنی نہ صرف بجائی بلکہ ایران کے ظلمتِ کمندوں کو اس سے روشن کر کے دم لیا۔

اسلام سے پہلے ایران کی شب و بچور | مگر اس روشنی سے پہلے ایران کی شب و بچور
کی کیا حالت تھی، آئیے ظہور اسلام سے ذرا پہلے اور پھر اس کے بعد اس کی دھندلی سی
تصویر پر ایک نظر ڈالیں شاید تحت کیانی پر متمکن ان شہنشاہوں کے کارناموں میں
بھی جشن کا کچھ سامان مل جائے۔

مزدکیت اور زردشت | بعثتِ نبوی سے پہلے ہمیں قباد اول بن فیروز سے
واسطہ پڑتا ہے جس نے مزدک کو پروان چڑھایا۔ مزدک نے دولت کے ساتھ عورت
کو بھی مشترکہ قومی سرمایہ بنایا کسی ایک کی بیوی سب انسانوں کا بستر بن سکتی ہے۔ یہ اس
کا فلسفہ تھا۔ قباد نے اس تحریک کو شاہی سرپرستی میں لیا۔ عیش پرست ملوک اور امراء نے
اس کا خیر مقدم کیا اور اس بہیمانہ تعلیم نے رہی سہی اخلاقی قدروں کو بھی خاک میں ملا کے رکھ دیا
۵۳۱ء میں قباد کی جگہ نوشیرواں آیا جس کی عدل پروری کی دنیا میں ایک دھوم مچ رہی تھی۔ مگر عدل و
انصاف کا یہ تمغہ اسے ان ہزاروں احباب و اقارب اور امراء و عوام کو تہ تیغ کرنے کے سلسلہ
میں ملا جو اس کے کمیش زردشتی اور جذبہ آتش پرستی میں مزاحم بنے۔

الغرض! اس نے مزدکیت کی جگہ زردشت کے نامعقول فلسفہ کو بزورِ شمشیر رائج
کرنا چاہا۔ یہ فلسفہ کیا تھا؟ یزدان و امرمن کے نام سے خداؤں کی تقسیم، نیکی و بدی، خیر و شر
ظلمت و نور کا گورکھ دھندا، آگ اس میں سجدو خلائق تھی، رہا اخلاق تو اس پر سے آئین اور
فلسفہ میں اس کے لئے کوئی خانہ نہ تھا، بلکہ مجوسیت نے باپ کا بیٹا، بھائی کا بہن، بیٹے
کا ماں سے نکاح کو ایک عام بات بنا کر اخلاقی قدروں کو پوری طرح محو کرنے کی بھرپور کوشش
کی یہی وجہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ہم بادشاہ یزدگرد ثانی کو اپنی بیٹی سے
نکاح کرتے اور پھر اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے دیکھتے ہیں۔ — نوشیرواں عادل کی اس
دوئی پرستی (تثنیٰ فی العبادۃ) کو اس کے بیٹے نوشیرواں نے تلبیت پرستی سے مٹانا چاہا جو
خود تلبیت میں محو تھا

نوشیرواں کے بعد یزدگرد ثالث سے یکے برسرِ بہارم تک یہی حالت رہی شہنشاہوں
کے اس عہد میں عورت کا جو مقام تھا اس کے کچھ نقش و نگار شاہنامہ کے اوراق میں نظر آسکتے

ہیں —

مانویت | اسی عہد کی یادگار مسیحیت اور مجوسیت کی وہ معجون مرکب بھی ہے جو مانویت، کے نام سے مشہور ہے جسکی بنیاد یہ ہے کہ ترک، ازدواج و تعلقات انسانی کے ذریعہ پورے بنی نوع انسان کی نسل کشی کی جائے۔ ان حکمرانوں میں قدر مشترک اگر کچھ تو یہی کہ یہ اپنے بنی نوع انسانوں پر خدائی گیلے پیدا ہوئے ہیں، رعایا انہیں معبود اور اوتار سمجھے۔ اور وہ رعایا کو بے دام غلام جیسے بھی چاہیں ان کے مال و متاع اور عصمت و آبرو میں تصرف کریں۔ وہ اپنے سوانحی مخلوق کو ذلیل اور کمتر سمجھتے اور اسے اپنے برابر کسی بھی انسانی سلوک کے مستحق نہ خیال کرتے۔ ہمارے ایک اولعزم سفیر مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب، ایک، دفعہ رستم کے دربار میں سامی شان و شوکت، کو روندتے ہوئے تخت تک پہنچے اور رستم کے برابر بیٹھ گئے تو پورا دربار اس گستاخی پر چلا اٹھا اور مسلمانوں کے ایک معزز سفیر کو جنہیں بلایا گیا تھا۔ تخت سے کھینچ کر نیچے گرا دیا گیا۔ صحابی رسولؐ نے شان و کلمہ رائے سے دربار پر ایک نگاہ حقارت، ڈالی اور فرمایا کہ اب تم ضرور مغلوب ہو گے کیونکہ کوئی سلطنت ایسے افعال و اخلاق کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔

افترض! ان بادشاہوں کے ایسے عادات و اطوار تھے جنہوں نے مشرک عیسائیوں کو حضرت رسولؐ کییم علیہ السلام کی نظروں میں محسوس پر قابل ترجیح بنا دیا تھا۔ قرآن کا سورہ روم بھی انہوں کے ایسے ہی جذبات، کی ترجمانی کر رہا ہے۔

بعثت نبویؐ اور ملوک فارس کا رد عمل | اب ذرا بعثت نبویؐ کے بعد ملوک فارس کے رد عمل کو دیکھئے حضورؐ اقدسؐ کا والا نامہ دعوتِ نجات، و فلاح لیکر حضرت عبداللہ بن خزافہؓ کہ ذریعہ عظیم فارس کی سرحد پر دینے کے پاس پہنچا ہے۔ مگر وہ طرزِ مخاطب دیکھتے ہی آگ لگولہ ہو کر نامہ مبارک پھاڑ دیتا ہے اور کہتا ہے: یکتب الیہ صعد او صعدی۔ میرا ملکوم ہو کر مجھے ایسا سلوک کھتا ہے۔ پھر نہ صرف یہ کہ قاصد کی تازیانہ کر کے اسے لکھواتا ہے بلکہ مین کے گورنر باذان کو حضورؐ کی گرفتاری اور مدائن پہنچا کر دربار میں پیش کرنے پر مامور کرتا ہے اور اس طرح حسبِ بشارت، نبویؐ ہزار سالہ مستحکم سلطنت کی بنیادیں خود

اپنے ہاتھ سے نہ دبا کر نے کا سامان کرتا ہے اس کے بعد مدائن کے چودہ گنگروں کے گرنے کی تعبیر شروع ہوتی ہے۔ اور خسرو پر دیز کا بیٹا نہ صرف اپنے باپ کو بلکہ تمام خاندان اور دارشان مملکت کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ تو اس کی جگہ سات برس کا بچہ اردشیر تخت کیانی پر بٹھلایا جاتا ہے۔ مگر اپنے ہی ایک جرنیل کے ہاتھوں وہ بھی قتل ہو جاتا ہے۔ اور پورے خاندان میں سردار تخت نہ ہونے کی وجہ سے کسری کی بیٹی بوران کی تاجپوشی ہوتی ہے۔ مگر جلد ہی دور کا ایک رشتہ دار اسے قتل کر کے تخت پر قابض ہو جاتا ہے وہ بھی ایک ماہ لطف سلطنت نہیں اٹھاتا کہ اہل فارس اسے قتل کر دیتے ہیں اب کسری کی دوسری بیٹی ارزمیدخت کی باری آتی ہے۔ اور وہ ملک تخت تاج بن جاتی ہے۔ مگر شہر ہور بریل رستم اپنے باپ کا انتقام لیتے ہوئے ملک کو اندھا کر کے قتل کر دیتا ہے اور کسی اور کو تخت پر بٹھاتا ہے۔ مگر جلد ہی تخت کیانی پھر لاوارث ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر تلاش بیار کے بعد کسری کے ایک گنام پوتے یزدجرو کو کہیں سے لاکر تخت شاہی پر نشان کر دیا جاتا ہے۔

چراغِ مصطفوی اور فارس | یہی یزدجرو ہے جسے ہم حضرت عمرؓ کی جان نثار افواج کے
کے بولہبی شرارے | ساتھ سرزمین فارس اور عراق عجم میں مسلسل برسرِ پیکار دیکھ
رہے ہیں۔ قادسیہ، مدائن اور ہندو ند کے میدان اسلام اور جاہلیت کے اس خونین تصادم
کی نشانیاں ہیں رستم و ہرمزان جالینیس اور فیروزان اور یزگرد و خاقان وہی بولہبی شرارے ہیں
جو آخر تک چراغِ مصطفوی سے ستیزہ کار رہے۔ سعد بن ابی وقاص، ربیع بن عامر، حذیفہ
اور مغیرہ رضی اللہ عنہم کے پاک ارواح شہادت دیتے ہیں کہ اسلام کسی لمحہ بھی اس عجیب جاہلیت
کا روادار نہیں ہو سکتا۔ قادسیہ کے میدان، فارس کے دشت و صحرا، وابلہ کی طغیانیاں اور
مدائن کے کھنڈرات جاہلیت اور اسلام کے درمیان نہ مٹنے والی دوری اور حد فاصل کی گواہی
دے رہے ہیں۔

بہر تقدیر عہد اسلام سے قبل یا اس سے کچھ عرصہ بعد عہد عثمانؓ تک یہ اُس شہنشاہیت
کی ایک جھلک تھی جسے آج محمد عربیؐ کے غلاموں نے خراج تحسین پیش کیا۔ ان عاشقانِ پاک

طینت کے ارواح پر کیا گذری ہوگی جنہوں نے انسان کو انسان کی بندگی سے نکال کر ایک معبود برحق کی چوکھٹ پر لانے کی خاطر اپنی محبوب جانِ جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور عجم کے کارگزاروں کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا۔ عراق اور ایران کے صحراؤں میں اپنے اسلاف کی تلک و تاز اور جہادِ پیہم کی ساری داستان ہم بھلا بیٹھے۔

اسلام جشنوں کا روادار نہیں | اگر اسلام جشنوں اور یادگاروں کا متعلیٰ ہوتا اور ہمالا موجودہ عہدِ ذلت و ادبار ان فرستیلوں کو برداشت کرتا اور ہم جشن مناتے بھی تو ہمیں اس فاروقِ اعظم کا جشن منانا چاہئے تھا جس کے صدقے آج ہم نہ صرف ایران بلکہ کئی اسلامی سلطنتوں کے دعویدار ہیں صحابہؓ کی جانِ فروشیاں نہ ہوتیں تو اس دور کی جاہلانہ ملکیت ہمیں کہاں پہنچائے ہوتی۔ آج ہم عالمِ انسانیت کیلئے بوجھ ہوتے، انسانِ انسانوں کا غلام ہوتا۔

قابلِ فخر اسلاف کون ہیں؟ | ہمیں یاد منانی ہے تو اپنے جرنیل سعد بن ابی وقاص کی منانی چاہئے جن کے فولادی عزم و یقین کے سامنے بحرِ ظلمات سرنگوں ہوا اور ان صحابہؓ کا جن کے عزم و حوصلہ کے صدقے فارس کے ایوانِ نغمہ ہائے توحید سے گونج اُٹھے۔ ابو عبیدہ اور خالد کی یاد تازہ کیجئے جن کے عزم و تدبیر اور صلابت و ہمت کے سامنے روم کے منکدے گھمسل کر رہ گئے۔ اسلام کفر اور عہدِ جاہلیت کے کسی نقش کو تازہ کرنے کا روادار نہیں اور نہ اسلام ایسے لوگوں کی تحسین کرتا ہے خواہ وہ ہمارے آباؤ اجداد ہی کیوں نہ ہوں۔ خواہ ایسا ایران میں کیا جائے یا عرب میں افریقہ میں ہوتا ہے یا ہند میں، ہمارے لئے قابلِ فخر وہی اسلاف ہیں جن کا سب کچھ اول و آخر اسلام کیلئے تھا۔ اگر ہمارے اسلاف میں سے کسی نے خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، اسلام اور داعیِ اسلام کے بارہ میں اچھی روایت نہیں چھوڑی تو ہم ایسے اسلاف پر فخر و مباہات کی بجائے اظہارِ نفرت و ملامت کرتے ہیں۔ مسلم کی شان تو یہ ہے کہ: لا یجۡدہ قوماً یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءہم اوابناءہم اواخوانہم اوعشیرتہم۔

جاہلیت کی کوئی یاد لائقِ اعتناء نہیں۔ | جاہلیت کی یاد خواہ فراعنہ مصر کی ہو یا ابو جہل و ابولہب قریش کی، مغلوں کے ہلاکویا چنگیز کی ہویا مین کے عاد و ثمود کی، ہندوستان کے راجہ

داہر کی یا عراق کے مفرد اور فارس کے دارا و سکندر کی ہر لحاظ سے قابلِ نفیرین ہے۔ اور ہمیں اس دورِ جاہلیت کو دل و دماغ کے ہر گوشہ سے مٹا دینا چاہئے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ مصر کی فرعونیت اور سندھ کی داہریت پر تو داویلا کیا جائے مگر ایران کی عجمی جاہلیت کی یاد منانے میں سب ایک دوسرے سے باز می سے جانے کی سعی کریں۔

ہم امتِ مسلمہ میں عہدِ جاہلیت کی کوئی یاد کوئی نشان اور کوئی نقش ہمارے لئے لائقِ اعتناء نہیں اور اس ہادیٰ برحقؐ کی تعلیم ہے جس کے آنے سے جاہلیت کی کاپیا پٹ گئی، ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آگیا اور اس کے چودہ کنگرے زمین بوس ہو گئے، شام کے تمام آشکدوں کی آگ بجھ گئی، بحیرہ سادہ کا پانی خشک ہو گیا سادہ کی ندی سوکھ گئی، بحیرہ طبریہ کا پانی منقطع ہو گیا۔ اور فارس کے چغین جسٹس نے خواب دیکھا کہ مضبوط و توانا اونٹ اور اونٹوں کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو عبور کر کے بلادِ عجم میں پھیل گئے ہیں۔ یہ جاہلیت اب قیامت تک قدموں میں پاٹمال ہوتی رہے گی۔ ہلاک کسریٰ فلا کسریٰ بعداً — ہمارے محبوب قائدِ حضرت عمرؓ نے اس جاہلیت کو ہمیشہ کیلئے زیر و زبر کرنے کے بعد فرمایا تھا۔ آج جو سیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے۔ تو خدائے تعالیٰ سے بھی حکومت چھین کر دوسرے کے ہاتھ میں دے دیگا۔ کاش! ایران کے اربابِ حکومت ہماری اس دردمندانہ گزارشات پر کچھ توجہ دے سکیں۔

حسینؑ کے شیدائی مگر شہنشاہیت کا جشن

ایران نے دنیا کے پچاس ممالک سمیت ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا اور بقول ایرانی وزیرِ دربارہ اسد اللہ عالم کے صرف ایران میں اس جشن پر ایک کروڑ ۶۶ لاکھ ڈالر خرچ ہوئے۔ یہ کروڑ ۶۶ لاکھ ڈالر کے مصارف اور شہنشاہی طور طریقے اس مسلمان قوم کے ہیں جو ہزاروں

ہزار مسائل اور الجھنوں میں جکڑی ہوئی ہے جس کا بیت المقدس یہود نے چھینا ہے۔ جس کی صحرائے سینا پر دشمن قابض ہے جس کے خون سے قبرص اور فلپائن میں ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ جس کا کشمیر مندوؤں نے غصب کیا ہے جس کی سرحدات پر غیر قومیں مستعد اور چاک و چوبند کھڑی ہیں۔ اور خرچ بھی ان عجمی شہنشاہوں کی یاد پر جنہوں نے اپنے دور میں اسلام اور داعی اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس ملک میں منایا گیا جو شیعان حسینؑ کہلا کر حضرت حسینؑ کے نام پر اس لئے فدا ہوتا ہے کہ بزعم ان کے انہوں نے ملکیت کے خلاف آواز اٹھائی اور جن کے ہاں حضرت معاویہؓ نعوذ باللہ اس لئے گردن زدنی ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے حق میں بیعت لی۔ مگر جو شہنشاہیت کا بانی کہلائے اس کی قبر کا طواف کرتا ہے۔ اور شہنشاہیت کو ایسی بے مثال مزاح تحسین پیش کرتا ہے۔

خلافت اور سوشلزم کے دعویدار | اور ستم ظریفیاں دیکھنی ہوں تو اپنے ہاں کی جماعت
مگر تحسین شہنشاہیت | اسلامی کو دیکھئے جو حضرت معاویہؓ کو اسی جرم میں
ملکیت کا بانی اور قابل لامت سمجھ کر خلافت، ملکیت، کا طوفان اٹھاتی ہے۔ مگر اس عظیم
جشن پر ان کا پورا پریس خاموش ہے۔ مصر کے صدر ناصر کو ایک نعرۂ فرعونیت کے الزام پر
جو تحقیق طلب مقام اب تک معاف نہیں کر سکتی مگر دارا اور خسرو پر ویز کے اس زبردست
مزاح تحسین میں اسے نہ صرف سانپ سونگھ گیا، بلکہ لاہور سے ان کے ایک نیم سرکاری
ہفت روزہ نے ذوالقرنین کے پردے میں پردہ داری کی سعی بھی کی جو پچھلے ایک شمارہ میں
جمہوریت کو اسلام پر واضح الفاظ میں برتری دینے کا اعلان بھی کر چکا تھا۔ اور ذرا اپنے ہاں
مسادات اور سوشلزم کے دعویداروں کے قول و عمل کا بھی موازنہ کیجئے، جن کا پورا پریس
شہنشاہیت کی یاد منانے میں برابر کا شریک تھا اور جن کے مسادات، اراکوتبر ۱۹۷۱ء میں
ڈکٹیٹر شپ، شہنشاہیت کے ساتھ ملائیت کو عالم اسلام کے زوال کا سبب قرار دیا گیا تھا
مگر اوپر کے سارے حاشیے جشن کی رنگ ریلوں سے بھرپور تصاویر سے مزین تھے اور جن کے
تاییدین نے جشن کی بر شب کو شب قدر "جان کر دل کے ارمان نکالے" — تصاویر قول و عمل
کے کیسے کیسے جھانک نمونے اس واقعہ میں موجود ہیں۔ فاعتبر وایا اولی الابصار۔

تاریخ اور مظاہر پرستی کی سنگین گرفت

شاہ ایران کی تاجپوشی دھوم دھام اور شاہانہ طمطراق سے ہوئی۔ اور اب تک اخبارات کے صفحات ان تقریبات کی رنگینیوں اور ہزار ہا ہزار ہیروں اور ہوا ہر سے مرصع تاج و تخت کے چہرچوں سے معمور ہیں۔ ایک امن پسند مخلص اور حلیف فرمانروا کی مستروں کا پہلا تاثر تو ظاہر ہے کہ ہم سب ان کی مستروں میں شریک ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ ان تقریبات کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے ایک نگاہ حقیقت بین گریز نہیں کر سکتی کہ تاریخ جدید ہوا یا قدیم اپنے آپ کو دہرائی رہتی ہے۔ وہ اگرچہ ہے تو بیسویں صدی کو بھی دو ہزار سال پیچھے کی طرف لوٹا دے۔ اس کی گرفت اتنی سنگین ہے کہ بیسویں صدی (جو جمہوریت اور سلطانی جمہور کا دور کہلاتا ہے) میں کیتھارڈ اور یکھسرو، کسروان فارس یا سلطنت روم کی الف لیلوی داستانیں دہرا سکتی ہے۔ عہد جدید کا ”متھن“ انسان خواہ قدامت بیزار انگلینڈ کا باشندہ ہو یا جمہوریت پذیر فارس کا، جذباتی شخصیت پرستی کے سامنے آج بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنا کہ ہزار سال پہلے تھا۔ اور تو اور مساوات انسانی اور اشتراکیت کا دعویدار روس کیا اپنے گلے سے مظاہر پرستی کا پھندا اتار سکا ہے؟ ہرگز نہیں سٹالن اور لینن کے سامنے یہ قوم کتنی بے بس ہے؟ جو قوم خدا سے کٹ گئی عمر بھر مخلوق کی جیب ساٹی اس کا شیوہ حیات بنا۔ عجز و انقیاد اور تعظیم و تکریم کی وہ کون سی صورت ہے جس کا مظاہرہ خدا سے جی و قیوم سے انسانیت کو توڑنے کے بعد جذبات پر تشنہ نے ان لوگوں سے اپنے مصنوعی اربابوں کے مجسموں، مقبروں، نشانیوں اور سجادہوں پر نہیں کروایا۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو ان تمام تکلفات خود ساختہ امتیازات اور تعیشات کا کبھی روادار نہیں رہا جن سے دوسروں کی انسانی عظمت اور جذبہ خودی پا تمال ہوتی ہو۔

مادہ پرست اسلامی حکومتوں کا فلسفہ حیات

، بحری جہاز کے عرشہ کیلئے غازیں حج کی قرعہ اندازی کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا ہے، جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں اس کے مطابق امیدواروں اور کامیاب افراد کا تناسب مایوس کن اور روح فرسا ہے۔ مثال کے طور پر صرف ضلع پشاور کو لیجئے جہاں تین ہزار افراد نے درخواستیں دیں مگر اس ضلع کا کوٹہ صرف ایک سو شستوں کا تھا۔ ایک اور تیس بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ نسبت ملک کے ہر ڈویژن اور ضلع میں رہی۔ حج بدل یا سہ سالہ اور پنج سالہ امیدواروں کے لئے بھٹوڑا بہت جو الگ کوٹہ تھا اس میں شرح تناسب اس سے بھی زیادہ رہی۔ بہت سے افراد ایسے تھے جن کا نام قرعہ میں نکل آیا مگر کاغذات میں معمولی کسی سقم کا بہانہ بنا کر انہیں سعادت حج سے محروم کر دیا گیا، یہی حال ہوائی جہاز کا ہے۔ جن محدود سے چند افراد کو ہوائی سفر کی اجازت ہے، ان کے ساتھ بھی معاملہ ایک فرض کی ادائیگی میں تعاون سے زیادہ بزنس پیمانے پر ہے اور انہیں بزنس واؤچر کے نام و گنا مصارف ادا کرنے پڑتے ہیں۔ نتیجہً بوڑھے ضعیف مسلمان اشتیاق دید بیت اللہ میں سسک رہے ہیں۔ سالہا سال سے ملک کا ایک بہت بڑا دیندار اور ذمی شعور و رد دل رکھنے والا طبقہ گنبد خضرا کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے تڑپ رہا ہے، پورا سال امید و بیم کے جان سوز لمحات میں گزار کر پھر اسی محرومی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو سالہا سال سے ان کے حق میں سولہا منوح بنی ہوئی ہے، وقتی طور پر دینی اور اسلامی حلقوں سے کچھ شور بھی اٹھ جاتا ہے۔ تعداد میں چند ایک سو کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے، مگر مسئلہ کی نزاکت اور تلخ اثرات بڑھتے جا رہے ہیں، ہر سال امیدواروں میں اضافہ کے ساتھ ان کی حیران نصیبی کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور جذبات اندر ہی اندر بھڑکتے ہیں۔ اور تسکین کا سامان نہ پا کر حکومت سے ناراضگی، نفرت اور پورے ملک سے بیزاری کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

یہ صورت حال کافی عرصہ سے چلی آ رہی ہے، مگر حج بیت اللہ کے مقدس اور مبارک فریضے کا مسئلہ ہے کہ ”بزعیم خویش دنیا کی اس سب سے بڑی نام نہاد اسلامی سلطنت“ میں لاکھوں پاکیزہ تماؤں اور مقدس آرزوؤں کے خون کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ ہر سال لاکھوں دینی احساسات کے آبلگینے چور چور ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کا کوئی علاج نہیں ہو رہا۔

مان لیا کہ زرمبادلہ اور سیم و زر کا مسئلہ اس راہ میں سنگسار بنا ہوا ہے، مگر کیا اب تک ملک و ملت کو درپیش دوسرے مسائل کی طرح ہم نے اس مسئلہ کو بھی سنجیدہ طریقے سے اور منظم منصوبے کے ذریعہ کبھی حل کرنے کی کوشش کی، ۳ کروڑ روپے سے مینیل پلاننگ بنانے والی حکومتوں نے کبھی اس مسئلہ کے لئے بھی کوئی منصوبہ بندی کمیشن بنایا جو اس کے لئے زرمبادلہ کی فراہمی اور اضافہ کے لئے کسی پلانٹ پر غور کرے، یہاں کروڑوں روپیہ، ثقافتی طائفوں اور اس قسم کی عیاشیوں پر خرچ ہو رہا ہے، کروڑوں روپیہ عورتوں کے سامان آرائش و زیبائش، فلموں اور ٹیلی ویژن سیٹوں کی درآمد پر لگ رہا ہے۔ اعلیٰ اور مہذب ہوٹلوں کے نام پر ملک میں انٹرٹینمنٹ قسم کے ہوٹلوں کے نام سے فحاشی کے جزیرے اور سیفی قحبہ خانے قائم ہیں۔ ذرا ہم نے کبھی غور کیا کہ ان پر کتنا زرمبادلہ خرچ ہو رہا ہے، پر مٹوں سے درآمد ہونے والی شراب کے خطرہ مصارف میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے۔؟ اور کیا ایک ایمانی فریضہ کی تکمیل کا مسئلہ پیٹ کے مسائل سے بڑھ کر اگر نہیں تو اس کے برابر بھی قابل اعتناء نہیں۔

دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی وجہ | دراصل اس تمام خرابی اور دیگر تمام دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم دین، اخلاق اور اسلام کو اس کا صحیح مقام دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ ہمارا بنیادی فلسفہ حیات یہی ہے کہ ضرورت اور مفاد کی خاطر جتنا بھی چاہئے پیچہ پیچ کر اسلام کا نام لو، اقتدار حاصل کرنا ہو تو اسلام کی دوہائی دو، اسلام کے نام پر لاکھوں کی لکھا ڈبو دو۔ اسلامی حکومت کے نام پر ان کی عصمتیں تار تار کر دو، جس کفر اور الحاد کو چلانا چاہو اس پر اصلی اسلامی ٹریڈ مارک کا ٹھپہ لگا دو۔ مگر جب مقصد حاصل ہو جائے، تو سب سے بڑھ کر خود ہی اسلام کا ایک ایک ستون ڈھانے لگ جاؤ۔

منافقانہ روش | ۲۲ سال بلکہ اور بھی پیچھے ہٹ کر اپنے ماضی پر نگاہ دوڑائیے تو قول و عمل کے تضاد کی ایک ایسی بھیانک تاریخ تمہارے سامنے آجائے گی جس کا ہر باب اور ہر صفحہ غدارمی، عیاری اور خود غرضی سے داغدار ہے، اسلام کا احساس ہمیں اس وقت ہوا جب قدرت کی تلوار نیام سے باہر آئی اور اقتدار یا جنگ، زرگری کے اس اکھاڑہ کے وجود کو خطرہ محسوس ہوا یا کسی طبقہ کے مادی اور ذاتی مقاصد و گمگانے لگے۔ یہاں کے لیڈر اسلام کی مالا جھپتے ہیں، مگر ان کا ذاتی اور اجتماعی کردار اسلام کے لئے ایک گالی ہے، یہاں غریب اور کسان کے نام پر سوشلزم مساوات اور اشتراکیت کے خراو پر اسلام کو وہی طبقہ چڑھا رہا ہے جو غریبوں کا خون پی پی کر پھولے نہیں سماتا، یا جو غریب اور بے کس طبقہ کی غریبی سے فائدہ اٹھا کر اس کی عصمتوں سے کھیلتا رہا ہے۔ یہاں عدلِ عمر، فراستِ صدیقی اور فقرِ ابوذر کا نام وہ لوگ سے رہے ہیں جن کی ذہنی آبیاری لنین اور کارل مارکس جیسے اعداء اسلام سے ہو رہی ہے، یہاں اسلامی نظامِ حیات اور تحریکِ اقامتِ دین کے نفاذ کے لئے وہی لوگ پیش پیش ہیں جن کی خانگی اور ذاتی زندگی سے اسلام کو سول دور ہے۔ مگر ان کی نگاہ گستاخ اگر اٹھتی ہے تو حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کا دین اور ایمان جانچنے کیلئے وہ اسلام کے علمبردار ہیں۔ مگر اسلام کے قرنِ اول عہدِ خلافت کو بھی معاف نہیں کرتے اور اس اسلام کی ایک ایک بنیاد پر تیشہ تحقیق چلانا ان کا علمی مشغلہ اور تحقیقی عیاشی ہے۔ یہاں کی ہر نئی حکومت اسلام کے تحفظ اور فروغ کا پرچار کرتی ہے مگر ان کے عہدِ اقتدار میں حاجیوں کی شرح گھٹ جاتی ہے۔ اور روزہ خوروں کی تعداد اور نائٹ کلبوں کی رونق میں ترقی اور درون پردہ ہولوں میں احترامِ رمضان کے مشاغل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اخباری رپورٹ کے مطابق اس رمضان کے دوران کراچی کی نائٹ کلبوں میں دن بھر شراب نوشی نے گزشتہ تمام سالوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔

تلبیسِ حق و باطل سے لبریز لٹریچر | یہاں کے اخبارات، نظریہ پاکستان کی بقا اور تحفظ کے بہت بڑے مناد بنتے ہیں مگر ہنگامہ کشیا کثیر الاشاعت اخبار فلم ہنگامات اور اشتہارات کے نام پر اسلاف اور شرافت کی تمام حدود پھاندے گئے کہ نظریہ پاکستان کا تشریح

سمجھتا ہے وہ فلمی ایڈیشن کے صفحہ اول پر کسی فاحشہ عورت کا تقریباً برہنہ فوٹو شائع کرتے ہوئے نہیں جھجکتا۔ (ملاحظہ ہو، اراکتوبر کا فلمی ایڈیشن) یہی حال اس پایہ کے دیگر اخبارات کا ہے جو رمضان کے مقدس مہینہ میں بھی اپنے قارئین کے کام و دہن کا انتظام فحش تصاویر اور جنسی جذبات بھڑکانے والے مضامین سے کرتے ہیں، ان کے ایک کام میں قرآن کی تفسیر اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ ہوتی ہے اور دوسرے پہلو میں اخلاق باختہ یورپ کے غلیظ اور بدبودار ادب کے شہ پارے۔ یہ پوری صورت حال اس پوری قوم، حاکم سے لیکر دنی رعیت تک، کے نفاق، عقیدہ سے بے تعلقی، نظریہ سے فرار، خود غرضی اور عیاری کی نشاندہی کر رہی ہے۔ اور جب تک ان بیماریوں کا علاج نہیں ہوگا نہ تو جج کا مسئلہ حل ہوگا، نہ روزے اور نماز کا، مگر یاد رکھئے قانون مکانات عمل ایسی دھاندلی ہمیشہ کیلئے برداشت نہیں کرتی، قدرت کی تلوار کو پیام سے نکلنے سے پہلے صداقت، ایمان و یقین اور اس کے ساتھ والہانہ تعلیق سے روک دو ورنہ وہ فتنہ آکر رہے گا جس کے شکار صرف مجرم نہیں ہوتے۔ **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَكْرًا خَاصَةً۔**

ثقافت کے نام پر فحاشی

ثقافت، آرٹ اور کلچر کے نام پر ملک کو فحاشی اور بے حیائی کے جس جہنم کے کنارے پہنچا دیا گیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ادھر ہم اسلام کے دعویدار ہیں اور ”اسلامی انقلاب“ کا تہیہ کرنے کے شروے سنارے ہیں۔ ادھر قوم کے اخلاقی زوال کا رونا بھی رویا جاتا ہے۔ ہمارے ٹی وی پر امرتسر کے ٹیلی ویژن کی یلغار کا بھی خوب ماتم کیا جا رہا ہے۔ اخلاقی جرائم کا دور دورہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اخلاقی قدروں کی پائمالی اور بربادی کا مرثیہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب عمل تو بڑی بات ارادہ عمل کے لئے بھی کوئی آواز اٹھاتا ہے تو ”نفاق“ کی عجیب شرمناک اور گھناؤنی تصویر اپنے سے پردہ حقیقت سر کا کر قوم کے سامنے آجاتی ہے۔

یہی مظاہرہ قومی اسمبلی میں ثقافت کے نام پر فحاشی سے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی قرارداد زیر بحث آجانے کے موقعہ پر ہوا۔ قرارداد تو مسترد ہوئی ہی تھی کہ اکثریت کے ہاتھوں مٹھی بھرا ہل حق بے بس تھے گو اتمام حجت اور اور کلمہ حق کی بلندی کا قریضہ ادا ہو ہی جائے۔ مگر قرارداد کی مخالفت کے دوران کھل کہ ثقافت کی وہ کون سی عجیب و غریب تعبیر و تفسیر تھی جو قوم کے روشن خیال ماڈرن لیگان نے نہ کی ہو۔ رقص و سرود، گانا، بھنگڑا، لڈو، ثقافتی طائفے تو خیر ایسی خرافات ہیں کہ اس نقطہ ثقافت کا لازمہ بن چکی ہیں۔ مگر اب کے سرکاری مقررین کے خیالات سن کر حیرت ہوئی کہ نعوذ باللہ اسلام کی تاریخ عہد صحابہؓ اور خلفاء راشدین کی ساری عمارت ہی ناچ گاتے اور ایسی خرافات اور منکرات کی اینٹوں پر قائم ہے۔ العباد باللہ۔ یہ انداز فکر اور اسلام کے بارہ میں یہ منافقانہ روش اب تو ہمارا قومی شعار ہی بن چکا ہے۔ پچھلے ۲۴ سال اسی منافقت اور عیاری کی نظر ہو چکے ہیں۔ مگر اب تو اس دور کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے اور عروج کے بعد زوال قدرت کا اٹل قانون ہے جو لوگ طاؤس و رباب اڈل طاؤس و رباب آخر۔ اور بابر بہ عیش کوش کہ عالم و دہارہ نیست کے فلسفہ پر نہ صرف گامزن بلکہ اس کے داعی ہیں۔ اور جو تہذیبی اقدار کو طوائف کے کوٹھے میں محدود سمجھ کر قوم کو وہاں سے جا کر سیکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ انہیں قدرت کی تعزیروں سے ڈرنا چاہیئے۔ اور حالات سے سبق بھی سودی نظام کے بعد فحاشی سے متعلق قومی اسمبلی کے ہاتھوں قرارداد کا مسترد ہو جانا دوسرا ایک عظیم المیہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ملک و ملت کی حالت زار پر رحم فرماوے اور قوم کے کلیدی طبقہ کو ہدایت دے۔ (جنوری ۱۹۷۷ء)

۱۔ قرارداد اور بحث کے دوران ایک سرکاری رکن نے کہا کہ اصل روحانیت اور تہذیبیت نفس طوائف کے کوٹھے سے پائی جاسکتی ہے۔

شکست خوردہ قوم پر

ثقافتی طائفوں کی یلغار

ادھر کو ریا کا ثقافتی طائفہ آ رہا ہے۔ ادھر ترنگی کے فن کار رخصت ہو رہے ہیں، ہر طرف سے طائفوں کی آمد آمد ان طائفوں کے نیم عریاں رقص و سرود اور ہنر کرتے ہوئے جسموں کی ایک دھوم ہے۔ کراچی سے خیبر تک پورا ملک ان کی زد میں ہے۔ فحاشی، بے حیائی، عریانی اور اخلاق باختگی کا کولسا نمونہ تھا۔ جو اس اسلامی مملکت کے ہر بڑے چھوٹے شہر اور اس کے سینماؤں اور کلبوں میں ان طائفوں یا ”طوائفوں“ نے پیش نہ کیا ہو۔ نہ صرف کلبوں میں بلکہ بازاروں میں اسٹیڈیم میں پارکوں میں ہزاروں کے سامنے شرفاء اور حکام کے سامنے مردوں عورتوں بچوں کے سامنے وہ سب کچھ کیا گیا کہ شرافت اور حیا سر پیٹ کر رہ گئی اور یہ سب کچھ انفرادی طور پر نہیں سرکاری اہتمام میں، جنہیں دیکھنے کی سعادت نہ مل سکی اخبارات اور پھر ٹیلی ویژن انہیں کب محروم رکھتے، وہ بھی محفوظ ہو گئے۔ بلکہ اس پر بس نہیں کی، یہ ثقافتی طائفے اپنی مجالس، انٹرڈیز اور گفتگو میں ہماری مردہ غیرت پر ہتھوک بھی گئے۔ مردہ حمیت کو لاتیں بھی ماریں۔ مگر بے غیرت صنیر کی نیند اور بھی گہری ہوتی چلی گئی۔

ایک ٹرکشن فنکار نے اپنے پاکستان آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ”آپ لوگ ایک بہت بڑے طوفان (مشرقی پاکستان کی جدائی، کروڑوں کی غلامی، لاکھوں کی قید، رہے سبے ملک کی ذلت و پستی) سے گزرے ہیں، آپ رنجیدہ ہیں، ہم آپ کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرنا چاہتے تھے۔“

مس نادیر نے کہا کہ پھر اور مذہب کے معاملہ میں ہندوستانی پاکستانیوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ (بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی۔) مس قلوبطرد نے کہا کہ مکمل عریانی کو اپنا کر ہم اخلاق درست کر سکتے ہیں، اس طائفہ کو اگر چڑھتی تو یہاں کی مذہبی تنظیموں سے،

اور چند حیا دار مسلمانوں سے، کہ وہ ہمیں ایسا کرنے نہیں دیتے۔ جو بقول اُن کے خود کو اچھے مسلمان تو کہتے ہیں مگر اچھے انسان نہیں کہتے۔ آگے بڑے پتے کی بات کہی کہ ہمارے ترقی پسند تیسن کر اچھل پڑیں۔ فرمایا خدا کرے آپ کے ہاں بھی کمال اتاترک کے کارنامے کو دہرایا جائے۔

— جی ہاں! دہرایا جا رہا ہے۔ بہت کچھ دہرایا گیا۔ مگر ترکوں نے بھی اس صیہونی ایجنٹ دشمن اسلام ملعون و مخصوب کمال اتاترک کے کارناموں کا مزہ چکھ لیا۔ اور پاکستان کا زخم تو ابھی ہر ہے، کچھ کمی ہے تو وہ بھی بہت جلد پوری ہو کر رہے گی۔ ایک اور فنکار مسٹر کمال نے کہا کہ اے لوگو اپنے ان نام نہاد مسلمانوں اور علماء کا محاسبہ کرو جو خلوت کدوں میں ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور اندرون ملک انتشار پھیلانے کے ساتھ باہر بھی ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔“

مس نجلہ کا تبصرہ تھا کہ پاکستانی جنسیات کے معاملے میں بڑے زبردست واقع ہوئے ہیں۔ یہ اور اس قسم کے بیشمار رکیک جملے، بے حیائی اور عیاشی کی رغبت اور غلاطت کے ہزار ہا نمونے آپ کو ان طائفوں کے صرف ایک انٹرویو میں مل سکتے ہیں۔ جو ماہناموں میں چھپے اور بکے۔ اور اگر آپ کو ایسی باتوں پر اچنبھا ہے تو ذرا اپنی سب سے بڑی نمائندہ مجلس، قومی اسمبلی میں آکر اپنی منتخب سرایا عفت خواتین کے ڈائلاگ اور تقاریر سن لیجئے۔ یہی انداز بیان یہی استدلال یہی جرأتِ زندانہ نظر آئے تو جو سرزنش ہو کر سکتے ہیں۔ یہ اس قوم کی حالت ہے جو آگ اور خون کے طوفان سے گزری نہیں بلکہ دن بدن ذلت و پستی، رسوائی اور تباہی کے گڑھوں میں دھنستی چلی جا رہی ہے۔ مگر وہ اپنا غم ایسے حیا باختہ پردہ گر امروں میں محو ہو کر مٹانا چاہتی ہے پس کیا اس سے بڑھ کر بھی نصیحت اور عبرت کی ضرورت ہے۔

منزلہ من مذکر۔

ہاکس بے کے ساحلے پر

قومی شرافت کا جنازہ

کراچی کے ہاکس بے پر جو شرمناک واقعہ رونما ہوا، اخباری اطلاعات کی بناء پر اس سے صدر مملکت سے لیکر قوم کے نام افراد تک کی آنکھیں شرم سے نیچی ہو گئیں اور واقعی سینکڑوں جوان لڑکوں کا سینکڑوں لڑکیوں پر ٹوٹ پڑنا اور بھوکے کتوں کی طرح انہیں نوچنا اور بھنجوڑنا ایک دوسرے پر مل بولنا، الغرض قوم کی شرم و حیاء کا جنازہ اس شان سے ہاکس بے کے ساحل پر سمندر میں ڈبو دینا۔ خود شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے، مگر کیا واقعی ہماری نگاہیں شرم سے نیچی ہو گئی ہیں۔ یا شاید یہ بھی ایک رسمی حیاداری کا مظاہرہ ہے۔ ہم ہاکس بے کی حیا باختہ نوجوان پود کو کوستے ہیں۔ مگر یہ واقعہ تو پوری قوم کی ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ تم انہیں کوستے ہو تو اپنی عقل و خرد کا ماتم کیوں نہیں کرتے، تمہیں صرف اُن شریف زادوں سے ہمدردی کیوں ہے۔ جو مادر پدر آزاد بن کر آوارہ نسلوں کے لئے سامانِ تفریح بننے ہی کیلئے پکنک منانے تفریحی ساحلوں پر جاتی ہیں۔ اگر کوئی سنا ہے تو دونوں کو کوسو اور اگر ہمدردی کے مستحق ہیں تو لڑکیوں کے ساتھ لڑکے بھی کہ ہم ہی ان کے اخلاق اور شرم و حیاء کے قاتل ہیں۔ ہم ہی نے انہیں ہوسناکی اور حیوانیت کے اس ہلاکت آفرین راستہ پر ڈال دیا ہے۔ شرم سے آنکھیں نیچی کرنے والے بزرگو! ذرا آنکھیں اٹھا کر تو دیکھو تمہارے قبیلے اداروں میں کیا پڑھایا جاتا ہے۔ اور کن کن عملی تجربات کی لیبارٹریوں سے قوم کی نئی پود گزاری جا رہی ہے۔ اور وہ دیکھو فلم کا پردہ سپین وہ تو قومی ترقی میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔ اور وہ جب ٹی وی پر نوجوان پود پرانی نسل کی وارٹھیاں نوچ رہی

ہوتی ہے۔ تو تمہارا جذبہ غیرت کہاں مر چکا ہوتا ہے۔ اور تمہاری بہن غیرت ریڈیو پر محسوس ہونے لگاتے سن سن کر اور سنا سنا کہ کبھی عرق آلود نہیں ہوتی۔ پھر جب آگ اور پانی کو یکجا کرنے کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے تو تمہاری آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ میری نگاہیں تو اس واقعہ سے

نہیں بلکہ عمائدین اور مترفین قوم کے اس اعترافِ شرم پر شرم کے مارے جھک گئی ہیں کہ
درمیاں قعر دریا تختہ بسندم کردہ
باز می گوئی کہ دامن ترکمن ہشیار باش

اوپنچی سوسائٹی کی گھناؤنی تصویر

ان دنوں اخبارات میں کراچی کی ایک فاحشہ عورت شہناز گل اور ان کے ایک دوست
(جنہوں نے خودکشی کی) کے سکینڈل کا پیرچھا ہے اس واقعہ کے ضمن میں جو تفصیلات سامنے
آ رہی ہیں انہوں نے ہمارے ملک بالخصوص اوپنچے معاشرہ کی ایک گھناؤنی تصویر ہمارے سامنے
رکھ دی ہے۔ یقین نہیں آسکتا کہ یہ تصویر برطانیہ کی کرسٹائن کیڈر کی ہے یا کسی اسلامی مملکت
کے سب سے بڑے شہر کی مسلمان سوسائٹی کی۔ افسوس کہ جو مملکت اسلام کے نشاۃ ثانیہ
کے نام پر حاصل کی گئی تھی وہاں کے مہذب معاشرہ کے اکثر ذمہ دار افراد ڈاکٹر وارڈ اوکریٹھن کیلئے
کا کردار ادا کرنے میں مشغول ہیں مگر اصلاحِ حال کی صورت سامنے نہیں آ رہی۔ شہناز گل کیس
ایک المیہ اور ماتم ہے، پورے پاکستان کی غیرت و حمیت پر، حکام اور سرمایہ دار طبقوں
کی اخلاقی اور ایمانی بے حسٹی پر پورے پریس کے ذوقِ اشاعتِ فاحشہ پر، اور پورے ملک کے
اخلاقی زوال پر۔

دشمنی صرف استعمار سے نہیں لادینی نظام سے بھی

پچھلے دنوں مصر کے ایک ممتاز مفکر و مصنف اور ان کے رفقاء کی شہادت کا سانحہ فاجعہ پیش آیا۔ صدر ناصر اور ان کی فوجی عدالت نے انہیں پھانسی پر لٹکایا۔ ان لوگوں نے صبر و استقامت سے دارورسن کے مراحل طے کئے اور اپنی جانیں رفیقِ اعلیٰ کے سپرد کیں۔ ترجمہ اللہ و ارضا، ہم۔ اس سانحہ ہائلہ کے حقیقی اسباب و محرکات ابھی تک سامنے نہیں آ سکے مگر اتنی بات واضح ہے کہ عالم اسلام کی اکثریت ان پر لگائے ہوئے الزامات سے مطمئن نہیں ہو سکی۔ جن لوگوں کا وجود عالم اسلام کے لئے مشترکہ متاع اور گرانمایہ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ ان کے ساتھ اس طرح کے سلوک پر عالم اسلام کا اضطراب ایک لازمی اور طبعی امر ہے کہ مسلمان ہر در دو مصیبت میں ایک دوسرے کے لئے ”جسد واحد“ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (اذا شتکى عضوٌ منه (الحديث) اگر واقعی یہ لوگ ملکی مصالح سے غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ تو پھر بھی ان کی ہمہ گیر مقبولیت کی بناء پر ضروری تھا کہ ان کا کبھی کسی غیر جانبدار یا مشترکہ ٹریبونل میں پیش ہوتا۔ یا کم از کم انہیں اپنی صفائی کا موقع دیا جاتا۔ اگر ایک جماعت یا تحریک برسرِ اقتدار گروہ سے مطمئن نہ ہو اور وہ اسے بدلنا چاہتی ہو تو ”جمہوریت“ کے اس دور دورہ میں غرض اس جرم کی بناء پر اسے گردن زنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ سامراج اور استعمار کے مقابلہ میں صدر ناصر کی کوششیں لائقِ تحسین و تائید ہیں۔ ہم سامراجیت علی الخصوص مغربی استعمار کو اس دور کا بدترین المیہ اور ”شجرہ ملعونہ“ سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ خدا فراموش قومیت، مذہب، بیزار اشتراکیت یا سیکولزم کو ہرگز گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ مذہب بالخصوص اسلامی اقدار کے احیاء و فروغ کو استعمار و استبداد کی بیخ کنی کی راہ میں ایک رکاوٹ

سمجھتے ہیں، وہ صریح غلطی پر ہیں۔ قوم و وطن سے بالاتر اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہو کر بھی تو کافرانہ استبداد و استعمار کو لٹکارا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ یورپی استعمار اور سامراجیت کی بندشوں سے کلی طور پر آزاد ہونا عالم اسلام کا اقدام اور اہم ترین فریضہ ہے۔ لیکن اگر اس لعنت کی جگہ مصر کی اشتراکیت دخواہ اسے سوشلزم کے معنی میں نہ لیا جائے، یا سیکولزم یا کوئی اور غیر اسلامی نظام اپنا قدم جماتا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ دین اور مذہب کو سماجی، اقتصادی اور معاشی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔ تو ہم اس قبادل نظام کو بھی ایک لعنت ہی سمجھیں گے۔ اس صورت میں مغربی سامراج کے جنازہ نکلنے پر ہمیں خوشی تو یقیناً ہوگی مگر وہ صرف سلبی پہلو ہوگا۔ اور محض ایسی خوشی جو دیت نام، کیو یا کائو کی آزادی اور فیڈرل کاسٹرو یا ہوچی منہ اور لومبا کے کارناموں پر حاصل ہو۔

دشمنی صرف صلیبی اقوام سے نہیں صلیبی نظام سے بھی | ایک مسلمان کو کامل خوشی تو صلاح الدین ایوبی کے مؤمنانہ فتوحات سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو نہ صرف صلیب کے علمبرداروں کو بلکہ صلیبی نظام کو بھی توڑ کر رکھ دے۔ مصطفیٰ انا ترک کی فتوحات اور کارناموں پر خوشی کا پڑنا ضروری تھا۔ لیکن تصویر کا وہ روح فرسا اور ایمان سوز رخ بھی نظروں کے سامنے رہنا ضروری تھا۔ جس کے نتیجہ میں ترکیہ سے اسلام اور دین محمدی کو جلا وطن کیا گیا اور محمدی اقدار کا نام لینا ناقابل معافی جرم قرار پایا، ایک دن خوشی کے نقارے بج گئے مگر نصف صدی بلکہ آج تک ملتِ مسلمہ ترکیہ میں اسلام کی غربت پر رورہی ہے۔ افسوس کہ جذبات کی شدت میں یہ تلخ ترین پہلو نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ عالم اسلام کی بعض قیادتیں مغربی استعمار سے لڑ رہی ہیں۔ اور بعض مشرقی استبداد دسیکولزم یا دہریت سے برسرِ پیکار ہیں۔ مگر جس گرم جوشی سے یہ مقابلے ہو رہے ہیں اس سے زیادہ شوق اور ولولہ سے اپنے دشمن (سامراج یا سیکولزم) کے معاشی، سماجی اقدار اور ان کی تہذیب و تمدن، نظریات، عادات و اطوار سے معاف کیا جا رہا ہے۔ ہمارے بعض عرب بھائی تو اس معاملہ میں خاصے تیز ہیں (محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے طرز زندگی کو جاہلیتِ عصر حاضرہ (مغربی تہذیب اور مادیت) کے مہینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ یورپی اقوام

اور بیرونی اقتدار کے تو دشمن ہیں۔ مگر خود سرتاپا انہی کے رنگ میں ملک و قوم کو ڈبو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مصالحت کی رو میں وہ اپنے دینی مسلمات، متواتر اور قطعی اقتدار سے انحراف اور اس میں تبدیلی و ترمیم سے بھی نہیں شرماتے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا یوں ایک دوسرے کو مشق ستم بنانا، ایک دوسرے کو گردن زدنی قرار دینا ہرگز قابل تائش نہیں ہو سکتا۔ صدر ناصراگر مغربی استعمار سے برسر پیکار ہیں، تو سید قطب اور ان جیسے دیگر علماء و دعاۃ مغربی تہذیب و تمدن سے، ایک سیاسی محاذ پر لڑ رہا ہے۔ اور دوسرا علمی اور دینی محاذ پر۔ اس واقعہ فاجعہ نے مسلمانوں کے علمی محاذ کو ایک بلند پایہ عالم مصنف، ادیب، مفکر اور داعی سے محروم کر دیا۔ تو سیاسی محاذ پر صدر ناصر کی مقبولیت اور انصاف پسندی کو بھی شدید نقصان پہنچایا۔ اور یہ دونوں باتیں عالم اسلام، مسلمانوں، عربوں، حریت پسند اقوام اور سامراج دشمن عناصر کے لئے فال نیک نہیں ہیں۔ — اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالت زار پر رحم فرمائے۔ (منشی)

صومالیہ کا شرمناک واقعہ

افریقی حکومت صومالیہ کے دار الخلافہ کے ایک کھلے میدان میں دس مسلمان علماء اور رہنماؤں کو زندہ جلادینے کی خبروں سے عالم اسلام میں تشویش اور احتجاج کی لہر دوڑ گئی ہے صومالیہ افریقہ کا ایک ایسا ملک ہے جسکی ساری آبادی غیبیہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مگر موجودہ اشتراکی حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی صومالیہ کا رشتہ اسلام اور عربی زبان سے کاٹ کر کمیونسٹ ممالک سے جوڑنے کی کوششیں شروع کیں، مساجد میں بھی عربی اور دینی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی، دین کے نجی دینی ادارے بھی بند کر دیئے گئے، اس پر مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے، مگر احتجاج کرنے والوں کو مشق ستم بنایا اور اب تازہ اقدام یہ کیا کہ عورتوں اور مردوں کے نام نہاد غیر اسلامی مساوات

کے نام سے نکاح و طلاق کے قطعی عائلی مسائل میں بخل اندازی کی یہاں تک کہ وراثت کے مخصوص اسکام میں بھی تبدیلی کر کے اس میں مرد اور عورت کو برابر قرار دیا — یہ قرآنی نصوص میں سرسبز ماحولیت تھی اور جس کی کچھ مثالیں ہمارے ہاں رسوائی سے عالم عائلی قوانین کی شکل میں پہلے سے موجود ہیں۔ صوبالیہ کے علماء حق اور غیر مسلموں نے اس لادینی اور اشتراکی جہارت پر سدائے احتجاج بلند کی، حکومت نے اندھا دھند گرفتاریاں شروع کیں یہاں تک کہ دس مجاہدین کو ایک کھلے میدان میں زندہ جلادیا گیا۔ صوبائی حکومت کی اس بہیمیت، درندگی، وحشیانہ اور بزدلانہ حرکت پر اسلامی دنیا میں احتجاج ہو رہا ہے یہاں تک کہ اقوام متحدہ نے بھی اس پر نفرت ظاہر کی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ عالم اسلام کی اکثریت کو ہر جگہ ایسے اور پیر آزاد نام نہاد مسلمان حکمرانوں کا سامنا ہے۔ جو کرسی اور مفاد کی خاطر نام تو اسلام کا رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر ثقافتی، تعلیمی اور فکری لحاظ سے یورپ یا اشتراکی دنیا کے غلام ہوتے ہیں۔ تہذیب اور اثر، ازم الزام کی بیماری ہے۔ وہ ہر چیز کو مغرب کی دنیا پرست یا کمیونزم کی ادہ پرست نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے ان کی اپنی مسلم شخصیت انفرادی شخصیت مٹ چکا ہوتا ہے۔ یہ طبقہ حمیت دینی اور اخلاق انسانی اور غیرت ملی سے ناری ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر المیہ یہی ہے کہ دنیا کے تقریباً ایک ارب مسلمانوں کی اتنی بڑی طاقت پر ہر جگہ حکمرانی اور اقتدار اس چھوٹی سی اقلیت کو حاصل ہوتی ہے جو ذہن و فکر کے لحاظ سے قطعی غیر مسلم اور غیروں کا آئہ کار ہوتی ہے۔ انقلاب یورپ کے بعد مسلمانوں پر یورپ، مغربیت، اور کمیونزم کا بوسب سے بڑا ظلم ہے۔ وہ یہی کہ ایک مختصر سا برسر اقتدار طبقہ جو نام کا مسلمان ہوتا ہے مسلمانوں کے سیاہ و سفید کا ایک بن کر صرف دنیا کے نہیں مسلمانوں کے دین و شریعت کا بھی فیصلہ کرنے لگتا ہے۔ یہ متحدین، ماڈرن، برسٹ، انارکسٹ اور کمیونسٹ ذہن کے نام نہاد مسلمان عالم اسلام کے سب سے بڑی لعنت ہیں اور جب تک دنیا بھر کے مسلمان اس صورتحال سے نجات نہیں پائیں گے۔ صوبالیہ جیسے شرمناک، واقعات بھرتے رہیں گے دین میں مداخلت بھی ہوگی اور قطعی مسلمات دین میں تخریف بھی، اور مسلمانوں کی سرزمین پر مسلمان حکمرانوں کے ماحضوں دینی، ثقافتی اور اخلاقی قدیں پامال ہوتی رہیں گی۔

فلموں کے ذریعہ دین سے تلاءعب

پاکستان کے مرکزی شہر کراچی میں ڈان آف اسلام فلم کا اردو ترجمہ ”فجر اسلام“ سے دکھایا جا رہا ہے جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد رسالت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور کچھ بزمِ عزمِ خوش ”دانشور“ اس کے مطابق اسلام ہونے کا فتویٰ بھی دے رہے ہیں۔ جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے مسلمانوں کی غیرت و حیثیت کا جنازہ اٹھ جانے پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ کہ اس طرح ثمرناک جسارت کو ایک اسلامی ملک میں کس طرح گوارا کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں کی غیرت اب اتنی سرد ہو چکی ہے کہ آقاؐ کے دو جہان سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مقدس رفقاء صحابہ کرامؓ اور اہلبیتؑ کی عصمت اور ناموس کی اس طرح کھلے بندوں تضحیک و توہین پر بھی انہیں جھجھوڑنا پڑے گا۔ آج سے چند سال قبل انگریز کے عہدِ ناموس میں صرف حج کے نام پر کوئی فلم جس غیور و جسور قوم کے افراد کو گوارا نہ ہو سکی۔ آج وہ قوم فحاشی اور بیحیائی کے ان فلمی پردوں پر ”عہد رسالت“ کے نقشے دیکھنے پر بھی خاموش ہے۔ جو حیا یافتہ ننگ شرافت ننگی عورتوں اور مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اس فلم کے حامی کہہ رہے ہیں کہ کسی مقدس شخصیت کا سایہ تک بھی فلم میں نہیں آنے دیا گیا۔

مگر عہد رسالت کے وہ جان نثار صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؑ کے علاوہ اور کون تھے جو کفر اور باطل سے برسرِ پیکار رہے اور کفر کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھائیں۔ کیا عہد رسالت کو ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؑ سے الگ کر کے اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟

فلمی دنیا تماش بینی اور تفریحی دنیا ہے۔ اس کے بنانے والے نقال جھوٹے اور سوائنگ رچانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ کیا حضور نبی کریم علیہ السلام کی ذات پاک بھی اب بہرہ و بیہوشوں اور سوائنگ بھرنے والوں کے دستِ ستم سے محفوظ نہ رہے گی۔ بیشک

اس سے بڑھ کر دین اور اقدار دین سے تلاعب اور تمسخر نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی کریمؐ اور عہد صحابہ کرامؓ کو کھیل تراشہ بنانے والوں کے بارہ میں قرآن نے کہا تھا وَلَنَسْتَبْلِغَنَّ ذُنُوبَهُمْ هُنَا أَوْ هُنَا لَوْلَا أَنَّ يَوْمَئِذٍ غَلَافَةٌ عَلَيْنَا لَأَخَذْتُم بِهِمْ بِقُلُوبِهِمْ كَمَا أَخَذْتَ بِالْبَاقِيں۔ کیا تم نے اب اللہ اس کی آیات اور اس کے رسولؐ کو بھی کھیل تراشے کی چیز بنا لیا ہے؟

جس ذات پاک کی عظمت و تقدیس کے ترانے قرآن نے گائے، جس ذات قدسی صفات کی عظمت و ثنا خوانی کے زمزموں سے قرآن لہریز ہے اور جس ذات پاکؐ نے اپنے رفقاء اور صحابہ کرامؓ کو نشانہ تضحیک و تلاعب بنانے والوں کو سخت سے سخت وعیدیں سنائیں اور کہا کہ جس نے انہیں نشانہ (غرضاً) بنایا اور اذیت دی انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دی، جس ذات کے اہل بیتؑ کی تطہیر اور تقدیس قرآن نے فرمائی آج وہی ذات اور وہی جماعت ہماری عیش پرست طبیعتوں کے ہاتھوں فلمی پردوں کی ”زینت“ بنائی جا رہی ہے۔

محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام نہاد نام لیواؤ! آج تم نے چند خرد باختہ نام نہاد مسلمان ایکڑوں اور ایکڑسوں کی یہ حرکت ٹھنڈے پیٹ برداشت کر لی۔ جو کہ مسلمان نہیں بلکہ ملت کے جماعی عقیدہ کی بناء پر قطعی مرتد اور واجب القتل ہیں۔ تو کیا کل صوفیہ لورین اور الزہریہ ٹیبلر کے روپ میں اپنی مقدس ماؤں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمہ الزہراءؑ رضی اللہ عنہما کے بہروپ کو برداشت نہیں کرو گے؟ اور کیا تم اب نئی عربی آقاؐ سے دو عالم علیہ السلام اور ان کے صحابہ ابو بکر و عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے کردار اور پاکیزہ زندگی کو بھی ہالی وڈ کی غلاظتوں سے الگ رہ کر نہیں پاسکتے، ہو؟ جو لوگ آج ایسی فلموں کی نمائش پر نہ صرف خاموش ہیں بلکہ اس کی وکالت بھی کر رہے ہیں اگر ان کے اخلاق اور غیرت کا جنازہ بالکل نہیں اٹھا اور آنکھیں میں کچھ بھی نمی باقی ہے تو خدا را وہ سوچ کر بتائیں کہ کیا انہیں اپنی ماؤں بہنوں اور اپنے باپ دادا کا ایسا کوئی سوانگ رہ چانا گوارا ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو عالم انسانیت کی آبرو، کائنات کی جان،

مسلمانوں کے سب سے بڑھ کر رحیم و شفیع باب حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کرام اہل بیت کی تقدیس اس طرح پاٹماں ہونے پر وہ کیوں ٹس ٹس نہیں ہوتے ہیں۔

ہمیں موجودہ حکومت کے رویہ سے نہ صرف شکایت ہے بلکہ ہم شدید احتجاج بھی کرتے ہیں کہ جب قومی اسمبلی میں مسلمانوں کے معتد علماء نے اس مسئلہ کو اٹھا اچال تو حکومت کی طرف سے انتہائی بے اعتنائی کے ساتھ اسے ٹالا گیا اور اس فلم کے بارہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی تحریک التواؤ کا سوال زیر بحث آنے پر محترم وزیر قانون نے تو یہاں تک نمک پاشی کی کہ اگر خواہش ہو تو یہ فلم ارکان اسمبلی کو بھی دکھائی جائے گی اور اگر انہیں اعتراض ہو تو تب اس بارہ میں قدم اٹھایا جائے گا۔

کیا ایسی قطعی اور صریح غیر اسلامی باتوں پر بھی اسمبلی کی اکثریت سے استصواب کرایا جائے گا۔ یہ حالات اور قوم کی یہ بے حسّی قیامت کبریٰ کی علامت تو ہے ہی مگر اس سے پہلے ہماری قومی زندگی کے لئے بھی بہت بڑی قیامت کی غمازی کرتی ہے۔ (جنوری ۱۹۶۲ء)

نبی کریم کے نام پر فلم

ہالی وڈ کی فلم ساز کمپنی اب یلبیا کے تعاون سے محمد عربی علیہ السلام کی ذات اقدس پر فلم بنا رہی ہے اور مسلمان بجا طور پر انسانی تاریخ کی اس سیاہ ترین شرک سازش پر تڑپ اٹھے ہیں۔ اس لئے کہ یہ محسن انسانیت کے خلاف انسانیت دشمن کافروں کی ایک بین الاقوامی گٹھ جوڑ ہے۔ ہم اس سلسلہ میں مغرب کے بے حس حکمرانوں بے حیا پریس اور بے مغز عوام سے شکوہ کریں بھی تو کس بنیاد پر کہ جن کے ہاتھوں اپنے انبیاء اور مقدسین کی عظمت و عظمت سر باز تارتا رہا کی جا رہی ہے۔ جو اخلاق و دیانت مذہب و انسانیت کی

بہر چھوٹی بڑی قدر کی پائمالی کے علمبردار بن چکے ہیں۔ لیکن حیرت تو ایبیا کے مرد و آہن کرنل قذافی پر ہے۔ اگر ان کا انقلابی ضمیر مرنے نہیں چکا اور اسلامی غیرت و حریت ختم نہیں ہوئی تو ہم اسے کم از کم اسلام کی روح اور مزاج سے ان کی بے خبری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

تبلیغ کے نام پر اسلام سے مذاق ایبیا کے اس سادہ لوح قائد۔ بے کون کہہ کہ اسلام کے ہر شعبے کی طرح اس کی دعوت و تبلیغ کے بھی کچھ اصول اور آداب ہیں۔ تبلیغ کے نام پر اسلام کو بازیچہ اطفال نہیں بنایا جاسکتا نہ وہ تھٹھڑوں، فحاشی کے اڈوں، اور پینا بازاروں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں پھیلا ہے۔ ان سادہ لوحوں کو یہ بھی اندازہ نہیں کہ کیا اسلام کا درد اس وقت صرف امریکہ، اسرائیل، اٹلی اور بھارت کو کھائے جا رہا ہے جو اس فلم کی تکمیل میں پیش پیش ہیں۔ اگر ان حکومتوں کو اسلامی تبلیغ کا درد ہے تو اپنے گھروں سے اس کی ابتداء کیوں نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ فاحشہ یہودی اور عیسائی عورتوں اور کافر کجبردوں کے ذریعہ صحابہؓ و صحابیات کا کردار پیش کرنا اس ارت کے زوال اور اس پر خدا کے عذاب کی آخری تمام حجت ہوگی۔ ہمیں توقع ہے کہ ایبیا کے صدر محترم اور دیگر اسلامی ممالک نہ صرف اسے اپنی ریاستوں میں رکوائیں گے بلکہ اپنے وسائل سے اس لعنت کی بھرپور مزاحمت بھی کریں گے۔ رہ گیا یورپ۔ تو مہمان اگر غیرت ملی سے اجتماعی طور پر کوئی فائدہ اٹھا سکتے تو یورپ کو وہ سبق دیا جاسکتا کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی تلقین کرتا۔ جہاں تک فلموں کے ذریعہ نبی کریمؐ کی حیات طیبہ، صحابہ کرامؓ کی سیرت اور مشاہیر اسلام کے کارناموں کی تشریح کا تعلق ہے اجماع امت اسے قطعی ناجائز ٹھہراتی ہے۔ مگر منظمہ کے رابطہ عالم اسلامی مدینہ منورہ اور انہر کے شیوخ، معرک جمع البحوث اور دنیا بھر کی اسلامی تنظیمیں اپنے اجلاس مکہ مکرمہ میں اسے حرام قرار دے چکی ہیں۔ خود پاکستان کی وزارت امور مذہبی نے اسلامی اساسات سے ہم آہنگی کا اعلان کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم اپنی حکومت کی اس دورنگہ پالیسی پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک طرف وہ ایبیا سے اس فلم کے بارہاں احتجاج کر رہی ہے اور دوسری طرف اسی ہفتہ خود اسلام کے ایک

عظیم جرنیل طارق بن زیاد پر فلم بنانے کے لئے ییبیا کے ساتھ معاہدہ کر چکی ہے۔ اسلام کے بارہ میں اس غیر یقینی دورنگی پالیسی کا آخر انجام کیا نکلے گا۔ آج طارق بن زیاد کی باری ہے تو کل ان کھلے ہاتھوں کو حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے بارہ میں کون روک سکے گا۔ ہم فلم ”محمد الرسول اللہ“ کے بارہ میں ایک طرف اپنی حکومت کے مذہبی ترجمان کے جذبات کی تائید کرتے ہیں تو دوسری طرف حضرت طارق بن زیاد کے بارہ میں فلمی معاہدہ پر شدید احتجاج بھی کرتے ہیں۔

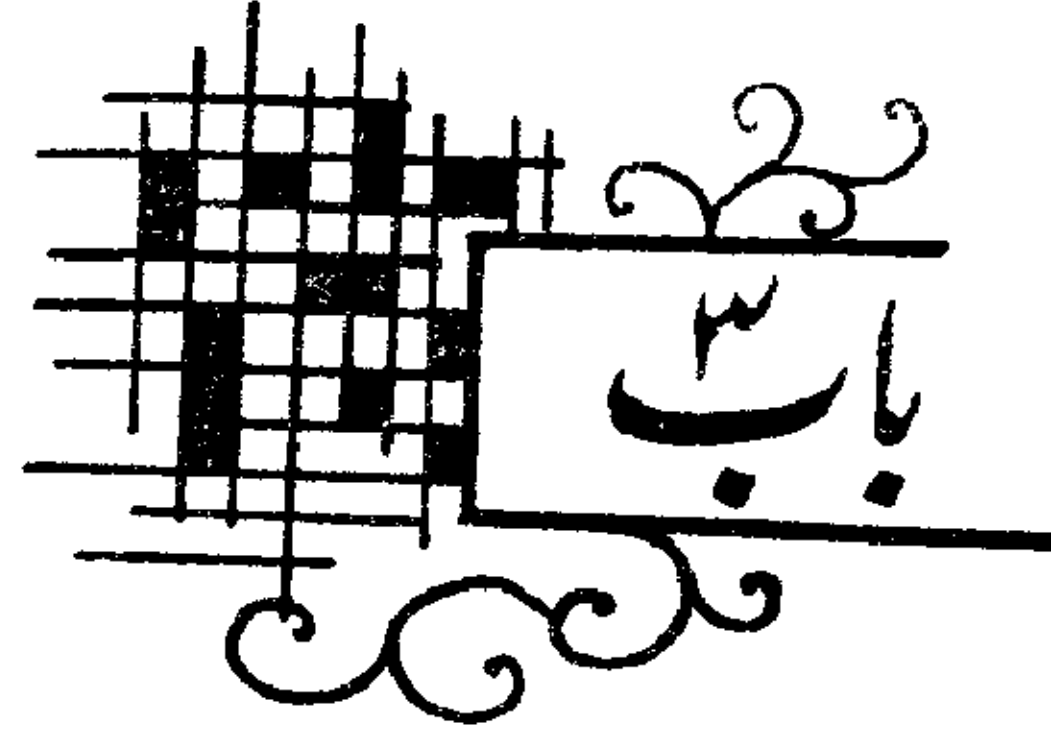
”فلم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ رابطہ عالم اسلامی کی قراردادیں

نبی کریم علیہ السلام، صحابہ کرامؓ اور شعائر اسلام کے بارہ میں دشمنان اسلام کی سازشوں سے فلموں کی جبر و باجیل پڑی ہے۔ یہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ کی مجلس تاسیسی نے اپنے اجلاس ۳۹۶ھ میں متفقہ طور پر اس بار بھی اسے حرام قرار دیا ہے۔ اور ایسی کوششوں کو مقام و منصب نبوت کی توہین، عدوان اور ایذاء قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسی حرکات شان نبوت کی اس توقیر و تعظیم کے سراسر منافی ہیں جس کا حکم خداوند کریم نے قرآن میں بار بار دیا ہے اسی طرح صحابہؓ کی زندگی کو فلانا بھی توہین و ایذاء صحابہؓ ہے جسے حضور اقدسؐ نے خود اپنے لئے موجب اذیت کہا ہے۔

لَا تُؤْذُونِي فِي أَصْحَابِي وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي - وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ (الحديث) ارشاد ربانی ہے۔

والذین یؤذون المؤمنون والمؤمنات بغیوماً کتیبوا فقد احتملوا بیعتنا واثماً مبیناً۔
قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اللہ و رسولؐ، ازواج مطہرات، البیت اور صحابہ کرامؓ کی توہین و ایذاء رسانی میں ایسے تمام لوگ شامل ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے بھی اس فلم کی ترتیب و تالیف، ہدایات، نمائش کی اجازت، مالی و افرادی، نمبین و ستائش یا اپنے ہر قسم کی ہولیتیں مہیا کرنے میں شریک ہونگے۔

وَأَنَّهُ يَتَّبِعُونَ مَوْذِيَّ الرَّسُولِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفْسِهِ وَفِي أَهْلِهِ وَفِي أَندَاجِهِ وَأَصْحَابِهِ كُلِّ مَنْ شَارَكَ فِي اخْرَاجِ هَذَا الْفِيلْمِ بِتَالِيفٍ وَتَمْثِيلٍ أَوْ اخْرَاجٍ أَوْ تَمْوِيلٍ أَوْ تَرْوِيجٍ أَوْ تَعْبِيدٍ لَهُ أَوْ بِتَسَهِيلٍ بِالنَّفْوَادِ السَّلْطَةِ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ۔



عورتوں کے حقوق آزادی
 آج
 بے پردگی کا مسئلہ

14

عورتوں کے حقوق

— آزادی اور بے حجابی کا مسئلہ —

یورپ کی غلامی میں آکر جب عالم اسلام کے ذہن و فکر اور تہذیب و اخلاق کو اپنی پیٹ میں لے لیا اور جن دینی علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب و معاشرت پر یلغار کی۔

مسادات مردوزن۔ تہذیب مغرب کا اہم فتنہ | اس میں سرفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادی نسوں اور مساوات مردوزن ثابت ہوا، اسلام کے نظام سترو حجاب اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام و منزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ و بالا کرنے کیلئے مستشرقین یورپ، غیر مسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپی کو معیار حق و انصاف سمجھنے والے نام نہاد مصلحین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانہ تضحیک بنایا، مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب اذہان نے مغرب کی بے میں بے ملائی کبھی تعداد ازدواج کی بتی اڑائی گئی، پردہ کو مشق تحقیق بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مطلوبہ میت اور قید و بند کا ماتم شروع کیا۔ اس طرح مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک قابلِ رحم تصویر بنا دی گئی، برصغیر کے عہدِ غلامی سے طرح طرح کی آوازیں اٹھتی رہیں۔

بے حیائی کا عروج | قیام پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حجابی میں زبردست اضافہ ہوا، عورت کو اس کے مقام حیا و عفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہی۔ ملائیک دعوت اور تحریک کی شکل میں یہ کام بھی پچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا پچھلے سال کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا۔ پاکستان بھی اس مہم میں یورپی اقوام سے پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ پاکستان کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تشریف خواتین میں شرکت کی جس میں پیشہ ور عورتوں سے پیشہ کو تالوئی حق دینے اور ایک عورت کو کوئی مردوں سے شادی نہ چاہنے جیسے

مطلبے بھی کئے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی گئی اور سال بھر آزادی نسواں اور حقوق نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔

وزیراعظم بھٹو کی دعوت بے جانی | مگر اس مسئلہ کا نقطہ عروج وہ تھا جب پاکستان کے محترم وزیراعظم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریب کراچی کے استقبال میں دنیا بھر کے مفکرین کے سامنے پردہ کے بارہ میں اظہار خیال فرمایا اور یہ ہماری رائے میں اس کانگریس کا خاتمہ نہیں سو رہا تھا۔ جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیراعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھانے ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجائے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ مساوات نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں، انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں سامنے آنا چاہیئے اور یہ فرسودہ روایات ہیں۔ یہ صرف ایک رائے اور اظہار خیال نہ تھا، بلکہ ایک مسلم اور غیر مسلم قوم کو عملی دعوت تھی، اور یہ سطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں آری ڈی کے سینار میں صدر مملکت سمیت کئی اعیان سلطنت کے ایسے ہی خیالات اور بیانات سامنے آ رہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے عمائدین کے ایسے خیالات سن رہی ہے تو اسی طرح خدا و رسول کی مسکونیت اور ذمہ داریوں کے ہمیشہ نظر ہمیں کچھ گزاریں شات پیش کرنے کا بھی حق ہے اور جب مسئلہ زیر بحث کا تعلق سیاسی نظریات اور سیاست سے نہیں، ملک کی اخلاقی، معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظام عصمت و عفت سے ہے تو ہر درد مند مسلمان کو قرآن و سنت کی روشنی میں اظہار خیال کا حق ملنا چاہیئے اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیئے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق | اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا اور یہ کہ اس بارہ میں دشمنان اسلام کا بروپیگنڈہ واقعی صحیح ہے؟ اس بارہ میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارہ میں کیا عرب کا عجم اقوام و ادیان عالم کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ دین فطرت اور

دین رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا۔
ظہور اسلام سے قبل عورت کا مقام ظہور اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی
 رسوم و رواج میں عورت جس ظلم و ستم اور اتبدال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اسے قرآن نے ایک
 اعجازی لفظ جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک
 متذل چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک
 نہ سمجھی جاتی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر سکتی تھی نہ وہ کسی کی
 وراثت کی حقدار تھی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا حق تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی
 صورت میں دیت اور قصاص ملتا وہ مردوں کے برابر نہ تھی۔ نکاح میں اس کی مرضی تو بڑی بات
 ہے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عورت اور جاہل اقوام کے نظریات عورت کے بارہ میں جاہل اقوام کے عجیب روح فرسا
 نظریات تھے، روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ بھی محلِ نظر رہا کہ
 عورت انسان بھی ہے یا جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ رومی ادوار میں اسے ایک نجس جانور
 قرار دے کر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں، باؤں کے کتے یا اونٹ کی طرح
 اس کے منہ پر غلاف باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ عورت ذی روح
 ہی نہیں اس بارہ میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت اور بندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں
 بعض اقوام میں شہودوں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے
 پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اس طرح ادائیگی عبادت کی بھی، کئی قبائل اور اقوام بلکہ خود سافقہ ادیان
 میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے
 بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا ”سماجی حق“ حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسری طرف اس جاہلی دور میں جسے جاہلیتِ اولیٰ اور تہرج جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے
 عورت کو محض ایک آلہ تعیش اور ذریعہ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی ایک
 شاملات ایک وقت اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفاد عامہ کی ایک مخلوق
 اور تفریح طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فربہ ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آرام و راحت

میں لگی رہے، اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامانِ تسکین فراہم کرتی رہے، کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متابعِ نشاۃ بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاشق بھی برابر کا ہتھیار سمجھا جاتا اور ایک مرد بلا لحاظ عدل و انصاف اور بلا لحاظ تعداد یعنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا۔

عورت پر اسلام کے احسانات | اب اسلام نے اگر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں، اسے مقامِ انسانیت میں مردوں کے ہمسر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ - حُفُورٍ**۔ فرمایا عورتیں مردوں کا جڑواں نصف ہیں۔ پھر اسے نہ صرف خطاباتِ خداوندی کا مکلف اور مخاطب بنایا بلکہ یہ بھی کہ وہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکامِ دین کی تعمیل و امتثال میں اجر و ثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے جاسکتی ہے۔ **وَلِيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ - قرآن کریم** نے عبدیت و عبادات میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مؤمنین، قانتین، صادقین، صابرين، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دیئے تو اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مؤمنات، نانات، صادقات، صابرات، خاشعات، متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے تحفوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت دی۔ **فَوَزَّيْنَاهُمْ بِحَبْلٍ مُّجْتَمِعٍ وَخَوَّضْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ** دیتے ہوئے دونوں فریقوں کو کہا گیا، **وَعَدَا اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ** (اللہ قولہ) **ذَلِكِ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ**۔

دینی و نبوی، انفرادی و اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ | اسلام نے نہ صرف اس کا حق ملکیت تسلیم کیا بلکہ اپنے ماں و دولت میں ہر طرح جائز عقد و تصرف، بیع، شراء، عاریت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ تصرفات کا احتیاط دیا گیا اسے وصیت کرنے کا حق دیا میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ **وَلِلنِّسَاءِ** نصیب صمّا ترك الوالدان والاقاربون۔ عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت میں حصہ ہے۔ ویت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو بڑی بات مانا جاتا ہے۔ ان کی پاندامنی اور حشمت بہر خط انگلی اٹھانے والے اور ہمت لگانے

دائے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذاب عظیم کی وعید ہے۔
 ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولہم عذاب عظیم۔ (الآیہ) اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور اس سے الگ ہو سکتی ہے شریعت نے پاک دامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا صدقت مقرر کر دی ہے۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے۔ نکاح میں اسے اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے، چاہے منکر کر دے۔ پھر اسلام نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ مالکیت اور ملکیت کا رشتہ نہیں زوجین کے باہمی تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں۔ اور یہ دونوں کے فطری تقاضوں کی تکمیل ہے۔ البتہ فریقین کی خلقی اور فطری ضرورتوں سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری حاصل ہے۔ ولله جال علیہ من درجۃ۔ اور الله جال قوامہ علی النساء کہ اس میں عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے۔ اور اس ادنیٰ برتری کے صلہ میں بھی مرد کو مہر کا پابند بنادیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریات زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی ذمہ دار مرد ہی ہے خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذی استطاعت کیوں نہ ہو مرد طرح طرح کی مشقتیں اٹھا کر اس کی اور اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو ہر قسم کے حسن سلوک کی تلقین کی گئی۔ فرمایا دعا شہ وھن بالمعروف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے۔

حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارہ میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر عوام ہوگی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما اکسکم النساء الا کسایکم ولما اهانکم الا لیکم۔ عورتوں کی عزت و کرم شرف کا اور ان کی

اہانت و تحقیر زلیوں کا شیبہ ہے۔

اسی طرح تعدد و ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی کھلی چھٹی کو چار تک محدود کر دیا گیا اور یہ بھی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکے۔ اب مرد استطاعت مالی کے باوجود بھی چلے ہے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اس طرح طلاق میں بے تحاشا اسراف اور دھاندلی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور اتبدال کو روکنے کے لئے مرد بہ طرح طرح کے قدغن لگائے گئے۔ فرمایا: فان کسہتموهن ففسلی ان تکسہوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معائنت کرو مگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی تم کسی چیز کو ناپسند کرو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر جوع کی شکل میں اس مبعوض الی اللہ عمل کی تلافی کا موقع بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابل رحم تھی اسلام نے نہ صرف عقیدہ بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضور اقدسؐ نے اپنے پہلے نکاح میں عمل نمونہ پیش فرمایا اور بیواؤں کی مشکل حل کر دی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخش دیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو با امر مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے نسخ اور منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور و نظام اور رسم و رواج ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

عورت کی عصمت و آبرو کا احترام | اسی طرح عورت کی اُس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیت ادلی سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک بازیچہ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ صورتحال خانگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہی تھی۔ اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کر دیا کہ مرد کی دست درازیوں اور شیطان صفت انسان نما دزدوں سے اس کی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمائے جو عورت کو اس کی حیثیت اور مقام سے بٹانے والے تھے خواہ وہ عملی وجوہات تھیں یا نظریاتی یا پھر تصوراتی ہی کیوں نہ تھیں۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی اور انمول موتی اور ایک نازک آئینہ قرار دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان المرأة عورة مستورة (فی رواية خذوا زكوة) فاذا اخسرت استشر فها الشيطان۔ ”بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دام میں پھنساؤں گا“

مردوں کو انہیں بُری نگاہ اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے غضب بصر کا حکم دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: نأأ العين النظر۔ نگاہ بازی آنکھ کا زلزلہ ہے کہ جیسی نگاہ ہو ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آزادی نسواں تہرج جاہلیت کا دوسرا نام | مگر آج کا یہ دور آزادی نسواں اور حقوق اور مساوات کے نام سے اس مقدس اور محترم صنعتِ نازک کو دوبارہ اسی جاہلیتِ اولیٰ کی طرف لوٹانے کی سعیِ مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت مآب دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دیوار سے نکل کر سربازِ ارتماشاے عالم بن جائے۔ رونقِ خانہِ بننے کی بجائے شمعِ محفل ہو، آلات و صنائع اور حقیر سے حقیر مصنوعات کی شہیر کا ذریعہ بن جائے۔ وہ سیرگاہوں، پارکوں، ہوٹلوں، کلبوں، جلسوں، جلوسوں، اسمبلیوں اور عدالتوں، کارخانوں اور فیکٹریوں، تھیٹروں اور سینماؤں، سرکسوں اور میلوں میں اور سیاست کی اسٹیج پر پھٹکتی ہوئی، رسوا ہوتی ہوئی، مشتقیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں کی نشاۃِ طبع کا سامان بن جائے اور یہ وہی فاسقانہ تہرج، جاہلیتِ اولیٰ (جاہلیت کی نمود و نمائش) ہے جو اس آگینہ عصمت و حیا کو سربازِ پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔

آزادی نہیں غلامی کی دعوت | یہ دعوت و تحریک اسے مرد کا کھلونا اور لعبۃ لاعبیین بنانے کی دعوت ہے۔ یہ دعوت درحقیقت عورت کی آزادی کی نہیں اسے پھر سے غلام اور بے بس بنا دینے کی دعوت ہے۔ اور جاہلیت کی وہی شکل ہے جسے اسلام نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صورتِ حال کا جاہلیتِ ماضی سے موازنہ کیجئے تب حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے گی، فرمایا اس عظیم مصلح اور مفکر اور سیاستدان اسلام نے: ائما تنقص عری الاسلام ع، وة ع، وة ع، اذ نشأ فی الاسلام من لم یعرف الجاہلیة۔ جو شخص اسلام میں رہتے ہوئے جاہلیت کے طور طریقوں سے ناواقف ہے۔ اُس

سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ بیٹھے۔

اسلام کا نظام عفت و عصمت | اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیتِ اولیٰ کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالائیں کھڑا کر دیا اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت و نگہداشت، عصمت و عفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا جو اصول و جزئیات، جلی اور خفی، علمی اور نظری، عملی اور خیالی، تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس نظامِ عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ دواعی اور اسبابِ فحاشی کو بھی فواحش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لا محدود وسعتوں کو بھی عصمت و عفت کے دائر میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں حالات و مصالح، عل و بواعث اور جلی اور فطری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ سیاستِ مدنیہ درست ہو سکتی ہے نہ تہذیبِ اخلاق ممکن ہے نہ تدبیر منزل کا رگہ ہو سکتی ہے۔ اور جس کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت، خاندانی نظام کا قیام و استحکام اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ میں قرآن و سنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد و زن کا خالق حکیم خداوند کریم اور بنی نوع انسان کے رحمتِ مجسم نبی الرحمة علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جو یائے حق طبیعت خود پہلے کر سکتی ہے کہ خدا اور رسولؐ کا منشاء کیا ہے؟

پروہ کے احکام | ارشادِ ربانی ہے:-

دقرون فی سوتکن ولا تبرقین اور گھروں میں ٹھہری رہو اور بچھل
تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ۔ جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک
کردو۔

چلتے پھرتے پابندیِ عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور عضو نہ کھلے اور نہ مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا:-

ولیس بن بنمہن علی جیو بیہن اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا انچل ماریں۔

دوسری جگہ ازواجِ مطہرات، بناتِ اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

یٰۤاَیُّہَا عَلِیُّہُن مِّنْ جَلَابِیْہِتٍ وہی لہی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں۔

جلباب | مفسرین نے جلباب کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ہوالہ: اذہ فوق الخمار۔ جلباب دوپٹہ کے اوپر اوڑھنے والی لمبی چادر کا نام ہے۔

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں، تغطي ثغرة نحرها بجلبا بها تدنیه علیہا۔ وہ اپنے سینہ

کو اوپر تک ڈھانپ لیتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الذی لیستر من فوق الی

اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیاتؓ نے یہی سمجھ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں انصاری عورتوں

پر خدا رحم کرے کہ انہوں نے حکمِ حجاب سنا تو بڑی چادروں کو بچھاڑ کر اپنے اوپر لپیٹ لیا۔

شققن مس وطہن فاعتجن منہا اب اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ سے انہیں باہر

نکلنا بھی پڑ جاتا تو بقول حافظ ابن حجرؒ۔ فقد کن یحجن ویطقن وھن مستترات الابدان

حضورؐ کے وصال کے بعد ازواجِ مطہرات حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے جسموں کو

ڈھانپے ہوئے ہوتیں۔ ایک اور موقع پر جسم کی عام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے

مزید تاکید حکم دیا گیا۔ سرمایا۔

قل لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں

ابصارھن ویحفظن فروجھن شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنے

ولایبدین زینتھن الا ما ظہر بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ

منہا۔ (الایہ) مجبوری اور بلا قصد خود ظاہر ہو

جائے۔ اس پر وہ اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا۔

آیت حجتا | وَاِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُوهُنَّ مَتَدْرَءَ حِجَابٍ۔ بغیر ضرورت کے

پردہ کے پاس بھی مت آؤ۔ اگر مجبوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے

کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی پس پردہ ہوگی اور ضرورت بھی بڑے بڑے

معاملات تجارتی لین دین کی نہیں، دوکانوں اور سٹوروں میں ماڈل گرل بن کر تجارت کے سودے چکانے کی نہیں، فٹ پاتھوں پر اور سرکسوں سے باہر ڈگڈگی بجا بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف کوئی معمولی چھوٹی موٹی چیز جسے لفظ مستاعاً میں اشارہ کر دیا۔

عامیان بے پردگی کی مغالطہ انگیزی | اس آیت حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کیلئے نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایات میں آیت بالانکے استثناء الا ماطہس منها۔ کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملہ سے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں مستثنیٰ کر دیئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں، ایسی روایات کو مخالفین پر وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں بے پردگی کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے، حالانکہ یہ ناجھی ہے یا جان بوجھ کر دجل و تبلیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات و نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے ڈھانپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔

ستر اور حجاب میں فرق | حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک ہے ستر عورت اور ایک ہے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا۔ ستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ یعنی وہ یہ حصہ جسم کا کسی کے سامنے نہیں کھولے گا۔ جسم کا اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کا جسم کا ستر والا حصہ اتنا نہیں بلکہ گردن سے لے کر سینہ، پیٹ، پیچھے، زانیں، ٹانگیں، بونٹوں اور گڑبہ تک پھیلائے رکھنا فرض ہے جس طرح مرد جسم کا حصہ ستر، نہ گھر میں کسی کے سامنے کھولے گا نہ باہر، خواہ اس کا والد بھائی، بیٹا کیوں نہ ہوں، اسی طرح عورت اپنے جسم کا مذکورہ سارا حصہ اپنے گھر میں محرم سے بھی پھیلائے رکھے گی، البتہ چہرہ ہاتھ اور پاؤں کا پھپھانا باپ بھائی بیٹے اور محرم سے پھپھانا ضروری نہیں، اگر ان تین اعضاء کے علاوہ اکیلے میں بھی نماز کے دوران چوتھائی حصہ جسم کا کھل گیا یا مرد کے حصہ ستر کا ایک چوتھائی بھی کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، یہ وہ حقیقی ستر ہے جو بذاتہ مردوں عورتوں پر یکساں لازم ہے، فرق ہے تو جسم کی حدود میں۔ اور جس طرح مرد اپنے ہم جنس

مردوں سے بھی ہتھ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہی ہم صنف عورتوں سے بھی سوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی، یہاں تک کہ بلا ضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک ہے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے پردہ جو صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا حصہ ڈھانپنا ضروری ہے، حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو خلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکالنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں، اگر چہ چہرہ اور ہاتھ پاؤں ستر نہ ہوتے تو پس پردہ گفتگو یعنی من و راہ حجاب کے قید نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی نہ ادناء جلابیب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ مستثنیات ہیں تو ستر کے متعلق ہیں نہ کہ حجاب میں، جسے ہمارے ہاں عرب عام میں پردہ کہا جاتا ہے لہ

بات چیت میں احتیاطی تدبیر | اسی طرح آیت استیذان میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پس پردہ کبھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آجی جائے تو ہدایت کی گئی کہ سریلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں جواب دے دے تاکہ کسی بدنیت اور خبیث الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آجائے۔ فلا تغضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض و قلن قولاً معروفاً۔ (الآیۃ)

خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت | او ویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح قفس میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے، حالانکہ آیات و نصوص اور روایات ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عبادات کے لئے، تعزیت اور تیمارداری کیلئے

۱۔ مضمون کے بعض فقہی اور حدیثی حصوں میں علامہ سید رشید رضا مہرئی اور قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ کے موضوع سے متعلق مضامین کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

والدین اور قرابت داروں سے ملاقات کے لئے، علاج معالجہ کے لئے جاسکتی ہے۔ مگر اس کا یہ جاننا کئی شرائط اور تقیدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلا ضرورت باہر نہ نکلے اور اس لئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ یہ نقل و حرکت کم سے کم رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آجھی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔

خروج کے شرائط اور قیودات | یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور ہے۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی غرض بھر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو جس کی ادائیگی ایک فریضہ ہے۔ وہ باپ بیٹے، بھائی، شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جاسکتی جب عبادت کے سفر کا یہ حال ہے تو کیا عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا؟ جو لوگ عورتوں کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا بجاہتے ہیں ان پر ایک اخبار کے مراسلاتی کالم میں ایک گناہ خاتون نے بہت سادہ الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدا را ہمیں ان فقیرنیوں کی طرح نہ بنائیں جو ننکے سر، ننکے پاؤں ننکے جسم کے ساتھ سامان سفر کا تھیلہ پیٹھ پر لادے ہوئے، بھیک مانگتے ہوئے فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔

یہی خروج، تبرج جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے۔ ٹیڈی باریک اور چست لباس پہن کر یا مٹی سکرٹ پہن کر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنا، اس خروج کی اجازت اگر اسلام سے مطلوب ہے تو اسلام ایسی گاسیات عاریات (برائے نام لباس والی مگر حقیقت ننکی) پر لعنت بھیجتا ہے اور انہیں عذابِ جہنم کی وعید سناتا ہے۔

یہی حال حج کے علاوہ نماز باجماعت کے ہے جو افضل ترین عبادات میں سے ہے صحابیؓ کی خواہش ہوتی کہ جماعت میں شریک ہوں۔ مسجد نبویؐ کی نماز اور حضور اقدسؐ کی اقتدار میں باجماعت نماز، کہ ساری متارح کا ثنات اس کے سامنے ہیچ، اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ — نفسی اجازت تو دی گئی مگر یہاں بھی قیودات کے ساتھ کہ ماحول اور زمانہ فساد کا نہ ہو

عورت کی عزت اور عصمت خطرہ میں نہ ہو۔ اور خواتین سر سے پاؤں تک ڈھکی چھپی ہوں جس کی طرف ”متلفعات بسر وطہق“ میں بھی اشارہ ہے۔ اور صفوں میں بھی ان کی صفت سب سے آخر میں ہوں۔ کہ سب سے آخر میں آکر سب سے پہلے چلی جائیں، اس طرح مردوں اور عورتوں کی نگاہوں کے تصادم کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور بعض فقہاء و آئمہ نے توجہ امت میں مرد و زن کے محاذات کو مفید نماز قرار دیا۔ غرض طرح طرح کی رکاوٹیں اس معاملہ میں بھی ملحوظ رکھی گئیں۔

ایک صحابیؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا گھر کی کوٹھڑی میں تمہارا نماز ادا کرنا اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے دالان میں پڑھو۔ اور گھر کے برآمدہ میں نماز اس نماز سے افضل ہے جو تو گھر کے صحن میں ادا کرے۔ اور گھر کے صحن میں جو نماز پڑھے وہ مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ اور گھر کی اس نماز کی یہ افضلیت اس مسجد کی نماز پر دی گئی جہاں کی ایک نماز دیگر مساجد کی نماز پر ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتداء میں نماز کہ دنیا و آخرت کی ساری دولتیں اس کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اور وہ اس عہد سعادت میں جب کہ عفت و تقویٰ کا چار سو دور دورہ تھا۔ اور تسلیم و انقیاد کی کیفیت خود عورتوں میں بھی ایسی تھی کہ آیت حجاب کے نازل ہونے پر جس خاتون نے راہ چلتے ہوئے اعلان حجاب سنا، اس کے وہیں قدم جم گئے۔ جو جہاں تھیں وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں اور دوسرا قدم تب اٹھایا کہ اپنے آپ کو چادر میں جھپالیا تھا۔ مسجد جانے کے ضمن میں اجازت بھی دی گئی تو ایک آیت میں اسے رات کی تاریکی سے مقید کر دیا گیا کہ جانا بھی چاہیں تو تاریکی شب میں جانا بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ جب مسجد جانے کا قصد کرے تو خوشبو نہ لگائے بلکہ ممانعت بھی وارد ہوئی کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نماز عشاء میں شرکت نہ کرے۔ خوشبو کے علاوہ ایسا بناؤ سنگھار بھی منع ہے جو مسجد میں نمازیوں کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بن جائے۔ فرمایا ولیخرجن تغلات مسجد جانے کے لئے میلی کچیل ہو کر نکلیں یعنی بناؤ سنگھار اور میک اپ کر کے نہ نکلیں پھر خوشبو کی یہ ممانعت مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی گھر سے باہر

نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے، ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے زانیہ کہا گیا ہے۔
فہی کذا و کذا ۱۔

باہر نکلنے کے دوران یہ قید بھی لگانی گئی ولیضی بن بخرہن علی جیو بہن لمبی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانپ دیں۔ عورت اگر بچے والا زبور پہننے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو مخفی زبور کا علم ہو سکے یا اس کے بچنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولایضی بن بارجلہت۔ الایۃ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں نہ اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدن و تہذیب کے نام سے عورتوں کو کلیوں اور مخلوط مجالس میں کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط کے مقامات میں سے ہے۔ اور ایسی تمدنی معاشرت اور سہولت صاحب شریعت کو گوارا نہ تھی۔ عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

صرف علمی نہیں بلکہ خیالی اور تصوراتی تحدیدات | اسی طرح عورت کی ایسے مناصب اور سایمیں بہر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط اور روبرو ہونا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی ناگزیر ہے۔ حکومت و ریاست ولایت عامہ قضا اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا گیا۔ یہ تحدیدات صرف تمدنی، معاشرتی، عملی اور علمی حد تک نہ تھیں بلکہ خیالات اور تصورات تک میں حیا و عفت کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو کسی نے ناجائز اور کسی نے مکروہ منہی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضو سے گناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو عمل طہیر ذنوب و آثام کا ذریعہ تھا موجب آثام نہ بننے پائے۔ جنازہ میں امام عورت کے سینہ سے قدرے ہٹ کر کھڑا ہو گا گو اس پر ڈولی اور پردہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصورات محاسن مرآۃ کی طرف منتقل نہ ہونے پائے، امام جماعت مفتدیوں کے اقتدار کی نیت کرے گا۔ مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کرے۔ اسی طرح سلام پھیرتے وقت عورتوں کی نیت نہیں کی جائے گی۔ کہ آغاز یا انجام نماز تصورات بد کا ذریعہ اور ناجائز حفظ نفس کا موجب

نہ بن جائے۔

کیا پردہ جیس بے جا ہے؟ آج کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا گھر میں بند رہنا گویا انہیں قفس میں قید رکھنا ہے۔ اور یہ جیس بے جا مساواتی دور میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی مرضی اور طبعی و فطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا، جبکہ وہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے شرائط اور قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمائش نہایت اور ذریعہ فو آتش بننے سے محترز رہتے ہوئے گھر سے باہر آ جاسکتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے ہزار باخطرات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت اور نعمت ہے۔ اگر گھر میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر وقت گھروں میں رہتا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلا ضرورت آوارہ گردی کرنا تو مردوں کے لئے بھی معیوب ہے۔

مرد اور عورت کا دائرہ کار | تو اصل معاملہ خلقی اور جبلتی تقاضوں کی وجہ سے تقسیم کار ہے۔ مرد باہر نکلتا ہے تو عورت اور اس کے بچوں کی خاطر ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ورکشاپوں میں فیکٹری اور کالوں میں پسینہ سے شرابور اپنا خون جلا رہا ہے۔ کہیں مزدوری اور کاشتکاری میں مقید و محصور ہے، کہیں دفتر کے ایک چھوٹے سے کونے میں صبح سے شام تک ساری زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ذمہ امور خانہ داری کی انجام دہی، بچوں کی تربیت و حفاظت، گھر کی نگہداشت کرنا ہے، وہ گھر کی اسیز نہیں، رونق خانہ اور نور منزل ہے۔ نئی تہذیب ظلم اور قید کے نام پر بظاہر جذباتِ ترحم اٹھا کر اسے باہر کی ناقابل برداشت ذمہ داریوں اور صعوبتوں کی خاردار زندگی میں کھینچ کر اپنی فطری ذمہ داریوں کو اس کے سرمنڈھنا چاہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گلیوں، کوچوں میں بازاروں اور فیکٹریوں میں اپنے لئے ذریعہ تعیش پیدا کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو قید کا یہ استدلال اور دوسری طرف اسی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے کہ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں پر دے کی پابند نہیں اور اپنے خود ساختہ استدلال

کی نفی کر دی جاتی ہے۔

گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے | اگر آرام و راحت اور جان و آبرو کے ایک گوشہ راحت میں زندگی بسر کرنا قید ہے تو شہروں کے ان لاکھوں کروڑوں عوام کی زندگی کیا ہے جو ہزاروں مسائل کی چکی میں پستے ہوئے ایک ہی شہر میں حیاتِ مستعار ختم کر دیتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائشوں سے محروم پانی کی قلت، خوراک کا فقدان، اور اب شہری فضاؤں کی آلودگی کی وجہ سے ہوا جیسی عام نعمت کو بھی تمسے لگے ہیں۔ اگر یہ سب قید ہے اور قید سے بھی بدتر، تو پھر تو ساری شہری آبادی کو جنگلوں کی طرف دھکیل دیا جائے کہ وہ آزاد فضاؤں اور جنگلوں میں آزاد ہو کر گھومتی پھرے۔ اور اگر یہ سب کچھ قید و حبس نہیں تو عورتوں کو اپنی اختیار و رغبت اور فطرت کی بناء پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔

پر وہ نہیں بے پردگی خرابیِ صحت کی باعث ہے | پھر عورتوں کی خرابیِ صحت کا رونا رویا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابیِ صحت کی شرح میں اضافہ کے اسباب وہی ہیں جو صرف عورتوں کے نہیں مردوں، بڑوں بوڑھوں اور بچوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی سے اکثریتِ استعمالی ہتھکنڈوں کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا خالص نہیں ملتی۔ نہ سر چھپانے کے لئے موزوں مکان، نہ سردی و گرمی سے بچنے کے لئے مناسب لباس، پانی اور ہوائ کا جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو سکتی ہے، چاہیے یہ کہ حفظانِ صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ کے اس کاروبار میں کمی کی جائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں طبی سہولتوں بالخصوص عورتوں کے علاج معالجہ کی طسرت توجہ دی جائے اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا بربادیِ صحت کا ذریعہ ہے۔ تو آئیے ان مخلوط اور بے حیا اور بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھتے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ ہفتوں اسے گھر کی دہلیز دیکھنا نصیب نہیں، موتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں، اور خطرات سے تسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، یورپ کے آٹھ دن کے ہزاروں نوع بنوع جتنی، اضمحالی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور

اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیں۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا نام و نشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں اسقاطِ حمل اور متعلقاتِ حمل کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتر کی ملازمت نے اس کی صحت گرا دی ہے۔ وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی۔ اُس پر سٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

نظر بازی، ذہنی انتشار اور فسادِ معاشرہ کا ذریعہ پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا صرف اس کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ بلکہ پورے معاشرہ کے سقم اور بیماری کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ وہ بدھ سے گزرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، ایک مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذبِ نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر میں کارخانوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی اس کے اپنے گھریلو نظام کو ہلا دیتی ہے، ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا ہیجان جنسی اور جذباتی تلاطم، محبت و عشق کی آفتیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال، قلبی پریشانی اور اعصاب کے کچھاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری جنسی اور اخلاقی بیماریوں، ضعفِ بصارت، دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی شرح کا کسی پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

تعلیم کے لئے بے پردگی پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے، اور اقتصادی حالات جداگانہ تعلیم کے متحمل نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصورِ تعلیم قطعی وہ نہیں جو یورپ کی پیداوار ہے۔ وہ اس سے دفتر، کارخانہ اور فیکٹریوں کے فرائض نہیں وابستہ کرتا کہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجینیئر یا مزدور بنائے اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ، وفا شعار، مہذب اور با حیا ذات بنانے کے لئے ہے۔ وہ اس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا و رسول، شوہر اور خاندان کے

حقوق اولاد کے حسن تربیت سے باخبر کر دے اور اس کی گود بچوں کی اولین تربیت گاہ ثابت ہو سکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں اور بے حجابانہ ہاسٹلوں میں گوبرجیا کی نیلامی کرتی پھرے۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو، شریعت اور اسلام اس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق و معاشرت، صحت جسمانی و روحانی اور سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ تو جس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روادار نہ ہوگی، پھر تعلیم نسوان کی تاریخ دیکھئے، جب ظہور اسلام کے بعد حجاب اور عفت و عصمت کا دور دورہ ہوا اور عورت پردہ نشین ہو گئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیم دین اور علوم و فنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے خانہ نشینی کے باوجود ایک دنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفاسد اور موجبات فحشاء کے بغیر شرعی حدود پردہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم و فضل میں ایک نمونہ پیش کر سکتی ہیں تو مغرب کے بے حیا عہد جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم و فنون اور تعلیم اخلاق و تربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہد جاہلیت نے پیش کیا، علم حیا سے حاصل ہوتا ہے۔ بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علم حقیقی اور علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا، سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے ہم اس تعلیم جدید کے لئے خواتین کی عظمت و حرمت بھی قربان کر دیں۔

الغرض پردہ کا حکم نہ فرسودہ روایات (معاذ اللہ) میں سے ہے نہ کسی رسم و رواج کی پیداوار، اسلام عصمت و عفت کا محافظ ہے، وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں۔ جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہوگی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہوگا۔ عصمت و عفت کے پیرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہوگی۔

ماڈرن بننے کے شوقین | پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے

ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی ”اصلاحات“ کا انجام یورپی اقوام میں دیکھ لیں کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قدر ذلت میں پہنچ چکا ہے — پھر انہیں عالم اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہیئے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں تقلید یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف ”مصلحین“ ابدی ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔ (نئی ۱۹۷۷ء)

جمہوریت اور سیاست کی دیوی کو

عصمت و غیرت کا نذرانہ

جمہوریت کے قیام اور جبر و استبداد کے خلاف اٹھی ہوئی حالیہ تحریک کتنی بھی قابل تعریف کیوں نہ ہو مگر اس ضمن میں توڑ پھوڑ، اپنوں پر دست درازی، قومی سرمایہ کا ضیاع، ہلٹ بازہی اور نہ جانے کیا کیا چیزیں سامنے آئیں جس نے ہمارے رویہ انحطاط معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر سامنے رکھ دی ہے۔ اصول و اخلاق کے دائرہ سے نکل کر مردوں کے ساتھ اچھوں کو بھی مشقِ ستم بنانا کسی باوقار قوم کا شیرہ نہیں، خواہ اس کا تعلق حزبِ اقتدار سے ہو یا حزبِ اختلاف سے، اس ضمن میں ہماری مسلمان خواتین نے بھی کوئی اچھی مثال نہیں قائم کی، جلسوں اور جلوسوں کی شکل میں نامحرم مردوں کے سامنے سڑکوں پر گشت کرنا، اچھلنا کودنا اور عام مجبوحوں میں تقریریں کرنا پھر اخبارات میں اس کے فوٹو چھپانا کسی لحاظ سے بھی قابل تحسین چیز نہیں ہو سکتی، سیاسی جدوجہد اور حقوق کی بحالی کے کام سے مردوں ہی کو کٹنا چاہیئے تھا، سیاست کی دیوی پر قومی روایات کی احساسات، عصمت و عفت اور غیرت و حمیت جیسی صفات کو تار کر دینا صحت مند معاشرہ اور اخلاقی و دینی لحاظ سے کسی بہتر مستقبل کی نشاندہی نہیں کر رہا۔

سیاسی ایجنڈے پر عورتوں کی جلوہ طرازی | ہم برائی کا راستہ بند کرنا چاہتے ہیں، مگر دوسری طرف سے ہتھیار برائیوں کے بند کھول کر۔ حالانکہ برائی کو ہر لحاظ سے اور ہر حیثیت سے برائی سمجھنا چاہیئے، اسلام نے بعض انتہائی استثنائی حالات کو چھوڑ کر عورت کو روٹی خانہ

بانا چاہا ہے، وہ اسے کسی حالت میں شمع محفل بننے کی اجازت نہیں دیتا، مگر افسوس کہ حالیہ رد عمل نے مالی اور جانی نقصان کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سے قیمتی اور عزیز معنوی اقدار اور نظریاتی سرحدات میں بھی شگاف ڈال دیئے ہیں۔ ہمیں اس ضمن میں پورے ملک بالخصوص شمال مغربی سرحدی علاقہ کے بعض سیاسی زعماء اور جماعتوں سے خاص طور پر شکوہ ہے جنہوں نے ہوا کے رخ پر چل کر پٹھان جیسی غیور و جسور قوم کی خواتین کو بازاروں اور اسٹیجوں پر جلوہ طرازی کا موقع دیا جس سے ہماری اسلامی اور علاقائی روایات غیرت و حمیت خاص طور سے مجروح ہوئیں۔ نچتون قوم کی تاریخ پر یہ ایک شرمناک داغ ایسے ہاتھوں سے لگایا گیا ہے جو اس قوم کی انفرادی روایات کو محفوظ رکھنے کے نعرہ میں پیش پیش ہیں۔

عورتوں کے جلوس

کسی پارٹی کی ناجائز مخالفت کرنا جس طرح جرم ہوگا اسی طرح کسی پارٹی کے ایسے کسی قول و عمل پر سکوت مجرمانہ بھی عند اللہ بہت بڑا جرم ثابت ہوگا جو مسلمانوں کے دینی و ملی مزاج یا کتاب و سنت کے اصول سے متصادم ہو۔ اس وقت نیشنل عوامی پارٹی سرحد کے زیر اہتمام نکالے گئے ایک جلوس کی تصویریں ہمارے سامنے ہیں جو یکم جنوری کے بعد جناح پارک اور پشاور کے بازاروں سے گزرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ یہ جلوس مردوں کا نہیں بلکہ خواتین کا ہے۔ مسلمان اور پشتون جیسی غیور اور جسور قوم کے سرکردہ قائدین کی خواتین کا ہے جو قومی و ملی روایات پر وہ نشیمنی کا آئینہ بازار کے چوراہوں پر چور چور کرتا ہوا گزرتا جا رہا ہے۔ سیاسی شعور اور جذبہ حریت لائق ستائش ہے۔ مگر ہر عمل کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ اور ابھی اس قوم پر ایسی نازک گھڑی نہیں آئی جسکی خاطر نفیر عام کی طرح حیا دار خواتین بھی میدان سیاست میں کود پڑیں۔ مسلمان عورت مجسم عورت ہوتی ہے اسکی آواز اسکی جھلک اسکی پوری زندگی سراپا عصمت ہوتی ہے، پھر ایک ایسی قوم جس نے ان روایات کو اب تک اور بھی چارہ چاند لگا دئے ہوں، ان کے ہاتھوں عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ دوڑتے اچھلتے

کودتے رہنا اور اسٹیج پر دادِ خطابت دینا نہایت افسوسناک اور شرمناک بات ہے۔ ہم نیشنل پارٹی کے محترم قائدین سے خالص دینی اور قومی بلکہ علاقائی روایات کا بھی واسطہ دے کر اپیل کرتے ہیں کہ وہ آئندہ اس معاملہ میں محتاط رہیں ورنہ فتنہ کا دروازہ جب چوپٹ کھل جائے گا تو انہیں خود اپنے لائحہ عمل اپنا سر پیٹنا پڑے گا۔ مگر تلانی کا وقت نکل چکا ہو گا۔

تکف فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔

متجدد پسند خواتین اور

شاہ فیصل کا مومنانہ فیصلہ

مکہ ریڈیو کے حوالہ سے یہ اطلاع آئی ہے کہ سعودی عرب کے شاہ فیصل نے اپنے ملک میں ملکی یا غیر ملکی عورتوں کا نیم برہنہ لباس پہن کر بازاروں میں گھومنے پھرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ کیونکہ اس سے اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور ملک کی قدیم روایات کو دھچکا لگتا ہے۔ ہم اس مبارک فیصلہ پر شاہ فیصل کو مبارک باد دیتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ خدا انہیں یہ فیصلہ نافذ کرانے کی توفیق دے اور پی تہذیب اور تمدن جو ہر امر بے حیائی ہے۔ ہر اسلامی ملک کے لئے کلنگ کا ٹیکہ ہے۔ بالخصوص سعودی عرب جو حرمین شریفین کی وجہ سے عالم اسلام کا دل ہے۔ اور دل میں ناسر مادہ کی سرایت سے ہر مسلمان کا پریشان اور متاثر ہونا لازمی ہے۔ ہمیں شاہ کے اس مومنانہ فیصلہ سے بے انتہا مسرت ہے۔ اور ہماری تمنا ہے کہ خدا انہیں مرکز اسلام کو ہر فکری و عملی گمراہی سے محفوظ رکھنے کی توفیق دے آمین۔

افغانستان مغربیت کی زد میں

دیگر اسلامی ممالک کی طرح افغانستان بھی خارجی اثرات کی وجہ سے بے حیائی، بے پردگی اور آزاد خیالی کی لپیٹ میں ہے۔ شہروں سے تو جبراً بے پردگی پھیلانے کی خبریں آرہی ہیں۔ اور

اب غیر مصدقہ اطلاع ہے کہ وہاں کے علماء کرام اپنی اپنی مسئولیت اور مجذوبہ اعلاہ حق دانکار
منکر کی بناء پر اس برائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور بہت سے اپنے اسلاف کی
سنت کے مطابق ظلم و ستم کا نشانہ بھی بن رہے ہیں۔ بھلائی اور برائی کی آدینش ہمارے تاریخ
کا ایک سسل اور مربوط باب ہے، مگر افسوس کہ کچھ تو وہاں کے شخصی نظام مملکت کی
گرفت اور کچھ علماء کی سرد مہری اور سیاسی شعور اور احساس فریضہ کی کمی کی وجہ سے اب
تک منکرات کا اتنا مقابلہ نہیں ہو سکا جتنا چاہئے تھا۔ ورنہ اس ملک میں بے حیائی کی ترویج
اور روسی اثر و نفوذ کی زوبت یہاں تک نہ پہنچتی جہاں ایک تصویر ہی امان اللہ خان جیسے
مقبول بادشاہ کی معزولی کا سبب بنی۔

آج افغانستان کی نوجوان پود ایک طرف مغرب کی سحر طرازیوں اور مادیت کی
زد میں ہے، دوسری طرف روسی دہریت والحاد کا عفریت اسے ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔
ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے جہاں علماء کرام کو منظم اور بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے۔
وہاں ملک کے برسر اقتدار بادقار اور معزز گھرانے کو اپنے ویندار، غیر متدار اور حساس مسلمانوں
کی دینی تمدنی روایات اور سنہری تہذیب کو بچانے کی فکر کرنی چاہئے۔ ترقی کے نام سے جو
راستہ مسلمان ممالک اور اقوام اپنا رہے ہیں اس کا انجام بہر حال تباہی اور بربادی ہے، جو
ملک و قوم کے حق میں بہتر ہے نہ حکمران خاندان کے حق میں۔

عالم اسلام کی تین تصویریں

عالم اسلام کی دینی حالت کیا ہے؟ اس کا اندازہ دنیا بھر کے اکثر حکمران مسلمانوں کو دیکھ کر لگایا
جاسکتا ہے۔ سربراہ قوم کی مجموعی حالت کی تصویر ہوتا ہے۔ اس تصویر کے چوکھٹے میں دیکھئے
تو کیے کیے داغ دجے نمایاں نظر آئیں گے۔ میرے سامنے آٹھ نومبر ۱۹۵۵ء کی جنگ اخبار
ہے۔ ایک تصویر میں امریکی صدر کی رہائش گاہ و ہائٹ ہاؤس واشنگٹن میں آپ ایک مسلمان خاتون
کو رقص کرتے دیکھیں گے۔ رقص کس کے ساتھ؟ کسی مسلمان کے ساتھ؟ نہیں بلکہ عالم اسلام کے

سب سے بڑے دشمن اور سامراجیت کے علمبردار ملک امریکہ کے سربراہ صدر فورڈ کے ساتھ کوئی عام خاتون بھی نہیں، عبور و عبور عربوں کے اہم ترین ملک مصر کے صدر سادات کی بیوی جہان، مصر کی خاتون اول اور صدر فورڈ کی باہوں میں منہ سے منہ ملائے ہوئے محو رقص ہے انا لہ وانا الیہ راجعون بے حمیت اور بے غیرتی پر قبضہ بھی سر پیٹ لیں تو کم ہے۔ مگر ٹھہریے دوسرے گوشہ پر بھی نظر ڈالئے۔ خود مصر کے صدر سادات صدر فورڈ کی بیوی کو بھی نہیں بلکہ امریکہ کی ایک مغنیہ پرل ہیلی سے ہم آغوش ہو کر ایک عرب خاتون اپنی بیوی کا بدلہ چکا رہے ہیں۔ یہ حالت عالم عرب کے سب سے فعال اور اہم ترین ملک مصر کی ہے جس کے سینہ پر صدر فورڈ کی قوم نے امرائیل کا منجر بھونک دیا ہے اور اب لبنان کی شکل میں دوسری ضرب کاری لگا سکتا ہے۔

پھر یہ حالت صرف عربوں کی تو نہیں، پچھلے سال ہمارے ملک کے قائد عوام بھی تو امریکہ گئے تھے اور یہاں کی خاتون اول بھی ساتھ تھیں۔ یہی کچھ انہیں بھی کرنا پڑا۔ برطانیہ کے ایک پاکستانی اخبار جنگ نے ۸ فروری جلد ۴۵ شمارہ ۲۷ میں اس تقریب کے فوٹو شائع کئے گئے، جس میں ضیافت کی تقریب میں صدر فورڈ کو بیگم نصرت بھٹو سے رقص کرتے دکھایا گیا۔ یہ تصویر ہمارے ملک میں بھی آئی تھی مگر یہاں اس کی اشاعت روک دی گئی۔ بیرون ملک مسلمان پاکستانیوں کی نگاہیں یہ تصویر دیکھ کر شرم سے نیچے ہو گئیں۔ اس اخبار کے تراشے یہاں آئے گویا مغربی تہذیب سے مرغوبیت اور تہذیب یورپ کے ہاتھوں عالم اسلام، کیا عرب اور کیا عجم، اپنا جنازہ نکال چکا ہے۔ قوم کے اعمال کی تصویر عمال ہوتے ہیں اور عمال کے طور طریقوں کو اپنانے والی پوری قوم ہوتی ہے۔ جب دین اور اخلاق کے ساتھ غیرت و حمیت، شرافت و نسب اور اقدار انسانیت کا بھی خاتمہ ہو جائے تو رونا پھر کس کس کی بات سنا کیا جائے۔

ان تصاویر کے ساتھ ہی اب تصویر کا دوسرا رخ دکھانے والی ایک تصویر بھی ملاحظہ کیجئے سہو ۱۲ اکتوبر کے جنگ کراچی میں نمایاں طور پر شائع ہوئی ہیں۔ سعودی عرب کے نائب وزیر اعظم شہزادہ فہد برطانیہ گئے تو گرڈ برٹن برطانیہ عظمیٰ کے وزیر اعظم ولسن تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف خود ان کے استقبال کے لئے آئے بلکہ ان کے سامنے جھک جھک کر کورنش

بجالائے۔ یہ تعظیم فہد پاکسی مسلمان اور پھر کسی عرب کی نہیں تھی، بلکہ اس لئے کہ مادہ پرست برطانیہ اور خود غرض انگریز کو شاہ فہد سے تیل کی بھیک مانگنی تھی اور سعودی عرب اس دولت سے، سونے سے اور زرمبادلہ سے مالا مال تھا۔ پہلی تصویریں مسلمانوں کی بے حمیت اور ذلت کی منہ بولتی تصویریں ہیں تو یہ تصویر قدرت کی طرف سے مسلمانوں کو خاص طور پر لوانے کا شاہد عدل ہے۔ وہ ذلت ہے تو یہ عزت، وہ بے عزتی ہے تو یہ وقار و عظمت، مسلمانوں نے قدرت کی دمی ہوئی نعمتوں کی قدر کی نہ کی مگر استعمار و استبداد کے علمبردار اسلام دشمن یورپ کو جب پیغام حجازی کے سامنے جھکنا نصیب نہ ہو سکا تو اسی خدا نے حجاز و تہامہ نے ان صلیبوں کو حجاز کی فانی دولت تیل اور سونے کے سامنے جھکا دیا کہ جھکنا تو حجاز کے سامنے ان کے مقدر میں تھا مگر وہ خود حجازی پیغام پر جھک گئے۔ وہ اوج ثریا پر پہنچا دیئے گئے اور جنہوں نے انکار کیا وہ حجازی مال و متاع اور مادی و فانی چیزوں کے سامنے کورنش بجالا رہے ہیں کہ مادہ پرستوں کو مبلغ علم اور معدہ پرستوں کا منتہائے پرواز یہی حقیر دنیا ہے۔

عالمی قوانین

رسوائے زمانہ عالمی قوانین کا آرڈی منس دور ایوبی کا وہ سیاہ ترین دھبہ ہے جو اب تک ملت مسلمہ پاکستان کے نورانی ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ اور ہم سب کے حمیت اسلامی اور غیرت ایمانی کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ اس کی تجویز اور تنفیذ سے لے کر اب تک علماء حق اور غیور و جسور مسلمانوں نے متفق ہو کر اس پر احتجاج کیا۔ اس کے غیر شرعی اور غیر اخلاقی ہونے پر مدلل اور مفصل رائے ظاہر کی۔ چند حیا باختہ اور یورپ زدہ افراد کو چھوڑ کر بحفیت اور پاکدامن عورتیں بھی اس کی قیامت پر متفق ہیں۔ پھر صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں بھی اس پر ہمہ گیر نفرت کا اظہار اور اس کی تینخ کی سفارش کی گئی ہے۔ ایوب کے اختراع اور غزل کی تحریک کے دوران کوئی ایسا عوامی مظاہرہ نہیں ہوا جس میں ان قوانین پر نفرت و ملامت نہ کی گئی ہو۔ ان قوانین کی تمام دفعات تعداد و واج پر پابندی، نکاح کے لئے عمر کی تحدید، طلاق اور عدت کے مسائل میں رد و بدل، پوتے کی وراثت

دیگر وہ ہیں کوئی ایسی دفعہ نہیں جو قرآن و سنت اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے فقہی نظام سے جوڑ کھا سکتی ہو جس کی بنا پر نئی حکومت کی معتدلانہ پالیسی اور عوام کے دینی جذبات کی رعایت کے پیش نظر مسلمانوں کو سبجا طور پر توقع تھی کہ صدر سنجی خان کی حکومت ان قوانین کو پیش رو حکومت کی طرح نام نہاد ترمیمی کمیٹیوں کے سپرد کر کے ٹالتے رہنے کی بجائے اسے یک طخت منوخ کرنے کا آرڈیننس جاری کر دے گی مگر افسوس کہ اس بارہ میں مایوسی کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ حال ہی میں ان قوانین پر غور و فکر اور ترمیم کے لئے جس ایڈوائسری کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا ہے اس سے ان خدشات کو اور بھی سہارا مل جاتا ہے کہ نئی حکومت ان قوانین کے بارہ میں یا تو عوامی احساسات سے آگاہ نہیں یا پھر وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے کر اسے ٹالنا چاہتی ہے۔ تاہم اگر ایڈوائسری کونسل اب بھی ان قوانین کے بارہ میں صاف دل ہو کر ملک بھر کے تمام علماء اور عامۃ المسلمین کے مسلسل اور ہمہ گیر احتجاج، اختلافی نوٹس اور متبادل تجاویز کو سامنے رکھ کر ان قوانین پر غور کرے تو وہ بہت جلد اس کی تہنیک کے دانشندانہ فیصلہ تک پہنچ سکتی ہے۔ فیملی لاز پر مسلمانوں کا جو رد عمل اب تک ظاہر ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ایڈوائسری کونسل کو وہ پورا ریکارڈ مہیا کر کے اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ اسلام نے عائلی اور ازدواجی زندگی کے لئے جو عادلانہ اور منصفانہ اصول مقرر کئے ہیں۔ اگر انہیں صحیح شکل میں نافذ کر دیا جائے تو گھر بھر مسائل اور مرد و عورت کی باہمی زندگی کی تمام پیچیدگیاں خود بخود کافور ہو جاتی ہیں مگر اس کا مرحلہ موجودہ فیملی لاز کی تہنیک کے بعد کا ہے۔ عائلی قوانین پر غور کرنے والی کمیٹی کو دو باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں، ایک تو یہ کہ موجودہ عائلی قوانین کا مجموعی حیثیت سے غیر شرعی ہونے پر قرآن و سنت پر غور رکھنے والے علماء کے کسی گروہ میں بھی دو آراء نہیں پائی جاتیں اور نہایت منع اور سہرط سے واضح طور پر دلائل کی روشنی میں موجودہ قوانین پر تنقیدیں سامنے آچکی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ موجودہ قوانین سے ملک کی باشعور اور حیا دار خواتین کو بھی اتفاق نہیں۔ اس میدان میں اگر کچھ کہا جا رہا ہے تو وہ ”اوپا“ کے نام سے چند بازاری قسم کی عورتیں ہیں جن کی عادات و اطوار اور شانہ روز مشاغل، اخلاق، عہد اور اسلام کے لئے ایک گالی بن کر رہ گئیں ہیں یا پھر ہماری محترم بیگم رعنا بیاقت علی خان ہیں جو کبھی ان قوانین کو اینگلو محٹرن لاء کا نعم البدل قرار دیتی ہیں اور کبھی یہ کہیں ان بی اس طرح کھیا تو جیت ہے کہ علماء اب تک ان قوانین کے بارہ میں کیوں

خاموش تھے۔؟ بیگم صاحبہ عمر کے آخری دور میں ہیں مگر طور طریقے جو انوں کے سے دکھلا رہی ہیں کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ پاکیزہ خواتین کے حقوق کے نام پر وہ ان کی عظمت اور عظمتوں کا جنازہ نکال رہی ہیں اور دوسری طرف وہ آخر دم تک اپنے قابل احترام شوہر نامدار کی نیک نامی پر بھی چھینٹ ڈالتی رہی ہیں۔ ہمیں اس سلسلہ میں محترمہ بیگم آغا محمد یحییٰ صاحب (جنہیں چند ماہ قبل دارالعلوم حقانیہ امد کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے عائلی قوانین کے غیر فطری اور غیر اسلامی ہونے پر تفصیل سے آگاہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر وہ ایسے امور میں بہترین اسلامی کردار ادا کر سکیں تو انہیں تاریخ میں زبیرہ مرحومہ بیگم ہارون الرشید جیسا مقام حاصل ہو سکتا ہے) سے بھی گزارش کرنی ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں اپنے سچے ہوئے ذہن، پاکیزہ احساسات اور اہم حیثیت سے کام لے کر ایسی دینی فریضہ سے عہدہ برآ ہونا چاہیے اور عورتوں کے حقوق کے نام پر ”اپو“ کے نام سے جن غیر شرعی اور اخلاقی حرکات کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس کا سد باب کرنا چاہیے۔ وہ اور ان جیسی چند ذمہ دار خواتین اگر چاہیں تو اپنی مساعی سے خواتین کو الٹا اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے حقوق اور صحیح مقام دلوا سکتی ہیں اور عورت کا صحیح مقام یہی ہے کہ وہ شمع محفل نہ ہو رونق خانہ ہو، متاع عیش و نشاط نہ ہو عفت اور عصمت کا آئینہ ہو۔ بندگان ہوا دہوس کے گلے کا طوق نہ ہو۔ ماں، بہن اور بیوی کی شکل میں مرد کی عظمتوں کا ناج ہو۔ ان گذارشات کے ساتھ ہم ایک بار پھر موجودہ حکومت سے مخلصانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ موجودہ عائلی قوانین کا معاملہ مشاورتی کونسلوں اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والی شوق اسمبلیوں پر نہ چھوڑے بلکہ مومنانہ قدم اٹھا کر انہیں لکھت منسوخ کر دے۔

تعدد ازواج کی افادیت کا اعتراف

ایک دقیق اور بخیرہ کتاب ”علم جدید کا چیلنج“ سے ایک اقتباس (۲۶۵) تعدد ازواج پر پابندی لگانے والوں کی خدمت میں بلا توجہ پیش ہے۔ غاعتبر وایا اودی الابصار۔

اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کو بھی تہذیب جدید نے بڑے زور و شور کے ساتھ جہالت کا قانون قرار دیا ہے، مگر تجربے نے ظاہر کر دیا ہے کہ

اسلام کا یہ اصول انسانی فطرت کا عین تقاضا ہے کیونکہ چند زوجیت (تعدد ازواج) کے قانون کو ختم کرنا دراصل درجنوں غیر قانونی زوجیت کا دروازہ کھولتا ہے۔

یہاں میں اقوام متحدہ کے ڈیموگرافک سالنامہ ۱۹۵۹ء کا حوالہ دوں گا۔ اس میں اعداد و شمار کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جدید دنیا میں جو صورت حال ہے وہ یہ کہ بچے ”اندر سے کم اور باہر سے زیادہ“ پیدا ہو رہے ہیں۔ ڈیموگرافک سالنامہ کے مطابق ان بچوں میں حوامی بچوں کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے اور بعض ممالک مثلاً پانامائیں تو چار میں سے تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں یعنی ۵۰ فیصد حوامی بچے لاطینی امریکہ میں اس قسم کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

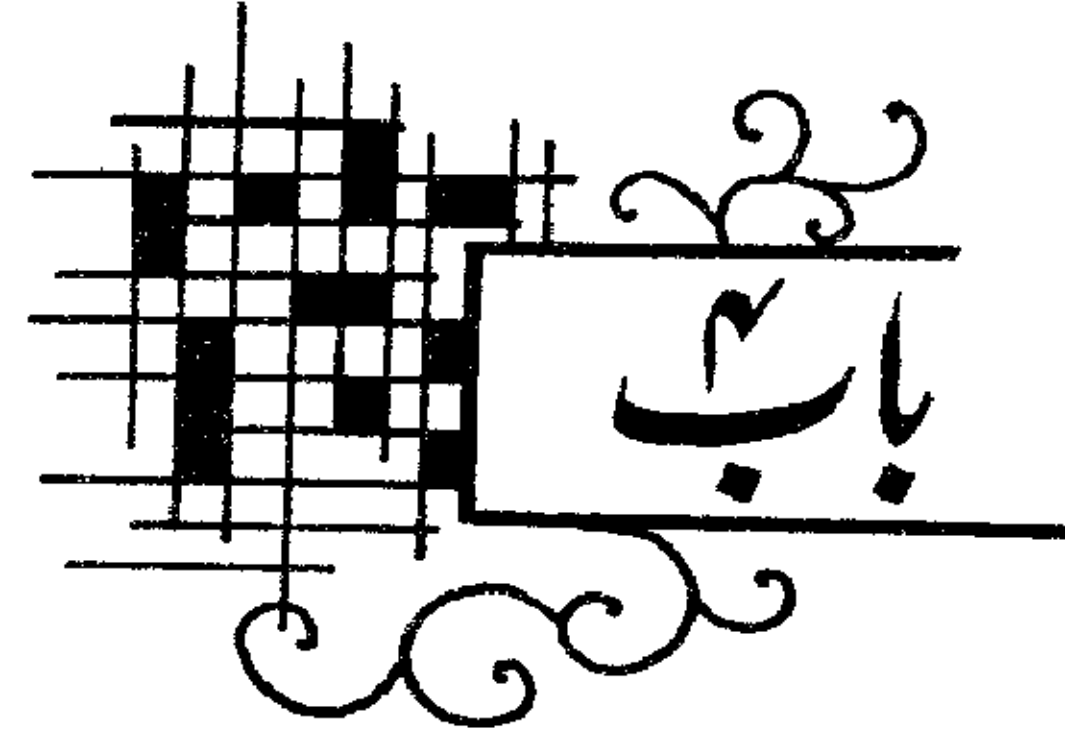
متحدہ اقوام کے اس ڈیموگرافک سالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ملکوں میں حوامی بچوں کی پیدائش کا تناسب نفی کے برابر ہے چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فیصدی سے بھی کم ہے جبکہ متحدہ عرب جمہوریہ تمام مسلم ملکوں میں شاید سب سے زیادہ مغربی تہذیب سے متاثر ہوا ہے۔ مسلم ملک دور جدید کی اس عام دبا سے محفوظ کیوں ہیں۔ اس کا جواب متحدہ اقوام کا سالنامہ مرتب کرنے والے ایڈیٹروں نے یہ دیا ہے کہ چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت (POLY GAMY) کا رواج ہے، اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے۔ چند زوجیت کے اصول نے مسلم ملکوں کو وقت کے اس طوفان سے بچا لیا ہے (MOVE OUT THANIM) مطبوعہ ہندوستان ٹائمز۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۷ء

مسلمانوں کا پرسنل لاء اور سیکولر سٹیٹ

بھارتی مسلمان اپنے معاشرتی اور عائلی قوانین طلاق، نکاح، تعدد ازواج وغیرہ میں حکومت کی دست اندازی کو اپنے پرسنل لاء میں مداخلت قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ کہ ایسا کرنا بھارت کے سیکولرزم کی توہین ہے۔ دنیا کے کروڑوں مسلمان ان کے اس موقف کی تائید کریں گے، کیونکہ یہ صرف ایک بے بس ولاچار اکثریت کا معاملہ نہیں بلکہ اس پرسنل لاء کا سوال ہے

جسے آسمانی وحی، پیغمبر اسلام اور اجماع امت کی سند حاصل ہو چکی ہے۔ اس لحاظ سے اس قسم کی دخل اندازی خواہ کسی نام نہاد سیکولر اسٹیٹ کی طرف سے ہو یا کسی بھی اسلامی ریاست کی طرف سے ہودین میں مداخلت صریح ظلم قرار پائے گی۔ بھارتی حکومت کو اس مسئلہ میں مٹھی بھر روشن خیال مسلمانوں کی تقلید کرنے کی بجائے دنیا بھر کے کروڑوں راسخ الایمان مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں بھارتی مسلمانوں کی ذمہ داری اور آزمائش کا بھی عجیب حال ہے! انہیں اپنے دین اور معاشرت کی حفاظت خود ہی کرنا پڑے گی۔ وہ بے چارے نظر اٹھائیں بھی تو کس طرف؟ کہ جن ہاتھوں میں آج اسلامی ممالک کی زمام اقتدار ہے۔ یورپی تہذیب و تمدن، تجدد اور باجیت کے حمام میں وہ پہلے سے ننگے ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں بھارتی حکومت کی اس دھاندلی یا صریح ظلم اور مداخلت فی الدین پر کوئی آواز اٹھے بھی تو کہاں سے؟ بھارتی حکومت کے اس طنزیہ جواب کے سننے کی سکت کس میں ہوگی کہ پھلنی اٹھ کر کوزے کو اس کے سوراخ گنوائے ہماری دعا ہے کہ اس نازک مرحلہ میں بھارتی مسلمانوں کو استقامت اور کامیابی نصیب ہو۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرح پاکستانی عوام کو اپنے بھائیوں سے دلی ہمدردی ہے اور دعاؤں — اور ان کے پس میں سوائے دعا کے اور رہ کیا گیا ہے۔

ولول ان قومح الطقتنی رماحہم لطقنت وکن الرماح اجرت



خانہ الی منصوبہ بندی
اسباب و نتائج، اخلاقی شرعی اور سیاسی نقصانات

خانہانی منصوبہ بندی

خطرات و نتائج

ایک خبر ہے کہ کثیر فیملی پلاننگ (خانہانی منصوبہ بندی) نے حیدرآباد میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ خانہانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں۔ ہم بقول ایک معاصر اس ”بانگ بے ہنگام“ پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پر ملک کے سنجیدہ علمی و دینی حلقے ابتداء ہی سے اظہار تا راضی کر رہے ہیں اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی، بشری و عقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اب تک ڈالی جا رہی ہے۔ طویل مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی و بشری تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے کہ اس ہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کی قدروں پر ہوگا لہذا پرستی اور مبنی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہو کر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی امان کی فحاشی بے حیائی اور زنا کاری کا شجرہ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا۔ ضبط ولادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت و مرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خانہان کے مضبوط و مستحکم رشتوں پر استوار ہوتا ہے بگڑ جائے گا۔ گھریلو فرائض جن کے نبہانے پر اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کر سکتی ہے اس سے فرار بہت آسان ہو کر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق اور ناچاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج و خطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھارہا موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے عیارِ سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم و ملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہمارے کامیابی کا تمام تر دلدرد مدار اس ملک کی عدوی قوت اور افرادی اضافہ پر ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تجدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افراد قوت اور یورپ | یورپ نے جو اس لعنت کا اولین سرچشمہ اور داعی ہے ایسیوں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق و شرافت سے عاری بنا دیا تو دوسری طرف اس پر واضح ہوا کہ قلت آبادی کے یہی ماسخی اس کی اجتماعی قوت کے انحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کر لی فرانس کے مارشل پیٹن نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور ممبر اور ممبر اسمبلی رینڈالف چرچل نے شرح پیدائش کے گرتے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاطِ حمل اور تجدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی سرپرستی کی اور کر رہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پر بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس ایٹمی دور میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عدوی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر نہایا۔ آج ہمارے چودس میں چین

اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لارہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آ رہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافہ آبادی کو روکا جاسکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر اہتیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ہ

اپنی متعارفوں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا۔

ٹائٹلوں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سیاسی اور فلاحی مسئلہ بنا دیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملا دیا جائے ہم طنز بھرا طمینان سے نہیں بیٹھ سکتے وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈو سے پیٹیا رہو بیت عامہ اور شان رزاقیت کے لئے چیلنج اور قومی وطنی موت کے مترادف ہے اور اسلامی و قومی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی ناعاقبت الہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بناء پر آئندہ

ہر اس تحریک، منصوبہ اور تکمیل سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان ہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے بھگور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹائے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پرفریب شکل یا تجدید، ترقی اور فیشش کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریک دین کی تحریکیں۔۔۔۔۔ ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجے میں ہمارے لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:-

یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشتا ہے اور یہی دراصل اسلام کا ضابطہ حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہو گا۔ (نومبر ۱۹۷۵ء)

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری مشینری مصروف عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اس کی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا پرچار بھی ہو رہا ہے۔ طرفہ متاثر یہ کہ نئے اسلام کی تخلیق کرنے والی ایک فیکٹری ادارہ تحقیقات اسلامیہ اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری کھیپ بھی قتل اولاد کی اس انسانیت کش

تحریک کے ڈانڈے قرآن و سنت اور فقہاء اسلام کے اقوال سے ملانے میں مصروف ہے۔ اخبارات کے پورے ایڈیشن اور صفحے اس نسخہ شفاء کے پرچار کے لئے نکل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس فقہار خانہ میں اہل حق کی صدائے عزت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے؟ پھر بھی اہل حق علماء اپنے فریضہ احتساب کی بناء پر علماء بلا خوف و خشیت اس تحریک کے روحانی، سماجی اور سیاسی حواصیل اور تباہ کن نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ قوم جو بلا جھجک یورپ کی بہیمانہ بھیڑ میں کودتی چلی جا رہی ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس ماہ کی دو ایک تحریریں اخلاقی زوال اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس تحریک کے طبی پہلو پر اس خبر سے روشنی پڑتی ہے۔

”لندن کے ایک فزیلین نے کہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کے لئے حیوانی سد آدمی گولیاں استعمال کی جاتی ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بعد ازاں مرد کی صحت پر اثر انداز ہوں اور مٹانے کی بیماری پیدا ہو جائے۔ ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں (روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۲ اکتوبر ۱۹۹۴ء)

”مورتوں کیلئے اس عمل کے بے شمار بیماریوں کا باعث ہونے کی خبریں بھی روزمرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کے سیاسی مضمرات کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے کہ اس ماہ رومانیہ (ایک اشتراکی ملک) میں اسقاط حمل کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں نافذ کئے جانے والے قانون کے تحت صرف شدید طبی ضرورت کے علاوہ اسقاط حمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۴ء)

اس سے قبل افرادی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس اور کئی دیگر ممالک کو ہو چکا ہے اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت کو خاک میں ملا کے رکھ دیا ہے۔ رہا اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو تو اس کا اندازہ آج یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جاسکتا ہے جہاں اخلاق و شرافت کے تمام بندھن لوٹ گئے ہیں اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض ایک ”انسان نما بھیڑیا“ بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اعداد و شمار سے اس حیوانیت کا اندازہ

لگائیے اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار طالبات کا اسقاطِ حمل کرایا گیا۔ (مجلتہ العربیہ بیتِ کویت) قائدانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارہ دیا ہوگا۔ اس کا اندازہ آپ خود لگائیے۔ پھر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ ۲۶ ہزار نا جائز (زنا) بچے پیدا ہوئے (العربیہ کویت) اور اس طرح ترائیوں کے اس لشکر نے صلال پیداوار کا کوٹر پورا کر دیا۔ اب ایک ایسے ملک کا حال سینے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً نصف آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ العربیہ رقمطراز ہے :-

بیروت میں ۸۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے جس کی خبریں اخبارات میں آچکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لاجواب کتاب قرآن مجید نے بہت پہلے ”قتلِ اولاد“ سے منع کرنے کے فوراً بعد زنا اور اس کے محرکات روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتلِ اولاد کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی تعاون سے عیاں ہے کہ پہلا جرم قتلِ اولاد دوسرے جرم (زنا اور فحاشی) کا محرک ہے۔ پڑھیے اور قربان جانیے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشِيتُهُمْ أَمْلَاقُ
نَحْنُ نَرِ قَتْلَهُمْ وَآيَاكُمْ أَنْ قَتَلْتُمْ
كَانَ خَطَاً كَبِيراً۔

اور مت کرو قتلِ اپنی اولاد کو مفسدی کے
خوف سے۔ ہم ان کو بھی روڑی دیں
گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک
اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

بنی اسرائیل ۲۱

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے :-

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ إِسْنَةً
كَانَ مِمَّا حُشِرَ
اور زنا کے قریب بھی نہ چٹکھو کیونکہ
زنا بڑی مے میانی کی بات ہے

وَسَاءُ سَبِيلًا - ۳۲

اور بہت بری راہ ہے۔
نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معنی
بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس انداز بیان سے
بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) پر کچھ
کنٹرول کا لازمی اور طبعی رد عمل ہے۔ ارشاد ہے :-

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَمْلَکِ
مَنْ نَزَّحَكُمْ وَأَيَّاہُمْ وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَمَا بَطْنٌ ۚ

اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غریبیت
کے سبب۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے
ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی
باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ

آیت ۱۵۱ - انعام
اعلانہ ہوں یا پوشیدہ -
(نمبر ۶۶)

بے حیائی کی دعوت

ملک و ملت کے اخلاق و کردار اور تمدن و معاشرت کو ڈائنامیٹ کرنے کے لئے فائدہ دانی
منصور بہ بندی کے نام سے جو بارودی سرنگیں بچھائی جا رہی ہیں۔ اس کے چند ایک تازہ
نمونے ملاحظہ ہوں۔

”کشمیر پر کٹر کنٹرول مسٹر انور عادل نے کہا ہے کہ ضبط تولید کے ذرائع کا استعمال
بجوری چھپے کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ
لوگوں میں اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں اس
تحریک کے متعلق مشرم و حیا کا پردہ چاک کرنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں
مشرم و حیا دعوت و عظمت کا پردہ چاک کرنے کی یہ دعوت ستیاگو میں والدین کی
بین الاقوامی کانفرنس میں دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ عوام کو اس سلسلہ میں ہر قسم
کی آسانیاں اور مانعہ حملی اشیاء فراہم کی جائیں۔ (ماٹوز جنگ کراچی ۸ اپریل ۱۹۹۶ء)

۱ امریکہ کی ایک خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی امداد سے پاکستان میں اسقاطِ حمل کی گولیاں تیار کرنے کا کارخانہ قائم کیا جائے گا۔ (نوائے وقت ۱۲ مئی ۱۹۷۷ء) — اور جس مقصد کے لئے قوم و ملت کا دامن حیات و عصمت تار تار کیا جا رہا ہے۔ اس کی کچھ تازہ جھلکیاں بھی ملاحظہ ہوں۔ ہمیرگ کی ایک خبر کہ مانعِ حمل کی گولیوں کے استعمال سے عورتوں کی طبی تلواہیات میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ معاشی اور سیاسی میدان میں مساوی حقوق کے حصول کے بعد اب عورتیں اخلاقی روایات کو پس پشت ڈال کر جنسی معاملات میں بھی مرد جیسا کردار انجام دینا چاہتی ہیں۔ یہ مسئلہ آج کل مغربی جرمنی کے ڈاکٹروں، سائنسدانوں اور ماہرینِ نفسیات و جنسیات کے لئے موضوعِ بحث بنا ہوا ہے۔ امریکن سوسائٹی آف فیملی پلاننگ کے سائنسدان، جرمن ماہرینِ نفسیات و جنسیات و پیدائش سب اس نتیجہ پر متفق ہیں۔ ہمیرگ کے ڈاکٹر ہٹا اسٹون نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ جدید دور کی عورت کے لئے وہ دن دور نہیں جب عشق و محبت اور شہوت رانی کے میدان میں عورتیں مردوں سے بہت آگے نکل جائیں۔ — (ماخوذ از جنگ کراچی ۱۹۷۷ء)

ادھر ایک ٹرسٹ انخیار رقمطراز ہے کہ نیوزی لینڈ خاندانی منصوبہ بندی ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر لیش نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے ملک کی بہت سی لڑکیاں خاندانی منصوبہ بندی سے بغاوت کر کے حاملہ ہو گئی ہیں۔ وہ والدین کے پنجوں سے نکل بھاگتا جا رہی ہیں۔ ڈاکٹر لیش نے کہا کہ یہ اس لئے کہ وہ خود کو اب اس برائی سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں فاعتبروا یَا ادنیٰ الابصار اندازہ لگائیے کہ دلدادگان تہذیبِ فرنگ اور کشتگانِ اباحت نے یہ سارا ڈھونگ کن مقاصد کے لئے بچایا اور اس زہر کو تریاق دکھانے کے لئے اس پر معاشی تکفل، منصوبہ اور قومی ترقی کے کیا گیا لیبل لگائے گئے۔ (جون ۱۹۷۷ء)

حلال کی ممانعت مگر حرام کی کفالت

مغربی پاکستان کے بچوں کی یہود کو نسل کی پیئر مین وقار النسائون نے بتایا ہے کہ کونسل عنقریب "بن باپ" بچوں کو پالنے کے لئے ایک پرورش گاہ قائم کرے گی۔ انہوں نے

مزید بتایا کہ ہسپتال میں کام کی کثرت کی وجہ سے ان کی پرورش کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جاسکتی۔ جو بچے ہسپتالوں میں پیدا نہیں ہوتے ان کی لاشیں سڑکوں پر رکھی پائی جاتی ہیں۔ مجوزہ پرورش گاہ بن باپ کے ایسے بچوں کے مسائل حل کرنے میں پوری مدد دے گی اور آئندہ یہ بچے پاکستان کے شریف شہری ثابت ہو سکیں گے۔ (۱۶ مارچ ۶۶ء کے اخبارات) کتنی اچھی خبر ہے۔ آخر جب شہر شہر گلی گلی خاندانی منصوبہ بندی کے سینٹر کام میں مشغول ہوں گے صحافت و ثقافت کے تمام وسائل اس سلسلے عام کے لئے وقف ہوں گے۔ ادب اور سیاست کی سیٹج پر اس موضوع کے مذاکرات اور مباحثوں کا بازار گرم رہے گا اور قوم کا بدقسمت طبقہ اس پر جوش و خروش کی لذت آفرینوں میں ڈوب جائے گا تو یقیناً اس کا ظہور اس ناجائز برآمد کی صورت میں ہونے لگے گا۔ اب لازماً ایک ایسی پرورش گاہ بھی چاہیے جس میں ملک بھر کی یہ حرام پیداوار ”ٹھکانے لگ سکے تاکہ انہیں آگے چل کر مستقبل کے شریف پاکستانی شہریوں کے سانچے میں ڈھالا جاسکے۔ یہ سینٹر اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ جو ماں باپ اس ناجائز کھپ کی درآمد کے ذمہ دار ہیں ان کے ذریعہ وہ تربیت اور معاشرتی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش ہوں کہ دوبارہ پوری میکوئی سے نیپلی پلاننگ کے مراکز کی رونق برقرار رکھ سکیں۔ اگر کونسل ایسی پرورش گاہ کی افادیت محسوس کرتی ہے تو چند اک مراکز سے کام نہیں چلے گا۔ ضرورت ہے کہ اس شارع عام اور آبادی میں ایسی پرورش گاہ قائم کی جائے جہاں خاندانی منصوبہ بندی کا سینٹر قائم ہو چکا ہو۔ اس طرح ایک سے دوسرے کی رونق دوبالا ہوتی رہے گی اور پہلو پہلو وہ کہ برتھ کنٹرول کا کاروبار بھی خوب چمک اٹھے گا۔ سبحان اللہ تاریخ پاکستان کا بدترین المیہ اور شرمناک باب۔ حلال پیداوار کو تو آنے سے پہلے روک دو اور حرام پیداوار کی کفالت و تربیت کے لئے پرورش گاہیں اور مراکز قائم کرو۔ (۱۶ مئی ۶۶ء)

مذاہب عالم کا اجماع

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں تحریک و تاویل کی ہزار کوششوں کے باوجود اسلام کا عادلانہ نقطہ نظر کسی یا غیر مسلمان سے مخفی نہیں رہا مگر پچھلے دنوں اس تحریک کے بارے

میں یورپ کے کلیسا کی ناراضگی عیسائیوں کے مذہبی ہائی کمان کی شدید خفگی اور پھر حال ہی میں ہندوؤں کے ایک ممتاز مذہبی رہنما شکر اچاریہ کا احتجاجی بیان اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام تو اسلام (جو ہر لحاظ سے مکمل اور فطری مذہب ہے) دنیا کا کوئی محرف یا مسخ شدہ مذہب بھی اس غیر حکیمانہ فعل کی تائید نہیں کرتا۔ گو اس تحریک کی غیر معقولیت پر مذاہب عالم کا اجماع ہو چکا ہے (ذو ہر سلسلہ)

اسلام سے لا تعلقی

مرکزی وزیر تعلیم قاضی انوار الحق صاحب نے قومی اسمبلی کے ایک سوال کے جواب میں ایک عجیب شان "بے نیازانہ" میں فرمایا کہ حکومت خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہرگز علماء یا مشاورتی کونسل کی رائے معلوم نہیں کرے گی اس مسئلہ کا تعلق صحت سے ہے علماء اور اسلام سے نہیں۔ قاضی صاحب وزیر تعلیم ہیں اور پھر "قاضی" بھی اسی شایانہ ترنگ میں یہ بھی فرما سکتے ہیں کہ تجارتی اور صنعتی بینکنگ، سود، قلعہ دمی، بیمہ وغیرہ مسائل کا تعلق تجارت اور صنعت سے ہے۔ معاشرتی امور، طلاق، نکاح، عدت کا تعلق معاشرہ سے ہے۔ حکومت، وزارت اور قیادت کا تعلق سیاست سے ہے۔ علماء اور اسلام سے نہیں اور ہم اس بارہ میں علماء سے استصواب نہیں کر سکتے۔ کسی کی مجال ہے کہ لب کشائی کر کے پوچھ سکے کہ اس نقطہ نگاہ سے اسلام اور پاپائیت یا عیسائیت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ جہاں مذہب کو ملک اور معاشرہ کے ہر شعبہ سے نکال کر چند فرسودہ اور خود ساختہ اعتقادات تک محدود کر دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کی اس دلیل سے برتھ کنٹرول تو کیا شراب اور سوڑ کو بھی صحت کے لئے مفید قرار دیا جاسکتا ہے کہ مذہب کا صحت اور بیماری سے کیا تعلق، مگر یاد رکھئے جب سوال ملک کی حفاظت اور مدافعت کا پیدا ہو تو پھر علماء کو ہرگز مت بھولئے کہ وہ اٹھ کر مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار کریں اور "اسلامی مملکت" کو تباہی سے بچانے کے لئے ہر منبر اور مخراب کو محاذ جنگ اور سرحد اسلام بنادیں کہ پاکستان میں مولویوں کا مقام صرف ضرورت کے وقت مسئلہ جہاد کا بیان کرنا رہ گیا ہے یا پھر وہ اطاعت و تسلیم کی تلقین کر کے "با عزت" زندگی گزار سکتا ہے۔ (جولائی ۱۹۷۷ء)

اسباب حیات و ممات میں تلبیس

خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں ایک استدلال ملاحظہ ہو جو عرصہ سے ملک کی سب سے اونچی سیٹج سے دہرایا جا رہا ہے۔

”برتھ کنٹرول کے مخالفین شرح پیدائش پر کنٹرول کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف قرار دیتے ہیں تو کیا مختلف امراض کے لئے ڈاکٹروں کے پاس جانا خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف نہیں ہو سکتا۔“

بظاہر یہ دلیل وزنی معلوم ہوتی ہے مگر جب اس کا تجزیہ کیا جائے تو ایک عجیب شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے ان اسباب و تدابیر کے استعمال کا حق دیا ہے جو انسانی آرام و راحت اور فلاح و بہبود کے کام آسکیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ بنی نوع انسان کی تکالیف اور بیماریوں کا ازالہ کریں۔ اسے ٹریفک کے حادثات سے بچانے کے لئے ٹریفک کنٹرول کے ذرائع استعمال میں لائیں۔ وبائی امراض کا انسداد کریں۔ قحط اور گمراہی ختم کر نیکی اسباب سوچیں اور برتیں۔ مگر کیا اسباب کے نام سے ہم وہ امور بھی اختیار کر سکتے ہیں جو انسان کے اجتماعی یا انفرادی مفادات پر اثر انداز ہوں یا جو ہمارے ملی و قومی کردار کو مجروح کریں۔ کیا ہم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل یا دنیا میں آنے سے روک سکتے ہیں کہ ہمیں اس کو دیا اور دیگر مہلک امراض، دریا میں ڈوبنے، آگ میں جلنے سے بچانے کی سعی کا حق حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ جو اسباب نوع انسانی کے حق میں محفوظ ہیں (اس کو موثر حقیقی نہ جانتے ہوئے) اس کے استعمال کا حکم تھا۔ مگر جو اسباب نوع انسانی کے کسی فرد یا طبقہ کے قومی، سیاسی اور اخلاقی مفادات کے لئے ضرر رساں ہوں گے۔ ہمیں اس کی اجازت ہرگز نہیں اور لصوص و شواہد اور قطعی تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی موجودہ ہمہ گیر تحریکی شکل کسی قوم کے اخلاقی و دیوالیہ اور ملی خودکشی کا سبب بن سکتی ہے جبکہ کثرت نسل اجتماعی، فوجی اور اقتصادی لحاظ

سے ملت مسلمہ کے لئے قوت کا باعث ہے۔ ہمیں اس "ملی موت" اور قومی خودکشی کا حق اس وجہ سے نہیں پہنچ سکتا کہ ہم افراد کی شرح اموات گھٹانے کے مجاز ہیں۔ اس دلیل کے منطقی تجزیہ کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں تحدید نسل اور قومی خودکشی کا اس وجہ سے حق حاصل ہے کہ ہم انسان کو مرنے سے بچانے کی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں یا ہم قومی پیمانہ پر شرح اموات بڑھا سکتے ہیں، کیونکہ ہمیں افراد کی شرح اموات گھٹانے کی اجازت ہے۔ اس صورت میں یہ استدلال کتنا مضحکہ خیز ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ذہوری ۱۳۸)

ارزاق کا کفیل

آپ نے اس خیر کو پڑھ کر کچھ سوچا بھی؟ کہ ضلع سلہٹ میں ایک شادی شدہ خاتون کے ہاں نو بچے پیدا ہوئے۔ ضبط ولادت کے اس ہاوہو میں جبکہ اس کی کامیابی پر تمس کر وڑو پے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ واقعہ ایک طمانچہ ہے۔ ان لوگوں کے منہ پر جو خلق و معاش کی کنجیاں اس کائنات کے خالق سے چھپیں کر اس پر اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔ خدا کے لئے اس واقعہ سے سبق لو۔ کیا تمہیں اس وقت ہوش آئے گا۔ کہ پہاڑوں، ٹیلوں اور غاروں سے غول کے غول بچے برآمد ہونے لگیں یا آسمان سے بچوں کی ایسی بارش ہو کہ تم ان کا گلا گھونٹ گھونٹ کر بھی ختم نہ کر سکو۔ یقین رکھو کہ جس ذات کے ہاں پیدائشی قوتوں کی اتنی فراوانی ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ارزاق کا بھی کفیل ہے۔ کیا وہ عالم خاکی کے تمام جانداروں کو تم سے زیادہ اور اچھا رزق نہیں دیتا؟ پھر کیا تم نے حضرت سلیمان کا وہ واقعہ نہیں پڑھا کہ انہوں نے ایک بار تمام مخلوق کو ایک وقت کھانا کھلانے کی دعوت دینی چاہی اور بہ ہزار منت و سماجت خداوند کریم کو راضی کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سبق دینے کے لئے یہ دعوت سلیمان قبول فرمائی۔ پھر وقت مقررہ سے کافی عرصہ قبل حضرت سلیمان کی نہ صرف تمام فوج بلکہ مسخر شدہ جنات بھی اشیائے خوردنی کی فراہمی میں لگ گئے۔ میلوں تک دسترخوان سجایا گیا۔ حضرت سلیمان کی طرف سے صلائے عام ہوئی۔ ابتدا بحر می مخلوق کی ایک نائوں ٹھیل سے ہوئی اور ٹھیل مہینوں کی مہنیا کی ہوئی یہ ساری خوراک چند طظوں میں چھٹ کر گئی اور دسترخوان

صاف کرتے ہوئے دوسرے سرے نکل گئی۔ پھر بھی صل من مزید لپکارنے لگی کہ سلیمان علیہ السلام مجھے کچھ کھلائیے کہ بھوک کے مارے میرا حال برا ہو رہا ہے۔ ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام حیران و ششدر کہ سب کچھ تو ختم کر گئی، اب اور لوگوں کو کیا کھلاؤں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے مچھلی کو کوسا کہ تو نے سب کچھ کھایا اور کیا مانگ رہی ہے۔ مچھلی نے جواب میں کہا اے سلیمان میرا رب مجھے ہر روز دن میں کئی بار اتنا کچھ کھلاتا ہے۔ آج تم نے میرا وظیفہ خزانہ غیب سے بھی بند کر دیا اور مجھے سیر بھی نہ کر سکے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام یہ سن کر سجدہ میں گر گئے۔ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں اور اللہ کی عظمت کا ترانہ زبان پر جاری ہوا کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے خلائق کو غیب کے خزانوں سے رزق پہنچاتا ہے۔

سبحان المتکفل بار رزاق الخلائق من حیث لا یعدون۔ (اگست ۱۹۷۶ء)

عذاب کی شکل میں قدرتی منصوبہ بندی

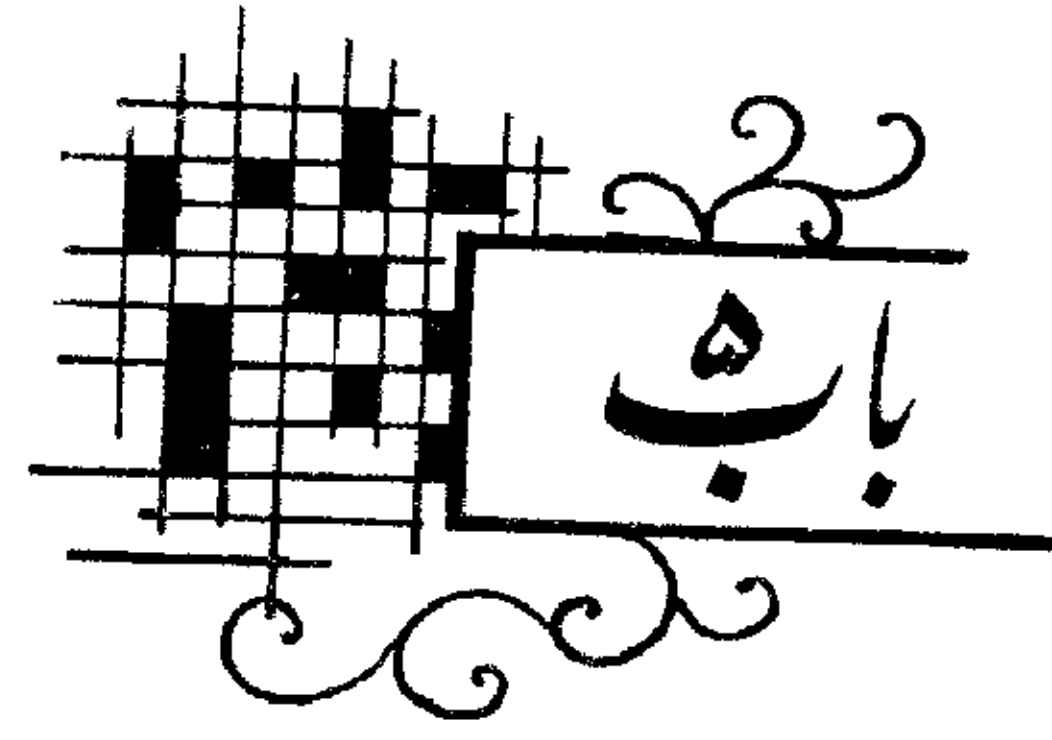
مشرقی ترکی میں زلزلہ آیا اور کتنی ہولناک تباہی و بربادی سا تھ لیتے آیا۔ بیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ سینکڑوں بستیاں پیوند خاک ہوئیں صرف ایک شہر وار تو میں دو ہزار لاشیں تادم تحریر طے سے نکالی جا چکی ہیں اور مزید لاشیں مل رہی ہیں۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ زمین جگہ جگہ سے دھنس گئی۔ مواصلات اور آمد آمدی کام کا نظام درہم برہم ہوا اور آخری خبروں تک زلزلے کے جھٹکے آرہے ہیں۔ یہ داستان عبرت نہ تو قوم عاد و ثمود کی ہے اور نہ لوط و سدوم کی بستیوں کی بربادی کا ذکر کیا ہے بلکہ اس ہفتہ کے اندر ایک اسلامی ملک کا جہاں سارے مسلمان ہی مسلمان بستے ہیں اور اس پہلے پاکستان اور بھارت میں زلزلہ آیا۔ یوگوسلاویہ اور جاپان بھی لرز اٹھے۔ تاشقند کی زمین تو ایسی لرز اٹھی ہے کہ سکون کا نام ہی نہیں لیتی۔ یہ حال تو قدرت کے تانے بانے (زلزلے) کا ہے ورنہ ہلاکت آفرینیوں کا ایک تانتا ہے جس نے سارے کمرہ الارضی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور ظہور الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس کا منظر عیاں ہے مگر ہائے ہماری غفلت کیشی کا یہ حال کہ چونکتے تک نہیں۔ قدرت کے قانون مقافات عمل سے جتنی بے پرواہی اس حیوانی دور میں برقی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے کی سرکشی اور طاعنی قوموں میں شاید اس کی مثال نہ

ٹے۔ ہم اپنی بربادیوں کے رشتے اسباب و علل سے جوڑتے ہیں مگر مسبب الاسباب پر نظر نہیں پڑتی حالانکہ اس تمام خانماں بربادی کا سرچشمہ ہم خود ہی تو ہیں۔ یہ ہمارے اعمال بد کا ظہور ہی تو ہے۔ ”وہ“ جن کے لئے اسلام نے ایک فرد کی موت کو بھی سب سے بڑا واعظ قرار دیا تھا ان کے سامنے قوموں کی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ رہی ہیں مگر عین عذاب کے وقت بھی مسجد کی طرف نہیں بلکہ سینماؤں کی طرف دوڑتے ہیں۔ ترکی میں صبح کے بعد شام کو پھر زلزلہ آیا مگر اس وقت بھی سینما ہال بھرے ہوئے تھے اور صرف ایک ہال میں دو ہوا فرد زلزلہ سے تباہ ہوئے۔ کیا صبح کا تازیانہ بھی انہیں جھنجھوڑ نہ سکا۔؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تفاوت اور بد بختی کے تسلط کا اگر یہی عالم رہا تو شاید اسرافیل کی سیٹیاں بھی ہمیں خواب غفلت سے بیدار نہ کر سکیں اور یہ زلزلے اور طوفان تو خود مخبر صادق و صدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق قیامت کے الارم ہیں۔ قدرت کی تلوار حبیب نیام سے باہر آجائے (والعیاذ باللہ) تو دنیا بھر کے ہلال و صلیب کی سوسائٹیاں اور امدادی ادارے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تلوار چلانے والے کے دامن میں پناہ لو ورنہ بالآخر تمہارا نام و نشان تک اس عالم خاک کی سے مٹا دیا جائے گا۔ جابر اور قاسم ہر قومیں تم سے پہلے یہاں آباد تھیں مگر اب ان کی بھٹک بھی کانوں میں نہیں پڑتی۔

وكم اهلكت قبلهم من	ہم نے ان سے پہلے کئی جماعتیں
قرنٍ هل تحس منهم من	ہلاک کیں تم ان میں سے کسی
امرٍ او تسمع لهم	کی آہٹ پاتے ہو، یا سنتے ہو
لکڑا۔	ان کی بھٹک

سنا ہے انہیں دنوں ترکی کا ایک وفد پاکستان کا دورہ اس غرض سے کر رہا ہے کہ یہاں ”خاندانی منصوبہ بندی“ کے کام کا جائزہ لے کر اسے اپنے ہاں اپنائے مگر قدرت کی طرف سے اس عذاب کی شکل میں منصوبہ بندی ہوئی۔ کاش! اس قدرتی پلانا نگ سے ہماری آنکھیں کھل جائیں اور وفد جن لوگوں سے سبق سیکھنے آیا ہے سبق دینے والوں کو خود اس حادثہ ”فاجعہ“ سے سبق مل جائے کہ قانون ”پاداش علی“ سب سے بڑی منصوبہ بندی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے (ستمبر ۱۹۷۷ء)



عالم اسلام میں تجدّد (ماڈرن ازم) کی تحریک
ریسرچ و تحقیق اور فتنہء استشرق

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازِ تحبّید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

(اقبال)

اکبروی گریٹ کا ماڈرن اسلام

اکبریت کا نیاروپ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ قافلہ اسلام منزل بہ منزل کو بہ کو عہد سادت نبوت سے لیکر اب تک رواں دواں ہے۔ اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرور کائنات صلوٰۃ اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی۔ اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت و فلاح کا یہ کبریت اجمہر آج بھی اپنے اصلی خدو خال میں موجود ہے۔ اسلاف کی اس امانت کی حفاظت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑا؟ یہ داستان کچھ عجیب و غریب ہے۔ ہماری تاریخ جو دعوت و عزیمت اور جہاد و قربانی کی ایک داستان مسلسل ہے، اس سے بھری پڑی ہے۔ ارباب اخلاص و وفا کو کبھی اس راہ میں آگ اور خون سے گزرنا پڑا تو کبھی صرصر و موم کی تند و تیز لہروں کا سامنا کرنا پڑا، ہوالہ تعالیٰ کی اس روشنی کو بچانے کے لئے اٹھتے رہے۔ بارہا الحاد و زندقہ کی تاریکیوں نے دین متین کے رخِ زیبا کو چھپانے کی سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اس رستی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی بختی اور وعدہ خداوندی حفاظت دین کا ظہور کہ ان ہی ظلمتوں سے روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے۔ اسلام کا آفتاب منیر آج بھی دمک رہا ہے۔ نجات کا راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے

سابق صدر ایوب کی سرپرستی میں نجد اور الحاد کا فتنہ تحقیق و ریسرچ کے نام پر بڑے زور و شور سے چل رہا تھا۔ اس مضمون میں ”اکبر“ کے نام سے ”اکبریت“ کے اس نئے روپ اور ماڈرن ازم کے خدو خال کو نمایاں کرنا مقصود تھا۔ ”س“

جیسا کہ اولین عہد سعادت میں رہا۔ المسحاة البیضاء لیلہا کنہار۔

دین کی عزت | اس سرزمین (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر
کا عبرتناک زمانہ | نازک سے نازک گھڑی دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار

سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہوئی۔ یہ پچاس سالہ
”اکبر عہد“ دین کی عزت اہل دین کی بے کسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا
عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگر عہد اکبری کی اس داستان
سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کے لئے کچھ سبق ہے تو رجال دین کے
لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی کہ رحمت خداوندی کا ظہور مایوسیوں کے حد کمال تک
پہنچے ہیں ہوتا ہے اور یہ کہ دین متین کو دیا یا نہیں جاسکتا۔ نہ اس کی حفاظت توپ و
تفنگ ہم گیر تحریکات منظم پروگرام اور جماعتوں کی رہنمائی منت ہے۔ آج کی فرصت
میں ہم اکبر کے ”دین الہی“ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے خدو خال
پر کچھ روشنی پڑ سکے

بے دینوں کے بے دین ترجمان | اور اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کے عزائم باطنی کا بھی اندازہ لگایا

ہل سکے جو اس وقت متل امپائر کے اس ”طاغوت اکبر“ کا نام بطور ٹیڈیل پیش کرتے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ:

”اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما

ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بنا پر علماء کا اپنے آپ کو طاقتور بنانا

تھا، جو مذہب کی آڑ سے کہ ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ

ان کا رسوخ بڑھ سکے حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں

پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس ”ہوس اقتدار“ کی تائید میں خود اکبر

کا یہ قول بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ علماء می خواہند کہ فرمانروائی و کارگزاری شریک

بادشاہی باشد (علماء چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک

ہو جائیں۔۔۔) (نکرو نظر من ص ۱۱۱ ج ۳ اسد نام آباد)

گویا کھلے بندوں اکبر کو حق بجانب قرار دے کے اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں

کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، جس کا مظاہرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اور ان کے ہمہنوا علماء حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات و عزائم کا بھانڈا بھی پھوٹ جائے گا کہ یہ لوگ کبھی اکبر اور کبھی مصطفیٰ کمال کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آرزو مند ہیں۔ وہ کیا حالات تھے جس نے علماء حق اور اہل حق کو مڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ کیا دعوت و عزیمت تجدید و احیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جان نثاری اللہ تعالیٰ کی ”سنت ماضیہ“ اور عادت جاریہ کا ظہور تھا یا اقتدار کی ہوس عہد اکبری کے یہ سیاہ تصویر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبری کے ایک نہایت ثقہ و بنیاد عالم بے لاگ اور مستند مؤرخ ملا عبد القادر بدایونی (مسنانہ) کی ان چشم دید معلومات کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے ”حلیۃ شہادت“ کے بعد اپنی کتاب ”منتخب التواریخ“ میں جمع کر دیے ہیں جسے ہمارے زمانہ کے ایک مایہ ناز محقق عالم مولانا مناظر حسن گیلانی مرحومؒ نے مذکورہ کتاب کے چار سو صفحات سے تلاش کر کے اپنے مقالہ ”الف ثانی“ کا تجدیدی کا نامہ میں سمیٹ دیا ہے۔ منتخب التواریخ کے حوالوں کے بارہ میں ہمارا اعتماد مولانا مرحومؒ کے مضمون پر ہے۔ منتخب کے علاوہ عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش، دلیتان مذاہب اور خود اکبر کے فرزند جہانگیر کی تزک جہانگیری میں بھی پائے جاتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے معتد ثقہ، امین امام طویل کے مکتوبات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

آئندہ تفصیل سے معلوم ہو گا کہ ایک سوچے سمجھے پروگرام اور تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے مقام ارتقا تک پہنچایا گیا اور اجتہاد، امامت و تشریح اور قانون سازی کے مناصب سے گزرتے ہوئے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا جہاں سے امامت و نبوت کو کیا معاذ اللہ الوہیت تک رسائی ہو جاتی ہے۔

منصب اجتہاد | سب سے پہلے اکبر نے منصب اجتہاد کو سرفراز سی بخشی۔ ملا مبارک ناگوری اور ان کے درویش بیٹوں ابو الفضل ازہری نے ایک محض نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو اجتہاد اور دینی مسائل میں ہی آدم کی معاشی اور دینی ہولٹوں کے مد نظر کسی ایک پہلو کو نمونہ اور

اور دوسرے کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا اور یہ کہ عوام پر ان "فیصلوں" اور احکام کی پابندی لازمی اور اس کی مخالفت دنیوی اور دینی بربادی کا موجب ہوگی۔ اس محضر نامہ میں بادشاہ کو گویا "مرکز ملت" قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک سلطان کا درجہ مجتہد کے درجہ سے زیادہ ہے۔ (ملاحظہ ہو پورا محضر نامہ۔ منتخب التواریخ ص ۲۴۲)

سلف کی بے حرمتی | اکبر کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ائمہ سلف اور مجتہدین امت کی ہر عام توہین و تحقیر کی جانے لگی۔ ان پر فقیہ کو "خشاک" ملا اور قناد زمانہ سے آنکھیں بند کرنے والے جامہ اور منصب ہونے کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔ دربار اکبری کا یہ نامہ "محقق" ابو الفضل فقہاء کرام اور مجتہدین امت کے بیٹے یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا کہ فلاں حلوائی کفش دوڑ اور فلاں چمڑہ فروش کی باتیں کیسے مانوں۔ (منتخب ص ۲۰۰)

صحابہ کی بے وقعتی | سلف کی بے حرمتی اور گستاخوں کی اس جرات نے بڑھتے بڑھتے سب سے عقل اور مقدس ترین جماعت صحابہ کرام (جن پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے) کو بھی آگھیرا۔ ان کی عظمت و حرمت دلوں سے نکالی جانے لگی۔ خاص طور سے خلفاء ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن کو نہ بیان پر نہیں لایا جاسکتا (مغرب) شان رسالت پر دست درازی | اب خاتم بدین شان رسالت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی باری تھی۔ حریم قدس نبوت پر دست اندازی سے پہلے ضروری تھا کہ حضور کے لئے ہوئے احکام و تعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان کو عبادات تک کو دفار زمانہ سے بے جوڑ، نامناسب اور فرسودہ قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ اسلامی تعلیمات و شعائر سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لانے والے پیغمبر سے بھی کٹ جائے۔

چنانچہ صحابہ کرام، ائمہ دین اور سلف صالحین کی اتباع اور تقلید کو روایت پرستی، شخصیت پروری اور قدامت پسندی قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثہ پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کر دیا گیا کہ العیاذ باللہ ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور نامعقول ہے۔ اس کے بنانے والے چند مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ سب کے سب مفسد، ڈاکو، لٹ مار تھے۔ ارکان اسلام کا یہ حال کہ روزہ، حج، زکوٰۃ، جہراً ساقط کئے گئے ص ۲۵۱۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اکبر کے دربار میں علانیہ نماز پڑھ سکے ص ۳۱۵

روشن خیالی کے نام پر دین سے مذاق | اس طرح دین اور دین کے تمام شعائر کو تقلیدات“
 کہا جانے لگا ص ۲۱۶ یعنی بغیر معقول باتیں ”روایت پسندی“ اور ”دقیانوسیت“ ایک شور برپا کیا گیا کہ
 مدار دین عقل پر ہے نہ کہ نقل پر ص ۲۱۱ اگر کسی مسئلہ میں اس کی دینی اور شرعی حیثیت پیش کر دی جاتی
 تو الف ثانی کا ”یہ محض اعظم“ یہ کہہ کر جھڑک دیتا کہ — یہ ملاؤں کی باتیں ہیں مجھ سے تو ان
 چیزوں کا دریافت کرو جن کا تعلق عقل و حکمت سے ہو ص ۳۰۸

تمام دینی سرمایہ اور اسلامی اثاثہ کے بارہ میں مجموعی طور پر یہ اعتمادی اور بذطنی پیدا کرنے کے بعد
 ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام اصول و فروع ”پڑتیشہ تحقیق“ چلایا جانے لگا جس پر خدائی
 دین ”اسلام“ کی ساری عمارت اسے توار تھی۔ بقول ملا عبد القادر بدایونی — ارکان دین کے ہر
 رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے ”تلاوت
 مسد کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، تکوین عالم حشر و نشر وغیرہ کے تفسیر اور استہزاء
 ہونے لگا۔ ص ۳۰۹ — پورے دربار میں اسلامی معتقدات کو مشق سخن بنا کر ایک ایک مسئلہ
 اور شعار کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے۔ دوسرے مذاہب کا ہر وہ دکن جس سے
 اسلام کا ٹوٹا ہوتا اسے لفظ قاطع، قطعی دلیل اور اسلام کی تمام باتوں کو مہمل نامعقول، نو پیدا
 عرب کے مفلسوں کی گھڑی چیزیں خیال کیا جاتا ص ۲۵۹

نبوت اور اخبار غیب سے انکار | مصدر شریعت اور سرچشمہ اسلام نبوت کبریٰ علی
 صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو خروج کرنے کی یہ مذہب کو کشتیں بڑھتی رہیں اور
 بالآخر اجتہاد و امامت کا یہ دعویدار صاحب نبوت کی غلامی اور اس کی تشریحی حیثیت ماننے سے بھی
 منکر ہوا اور بادشاہ نے وحی کے محال ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالم غیب کے بارے
 میں حضور رسالت علیہ السلام کے اخبار کو جھٹلا کر جن، فرشتے، معجزات، تواریخ، قرآن اور اس
 کے کلام خداوندی ہونے، بعث بعد الموت، حساب کتاب، ثواب و عذاب کا کھلے بندوں انکار
 کرنے لگا۔ ص ۲۱۳ —

معجزات سے استہزاء | معجزات نبوت سے نہ صرف انکار بلکہ بادشاہ کی جہالت اور
 شوریدہ سری کی انتہا تھی کہ پھرے دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر معراج رسول کی ہنسی اڑاتے

لگتا اور کہتا کہ حب میں دوسری ٹانگ اٹھا کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو راتوں رات ایک شخص کیسے آسمانوں سے اوپر پہنچ گیا، خدا سے باتیں کیں اور حب واپس ہوا تب بھی اُن کا بستر گرم تھا — ہنسی مذاق کا یہی حال شوق الفجر اور دیگر معجزات کے بارہ میں بھی تھا ص ۳۱

شان رسالت میں بے حیبتی | اس گستاخ نے اس پر اکتفا نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام تک بدل ڈالے جس میں احمد اور مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ یہ نام ان پر شاق گزرنے لگے تھے ص ۲۱۵ ج ۲ — یہاں تک کہ غیرت و حمیت سے عاری اس ”مغل اعظم“ کے دربار میں عیسائی مشتری کے پادریوں نے سرعام شان رسالت میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر حکمران شوق ہو جائے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی، اعزاز و اکرام سے نوازا اور اپنے ایک شہزادہ کو حکم دیا کہ تیر کا ان سے چند سبق پڑھ لو ص ۲۶۹

اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ) | اپنے زعم باطل میں دین محمدی کی تخریب، شعاثر اسلامی کے انحال اور رسالت و عہد رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کے لئے ضروری تھا کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھال لے اور پورا دین کے اس ملکہ پر جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کر چکا تھا ایک نئے دین، جدید ملت اور ترقی یافتہ نظام کی عمارت اٹھائے کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے تھے۔ امامت تو کیا نبوت اور الوہیت تک (معاذ اللہ) اس کی رسائی ہو چکی تھی اور کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول مورخین اس خیال سے اس نے اپنے دین کو ”الہی مذہب“ کا نام دیا اور دعویٰ نبوت نہ کرتے ہوئے بھی منصب رسالت تشریع و تبدیل، نسخ احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا — اب پورے طور پر وہ ”دین الہی“ کی تدوین اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام و شعاثر کی بربادی و بسخ کنی میں لگ گیا۔ اعمال و فروع تو کیا عقائد و اصول تک نئے رائج کر دیئے اور اس طرح باقاعدہ ایک جدید ملت اور سائیکسک مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الہی کی ”تدوین و تنقیح“ کا کام اکیلے اکبر کے بس ہیں کہاں تھا کہ وہ بیچارہ تھا۔ بہر حال ایک ان پڑھ اور جاہل دین کے مبادی تک سے بے خبر زمانہ کے روشن خیال ”محققین“ نے اسے پام پر چڑھایا اور اقتدار و تخت کے پندار میں اکبر اس مقام ”انوالا خیرئی“ پر پہنچا جس پر اسے

اسلامی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے | عقائد و احکام فروع و اصول اور دین کے ہر ہر شعبہ میں نئے نئے اجتہادات و تحقیقات کے لئے باقاعدہ ادارے کھولے۔ تحقیقی مجالس قائم کیں اور بیسویں صدی کی اصطلاح اسلامی تحقیق، اسلام کا آزاد مطالعہ سائنٹفک ریسرچ کے لئے قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث و تجویز کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب کے ثقافتی لٹریچر کے ترجمہ کے لئے دفتر کھولا گیا۔ ملا مبارک اور اس کے شہرہ آفاق بیٹے ابو الفضل اور فیضی ان تحقیقاتی امور کے ڈائریکٹر اور خود اکبر دی گریڈ کی ذات اس تشریح و تجدید کی آخری اتھارٹی اور قوت نافذ تھی۔۔۔ اکبری دربار کے اس ثقہ اور چشم دید راوی ملا عبدالقادر بدایونی نے نو اکبری اس اسلامک ایڈوانسری کونسل کے ارکان کی تعداد تک لکھ دی ہے۔

بادشاہ (حکم کردند کہ از مقرران چہل کس بادشاہ نے حکم دیا کہ مقررین میں سے
بعد چہل تن بہ تشدید و ہر کس ہر چہ چالیس آدمی کجا بیٹھا کریں اور شخص جو کچھ جانتا ہو
داند گوید و ہر چہ خواہد پر سر دست ۳۰ اسکا ظہار کرے اور ہر قسم کے سوالات کرنا چاہے کرے
اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل (سائنس) کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا۔ طرح طرح کے شبہات، ہنسی مذاق کی شکل میں کیا جاتا اور اگر کوئی ممبر اختلافی نوٹ پیش کرتا تو اسے روک دیا جاتا تھا ۳۱
اس تحقیقاتی ٹیکسال میں ابو الفضل کے کئی شاگرد اور رکارڈ بھی تجدید دین کے کام میں شریک تھے اور بقول منتخب التواریخ صرف ایک شاگرد نے اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور سخرگی کے پیرایہ میں کئی رسالے تصنیف کئے اور جس نے شاہی بارگاہ میں بڑی مقبولیت پائی ۳۲

تاریخ کی تطہیر | ان روشن خیال اور آزاد ریسرچ کے شہسواروں کے ایک گروہ کو حکم دیا گیا کہ "تاریخ الحق" کے نام سے اسلام کے ہزار سالہ دور کی ایک تاریخ مرتب کی جائے جو دوسری تمام تواریخ کی ناسخ ہو اور جس میں سن ہجری کی بجائے سن رعت کو آغاز بنایا گیا ہو ۳۳
اس کا مقصد بطور آج کل کی اصطلاح میں یہ تھا کہ اسلامی تاریخ "پرمی اثرائت" دینی تعصب و آسٹ اور فقہی جمود کے جو بادل چھا گئے ہیں۔ ان آمیزشوں سے اسلامی تاریخ صاف ہو جائے کہ صرف تاریخ پر کیا منحصر لوہا اسلامی نظام اور دینی سرمایہ ان کے نزدیک تحریریت و تبلیغ کا شکار ہو کر ناقابل اعتماد ٹھہر گیا تھا۔ ابو الفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک ناگوری بادشاہ کے سامنے ہندوؤں کو
۳۴ منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز اور نام نہاد دانشور اور تجدید زدہ طبقہ بھی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

کہتا پھرتا کہ تمہارے دین کی طرح ہمارے دین میں بھی تحریف ہوئی ص ۱۱۱ گویا عجی سازش قدامت، اور توہم پرستی نے اس پورے اثاثہ کو تانابل عمل اور غیر معتد بنا دیا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب اور بے ہودہ رسوم روایات کی جن جن طریقوں سے عرصہ افزائی کی گئی ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام رواداری اور وسیع الحیالی صرف ان نظریات، مذاہب اور خیالات سے تھی جن سے اسلام کے کسی حکم کا توڑ ہوتا۔ ص ۲۵۴

اکبر کی رواداری کا نتیجہ | بخلاف اسلامی ملت کے کہ اکبر کے خیال میں اس "غریب دین" کی ساری باتیں بھل، نامعقول، نو پیدا اور غریب مفلسوں کی گھڑی ہوئی تھیں۔ یہ "روادار اکبر" جس کو بھی اپنے اعتقاد اور معیار پر پورا نہ پاتا وہ واجب القتل اور زندہ درگاہ ہو جاتا اور اسے فقیر (ملا) کا نام رکھ دیا جاتا ص ۲۳۹۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب سے "رواداری" (جو ہمیشہ سے الحاد اور کفر اسی کا مبداء اور سرچشمہ ہوتا ہے) مساوات ادیان اور آزادی رائے کا یہ ثمرہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھر سے دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور لٹرانیت کو بدلائل بیان کریں اور اہل الفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کر دیا جائے ص ۳۰۳

فرنگی ثقافت اور کلچر | فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے ص ۳۱۲ اور یہ بھی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ لعنت کی پہلی بھیسپ جس کے نتیجے میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا۔ یہی دانش افرنگ ہے جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ جسٹن نوروز میں فرنگی بھی شریک ہوتے جو پیالو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور اکبری داد و ستد کے مستحق ہوتے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ مجدد)

اس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کئے گئے۔ آتش پرستوں نے اگر زردشتی دین کی حقیقت بیان کی ص ۳۰۵۔ پھر کیا دیر لگتی اس وسیع النظر روشن خیال بادشاہ نے ان کی دجوبی کے لئے شاہی محلات میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا۔ ص ۳۰۶

سیاست یا الحاد | ہندوؤں اور ان کے مذاہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر

نے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ آخر
گروں سے اسلام کا رقبہ اتارنے کا یہ سارا ڈھونگ حیب ان کی دجلوئی کی خاطر چایا گیا تھا تو ظاہر
ہے کہ وہ ہندومت کے ساتھ اکبر کی فراخ سوسلیکیوں کا کیا عالم ہوگا؟

ہندوؤں کے تہوار پر قشتہ لگانا، برہمنوں کے ہاتھ تیر کا ڈوری بندھوانا، بھجن پڑھنا اور
پٹھہوانا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم کر لیا، پر منایا گیا۔ سر، دارھی
مور پھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسومات میں شریک ہوئے
(شاہد ماضی ص ۸۹ بحوالہ تنک جہانگیری۔ از مولانا محمد میاں)۔ غیروں سے یہ دریادلی اکبر کے لئے ایک
عام بات تھی، خواہ اسے آپ اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا سیاست و مصلحت کا
نوشٹا نام دیں۔

ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام | غرض اکبر کی یہ رواداریاں اور اسلام و دیگر مذاہب کا
آزاد سائنٹفک مطالعہ اور روشن خیالوں کی نشاۃ روز بے رحم اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں
سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور ملت جدیدہ کا ظہور ہوا جس نے عقائد و اسباق، سیاست و
معاشرت، تہذیب و تمدن، احکام و مسائل غرض قدیم اسلام کے ایک ایک شعبہ جزی سے جزی
مسد اور حکم میں وہ وہ حدت طرازیوں کیں کہ الامان و الحفیظ ہندوستان کے اس فتنہ گیر نے بزرگ
خود ملت مسلمہ کی چولیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کے لئے قوت و سطوت، دولت اور ترانوں کے
تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے۔

حلف وفاداری | اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمہ شہادت پڑھا جاتا مورخین کی
ذہانی وہ "لا الہ الا اللہ اکبر خلیفہ اللہ" ہوتا اور نہ صرف مریدوں کو بلکہ عام رعایا کو بھی اس ایمان و
شہادۃ کا مکلف ٹھہرایا جاتا ص ۲۴۔ یہ نو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اٹھاتے ہیں۔
دلی شوق سے روایتی دین اور باپ دادوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبر شاہی دین میں داخل
ہوتا ہوں ص ۱۱

تمغے | اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت "فرسودہ روایات" کے خول کو توڑ
آزاد فضا اور نئی روشنی میں آجاتے اور دین ملت کی متاع عزیز اکبر کے قدموں پر نثار کر کے

دربار ہمالیوں سے ”شجرہ“ کے نام سے ایک تمغہ حاصل کر لیتے تھے
دینے فروختند و چہ از ازاں فروختند

یہ تمغہ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانی ”حامیانِ تجدد کیلئے باعثِ رشک ہے۔ بادشاہ کی
ایک تصویر ان وفاتعاروں کو دے دی جاتی جسے وہ ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں رکھ کر
اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے تھے۔ ۳۴۱ (کیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی
میں بھی یہ جدت سوجھی ہے۔ ابھی بات تصویر کی نقاب کشائی اور نمائشوں تک محدود ہے) —
بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکہ سے درشن کرتے۔ پردہ سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے اس
”معبود“ اور ”الہ اکبر“ کے سامنے سر بسجود ہو جاتے تھے ۳۴۲۔ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت
”اسلام علیکم“ کی بجائے ”اللہ اکبر“ اور ”عل جلالہ“ کا تبادلہ ہوتا تھا ۳۴۵

اکبر کی افتاء و طبیعت اور اکبر کے ”دین الہی“ پر اس طائرانہ اور اصولی نگاہ ڈالنے کے بعد ہم
مناسب سمجھتے ہیں کہ ”دین اکبری“ کے بعض معتقدات، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں اس کی روشنیوں
اور شرعی احکام و فروع میں اس کی درست اندازوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیش کر دیں۔ شاید دین کے
اضمحلال و اندراس کے اس آئینہ میں جہانک کہ تاریخ سے عبرت لینے والے کچھ عبرت حاصل کر سکیں
ان فی ذلک لذکوی لمن کان له قلب و اذق السمع و هو شهید کہ بیشک اس میں ایک نصیحت
ہے۔ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے ع

تو خود عدیث مفصل بخوان از میں مجلس

اکبری تھا نہ عبادات | اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اس کا اندازہ تو لگ
چکا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقام نبوت پر فائز سمجھنے لگا بلکہ اپنی عبادات کروانے
کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا
۳۴۱۔ آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرتا تھا آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں
کا وظیفہ پڑھتا تھا ۳۴۲ طلوع آفتاب کے وقت نقارہ بجا یا جاتا تھا اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب
کا ذکر آنے پر جلالت قدرتہ (اس کی قدرت بہت بڑی ہے) کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ آفتاب کی
عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا تھا ۳۴۱ کو اکبر پرستی بھی

کی جانے لگی اور یہاں تک کہ معاذ اللہ سوڑ تک کو خدا کا منظر قرار دیا گیا کہ وہ اس میں حلول ہو چکا ہے
۲۶۱ء معاد، حشر، نشر، بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تنازع پر ایمان لایا ۲۵۸
اپنے مقربین پر لازم قرار دیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجالایا کریں۔
۲۶۲ آتش پرستی کے لئے ایک الگ آتش کدہ تازہ رہتا۔ آگ کو خدا کی نشانی اور نور قرار دیا صلا
یہ اس مذہب کے اعتقادات اور اس تحقیقی علم الکلام والفقائد کے چند نشہ پارسے ہیں جنہیں
”برعکس ہند نام زنجی کا فور“ توحید الہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اجتہاد اور روشن خیالی کے اس
کھیل سے اخلاق و کردار، معاشرہ اور تمدن کے میدان میں وہ گل کھلے کہ عقل و دانش اور دیانت و شرافت
کی دنیا سر پیٹ کر رہ گئی۔ ”مشتے نمونہ از خروارے“ جس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

رہس کورس اور تقاوی سود کی حلت | سود اور ہوا اصلال قرار دیا گیا۔ شاہی خزانہ سے
سودی قرضہ دیا جانے لگا۔ قمار کھیلے شاہی دربار میں ایک الگ ہوا گھر (رہس کورس) قائم کیا گیا ۲۶۳
شراب حلال ہے | دربار اکبری سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ طبی طور پر بدن کی اصلاح و
تقویت کے لئے شراب حلال ہے۔ البتہ پی کر سڑکوں پر غل غپاڑہ کرنا اور دنگ فساد ممنوع ہے ۲۶۴
محکمہ آبداری | ایک عورت کی نگرانی میں شراب فروشی کی ایک کان دربار کے سایہ میں قائم کی
گئی۔ نرخ وغیرہ خود حکومت مقرر کرتی ص

جام صحت | تقریبات اور مجالس میں جام پر جام لٹھائے جاتے، شراب سے
ایک دوسرے کے جام صحت تجویز ہوتے۔ دربار اکبری میں متحدہ اور روشن خیالی کے ایک ممتاز
لیڈر فیضی ایک جام ملاؤں کے تعصب اور جمود کے نام پر تجویز کرتے۔
شیو | اس ترقی یافتہ مذہب میں شراب کے بعد زیادہ زور دھڑھی منڈھوانے
پر دیا جاتا اور شیو کے بارہ میں عقلی و نقلی دلائل کا طومار باندھا جاتا۔

عسل جنابت منسوخ | دین جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ جنابت واجب نہیں کہ منی سے
نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بہتری سے پہلے غسل کیا جائے (تذکرہ مجذبات
شانی ص ۷۲ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

عائلی قوانین کی اصلاح | نکاح و طلاق کے متعلق بھی مسلمانوں کے پرسنل لاء میں رد و بدل

کیا گیا۔ نئے "عائلی قوانین" کی بعض دفعات یہ تھیں۔

۱۔ چچا زاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح حرام، کہ میل کم شود (یہ اجنبی تہذیب ہندوؤں کا اثر تھا کہ بیگانوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ ۲۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور وجہ یہ تھی کہ فرزند ضعیف مے شود۔ گویا جو پیر بعد میں "ساردا ایکٹ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ دراصل مغل اعظم ایکٹ کہلانے کی مستحق تھی۔ ۳۔ یہ کہہ کر خدا یکے وزن یکے ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگادی گئی۔ گویا اسلامی دنیا میں مسئلہ تعدد ازدواج کا جو غلط فہم ہے اس کا کمریڈ بھی "اکبر اعظم" ہی کو حاصل ہے۔ — عائلی آرڈی منس کی مزید بعض دفعات یہ تھیں۔ ۴۔ آئسہ عورت (جس کی ماہوادی بند ہو) نکاح نہیں کر سکے گی۔ ۵۔ مرد سے بارہ سال بڑی عورت سے ہم بستری ممنوع ہوگی۔ ۶۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو گاؤں کے کوتوال کے سامنے پیش ہونا ضروری تھا کہ وہ عمر وغیرہ کی تصدیق کر کے باقاعدہ اجازت نامہ دے اور رجسٹریشن ہو سکے۔ ۷۔ کوئی ہندو عورت اگر مسلمان ہو کہ کسی مسلمان سے شادی کرے تو اسے حیرا گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (منتخب التواریخ)

آزادی نسواں | پردہ ممنوع قرار دیا گیا۔ فرمان شاہی تھا کہ باہر نکلتے وقت عورتیں چہرہ کھلا رکھیں اور اگر برقعہ ہو تو چہرہ کھول دیا کریں ص ۳۹۱

مخلوط کلب، ذنا اور فحاشی کی ترویج | ایک طرف دوسری شادی پر پابندی عائد کی گئی دوسری طرف بغیر نکاح کے ذنا کی کھلم کھلا اجازت دی گئی۔ "منتہ" رائج کر دیا گیا اور بقول منتخب التواریخ شہر سے باہر شیطان پورہ کے نام سے ایک مستقل آبادی بنائی گئی جہاں باقاعدہ محافظ پولیس اور داروغہ ہوتا۔ جس کا جی چاہتا آکر یا سہمی رضا و رغبت سے جو چاہتا کرتا اور جیسے چاہتا ساتھ لے جاتا ص ۳۹۱ گویا یہ ذنا بالرضا کا ایک "مخلوط کلب" ہوتا جہاں سے دانتائیں دستیاب ہوتیں۔ گرل فرینڈز کی ایک دنیا آباد ہوتی — نئی تہذیب کی تاریکیاں جنہیں اپنی جدت پر ناز ہے — کیا صدیوں کی جھی ہوئی تاریکی پھر بھی روشنی کہلانے کی مستحق ہے؟ تاریکی بہر حال تاریکی ہے۔ بیسویں صدی کی ہویا عہد اکبری کی۔ — ما الشیہ اللیلۃ یا المباحۃ

دیگر اصلاحات | میت کے گلے سے خام غلیا پکی اینٹیں بندھوا کر اسے پانی میں بہا دیا

جاتا پانی نہ ہوتا تو جلا دیا جاتا یا پھر کسی درخت سے اسے باندھ دیا جاتا اگر تین ہفتے تک نہ لگتا تو پھر لٹا کر مرنے کے لئے مردہ پاؤں مغرب کی جانب اور سر مشرق کی جانب ہو ^{۳۴۵} یہ دیدہ و دانستہ قبلہ کی توہین اور مسلمانوں کے دلوں سے کعبہ حجاز کی عظمت نکالنے کی ایک صورت تھی۔ چنانچہ اس نے خود اپنی خواہ گاہ بھی اسی طرح بنائی تھی۔

ختنہ پر پابندی | بارہ سال سے پہلے ختنہ کرانے پر پابندی لگائی گئی ^{۳۴۶} اور سختگی عمر کے بعد مشکل کوئی اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو سکتا۔
سونا اور ریشم حلال مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ تقریباً واجب قرار دیا گیا۔

سور اور کتوں سے ڈسپی | بزرگم اسلام سور اور کتے کی نجاست کو منسوخ قرار دے کر اپنے محل میں ان کی سکونت کا انتظام کرایا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے ان کا دیکھنا عبادت سمجھا جاتا ^{۳۴۷} بادشاہ تو بادشاہ روشن خیال فیضی کا حال یہ تھا کہ سفر میں بھی چند کتے ساتھ رکھتا تھا اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان تک اپنے منہ میں لے لیتے ^{۳۴۸}
سگ پرست تہذیب | آج مغربی تہذیب نے کتوں سے شیفنگی اور والہانہ محبت کو فیشن قرار دیا ہے۔ کتوں کے نام جا بیدادیں وقف ہو رہی ہیں۔ گویا اس "سگ پرست" تہذیب کی داغ بیل بھی انگریزوں سے پہلے "دین الہی" کے ہاتھوں ڈالی گئی۔

ذبیحہ گائے پر پابندی | کتوں سے اختلاط اور تعلق کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے، بیل، بھینس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص قصائی کے ساتھ کھانا کھا لیتا خواہ اس کی بیوی کیوں نہ ہوتی، حکم تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

علماء حق اور مدارس | یہ سب کچھ ان بلند بانگ دعوؤں کے باوجود کہ کسی مذہب کو دوسرے دینیہ پر دست اندازی پر ترجیح نہ ہوگی مگر ان واقعات نے ثابت کیا کہ سارا ڈھونگ صرف غریب اسلام کے لئے رچایا گیا تھا۔ ورنہ اکبر نے مسلمانوں کی تمام تہذیبی اقدار اور تمدنی اعضا کو ایک ایک کر کے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کی الحاد پسند طبیعت نے صرف اس پر قناعت نہ کی بلکہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور اسلامی ورثہ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔

اس مقصد کے لئے اکبر نے دین و رجال دین کو نشانہ بنایا۔ ان دینی معابد اور اسلامی مدارس پر دست اندازی کی جو قرآن و سنت اور تعلیمات دینی کے سرچشمہ تھے۔ ان خالقوں پر ہاتھ ڈالا جہاں سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام والبتہ تھا۔ عربی زبان اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کر دی۔ عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی کے مصطفیٰ اکمال کا رہا۔ اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال اسلامی علوم اور رجال دین کی فزیت اور بے کسی، دینی معابد کی زبوں حالی اور شعائر اسلامی کی بربادی اور تباہی پر بھی ایک نگاہ حسرت و عبرت ڈالنے چاہئے۔ قرانی زبان کو ملک بدر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عجیب قرار دیا گیا۔

عربی زبان سے دشمنی | دوسرا حکم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً ث، ح، ع، ص، ض، ظ، ان کو مقامی پول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا ص ۳۲۔ عبداللہ کو ابداللہ اور احمدی کو اہدی کہتا۔ عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی (تذکرہ مجدد مرتبہ مولانا منظور لغانی)

اسلامی علوم کی کشمیری | اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھوائی گئی۔ فقہ و فقیر اور حدیث پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔ ص ۳۲ کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ بے کار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کارخانہ کے بے کار اعضاء تھے اور اکبری اصلاحات اور تجدیدی تحریکوں کے لئے اس کی مخالفت کرتے رہتے اور اُجکل کی زبان میں ان کا کام غی غفلت اور فساد و انتشار کیا تھا یہ لوگ اکبر کے ترقیاتی پروگرام "میں روڑے اٹکاتے تھے اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کر کے ہزار سال پہلے کی باتیں کرتے تھے۔ اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم اور سائنسی فنون، نجوم، طب، حکمت حساب ثغر و تاریخ افسانہ تراش و معروضہ رائج کئے گئے۔ ایک شاہی سرکل جاری کیا گیا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر علوم نادرہ غریبہ نجوم حساب طب فلسفہ پڑھا کرے ص ۳۴۔ نصاب تعلیم کے اس تطہیر و اصلاح کے ساتھ ساتھ ایجابی کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کے کتابی ذخائر فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے ان کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لئے باقاعدہ دفتر قائم کئے گئے۔ ص ۳۲

دینی اداروں پر پابندیاں | علم دین اور اہل علم کو سرکاری عملداریوں سے نکال پھینکنے کے بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے نظہیر ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے۔

محکمہ فقہ کا خاتمہ | بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اسلامی شعائریں سے اسلامی آبادیوں کا قاضی مقرر کرنا ہے جو قرن اکبری میں مٹا دیا گیا۔ (مکتوبات ص ۱۹۵) قضا اور حکومت تو بڑی بات جمعہ، عیدین اور اسلامی تقریبات کا کام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

رویت ہلال کی نئی | عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے اکبر عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا۔ (تذکرہ حضرت مجدد ص ۹۲) ایسے ہی ایک موقع پر ابو الفضل، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد روزے سے تھے ابو الفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سرسندی نے فرمایا: بادشاہ بے دین رست اعتبار سے ندارد۔

اوقات سرکاری تحویل میں | علماء و مشائخ آئمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے وقف چل آ رہی تھیں ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (تذکرہ ص ۹۲) اسلامی علوم اور اہل علم کے اس مقتل کا نتیجہ ملا بدایا الوانی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہونا تھا کہ مدارس اور مساجد ویران اور اکثر علماء بے وطن کر دیئے گئے۔ (منتخب التواریخ ص ۲۷۹)

حضرت مجدد کی شکل | دین اور شعائر دین کی یہ عزت اور بے کسی تھی کہ یکا یک رحمت میں رحمت حق کا ظہور
حق جوش میں آئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصر سنت قانع بدعت آبروئے مجددین دین اللہ کا روشن چراغ، اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول امام عارف بدرالدین ابوالبرکات مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد فاروقی سرسندی کی پاکیزہ اور حساس کو تڑپا دیا۔ دعوت و عزیمت کے وہ جلیل القدر امام جن کی ساری زندگی درد و اضطراب، سوز و ساز، جہاد و ستیز، تڑپ اور دلولہ، دعوت و اصلاح کے روشن احوال اور کارناموں سے لبریز ہے۔ یہ بظاہر فقیر بے لوا اگر اقلیم دعوت و عزیمت کا تاجدار اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ

جہاں تے را دگرگوں کر دیک مردے خود آگاہ ہے

اہل حق اور علماء ربانی کے مرید سرخس دیں ابراہیمی اور ملت محمدی کی اس بیکسی پر قہار ہو سکتے تھے۔ روئے یہاں تک کہ ان کے جگر پاش نالہ و شیون سے زمیں لرز اٹھی، آسمان کھرا گئے خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھے۔

دین کی بیکسی کا ماتم | مجددی جہاد و دعوت کے یہ تابناک نقوش ان کے مکتوبات کے ایک ایک صفحہ پر نقش ہیں وہ چیتے ہیں — کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نوا سجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ (مکتوب ۲۴۱، دفتر الاول ص ۳۰۳) ابھری دور میں دین کی بیکسی کا کتنا بھیا تک نقشہ پیش فرماتے ہیں۔

غرت اسلام نزدیک بہ یک قرن پہنچے
قراریافتہ است کہ اہل کفر بجز دوائے احکام
کفر بر ملا در بلا و اسلام راضی نئے شوند
خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلہ زائل گردند و
اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود، کاتایاں
سرحد رسایندہ اند کہ اگر مسلمانے از شعار
اسلام اظہار نمایند بہ قتل مے رسد۔
ایک قرن میں اسلام کی غرت اس درجہ کو پہنچی کہ اہل کفر
صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا اعلان
اسلامی بلا میں اجرا ہو جائے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ
اسلامی احکام بالکل مٹا دیئے جائیں اور اسلام و مسلمان
کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچائی گئی
ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا
ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچایا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا تبصرہ | ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزند جلیل شاہ ولی اللہ کے الفاظ ہیں
”اگر نے زندگی قیامت اختیار کی اور جہالت و گمراہی کے پھر میرے اٹنے لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں
اور باطل مذاہب کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے (شرح رسالہ کوالفقتہ از تذکرہ مجدد ص ۳)
یہ تھا اس روشن خیال، صلح کل وسیع المشرپ ”رند با صفا“ اور ملت جدید کے بانی دولت
مغلیہ کے تاجدار ”اکبر دی گریٹ“ کے دین و مذہب کا ایک اجمالی خاکہ اور مادر پدر آزاد ابھری تہذیب
کی حقیقت جس کے ڈھنڈورے الحاد اور اباحت کے ایوانوں میں زور و شور سے پیٹے گئے کہ
آسائش غیر متناعی خلق در اں بود۔

اکبر کا آئیڈیل پیش کمر نوا ہے | اور آج بھی نام نہاد روشن خیال حلقے اکبر کا آئیڈیل پیش کر کے

الحاد اور تحریک دین کی تحمیل کر رہے ہیں —

یہ ہے مغل ایمپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصر حاضر کے لادینی حلقوں کے مایہ ناز ہیرو کی ایک ہلکی سی تصویر جسے ”روشن خیال اور ترقی پسند“ سمجھ کر دین اور اہل دین کے استحصال اور بیخ کنی کے سلسلہ میں اس کے سارے کارناموں کی تائید و تصویب کی جا رہی ہے اور اصلاح و خیر خواہی کرنے والے علماء حق کو خود غرض، ترصص اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے قبل اس کے کہ ان باتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی۔ تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ حق کے حق میں محفوظ رکھا۔ قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور پھر محمدی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو بٹھادیا اور بہت جلد اکبر کی حامی سلطنت پر حق و اہل حق کا پھر پراہرنے لگا۔ آج اکبر کے ”الہی مذہب“ کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے اور حق قائم و دائم ہے —

والحق یعلو ولا یعلیٰ ان فی ذلک لذکر لمن کان لہ قلب او القتل السمیع دھو شہید۔

ماڈرن علمی تحقیقاتی اداروں

اسلاف کے علمی کارناموں سے موازنہ

قومی اسمبلی کے ایک دفعہ سوالات کے دوران ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ اسلامی مشاورتی کونسل کو قائم ہوئے پانچ سال گزر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں کونسل کے سچپن اجلاس ہوئے اور ممبروں کی تنخواہوں الاؤنسوں اور سفر خرچ وغیرہ پر پانچ لاکھ ۲۲ ہزار نو سو تیرہ روپے خرچ ہوئے۔ (وائے وقت ۲۴ مئی ۱۹۸۱ء)

مگر سوال یہ ہے کہ ان خطیر انحرافات کے نتیجہ میں کتنے دینی و علمی مسائل منفع ہوئے؟ کتنے مسائل تھے جن کا کوئی شرعی حل اور تحقیقی جواب اسلامی و فقہی ذخائر میں موجود نہ تھا مگر کونسل نے اس کی شرعی حیثیت کو واضح کیا؟ اور پھر بڑی بات یہ کہ کونسل کی کتنی سفارشات تھیں جنہیں عملی جامہ پہنایا گیا۔ کونسل نے اگر وہ ایک فقہی حواث و لوازل از قسم بنکگ نظام، انشورنس یا بیمہ وغیرہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں دیانتدارانہ رائے اور متبادل اسلامی صورتیں پیش کی ہوتیں تو بھی یہ سرکاری "دارالافتاء" اپنی کچھ اہمیت، منوالیتا مگر یہاں تو کسی مسئلہ کے ابہام و اخلاق ربغ کرنے اور حرام و مشتبہ حیثیت واضح کرنے کی بجائے انہیں اسلامیات کی کوششیں ہو رہی ہیں اور سود و شراب جیسے قطعی مسائل اب تک کونسل کے لئے مشق تحقیق بنے ہوئے ہیں۔ دراصل اسلام کے تمام تحقیقی اور علمی امور اپنے پچھلے و نئے میں سراسر اخلاص و دیانت، خوف و طہیت، علمی تجر و بصیرت، دینی تہلیب و تفقہ، اصابت رائے، صحت عقائد، اعتساب علی اللہ، تقویٰ اور خشیت، احترام و سلف اور پورے اسلامی ورثہ کے تقدس و عظمت پر مبنی رہے نہ کہ فکری زلیغ علمی بے بضاعتی، غیروں کی ذہنی غلامی اور تقلید افرونگ طمع و لالچ، بھاری بھر سہرکاری بجٹ اور امارت و کام کی سر پرستیوں پر۔

یہ سرد سامان اسلام کے مجر العقول علمی کارنامے | اپنی تباہی و تخریب کی سرسری نگاہ سے

ملت محمدیہ (جس کا وصف خصوصی اور شانِ اعجازی علم و معرفت ہی ہے) کے کتنے قابلِ فخر امام اور فردِ فرید
فرزند ہیں جو تنہا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور جو اپنے پیچھے علم و تحقیق، تصنیف و تالیف اور انتہا
اور استنباطات کی ایک دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر ان کے یہ نادرہ روزگار کارنامے نہ تو کسی انجمن
اور اکیڈمی کی رہیں منت تھے اور نہ کسی ہٹارکیل سوسائٹی اور ایجوکیشنل کانفرنس کے۔ ان کی پشت پر نہ
تو کوئی عظیم و خطیر شاہی دولت ہوتی تھی۔ نہ علوم و فنون سے معمور لائبریریوں اور تحقیقاتی ادارے بلکہ
یہ ان مذکورہ اوصافِ عالیہ ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ ان علماء اور مصنفین میں سے کسی ایک نے وہ وہ
علمی کارنامے صحیفہ عالم پر ثبت کئے کہ اپنی وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے اکیلی جان پیر پوری امت
کہلانے کے مستحق بنے جن کے علمی و استنباطی نقوش سے آج بھی زمانہ کی ستم کاریوں کے باوجود عرب و
عجم اور مشرق و مغرب کے خزانے معمور ہیں۔ امت محمدیہ کے ایک فردِ فرید صاحبِ ہدایہ کے استاد نے
ایک ہزار سے زائد جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ ابن عربی نے قرآن کریم کی تفسیر لکھنی شروع کی تو
صرف سورہ کہف تک اسی جلد مکمل ہوئے۔ اگر اہل موعود نے تکمیل کا موقع دیا ہوتا تو شاید ایک سو ساٹھ
جلدیں جاتے اور اس میں تعجب کیا جبکہ ان ہی شاندارانِ بحرِ قرآنی کے ایک مایہ ناز فرد امام فخر الدین
رازی کا قول ہے کہ صرف سورۃ فاتحہ سے ایک ہزار مسائل نکالے جاسکتے ہیں۔ ان دلق پوش فقراء
میں سے ایک امام محمد سرخسی ہیں جو ائمہ کی تمام نوازشوں سے نہ عرت محروم بلکہ معتوب تھے۔
جنہوں نے زندان کے ”چاہ سیاہ“ میں بیٹھ کر اوپر سے لکھنے والے شاگردوں کو ۳۰ جلدوں پر مشتمل
ہزارہا صفحات کی دقیق علمی، قانونی اور فقہی کتاب مبسوط اطوار کو انی سو کسی بڑی سوسائٹی اور اکیڈمی
کے پس میں نہیں۔ ابن جریر طبری نے قلم برداشتہ اسی جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ یعقوب بن
ابی شیبہ نے اپنی مسند کے لئے دو سو جلدوں کا تجزیہ لگایا اور امت محمدیہ کے فرزندِ جلیل کی تصنیف
کے لئے چالیس کاتب متعین ہوئے۔ یہ ان لوگوں کی کسی ایک تصنیف کی مجلدات کی تعداد ہے۔
پھر ان میں سے کتنے ہیں کہ جن کی ضخیم تصانیف کی تعداد دہائیوں اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں سے
متجاوز ہو چکی ہیں۔ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ جلال الدین سیوطی ہیں اور یہ ہمارے قریبی عہد
کے حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ جن کی بلند پایہ علمی تالیفات کی تعداد سینکڑوں بلکہ
ہزار کے لگ بھگ ہے۔

نبی اقی کے شانِ اعجازی کس شے

پھر علم و فن کی یہ فتوحات صرف علوم دین و شریعت اور ان کے سینکڑوں شعبوں تک محدود نہ تھیں بلکہ دنیا بھر کے علوم از قسم طبیعیات، الہیات، تاریخ، ریاضی، جغرافیہ، طبقات الارض، معانیات، معاشرت، جبر و حساب، حکمت و طب، کیمیا، ہندسہ و ہیئت، سیاست، عمرانیات، تجارت و حرفت، تعمیرات و انجینئرنگ، سائنس و فلسفہ وغیرہ کے مرتب و مدون بلکہ اکثر کے موجد بنے۔ یہ سب نبی اقی (علیہ السلام) مگر علم الاولین والآخرین کے شانِ اعجازی کے کس شے تھے۔ انہی کے فیض انہی کا پرتو، مگر حبِ بخور و فکر کے رشتے اس ہر شے علوم اور منبع معرفت سے کاٹ دیئے گئے ذہن ادروں کے غلام ہو گئے اور نگاہیں غیروں پر جم گئیں تو علم و حکمت کے وہ سوتے خدا نے منکھ کر دیئے۔ روح القدس نے اپنی مدد کھینچ لی اور اب ہمارے سکالر، محقق اور فلاسفہ صرف غیروں کے نقال و ترجمان بن کر رہ گئے۔ ان بے جان لاشوں کا مصرف یورپ کی صدا گونج کو دہرانا ہے

اولئک کا الانعام بل ہم اقل — عمر الناس میت و اهل العلم احياء —

سیاست و سطوت کے ساتھ حکمت و معرفت اور افتاد و حکمت کے ساتھ علم اور دین کی دولت بھی چھین گئی۔ فانا لله وانا الیہ راجعون ۔

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا کر بدلتے ہو جواب خاک جستجو کیا ہے

طے شدہ مسائل کو مشق تحقیق بنانے کے محفّی مقاصد

کلوکسیم اور کانفرنسوں کی حقیقت

۱۰ اخبارات میں خبریں آ رہی ہیں کہ عنقریب حکومت ملائیشیا کے زیر اہتمام بڑے پیمانے پر اسلامی ممالک کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے جس میں پاکستان کے علاوہ اکثر مسلم ممالک کے مندوبین بھی شریک ہوں گے۔ اس کانفرنس کے ایجنڈے پر بہت سی چیزوں کے علاوہ کئی ایسے امور بھی شامل ہیں جن نے راسخ العقیدہ مسلمانوں اور اسلام کی ابدیت پر یقین رکھنے والے اہل علم کو سبجا طور پر چونکا کر دیا ہے — عید الفطر، عید الاضحیٰ اور رمضان المبارک کی ابتدائی اور آخری تاریخوں کا

تعیین زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی وصولی کا طریقہ کار اور مصارف کا تعین، سود اور بنکاری، تجارت اور کاروبار، عائلی قوانین، شادی اور طلاق، خاندانی منصوبہ بندی، قانون وراثت اور وصیت، اسلامی نقطہ نظر سے بیت المقدس کا جائزہ اور کئی دیگر مذہبی موضوعات — پاکستان کے وزیر خارجہ نے اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایجنڈے کے ان امور کے پیش نظر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کانفرنس کے پس پشت کسی غیر ملکی طاقت کا ہاتھ بھی ہے۔

تجید اور لادینیت کے خاطر | مگر ہمارے لئے ایجنڈے کے یہی موضوعات ہی تو استغفار و اشتراک کے اسلام دشمن عزائم کی غمازی کر رہے ہیں۔ عالم اسلام کے ذلت و ادبار کے محرک بیشتر مسائل اور مغربی تہذیب کی پیداوار بشمار قیاس، بے پردگی، مخلوط تعلیم، سینما، فحاشی، دینی اقدار سے بغاوت، اسلامی علوم سے گریز اور اس قسم کے لاتعداد قابل توجہ امور کو چھوڑ کر صرف اپنی امور اور مسائل کو زیر بحث لانا جو عرصہ سے مستشرقین یورپ اور ان سے متاثر نام نہاد اسلامی سکالروں اور محققین نے ایک خاص نقطہ نگاہ سے مشق تحقیق پنانے ہوئے ہیں۔ کیا یہ چیز اس امر کی نشاندہی نہیں کر رہی کہ ملائیشیا کی اسلامی کانفرنس کی اسٹیج پر یہ تازہ ڈرامہ کسی خاص مقصد کا آئینہ دار ہے۔ اسلام ان تمام امور کی شرعی اور قطعی حیثیت کے بارے میں واضح اور دو ٹوک فیصلہ کر چکا ہے۔ ان میں سے نہ تو عائلی اور معاشرتی قوانین قابل تبدیل ہیں اور نہ زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف تغیر پذیر ہیں اور نہ نماز روزہ کو اپنی شرعی حیثیت سے گھٹایا یا بڑھایا جاسکتا ہے نہ تو سود اور سودی بنکاری شریعت کی نگاہ میں قابل برداشت ہو سکتی ہے اور نہ اسلام، زکوٰۃ اور وراثت جیسے طے شدہ امور میں کسی کو کمی و بیشی کی اجازت دے سکتا ہے۔ بحث ہونی چاہیے تو یہ کہ تجارت، معاشرت اور تمدن پر مسلط غیر اسلامی طریق کار سے گھوٹلائی کی صورت اور اس کا متبادل حل کیا ہے۔ اسلام کے قانون وراثت کی پوری رعایت اور نگہداشت کیسے کی جاسکتی ہے؟ نہ یہ کہ ہم عصری تقاضوں سے اسلام کو ہم آہنگ کرنے کے لئے ان مسلمہ اصول اور مسائل پر ہاتھ صاف کرنے لگیں۔ مغربی اقوام اور ان کے اہل علم، علمی ادارے فاؤنڈیشن، ریسرچ انسٹی ٹیوشن اور مستشرقین کی شکل میں ایک بہت بڑی مضبوط اور منظم طاقت ابتداء سے اس کوشش میں مصروف ہے کہ علمی تحقیق، نظریاتی غور و فکر اور تحقیق و ریسرچ کے نام سے

اسلامی اقدار اور دینی روح سے مسلمانوں کا رشتہ کسی طرح کاٹ دیا جائے۔ اس کا اندازہ یورپ کے اونچے پایہ کے مستشرقین گولڈتسہیر، اسمتھ، شاخت اور مارگولیتھ کی ”تحقیقات“ اور اسلام کے بارہ میں ”انکشافات“ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ان کے طرز فکر پر سوچنے والے ہمارے ہی ان لوگوں کے پروردہ تلامذہ کے اب تک کے کارنامے اس کے مزید شاہد عدل ہیں۔

اسلامی تحقیقات | ان لوگوں کو ہمارے ہاں کام کے آدمی اگر مل سکتے ہیں تو فضل الرحمن اور اسلامی فاؤنڈیشن قسم کے لوگ اور قابل امداد معلوم ہوتے ہیں تو اسلامی تحقیقات قسم کے ادارے جتنہیں اسمبلی کی ایک رپورٹ کے مطابق لاکھوں روپیہ یورپ کے ایک فاؤنڈیشن نے ملے اد کے طور پر دیا۔ یہ فاؤنڈیشن امریکہ کے رسوائے زمانہ شیعہ جاسوسی سی آئی اے کے زیر نگرانی کام کر رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں تجدد اور لادینیت کی راہ ہموار کرنے اور وہاں کے مسلمانوں کے دینی تعلق کا اندازہ لگانے کے لئے مختلف وقفوں سے اس قسم کے کلیم اور کانفرنس منعقد کرائے جاتے ہیں جس کا ایک نمونہ ہمارے ہاں چند سال قبل لاہور کے اسلامی کلیم اور پچھلے سال راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس کی شکل میں سامنے آچکا ہے۔ ایسی کانفرنسوں کے غور و فکر کا محور صرف ایک ہی رخ ہوتا ہے۔ اگر کانفرنس کی عام فضا ان کے لادینی عزائم سے ہم آہنگ ہو جائے تو اس کے مباحثات اور مذاکرات کو خوب اچھا لاجاتا ہے اور اگر دوچار متضاد، پختہ علم اور راسخ العقیدہ علماء حق کی وجہ سے منتظمین اپنی اغراض خبیثہ میں شکست کھا جائیں تو ایسی مجالس کے تمام زیر بحث امور اور فیصلوں کو پردہ خفاء اور گوشہ گمنامی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس اس کی واضح مثال ہے جس کی اسٹینڈنگ کمیٹیوں کی اصل حقیقت اور اس کے اصل محرکات تو تب ظاہر ہوں گے جبکہ اس کے فیصلوں اور بحث و مباحثہ کے پس منظر میں اس میں شرکت کرنے والوں کی علمی اور دینی حیثیت سامنے آجائے۔ ملائیشیا کی موجودہ سیاسی حیثیت پھر پچھلے دنوں بعض سیاسی امور کے بارہ میں اس کی پارلیمنٹ اور عدالتوں کے غیر اسلامی انداز فکر اور عالمی پیمانہ پر زیر بحث مسائل پر ایک ہی انداز میں غور و فکر کی بنا پر ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں یہ کانفرنس بھی اسلام کو لادینی معزیت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرانے کی سعی نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس قسم کی برسرِ حال فریبے کار اور لاف حاصل ہی ثابت ہوگی کہ اس قسم کی ہر سعی بالآخر لاف حاصل ہی ثابت ہوگی۔

ہوگی کہ اس قسم کی کانفرسین خواہ کتنی ہی عظیم اور لامتناہی کیوں نہ ہو اسلام کی ابدیت اور قطعیت پر ہرگز ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتیں بلکہ اسلام کے حفاظت کے لئے خداوند کریم کی غیبی امداد کی بنا پر ایک گونہ اطمینان ہے کہ مصر کے مجمع البحوث اور راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس کی طرح یہ کانفرنس بھی متحدہ دین اور متحدین کی شکست اور اسلام کی سچائی اور ابدیت کے اعلان کا ذریعہ بن جائے گی کہ جس ذات نے اسلام کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا ہے وہ ہر دور میں "فتنہ اور شر" کے ایسے ہی مواقع سے "خیر" کا پہنچا ہر کہ اتا چلا آیا ہے۔

(ج ۴ ش ۴ مارچ ۱۹۷۹ء ذی الحجہ ۸۸ھ)

تجدد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

• راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس • ادارہ تحقیقات اسلامیہ اور ڈاکٹر فضل الرحمن

پچھلے ہفتہ راولپنڈی میں ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی بعض تقریبات دیکھنے کا راقم کو بھی اتفاق ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں کے علاوہ پاکستان کے دو چار علماء حق کو بھی اس میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ عالم اسلام کے مختلف حصوں کے علماء اور قدیم و جدید طبقات کا باہمی تبادلہ خیال اور عالم اسلام کو درپیش مسائل پر غور و بحث، مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت کا احساس ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے اس کانفرنس کا اہتمام قابل تحسین قرار پانا ہے مگر تصویر کا دوسرا رخ وہ ہے جسے ادارہ تحقیقات اور اس کے کارپردازوں کی ذہنی ساخت نظریات اور تحقیقی ”شاہکاروں“ کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں منتظمین نے اس کانفرنس کے انعقاد سے اپنی جن توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا اس سے بھی یہ حقیقت ایک بار پھر کھل کر سامنے آگئی۔ جس کا اظہار دین کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور حالات کے مطابق بنانے وغیرہ الفاظ سے یار بار کیا جا رہا ہے۔

عالم اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ جن کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی تہذیب و اقدار کے معرکہ کا نام دے سکتے ہیں۔ جو طبقہ تجدد اور مغربی افکار کا حامل ہے۔ اگر اس کی اس تمام غوغا آرائی اور کاوش کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ مغربی تہذیب کی اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے پہلو بچلتے ہوئے قرآن و سنت اور اسلامی اقدار کو مضبوطی سے محکم کر موجودہ عصری علوم، اور سائنسی ترقیات سے استفادہ کیا جائے۔ اور عصر حاضر کے درپیش مسائل کی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح کی جائے۔ اگر وہ مسائل اور نظریات اسلام کی

اساس سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنا لیا جائے۔

مغرب کے بارہ میں معتدلانہ راستہ | اور تہذیب کی جو باتیں شریعت اسلامیہ سے میل نہ کھائیں انہیں بلاتامل یکسر خیر باد کہہ دیا جائے۔ تو اس مقصد کی خوبی میں کسی عالم اور متصّلب مسلمان کی دورائے نہیں ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ اسلام نے ہر دور اور ہر زمانہ کی اچھی باتوں کو اپنانے کا تمام مذاہب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور برودجہ کمال کا قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کو کائنات اور عناصر کی تمام جوہری قوتوں کی تسخیر کی دولت سے نوازا ہے۔ اسلام جائز حدود کے اندر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور قومی، ملکی اور ملی مفادات کی حفاظت و دفاع کے لئے ترقیاتِ زمانہ سے استفادہ اور حصولِ علوم و فنون کے لئے دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ جو طبقہ اسلامی علوم و فنون اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہے اس کی طرف سے بارہا یہ چیلنج دیا جا چکا ہے۔ کہ اسلام کے اور نظریہ یا علماء حق کے کسی گروہ کی تعلیمات میں عصری اور تجرباتی علوم میں ترقی اور اضافہ سے منع کرنے کی کوئی مثال اگر موجود ہو تو اسے پیش کر دیا جائے۔

تجدد و اصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم | الغرض تجدد و اصلاح مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالتا چاہتے ہیں ان کی ذہنی ساخت تعلیم و تربیت، ذاتی و سیاسی مصالح معشری تہذیب و تمدن میں سمر تپا یا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہو رہی ہے اور اسلام پر تحقیق و ریسرچ کے ہونے سے نئے نئے مسلمانوں کے سامنے آرہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے یہ حقیقت مستمہ کھل کر سامنے آچکی ہے۔ کہ دراصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب و تمدن اور لادینی افکار و خیالات میں ڈھالنا اور اسلامی ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلانا ہے۔ اس راہ میں جو بھی دینی تصورات اور ضوابط، قوانین اور دینی اقدار و دایات حائل ہو سکتے ہوں ان میں ترمیم و تہیج کی جائے یا اسے کھینچ تان کر اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔

آوازہ تجدید یا تقلید فرنگ | اور مختصر یہ کہ اس طرح حقیقی خدا و خال سے محروم ہو کر ملک و معاشرہ کو ”مغربیت“ کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے رکاوٹ نہ بنے۔ یہی وہ المناک صورت حال ہے جس سے تجدید اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب و افکار کی یہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا ردنا علامہ اقبالؒ روچکے ہیں ۵

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ علماء اور مسلمانوں کی تشویش | اور یہی وہ تشویشناک صورت حال ہے جس نے دینی اقدار و افکار پر مرٹنے والے علماء اور غیر مسلمائوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ پیڑھا نے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس راہ میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس کا کچھ مظاہرہ راولپنڈی کا نفرنس میں لادینی نظریات پر پیش ہونے پر حاضرین کے سوادِ اعظم کا شدید نفرت اور ہیزاری ظاہر کرنے کی شکل میں ہوا۔

اہلِ تجدید اور مغرب زدہ طبقہ کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کا سامنے اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا جائے نہ کہ حالات اور زمانہ کو مذہب کے مطابق بتایا جائے۔

عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام | جہاں تک عہدِ جدید کا تعلق ہے ہم جیٹن ہیں کہ آخر وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا مذہب کو سامنا کرنا پڑا ہے اور اسلام اپنی موجودہ شکل میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر انسان پیدل چلنے اور بیل گاڑی کے بجائے جیٹ پیارہ اور خلائی جہازوں میں اڑنے لگا۔ ہاتھ کا پینکھا چلانے کی بجائے ایئر کنڈیشنر استعمال کرنے لگا۔ دستکاری کی جگہ بھاری بھر کم مشینوں اور کارخانوں نے سنبھال لی۔ وہ دال روٹی کی بجائے کیک، ٹوسٹ، اور سینڈوچ کھانے لگا۔ برف اور ٹھنڈے پانی کی بجائے کولر، کولڈ سٹورج اور ریفریجریٹر کے مشروبات استعمال ہونے لگے۔ کچے مکانات کی بجائے فلک بوس عمارتوں میں رہائش ہونے لگی۔ لوگ سیڑھیوں کی بجائے لیفٹ

سے چڑھنے لگا۔ انسان تیر و سنان کی بجائے توپ و تفنگ اور بندوق و ریلوے کی بجائے ایٹم و میزائل پر فائدہ لے گا۔ تو آخر مذہب کا وہ کون سا اصول ہے جو ان تبدیلیوں اور تغیرات سے جوڑ نہیں کھاتا؟ بیشک کھانے پینے، رہنے سہنے اور مال و جان کی حفاظت کی شکل میں انسان کو جو بنیادی ضروریات یقیناً عصر حاضر نے ترقی یافتہ شکل میں انہیں پورا کر دیا جو امتداد زمانہ کا طبعی نتیجہ تھا۔ مذہب نے پہلے بھی چند ضابطوں اور تقاضوں سے مشروط کر کے ان ضروریات کی تحصیل و تکمیل کی اجازت دی۔ اور آج بھی مذہب مسلمانوں کو ان تقاضوں کے اندر رکھ کر ان مادی ضروریات کے حصول اور استفادہ کی پوری اجازت دیتا ہے۔

مغربی برائیوں کو عصر حاضر کا تقاضا نہیں کہا جاسکتا | ہاں اگر نئے تقاضوں اور عصری ضروریات سے صرف سائنسی ترقیات اور تجرباتی علوم و فنون مراد نہیں بلکہ وہ پوری تہذیب ہے جس میں آج یورپ مبتلا ہے اور جو ایک نہریلے سرطان اور مہلک جزام کی شکل میں پوری انسانیت کا ہیم کھائے جا رہی ہے۔ اور آپ اسلام کا جوڑ اس مغربی طرزِ معاشرت سے لگانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب جیسی بے راہروی، اخلاقی انارکی، مرد اور عورت کا آنہ ادا نہ میل ملاپ، کلبوں کی زندگی، کاک ٹیل پارٹیاں، سود، شراب، بھوا، نمائشِ حسن، سیول میرج، گول اور بوائے فرینڈز، ان غرض تمام اخلاقی اور دینی حدود و اصول سے بغاوت ہے۔

اسلام کا جمود و تصلب | تو یقیناً بجائیے کہ اسلام اس بارہ میں قطعی جامد اور متعصب ہے اس میں ہرگز عصر حاضر کے ان قبیح تقاضوں کے ساتھ چلنے کی سکت نہیں اور وہ ایک پل کے لئے ایسے ”ترقی یافتہ“ اور ”مہذب“ لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہ جمود اور تصلب خود تجدد پسندوں پر ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے اور اس کا صرف یسٹل اپنے ساتھ ہر حال میں چپکائے رکھنے کی بجائے برائے مندانہ بات تو یہ ہے کہ اسے خیر باد کہہ دیجئے۔ آپ بے شک ان نئے تقاضوں کو اپنائیں مگر اسلام بے چارے کو مشقِ ستم نہ بنائیے۔ یہ خدا کی آخری نعمت ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت کے حقیقی فلاح و بہبود کا اسی نسخہ شفا پر انحصار ہے۔ اگر عصر حاضر کی فطرت

مسخ ہو چکی ہے اور اس کا مزاج اسلام سے جوڑ نہیں کھاتا۔ تو آنے والی نسلوں کو اس نسخہ ہدایت سے کیوں محروم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی نفس پرستی، شکم پروری اور خواہشات کی پرستش کے لئے اتنی بڑی نعمت کے ساتھ یہ تلامع اور استہزاء اور یہ تعقب و عناد ایک ایسی بد تزوین ناشکری ہوگی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔

تحقیق و ریسرچ کا اصل ہدف | اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام کی فوقیت ہر زمانہ پر رہے۔ اور آپ کا واقعی عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام ہیں ہر زمانہ کے حوادث و لوازل کا حل موجود ہے۔ اور مغربی تہذیب نے جو ناجائز معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اسلام ان سب کا متبادل حل پیش کر سکتا ہے۔ تو آپ کی تحقیق اور ریسرچ کا ہدف یہ نہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کے حرام طور طریقوں کو جائز ثابت کرانے کے لئے اسلام کے محرمات کو حلال قرار دیں۔ بلکہ اپنی تحقیق کا محور یہ بنائیے کہ یورپ کی ان غلط اور حرام چیزوں کی بجائے کن جائز اور حلال صورتوں سے نئے زمانہ کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ بینکنگ نظام اور سود پر بحث کیجئے مگر اس کو حلال ثابت کرانے کے لئے نہیں بلکہ اس کے متبادل حلال صورتوں مضاربت و مشارکت وغیرہ کو زیر بحث لائیے، اور انہیں آزمائیے۔ شراب بے پردگی، اور مخلوط معاشرت کو کچھ تان کر اسے اسلام میں داخل کرانے کی بجائے معاشرہ کو عصری ترقیات سے ہمکنار کرتے ہوئے ان خرابیوں سے بچنے کی تدابیر سوچیئے، معاشرتی حقوق کی پامالی، حق تلفی اور ظلم و تعدی سے بچانے کے لئے اسلامی معاشرہ برپا کرنے اور ظلم کے اسباب کے تدارک پر غور کریں۔ نہ کہ آپ تعدادِ انواج پر پابندی لگائیں یا دیگر معاشرتی مسائل طلاق، عدت وغیرہ میں توڑ موڑ شروع کر دیں۔ معاشی تفاوت، غیر منصفانہ تقسیم دولت اور طبقاتی کشمکش ختم کرنے کے لئے آپ اسلام کے نظام اقتصاد و اعتدال کو سامنے لا کر آزمائیں نہ کہ اسلام کا رشتہ اور جوڑ سوشلزم، مارکسزم یا سرمایہ دارانہ نظام سے جوڑ دیں۔ نئے حوادث اور مسائل کی قرآن و سنت اور آثارِ صحابہؓ اور فتوے سلف کی روشنی میں مخصوص شرائط اور حدود میں رہتے ہوئے حل نکالئے نہ کہ آپ عقل کو شریعت پر ترجیح دے کر عقل کے کردار کو کھلی چھوٹ دے دیں کہ وہ پوری شریعت اور منصوصات شریعت کو

بھی ”ویو“ کر کے عقل کو شریعت کے دائرہ میں رہنے کا ذریعہ بنائیے نہ کہ شریعت سے فرار کا۔ آپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے شک ترقی کریں۔ مادی آسائش کی راہیں تلاش کریں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ دیگر مادی اقوام کی طرح ان چیزوں کو ہی علم و حکمت سمجھ بیٹھیں۔ تنخیر کائنات بالفاظ دیگر ”شکم پروری کی تدبیروں“ کو ہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ، پیغمبر کی تعلیمات کا نچوڑ، تخلیق انسانی کا مقصد اور قرآن کے دعوتِ تفکر و تدبیر کا محور سمجھ بیٹھیں۔ اور تعلیمات قرآنی کے حقیقی مقصد عبودیتِ خداوندی، حصولِ مرفیاتِ الہی اور فلحِ آخرت کو ثانوی حیثیت دے دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اسلام کو محض ایک مادی نظام، اور شکم پرور مذہب کی شکل دینا چاہتے ہیں جس کا مقصد سرمایہ داری یا کمیونزم کی طرح صرف جسم اور پیٹ کی پرورش رہ جائے اور تمام اخلاقی اور روحانی قدیں پائمال ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس طرح آپ مذہب کا نام بھی لے سکیں گے۔ اور اس کے تمام مطالبات سے بھی بچ جائیں گے۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں مذہب کے ساتھ اس عیاری، تمسخر اور استہزاء کی مثال بشل مل سکے گی۔

ہمارے خدشات کی تائید | ہم نے مذہب کے تجدد و اصلاح کی ان کوششوں کے بارہ میں جن خدشات کا اظہار کیا۔ اہلِ تجددِ یقیناً سے سو ذہن، ہماری تنگ نظری اور جہت پسنی قرار دیں گے۔ جیسا کہ ان الزامات کو پچھلے دنوں ادارہ تحقیقات اور اس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان کے تعارف پر مشتمل بعض اخباری مضامین میں بار بار دہرایا گیا۔ ادارہ تحقیقات اور اس کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کا وجود اس ملک میں تحریکِ تجدد اور اور مغربیت کا سب سے واضح نشان ہے۔ اس لئے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے ”تحقیقی شاہکار“ بطور نمونہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر فیصلہ انہی پر چھوڑتے۔ کہ ہم ان خدشات اور بے چینی و اضطراب میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور نئے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھال کر کون سا اسلام تصنیف کیا جا رہا ہے، یہ تمام ”جو اہر پارے“ ادارہ تحقیقات کے ترجمان مجلہ فکر و نظر میں ان کے مضامین یا پھر ان کی تازہ ترین ”تصنیفِ اسلام“ و مطبوعہ ویڈیو اینڈ ٹیکسٹ لندن ۱۹۶۶ء سے مانگو ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ :-

ڈاکٹر فضل الرحمن کے بعض ملحدانہ خیالات

- ۱- قرآن کریم کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل اور مقاصد ابدی ہیں یعنی نماز روزہ، حج، زکوٰۃ بجائے خود لازمی نہیں بلکہ ان کے مقاصد ابدی ہیں خواہ وہ جس شکل میں بھی ظاہر ہوں (اب تک اس تحقیق کی دو مثالیں بھی سامنے آچکی ہیں۔ آگے نماز، روزہ حج میں بھی اسی اصول سے تربیم و تبدیلی کی راہ کھلی ہے۔
- الف۔ زکوٰۃ عبادت نہیں ٹکس ہے۔ اور اگر مرد و بچہ نصاب سے مقصد حاصل نہ ہو سکے تو حکومت اس میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔
- ب۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تھی اسوقت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اور ایک عورت کی شہادت بھی مرد کے برابر ہے۔
- ۲- شریعت اسلامیہ غیر متبدل ہمہ گیر اور ابدی نہیں۔
- ۳- وحی وحی مقبول ہے جو عقل و بصیرت کے معیار پر پوری اترے۔
- ۴- وحی الہی اور رسول دونوں حالات اور زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔
- ۵- قرآن کریم کے فیصلے اور حضور کی احادیث قطعی قوانین نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک اسوۂ نمونہ اور مثال ہیں۔
- ۶- قرآن و سنت کے اکثر احکام خاص حالات سے وابستہ تھے۔ اور وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں۔
- ۷- اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اور قرآنی احکام بھی اجتہاد کے زیر اثر ہیں۔ جن میں تفسیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔
- ۸- وحی ایک واردات قلبی اور نبی کے شعور کی آواز ہے۔
- ۹- جبرائیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ یہ سب خیالات دوسری تیسری صدی کی پیداوار ہیں۔

- ۱۰۔ حضورؐ کی حیثیت صرف ایک اخلاقی مصلح کی تھی۔
- ۱۱۔ پیغمبر ایک عرب قوم کی تشکیل میں مصروف رہے اور قوانین بنانے کے لئے انہیں فرصت نہ مل سکی۔
- ۱۲۔ معراج ایک افسانہ ہے جو زمانہ مابعد میں تراشا اور عقیدہ رفعِ مسیح سے مستعار لیا گیا۔
- ۱۳۔ قرآنی قصص محض بے بنیاد کہانیاں ہیں۔
- ۱۴۔ حدیث کا بیشتر ذخیرہ خود ساختہ اور موضوعی ہے۔
- ۱۵۔ اسلامی قانون میں حدیث کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔
- ۱۶۔ حضورؐ نے پنجگانہ نمازوں اور ان کے احکام کی کوئی واضح تعلیم نہیں دی۔ پنجوقتہ نماز حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ تک رائج نہ تھی، اور بعد کی اختراع ہے۔
- ۱۷۔ سنت نبویؐ کا اکثر حصہ قبل از اسلام کی رسومات پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء نے روم، ایران اور یہود کی روایات لے کر سنت میں داخل کر دی ہیں۔
- ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنت ان تمام فقہی قوانین سے عبارت ہے جو ان کے زعم میں مذکورہ اقوام اور ان کے قوانین سے مستعار ہیں۔
- ۱۸۔ عہد جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ حرام ہے مطلقاً سود حرام نہیں۔
- ۱۹۔ صرف انگور سے تیار کی گئی شراب حرام ہے اس کے علاوہ دیگر تمام اقسام حلال ہیں۔
- ۲۰۔ نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔
- ۲۱۔ یہی حال شفاعت اور خروجِ مہدی کے عقیدہ کا ہے۔
- ۲۲۔ اسلام کا خلاءِ غرب کی رہنمائی ہی سے پُر ہو سکتا ہے۔
- ڈاکٹر صاحب کے نظریات کے یہ چند نمونے ہیں جن کا تانا بانا متشرفینِ یورپ کی تحقیقات سے تیار ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

اور یہ ہے وہ اسلام جس کا بیرونی سرسید احمد خان کے نیچریت، سید امیر علی اور طلحہ حسین کے اظہارِ معذرت جوزف شاخت اور گولڈتھیر کی تشکیک و تبلیغ اور ولفریڈ اسمتھ (دہرودی) کے نقشے کے مطابق اسلام کی منصوبہ جیسے عناصر سے تشکیل پا کر مسلمانوں کے سامنے تجدید و اصلاح کے دعوؤں کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ اور اگر اہل حق علماء کی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ تنگ نظر، انتشار پسند، متعصب اور گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

فَاتَا اللّٰہِ وَاَتَا اللّٰہِ رَاجِعُونَ فِیْہِ لَا سَلاَمَ وَلِخِیْبَتِہِ الْمُسْلِمِیْنَ - اللّٰہُمَّ اِنَّا
نَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ وَالْاِسْتِقَامَۃَ وَالتَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ وَالْعَافِیَۃَ -
وَاللّٰہُ یَقُولُ الْحَقَّ وَہُوَ یُہْدِی السَّبِیْلَ -

قصر اسلام میں شگاف کی سچی

کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے؟

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور امنٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اس کی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شادان تھے کہ۔

حاصل عمر نثارِ رہ یار سے کر دم

شادم از زندگی خویش کہ کاو سے کر دم

اب اگر کوئی بد بخت اور نا عاقبت اندیش اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈالنا بیٹھ کرے، اس کی دیواروں میں شگاف ڈالے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو لمحہ بھر برداشت کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہو گا جو اس مضبوط حصار میں لقب لگا کر قومی قتل کا مجرم بنے؟

ملت حنیفیہ کی حفاظت کیلئے | امت مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ
حضورؐ اور صحابہؓ کی قربانیاں | صرف ہماری بلکہ رہتی دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا

مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملت حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی نخت اولیٰ

۱۔ ڈاکٹر فضل الرحمان ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات نے بھی بعض سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے علماء دین پر دہ

اور اہل دین کے نام مہم شروع کی تھی۔ اس ضمن میں آئے دن زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینے کے بیانات

بھی آ رہے تھے۔ اس مضمون میں اس نظریہ اور متجددین کا تعاقب کیا گیا۔

معمارِ اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوا میں فطرت کے
 رب سے بڑے علمبردار اور کامل و اکمل ہستی بنی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ
 نے دن کا سکھ اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو
 مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں۔ اذیت فی اللہ ما لم یؤذا احد او کما قال
 ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آواز اس حصار کے استحکام اور مضبوطی سے
 وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے
 وابستہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال و جان، عزت و
 آبرو، گھر بار، ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان
 کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالم خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ قصر
 ایک حسین و جمیل کامل و مکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ
 تھی جس کی تکمیل و تعمیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے

ارکانِ خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں
 پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پر قائم
 ہے جسے ہم ارکانِ خمسہ (شہادتیں، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور
 پہچانتے ہیں اور جسے حضور اقدسؐ نے دُعا لاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔
 (ملاحظہ ہو عمدة القاری جلد ۱ ص ۱۱۱ بحوالہ مصنفہ عبد الرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں
 سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا ٹیڑھا کر دیا جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی
 جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہوگی۔ اگر کوئی خود باخترہ شخص اس
 عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے تو عاقبت اندیشی یہی
 ہے کہ اس عمارت کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے
 نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دیئے

جو پس پردہ اس ”ملی چوڑی“ کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دین محمدی کی اہمیت، اس کی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدسؐ نے ایک سیدھی سا بھی مثال سے ذہن نشین کرادی اور بار بار فرمایا جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

نبی الاسلام علیٰ خسی	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ
شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا	ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
رسول اللہ واقام الصلوٰۃ	کی وحدانیت اور رسالت محمدؐ کی
دايتاء الزکوٰۃ والھج	اقرار نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا
وصوم رمضان۔	اور رمضان کے روزے رکھنا۔

[عن عبد اللہ بن عمر۔ بخاری۔
مسلم۔ ترمذی۔ نسائی]

کہیں ان ارکان کو عاظم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر مدد دہنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین، احکام اور اوامر و نواہی قصص و آداب امثال و مواضع کامرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان ہی پر دین و آخرت اور عین کا سارا عالم استوار ہے

ارکان کا یا بھی ربط و تعلق | پھر نہ صرف یہ کہ اس قصر دین کی بقا ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو اور پوری عمارت کا توازن پر قرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی ضرورت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اس کی ہیئت اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج اور روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصر متین کا ہر جز و دیگر اجزاء و ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے، جس معمار نے ہدایات ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا۔ اس نے ان ارکان کا یہ یا بھی ربط و تعلق اور اس کی اہمیت بھی ان الفاظ میں بتلادی کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں
اربع فروع من اللہ فی الاسلام	اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا

قسمت جاء بثلاث
لم يغنين عنه
شيئاً حتى يأتى بھت
جميعاً فصلاوة والزكاة
وصيام رمضان وحج البيت
دعوان السنہ بحوالہ احمد و طبرانی

ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت
اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی
ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا
بھی منکر ہو) تو رہ اس کے کام نہیں
آسکتیں جب تک سب کے سب
نہ کرے (یعنی سب پر ایمان لے لیں نہ ہو)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اس دہرے
قرآن نے ہر عکۃ اتمیر الصلوٰۃ کے بعد آتو الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی ضرعی ہے اور
بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار
یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار
کرتا ہے یا اس خاکہ میں تبدیلی و ترمیم کی نادر و اجسادت
کرتا ہے جو اس کے معمار اول نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصر محمدی میں رہنے
کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوئے ایمانی قابل اعتناء ہے خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و
تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور ہمارے اس دعوئے کا ماخذ خود قرآن کریم، سنت رسول اور صحابہ کرام و
خلفاء راشدین کا طرز عمل ہے۔ ارشاد باری ہے:-

ما قتلوا المشركين حيث وجدتموهم
فان تالوا قاتلوا الصلوة والى الزكاة
فخلوا سبيهم (توبہ)

ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو پس
اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور
زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ
میں ان سے جنگ کرتا ہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ
کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی رخصت اس طرح فرمائی کہ حسب بنو لقیف کے ایک

وہ نے طالب سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی اور فرمایا کہ :-

لاخیر فی دین لا صلوة فیہ بھلا وہ دین ہی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا :-

من لم یزاک فلا صلوة لہ جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں

ترجمان السنۃ ص ۵۶

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے پھر سے مجمع میں اعلان فرمایا کہ :

واللہ لا قاتلت من خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق

کرے گا۔ (ان میں سے ایک کی تعبیدی

حیثیت سے انکار کرے گا) تو میں اس

سے قتال کر دوں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور | عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل - عیس و

فراست صدیقی | زبان - یوکانہ - غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے

انکار کیا تو خلیفۃ المؤمنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس باغیانہ اور

کافرانہ جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصر محمدیؐ کی

بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر بدباطن منافقین، زالغین اور

محرغین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوند خاک ہو کر رہ جائے گی (ولا فعل اللہ

کذلک فی یوم القیامت) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرات ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام

سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا — جزاء اللہ عن

الاسلام والمسلمین۔

حضرت صدیق کو زکوٰۃ یا اس کے تعبیدی حیثیت سے کام کرنے والوں کے اقدام

کے کفر و ارتداد ہونے میں ذرا بھر تردد نہ ہوا اور یہ اس لئے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ

النور شاہ صاحب کثیر می علیہ الرحمۃ۔

ان الايمان اسم لا التزام
كل الدين فمت فرق بين
الصلوة والزكاة - فكانه لم يومن
بالكل ومن لم يومن بالكل
فهو كافر قطعاً -
(نيف السارى ص ۱۸)

بنابرین کہ ایمان نام ہے پورے
دین کے التزام کا۔ پس اگر کوئی نماز
اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے گویا
وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور
جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ
شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی عبارت محض حکومت سے سرکشی
یا بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط
تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سیدہ بھی اس بارہ میں
کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظم بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیق کا قولاً و عملاً ساتھ دیا
اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعییت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا۔ اور ایسا اجماع جس
کے لفافہ میں مخالفین کا خون بہاتے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

مالعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو
ٹیکس سمجھ رہے تھے
مالعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب و عوامل کی تلاش میں
ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا
صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بنا پر
زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے
تھے۔ محدث جلیل علامہ کثیر میؒ فرماتے ہیں:-

وانما زعموا ان الزكاة جباية
مالی كما يجبي السلطان من
الرعايا جبايات من جملة
فكانت الى النبي صلى الله عليه
وسلم في عهد و اذا وليت
منكرين زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک
مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی
رعایا سے کسی طرح کے ٹیکس وصول
کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں
تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا

نَحْنُ وَلَا يَخِي مَنَّا سَقَطَتْ
وَبَقِيَتْ كَسَائِدُ الْحَيَاةِ
عَلَى رَأْيِ السَّوَالِي -
(فيض الباري ص ۱۰۹ ج ۲)

اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور
حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی
اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا
معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرنِ اول کے مالغین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکانِ اسلام سے بغاوت
کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن
اور اس کی لادینی ریسرچ و تحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف
میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمن فرماتے ہیں: "معاشرہ کی ضروریات
کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو

اس میں اعتدال کا حق حاصل ہے (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۹۴ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں
بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکوٰۃ
ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پر دی کرے
ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروسز، سپورٹس اور
بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہستکاتہ
مخصوص فرمائے۔ رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا
اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ
دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو
بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے
اکٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں۔"
(ورنہ نہیں) (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست
کے ملات آمدنی

پھر یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات
کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق"

کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے کے طریقے پر لگایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ انصر مقرر ہوں گے جو فقہ عالم، پاکبانہ، مصنف مزاج، متدین اور خود رائی سے اقتناپ کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال و جان کی محافظ ہوگی۔ اس طرح غنیمت کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال و دولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ غنائم جو دشمن سے بغیر جنگ و جدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا معاوضہ اور رکازہ۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا اس طرح لگان، اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کے لئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص قسط بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پچھن العشر یعنی ۱۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جس کے مصارف اور مقدار بھی مقدار اور معین ہیں۔ ان کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جبکہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے۔ اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور حقوق پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو اور محاصل و مصارف میں قرآن و سنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کر دی ہے کہ ملکی دفاع، فوجی قوت کے استحکام، پولیس کے اخراجات یا دفاہی امور ہزوں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جاسکتے ہیں۔ (ہدایتہ کتاب الکفالتہ اور دیگر کتب فقہ) نیز کہ زکوٰۃ کی ہمت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقدر و معین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

جاہلی نظریات | عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج ان تمام جاہلی نظریات کو دجل و تبلیس کی جدید تعبیر اور تحریف و تاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ

میں دوبارہ پیش کر دیا ہے جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظمؐ نے قدموں کے نیچے پاؤں مال کیا۔ جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیو کی وہی روح بد ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطانی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا دار رسالت محمدی کی بنیاد ”ختم نبوت“ پر ہوتا ہے تو کبھی آپؐ کی سنت کی تشریحی حیثیت اور منصب رسالت پر۔ کبھی تنجد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے ”پرنسپل لاء“ کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصاد، ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار، تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ مغربی خود غرضی، نفس پروری، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحت نے قدم جمائے ہیں اور بدء الاسلام عن ربیبہ و سبوعہ عن ربیبہ کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا دامنیت | ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مدامت یا رواداری سے ہولناک نتائج سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار

سہتی رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہو گا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتر ہو گیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پیچ و پختہ ضیاع وقت (نارش بدہن) کی فرصت کہاں؟ اور یہ کہاں کی

”دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینہ کے پورے تیس دن روز سے رکھ کر ملک کی مادی حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے؟ اور ”جج و زیارت“ کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا زرمبادلہ ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم۔ اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہنا پڑے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیلی پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں؟

نفاق زدہ لوگوں کی مصلحت خیز حالت | اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعمیدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسرچ ”ادبائے فکر و نظر“ کے تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

در اصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوء ظن، سطحیت یا حسد و عناد کے شکار ہیں اور اسلام کی موجودہ ”عہد جاہلیت“ کے لئے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے ”دین ابدی“ اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گوموگہ حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مصلحت خیز مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگا بیٹیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکیٹ کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنت رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماڈن یا استشرق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام و مقام دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے :

فَكَتَبْنَا خُرُوجَ السَّمَاءِ گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے
فَتَخَطَّفَهُ الطَّيْرُ وَتَهَوَّى بِهِ پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا

الحیح فی مکان صحیح (ج ۱۷ ع ۱۱) اڑا کر کسی در درجہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفیات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا صنمیر بھی ان کی منہسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا اس تحریف و تبلیغ پر سر پیٹنے لگتی ہے مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے بتجروہ و قہم کا شور مچاتے رہیں گے اور ہر طرح دین کو بازو سیچہ اطفال بناتے رہیں گے ملت مسلمہ کا فریضہ اگر ملت مسلمہ کو اسلام کے "شجرہ طوبی" کے سایہ عاطفت اور قصر محمدی کی پناہ میں رہنا ہے اور اس کی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداد و اغیار کی نقیب سے بچانا ہے تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا ہر نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدر اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروق اعظمؓ کی ہرأت سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصر محمدی میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے۔ اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت "بدر و جنین" کا ہے جمل و صفین کا نہیں۔ واللہ فی عوالتکم ما دمتم فی عون الاسلام

دل آزار کتاب اور حکومت کا تجاہل عارفانہ

قومی اسمبلی میں مولوی فرید احمد صاحب کے ضمنی سوال کے جواب پر ڈاکٹر فضل الرحمن کی کتاب "اسلام" اور اس کی نہایت دل آزار مباحثہ زیر بحث آئے۔ مولوی فرید احمد نے استفسار کیا کہ کیا حکومت اس بات سے آگاہ ہے کہ اس کتاب نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور لوگوں میں وسیع پیمانے پر برہمی پائی جاتی ہے۔ اس پر وزیر قانون نے کہا کہ ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں لیکن ہم اس بارہ میں یقیناً غور کریں گے، مگر اس کے فوراً بعد وزیر قانون نے اس سوال کی توثیق کی کہ اس کتاب کے یہی حصے ماہنامہ "فکر و نظر" کے بعض شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ وزیر صاحب کا یہ تجاہل عارفانہ اور عوام کے جذبات سے لاعلمی کا اظہار نہایت قابل انصاف ہے۔ پھر ادارہ تحقیقات کی اس رسوائی زمانہ کتاب کی ذمہ داری سے حکومت کیسے سبکدوش

ہو سکتی ہے؟ جبکہ ع

یاد صیا این ہمہ آوردہ تست

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے "نظریات" کا تعلق ہے مسلمانوں کو اس بارہ میں زیادہ دیر تک مغالطہ میں نہیں رکھا جاسکتا۔ جب معاملہ دین اور اس کے اساسی معتقدات کا ہو تو اس کی حفاظت کا مسئلہ ہر شخصی، معاشرتی اور قومی و ملکی مفاد سے مقدم ہو جاتا ہے اور بحمد اللہ مسلمان دین کے تحفظ کے بارہ میں ابھی تک حساس ہیں جس کی مثال اسی کتاب "اسلام" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ الحق نے اپنے ایک شمارہ (مارچ ۱۹۸۰ء) کے ادارتی نوٹ میں مذکورہ کتاب اور دیگر مضامین سے ڈاکٹر صاحب کے بعض لادینی نظریات کی ایک جھلکی پیش کی تھی خدا نے الحق کی یہ حقیر آواز دور دور تک پہنچا دی۔ ملک کے ہر طبقے نے ان نظریات پر نہایت حیرت اور افسوس کا اظہار کیا۔ بالخصوص مشرقی پاکستان میں تو اس کا رد عمل اور بھی شدید ہے۔ وہاں کے آئے ہوئے بعض خطوط اور اطلاعات کے مطابق اب تک لاکھوں افراد کے اجتماعات میں اس کتاب اور ادارہ تحقیقات کے خلاف احتجاج اور پورے صوبہ میں غم و غصہ کا اظہار ہو رہا ہے۔ وزیر قانون کا حکومت کو اگر اس وسیع پیمانے کی بے بسی کا علم نہیں تو کم از کم راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس میں ایمانی جذبات کی روح پرور مناظر تو ان کے سامنے ہیں۔ پھر کیا وزیر قانون صاحب اس کانفرنس کی بعض خاص مجالس کو بھی اتنا جلد فراموش کر بیٹھے جس میں ان کے سامنے بعض جید علماء نے ڈاکٹر صاحب اور ادارہ تحقیقات کے نظریات کو کھول کر رکھ دیا تھا۔

جولائی ۱۹۸۰ء ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

شاگرد کو استادوں کی شاباش

ایک ثقہ معاصر برادری ہے کہ برطانیہ کے شہرہ آفاق علمی و استشرافی ششماہی مجلہ بلیٹن آف دی سکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز کے ج ۲۹ (۱۹۹۴ء حصہ دوم) کے صفحہ ۹۵، ۹۶ پر ادارہ تحقیقات اسلامیہ پاکستان کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن کی انگریزی کتاب (ISLAMIC METHODOLOGY IN HISTORY) پر ایک تبصرہ شائع ہوا ہے اور یہ تبصرہ کولمبیا یونیورسٹی کے نامور پروفیسر شافٹ (SCHAUGHT) کے قلم سے ہے۔ کتاب میں اجتہاد و سنت اور اجماع ایسے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے اور یہی وہ مسائل ہیں جن پر ہمارے استشرق زدہ ماڈرن محققین اپنی ساری عمارت اٹھانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں شریعت اسلامی کے مافذ کی ارتقائی تاریخ بیان کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ قدیم اسلام کی مطابقت جدید حالات سے پیدا کی جائے اور قدیم اور راسخ العقیدہ طبقہ سے اپنی جدید تحقیقات کسی حد تک تو تسلیم کرائے جائیں۔ یہاں ہمیں ان مسائل و نظریات سے بحث نہیں۔ اس کا کچھ نہ کچھ ذکر الحق کے صفحات پر آتا رہتا ہے قابل تو صبر و قابل تحسین و آفرین ہے، جو کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غیر مسلم، ایک متعصب اور غالباً ایک یہودی پروفیسر نے مولف کتاب کی بارگاہ میں پیش کی ہے۔ اسلام کے مایہ ناز متدین مخلص محقق علماء، محدث، داعی اور خدا ترس راسخ العقیدہ مسلمان سچیں چلائیں۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے حواریں کو اس سے کیا؟ کہ یہ تو راسخ العقیدہ گروہ اور حالات سے آنکھیں بند کرنے والوں کا ایک انبوه ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے تو یہی خوشی کافی ہے کہ ان کی داد و تائش کے چرچے میکگل یونیورسٹی اور کولمبیا کے پروفیسروں میں ہو رہے ہیں۔ وہ پروفیسر جو بقول ڈاکٹر صاحب سائنٹفک طریقہ تحقیق اور جدید تجزیاتی و تنقیدی انداز فکر میں ان کے امام ہیں جس کے بغیر تعمیری اسلامی تحقیق کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پروفیسر شافٹ کی اس مدح سرائی کا حال سن کر قرآن کریم کی اس آیت پر سہارا لیا ان اور بھی مضبوط ہو گیا ہے جس میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:-

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ
وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَبْغِ
مِلَّتَهُمْ۔

اور یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز ہرگز
راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ پوری
طرح ان کی ملت کے پیرو نہ بن جائیں۔

اہل تہجد کے لادینی جھٹکے

ان دنوں علمی اور دینی حلقوں میں بلا تکبیر و تسمیہ مشینی ذبیحہ کے بارہ میں ادارہ تحقیقات اسلامیہ کا فتویٰ زیر بحث ہے۔ سود اور قمار کے جواز، حمر و میسر کی حلت برتھ کنٹرول کو مستحسن اور زکوٰۃ کو ٹیکس اور نصوص شریعت کی بجائے صرف علل کو ابدی قرار دینے کے بعد اب ”جھٹکے“ کی حلت اور متروک التسمیہ ذبیحہ کی اباحت کا مسئلہ لانا اللہ، مگر سوال صرف کسی ایک حرام کو حلال ٹھہرانے کا ہوتا تو بحث و تحقیق کے ذریعہ اس کا احتساب کیا جاتا۔ اب تو یہ معمول بن چکا ہے کہ ہفتہ عشرہ میں اس ٹیکسال سے ضرور کوئی ایسا فتویٰ برآمد ہوتا ہے جس سے پاکستان کی پرسکون قضاء انتشار و افتراق کا شکار ہوا اور بالآخر پاکستان کی عبور و متصلب اکثریت کے دینی احساسات اور لادینی جھٹکوں کے سامنے مجبور و بے بس اور نیم درہ ہو کر رہ جائیں۔ جب سوال پورے دین کا مسئلہ بنانے اور تمام محظورات شرعیہ کو حلال ٹھہرانے کا ہو تو پھر ادارہ تحقیقات کو کسی مسئلہ میں ائمہ دین اور فقہاء کے باہمی اختلافات یا قریبی دور کے کسی معاصر غیر معاصر محقق عالم کی علمی رائے کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے، جس طرح جی چاہے فتویٰ داغ نکلتی ہے۔ کون ہے جو اس کی آڑ آئے؟ رہے علماء حق اور دین و شریعت سے یا خیر لوگ تو ان کا مصرت یہ رہ گیا ہے کہ کسی ڈبیری فارم کا انتظام سنبھال لیں یا کوئی مرغی خانہ کھولیں یا شہد کی مکھیاں پال کر اور اسکو انش بنا کر پیٹ پالنے کی فکر کریں تاکہ قوم کا کروڑوں روپیہ بچا یا جاسکے۔ فتویٰ دینی تعلیم و تربیت اور حلال و حرام کی تمیز کرانے کا کام اب ادارہ عالیہ کے سپرد ہے۔ پھر علماء کو کیا حق ہے کہ بقول ایک ممتاز اور ذمہ دار افسر کے ادارہ تحقیقات کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمان کو ”تہذیب“ سمجھ کر اس کے پیچھے پڑ جائیں اور بدتمیزی کی رو میں بہہ اسے قربانی کا بکرا بنالیں۔ آہ! یہ دین بیچارہ کتنا مظلوم اور یتیم ہے کہ اسے قربانی کا بکرا بنانے کی تو کھلی چھوٹ ہو۔ اس غریب الدیار کو جھٹکا کرنے کی مہم تو عین مصلحت اور حالات کا اتفاقاً ہو مگر زبان پر دینی مسئولیت کی بنا پر کسی کا حرف شکایت لانا بدتمیزی اور انتشار پسندی ہو۔ رہا نفس مسئلہ تو ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی رو سے اس قسم کا ذبیحہ حرام ہے۔ (ج ۳ ش ۲ نومبر ۷۴ء، ص ۸۷ء، ص ۸۷ء)

قربانی کی بجائے قیمت

ہمارے ملک اور بعض اسلامی ممالک میں دین کی روح سے نابلد ایسے روشن خیال اور نچتر دزدہ افراد کی کمی نہیں جو آئے دن اپنی تحقیق و اجتہاد کی چھری اسلامی شعائر اور قطعی و منواتر احکام و عبادات پر چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر ایسے شوشے شوشے چھوڑ دیئے جاتے ہیں کہ قربانی کرنا جانوروں کی ضیاع ہے۔ اس سے قوی مزایہ ضائع ہوتا ہے۔ اور بجائے قربانی کے اس کی قیمت کو رفاہی کاموں میں لگانا چاہیے علماء اسلام نے تفصیل سے ایسے شہادت اور وسوسہ اندازیوں کے معقول جوابات دیئے ہیں۔ اس دفعہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اجلاس ۱۳۹۶ھ کے نوٹس میں الجزائری اخبار الشعب مجریہ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ میں شائع شدہ ایک الجزائری فتویٰ لایا گیا ہے جس میں حج کے موقع پر قربانی کی بجائے اس کی نقد قیمت تقسیم کرنے کا کہا گیا تھا۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی نے تفصیلی دلائل کے ساتھ ایک فتویٰ میں اس نظریہ کو غیر اسلامی قرار دیا کہ قرآن و سنت کے واضح نصوص نبی کریم علیہ السلام کے عمل، قولی و فعلی ہدایات اور عہد نبوت سے لے کر اب تک صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ کے تعامل سے ثابت شدہ مسائل و عبادات میں کسی رائے زنی کی گنجائش نہیں، تقرب الی اللہ خود ساختہ طریقوں سے لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنے میں ہے کسی کام کے اقتصادی اور معاشی مصلح کے پہلو تب تلاش کئے جاسکتے ہیں جہاں امت کے اجماعی فیصلوں اور نصوص قطعی پر زور نہ پڑے اس لئے استبدال و بائع بالائمن جیسے لایعنی مباحث کا دروازہ کھولنا ابتداء اور مداخلت فی الدین کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مذکورہ ہر سہ قراردادوں میں اسلامی نقطہ نظر اور جمہور اہلسنت کے عقائد کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے اس لئے ایسی قراردادیں عالم اسلام کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے الطہنان قلب و زیادت ایمان کا باعث ہیں۔ دوسری طرف مغرب سے متاثر خام اذہان کو بھی تنبیہ ہو جاتی ہے۔ کہ ایسے مسائل میں عالم اسلام کی اکثریت کسی بھی ملحدانہ خیالات کی روادار نہیں۔

مشاورتی کونسل اور قانون وراثت و ارتداد

اسلامی مشاورتی کونسل نے حکومت سے سفارتش کر رہے کہ ملک میں موجودہ قانون وراثت کی بجائے اسلامی قانون وراثت نافذ کیا جائے اور مرتد ہونے والے مسلمانوں کو آبائی جائیداد سے محروم کر دیا جائے اور اسلامی احکام کے مطابق انہیں موت کی سزا دی جائے۔ کونسل نے یہ بھی سفارتش کی ہے کہ ملک میں ایسے منظم افراد یا اداروں کا فوری محاسبہ کر کے انہیں سخت ترین سزائیں دی جائیں جو مسلمانوں کو مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعہ مرتد بنانے میں مصروف ہیں۔ کونسل نے اپنی سفارشات میں جو صدر مملکت کو پیش کر دی گئی ہیں اس امر پر اظہار تشویش کیا ہے کہ ملک میں منظم طور پر مسلمانوں کو غیر مسلم بنانے کا کام جاری ہے جس کا محاسبہ نہیں کیا جا رہا، حالانکہ اسلام میں مرتد بنانے والے بھی قابل تعزیر ہیں۔ کونسل نے یہ بھی کہا کہ ایک اسلامی اسٹیٹ میں مسلمانوں کے درمیان اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ جہاں تک سفارشات کا تعلق ہے تمام اسلام پسند حلقے اس کی تحیین و تائید کریں گے۔ خدا کرے حکومت ان سفارشات کو عملی جامہ بھی پہنا سکے کہ اب تک اس قسم کے مشورے ”سفارشات“ سے زیادہ مقام نہیں پاسکے۔ اگر اس ضمن میں کونسل نے ارتداد کے واضح مفہوم اور دو ٹوک حقیقت پر بھی روشنی ڈالی ہوتی تو اچھا ہوتا کہ اب تک مرتد کو مرتد نہ مانا جائے اسے سزا کی دی جاسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک میں وسیع پیمانے پر ارتداد کا کام جاری ہے۔ ہماری انفرادی قوت عیسائیت اور قادیانیت کی گود میں جا رہی ہے۔ کونسل جیسے ذمہ دار ادارہ کو ایسے تمام منظم اور غیر منظم افراد اور اداروں سے بھی پردہ اٹھانا چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کو تنہا ہو جاتی اور ”سفارشات“ کا کوئی ثمرہ تو نکل آتا۔ کونسل کی ”سفارشات“ کا کوئی ثمرہ تو نکل آتا۔ کونسل کی سفارشات میں اسلامی قانون وراثت رائج کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس ضمن میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ کونسل کی مراد ان قوانین سے امت مسلمہ کے متواتر اور قطعی قوانین ہیں یا وہ ”اصلاح یافتہ“ قوانین جن میں پوتے کی وراثت جیسی دفعات بھی شامل ہیں جن کے لئے پوری اسلامی تاریخ میں کوئی سند اور نظیر نہیں ملتی۔ اگر معاملہ دوسرا ہے تو جس طرح رائج الوقت قانون بقول کونسل کے قرآن و سنت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا اسی طرح اسلامی قوانین کے ترمیم شدہ ایڈیشن سے بھی خرابی دور نہ ہوگی۔ معاملہ سمجھ گیا نہیں بگڑتا چلا جائے گا کہ انسانی حالات اور تقاضوں کا سب سے زیادہ جاننے والا اس کا خالق ہی ہے۔

”لَا تَعْدُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنَّكُمْ هُمْ الظّٰلِمُوْنَ“

دیگر انصیحت خود رانصیحت

سابق مرکزی وزیر قانون و پارلیمانی امور سٹرائیٹ ایمر نے ہیری بنجمن اور آرا ای ایل ماسٹر کی لکھی ہوئی کتاب ”دی پراسٹیٹیوٹ ان سوسائٹی“ کی اشاعت کے خلاف احتجاج کیا ہے، جس میں سرور کوئین کے بارہ میں قابل اعتراض مواد موجود ہے۔ مرکزی وزارت داخلہ کے نام ایک خط میں انہوں نے ایسی کتاب پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے جس میں انھوں کی ذات گرامی پر بدترین حملے کئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ ہٹرائیکز اور ہٹک آمیز کتاب سخت ترین مذمت کی مستحق ہے۔ ”غیر مسلم اقوام کی ایسی ذلیل اور شرمناک جبارتوں پر جتنی بھی لعنت بھیجی جائے کم ہے۔ یورپ ایک مدت سے بعض اغراض کی خاطر یہ رسوا کن کھیل کھیل رہا ہے مگر اصل علاج چند روزہ غرض آرائی نہیں، مسلم قوم تمام انبیاء اور پیشوایان مذاہب کی عظمت و احترام پر مجبور ہے اور یورپ اس مجبوری سے غلط فائدہ اٹھا رہا ہے اگر مسلمان قوم بھی یورپی اقوام کی طرح مذہب و اخلاق کے بندھنوں اور شرافت کے تقاضوں سے آزاد ہوتی تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا لیکن مسلمان تو ہر حال میں نہ صرف اپنے آقا خاتم النبیین علیہ السلام بلکہ سیدنا عیسیٰ مسیح، سیدنا موسیٰ اور دیگر تمام انبیاء کی پاکیزہ اور معصوم شان کی ناقص امتوں کی دست و پاڑیوں سے حفاظت و حرکت کا ذمہ لیا تو وہ برائی کا جواب بدی سے کب دے سکتی ہے۔ ہاں اس کا جواب اگر ہے تو یہی کہ کاش مسلمانوں کے دست و بازو اتنے مضبوط اور عزم و ایمان اتنا راسخ ہوتا کہ ایسی گستاخ زبان کو گدی سے نکال سکتا۔ اور خیرہ چشمی پران کی آنکھیں پھوٹ سکتا۔ سابق وزیر قانون کے احتجاجی بیان کی صرف بحوث تائید کرتے ہوئے ہم اپنی اس حیرت کو نہیں چھپا سکتے جو موصوف کے اس تازہ اور کچھ عرصہ قبل کے طرز عمل کو دیکھ کر ہمیں لاحق ہوئی۔ موصوف کے وزارت کے زمانہ میں ڈاکٹر فضل الرحمان نے بھی ایسی ہی ایک رسوائی زمانہ کتاب لکھی تھی اور اپنی جرات زمانہ سے پوری ملت کو شدید مذمت پہنچائی تھی۔ نبی کریم کی شان اقدس میں کیا کچھ نہیں تھا جو اس یہودہ شخص نے نہیں لکھا تھا۔ ہم نے اسلامی کانفرنس کے دوران انٹر کانٹینینٹل کے ایک بند کمرہ میں زیر موقوف

کی زبان سے بھی ڈاکٹر صاحب کے بارہ میں نہایت غلط رویہ رکھنے لگے۔ مگر چند دن بعد اخبارات کے صفحات پر اچانک وزیر صاحب موصوف ڈاکٹر صاحب کے وکیل صفائی بن کر ظاہر ہوئے اور ڈاکٹر صاحب کی مدافعت اور برائت میں پورا زور و کالت صرف کیا تھا۔ اس تضاد کی توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ موصوف کا وہ جذباتی ایمانی اور محبت اسلامی اب پابند قید اقتدار نہیں رہا جس کی گرفت میں آکر لبا اوقات انسان کی ”ایمانی حس“ مصلحت پرستی اور حب جاہ اور خوف و لالچ کے دبیر پوول میں دب کر رہ جاتی ہے مگر مقام عزیمت تو یہی ہے کہ قعر دریا میں نہ کر بھی انسان اپنے دامن کو تروامنی سے بچائے رکھے۔ (ج ۵ ش ۵ فروری ۱۹۵۵ء)

شان رسالت اور شترتین کی غیر شریفانہ جسارت

حال ہی میں ہندوستان میں حضور نبی کریم فخر کائنات رحمت العالمین کی اعلیٰ وارفع شان میں مشہور مورخ ٹوائن بی کی گستاخانہ حرکت پر مظاہرے ہوئے۔ بلاشبہ ناموس رسالت پر مڑنے والوں کا جان و مال سے بے نیاز ہو کر میدان میں کود پڑنا تقاضائے دین و ایمان ہے اور کوئی مسلمان ذلیل یورپ کی آئے دن کی ایسی کینہہ حرکات پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ ٹوائن بی اسلام کے حق میں مغربی علماء میں وسیع الطرف، حقیقت پسند اور صداقت گو مشہور تھے مگر بالآخر اس کی اسلام دشمنی اور بد طبیعتی سے بھی مصنوعی پردہ سرک گیا اور حقیقت ظاہر ہو گئی کہ یورپ کا کوئی سکالر اور بڑے سے بڑا مورخ بھی اسلام اور نبی کریم کے بارہ میں مخلص اور بلند حوصلہ نہیں ہو سکتا خواہ اس کا علم و تحقیق اسے اعزازات حق اور حق شناسی پر اسے بارہا مجبور کیوں نہ کر چکا ہو ٹوائن بی کی اس غیر شریفانہ جسارت نے اس کی علمی ساکھ کو جو دھکا لگایا ہے اب وہ عمر بھر اس کی تلافی نہیں کر سکے گا۔ ٹوائن بی کے اس تقابلی مضمون کو ہندوستان کے ایک ہندو اخبار نے شائع کیا کہ اسے تو اپنے لیڈر گاندھی کی شخصیت اچھا لنے کا ایک موقع ہاتھ آیا تھا لیکن کیا ہمارے بعض سرکاری حلقوں کو زیب دیتا ہے کہ وہ اس واقعہ کو سیاسی سٹنٹ کے طور پر استعمال کریں۔ ایسی باتوں کا وزن، عمل اور کردار کی کھوٹی پر معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں خور کرنا چاہیے کہ اس معیار پر ہم خود کیسے

اُترتے ہیں؟ تو ہمارے ہاں حضورِ سرورِ کائنات علیہ السلام کی عظمت و تقدیس کتنی محفوظ ہے ہمارے قلوب میں کیا ان کی ذات ان کی نبوت، ان کی سیرت اور ان کی سنت کی اعلیٰ و ارفع اور تشریف حیثیت پر دست اندازی کرنے والوں کا ہم خود کچھ محاسبہ کر رہے ہیں؟ یا انہیں مختلف طریقوں سرکھڑا پس نوٹ اور سرکاری نوٹوں کے ذریعہ تحفظ دے رہے ہیں؟ کیا ہم حضورِ نبیِ اولین و آخرینؐ کی قبائے افتخار، ختم نبوت کی عصمت و حرمت کو مجروح کرتے والوں کو گلیہ می مناسب سے نہیں نواز رہے؟ کیا ہمارے ہاں نبوت کے لوازم حیات، وحی، اس کی عصمت اور کلام اللہ کی اعجازی حیثیت پر ریسرچ اور تحقیق کے نام سے ہاتھ نہیں چلایا جا رہا؟ کیا فضل الرحمن، غلام احمد پرویز اور بیسویں صدی کے مرزائی و جال سے بڑھ کر توہینِ رسول کا مرتکب بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ عیبانی یا کوئی دوسرا غیر مسلم اگر گستاخی کرے تو اسے شرک اور کفر کی ویر سے اس کے بھنا دیے حل کیا جائے گا، مگر اسلام کا لبادہ اور بھ کر علم و تحقیق اور ابہام و مکاشفہ کی کہیں گاہ میں بیٹھنے والے واکوؤں سے ہمارا سلوک کیسا ہے؟ اگر کسی مسلم قوم اور کسی اسلامی مملکت میں حضورؐ کی عظمت اسلام کی حرمت اور اس کے بنیادی تقاضے محفوظ نہیں ہیں تو اسے کب زیب و تیا ہے کہ ایسی غیر مسلم حرکات پر چیخ و پکار کر کے اپنی سیاست کا الویدھا کرنا چاہیے جبکہ خود اپنے ہاں ایسی بے باکانہ برائتوں کو نہ صرف یہ کہ بے لگام چھوڑ دیا گیا ہو بلکہ سرکاری سطح تک ایسے لوگوں کی صفائی کی جاتی ہو۔ ہاں اگر ہمارے قلوب عظمت نبوت اور مقام رسالت کے اعتراف سے محروم ہیں تو احتجاج تو کیا اگر ہمارے جان و مال اور پوری متاعِ حیات بھی ناموس نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے تو اس سے اہم فریضہ اور اس سے بڑھ کر سرمایہ سرفروشی اور کیا ہو سکے گا؟

برطانیہ کا اسلامی ثقافتی جشن

نجرگرم ہے کہ اپریل سے برطانیہ میں ایک عالمی اسلامی ثقافتی میلہ؛ یا ورلڈ آف اسلام فیسٹول کا انعقاد ہو رہا ہے جو اگست تک جاری رہے گا اور اس میں عالم اسلام کی تہذیب و ثقافت، آرٹ و کلچر، خطاطی، نوادرات، قدیم و جدید مطبوعات کی نمائش کی جائے گی اور اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مذاکرہ بھی ہوگا۔ کچھ لوگ اسے مغربی دنیا میں اسلام کے بہترین ہمہ گیر تعارف کا ذریعہ کہتے ہیں۔ اور کوئی اسے اسلامی اور مغربی دنیا کے باہمی ارتباط اور قرب کا موجب سمجھتا ہے۔ ہمیں اس عظیم اور وسیع کثیر المصارف منصوبہ کے پس پردہ محرکات، عوامل اور رجال کار کا تفصیلی علم ابھی تک نہیں ہوا اور نہ ہم قبل از وقت کسی اچھے یا بُرے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے یہ مہرجان اسلامی یورپ میں اسلام کے صحیح تعارف کا ذریعہ بن جائے۔ مگر، ہم اسلام کے بارے میں مغرب کے معاندانہ رویہ مستشرقین یورپ کی طویل سازشوں اور علمی کاموں میں درپردہ اسلام دشمن منصوبوں اور عزائم کو دیکھتے ہوئے اس فیسٹول کے بارے میں چوکتا ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے، بیرونی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم منصوبہ کا محرک اور منتظم تیس سالہ پال کیلر نامی ایک غیر مسلم ہے جو آرٹ اور کلچر کا دلدادہ ہے۔ برطانیہ کے بڑے بڑے اخبارات بھی اس جشن کے تعارف میں پیش پیش ہیں۔ لندن ٹائمز اور فنانشل ٹائمز تو تفصیلات پر مبنی رنگین قلمیے بھی شائع کر رہے ہیں۔ اس مہرجان علمی کا افتتاح ملکہ الزبتھ کر رہی ہیں۔ تنظیم کی طرف سے مطبوعہ اصل پروگرام ہمارے سامنے ہے۔ اس میں علم و ادب کے ساتھ ساتھ موسیقی، رقص و سرود، مصوری اور تصویر سازی پر مبنی کئی پروگرام بھی سر یکب ایجنڈا ہیں۔ اسلامی دنیا میں پائی جانے والی موسیقی کو پہلی دفعہ مکمل شکل میں کئی سالوں میں پیش کرنے کے آئیٹم ہیں۔ متل شہنشاہوں کے دور کی عربیاں تصاویر اور تجریدی آرٹ متعارف کرانے کا پروگرام ہے۔

یہ اور ایسی کئی باتیں ہیں جو اس پروگرام کے بارے میں خدشات کا درجہ بن رہی ہیں۔ ہمیں اتنا خوش فہم بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ گویا راتوں رات اسلام کے بدترین دشمن مغرب اور برطانیہ کو اسلام کی تبلیغ و تعارف کا شوق لگ گیا یا اس نے اسلام کی صداقتوں کے سامنے گردن نہا دیا ہو کہ یورپ کے دروازے اسلام کے غیر خواہوں کے لئے چھوٹ کھول دیئے نہ ہم اسلام کو ایک ایسا معجون مرکب سمجھتے ہیں جس کے خمیر کا قوام نام نہاد آرٹ و کلچر، رقص و موسیقی اور تصویر و تصویر سازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلامی دنیا کے جو اہل خیر اور اسباب علم و فضل اپنی نیک نیتی سے اس پروگرام کے نظم و نسق میں حصہ لے رہے ہیں، ان کی ذمہ داری بڑی نازک ہے، دنیا کے کروڑوں مسلمان اہل علم اور اسلامی ادارے اس میلہ پر گہری اور عمیق نگاہ رکھیں کہ مبادا کہیں یہ عیار اور مٹکا یورپ کی شاطرانہ چالوں میں سے ایک چال نہ ہو، یہودیت اور انتشار حالات اور انقلابات کے ساتھ سانپ کی مانند اپنی کھینچلی بدلتی رہتی ہے۔ اور ایسی خبریں ابھی چکی ہیں۔

مستشرقین کے نئے حربے

پچھلے سال مؤتمر استشرق نے اپنی انیسویں کانفرنس میں فیصلہ کیا کہ آئندہ کانگریس کو ایشیا اور شمالی افریقہ کی انسانی علوم کی کانگریس سے پکا راجلئے گا۔ یعنی جو مقاصد اب تک استشرق کے نام سے حاصل کئے جاتے تھے اب اسے اور ناموں سے پورا کیا جائے گا۔ فرانسیسی جریدہ لی موند نے اس اعلان کو استشرق کی موت سے تعبیر کیا ہے۔ ایک مستشرق جیک بیرک نے کہا کہ اس طرح استشرق کا دور ختم ہو گیا۔ مگر درحقیقت دامنِ زمین کو نیا رنگ دینے اور سانپ کا لباس بدلنے والا معاملہ ہے۔ اور ایک ایسا ہی اعلان ہے جیسا کہ ۱۹۳۲ء میں مسیحی مبلغ ڈاکٹر زویمر نے مشنری سرگرمیوں کو ختم کر دینے کے بارے میں کیا تھا مگر ساتھ ہی آگے چل کر اس کی تشریح اس طرح کی کہ اب ہمارا مقصد مسلمانوں کو عیسائی بنانا نہیں۔ البتہ ہمارا ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے نکال دیا جائے۔ اور اب یہ کام ثقافت و کلچر اور صحافت کے ذریعہ ہونے لگا ہے۔ گویا یہ ہمیشہ و اندازہ کی مگر مہیوں کی ایک مرحلہ کی تکمیل اور دوسرے مرحلہ کا آغاز تھا۔ یہی انداز استشرق و

استعمار کا ابتداء سے اسلام کے بارہ میں رہا ہے۔ ان کا طریق کار نہایت گہرا، طویل المیعاد اور دور رس نتائج پر مبنی رہا ہے۔ بے شک مسلمانوں کو علمی اور ثقافتی کاموں میں تنگ دل اور متعصب نہیں ہونا چاہیے مگر دشمن کے عزائم، طرز عمل اور چال بازیوں سے یکسر آنکھیں بند کر دینا بھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں نہ مسلمان کو اتنا وسیع النظرف اور وسیع المشرب ہونا چاہیے کہ آزاد خیالی کی لگن میں وہ اپنی ثقافت اپنا ورثہ اور اپنا اسلامی شخص بھی ہاتھ سے دھو بیٹھے۔ نئے دور میں اسلام اور صلیبیت کی محاذ آرائی تو پست و تنگ کے دائروں سے نکل کر قلم و قسط اس اور علم و فن کے مورچوں میں داخل ہو چکی ہے۔ اور اب اسلام کو فو لاد و ایٹم سے نہیں علم و تحقیق کے اسلحہ سے نیست و نابود کر دینے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ہمیں جنگ کے ان نئے طور طریقوں میں بھی محتاط رہنا چاہیے۔ اور پہلے کی طرح اس محاذ پر بھی دشمنان اسلام پر اسلام کی ابدی صداقت و حقانیت کی ابدی مہر لگا رہنی چاہیے۔

ماڈرن ازم یا باطنیت کا نیا روپ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کے لئے اس میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے کہ قرآن و سنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارح نے متعین کئے ہیں اور جن کے حقائق عصر بعد عصر ملت مسلمہ میں تو آتے رہے اور تسلسل سے چلتے آ رہے ہیں۔ ان قطعی اور ابدی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اور پھر نبوت و رسالت، سنت و اجتہاد، اجماع و قیاس، صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے اور ان میں اتنی توسیع (EXTENSION) کر دی جائے کہ یورپ کی دنیوی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد، سودی بنکاری، قمار بازی، رقص و مہرود، ثقافت و کلچر، زنا کاری، شراب نوشی، بے پردگی، مخلوط تعلیم اور مساوات مرد و زن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جاسکے۔ اسلام کے فکری و عملی نظام کو تہ و بالا کرنے کے لئے عصر حاضر کے نام نہاد متجددین اور محققین بھی حربہ آزمایا ہے ہیں۔ اب تک جو نمونے اس تبلیغ و تحریف کے سامنے آچکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:-

(۱) قرآن کی صرف علل غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جاسکتا ہے۔

(۲) سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے اور اس کا قبول عام حاصل کرنا اجماع ہے۔

(۳) زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کی ٹیکس ہے اور حکومت زکوٰۃ کے منصوص مقام پر اور مصارف میں رد و بدل کر سکتی ہے۔

(۴) قرآنی ربو موجودہ تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔

(۵) خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں ملاحظہ ہو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے مختلف رسائل ”فکر و نظر“

قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت | انہی حضرات کے یاران تیز کام منکرین حدیث اور ان کے سرخیل مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف و تبلیغ کو پہلے سے اتمتِ مسئلہ کا نسخہ و شفا قرار دے چکے ہیں مسٹر پرویز لکھتے ہیں:-

”ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروج ہے وہ بیشتر غیر قرآنی ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ قرآن کے یہ متعین معانی و مفہوم چند تصورات و رسومات کی لاشیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے، مسلمانوں کو ان لاشوں سے الگ کرنے کا علاج اس امام الفضائل کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ ”قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعین کیا جائے گا وہ ہر آنے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ (IMPROVE) ہوتا رہتا یا بڑھتا جائے گا۔“

ان کی ہمتی کہ اس سائنٹیفک ریسرچ کا سہرا بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تحقیقات میں اپنے ان اساتذہ یہودی متشہرین شناخت و غیرہ کے درپوزہ گر ہیں۔

باطنیت کی تجدید | جن کی اسلام دشمنی کو قرآن کریم بارہا صریح الفاظ میں واضح کر چکا ہے اور دجل و بلعیس جن کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے ومن الذین ہادوا یحرفون لکلم عن مواضعہ

۱۴ قرآنی فیصلے ص ۲۶

۱۵ اسباب زوال امت ص ۱

۱۶ قرآنی فیصلے ص ۲۶۲

متجددین اور مستشرقین کا یہی فتنہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک عبیدی سلطنت (۶۴۱ تا ۱۰۶۷ء) کی شکل میں اقتدار و عروج حاصل رہا۔ اور اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد و اعمال شریعت و سنت سے منحرف و تلاعب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانون میراث میں ترمیم کی گئی۔ تراویح و صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) پڑھنے پر لوگوں کو تعزیر دی جانے لگی۔ اسی سلطنت کے ایک فرمانروا الظاہر الدین اللہ نے شراب کی عام اجازت دی۔ اہل حق مقہور و مظلوم اور اہل ہوا غالب و عاوی رہے۔ یہاں تک کہ حفاظت دین کے لئے سخت خداوندی کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کی شکل میں ہوا جنہوں نے اس فتنے کی سرکوبی کی۔

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ اس فرقہ میں بھی یہودیت کی روح کا رفرما تھی۔ کیونکہ محققین انساب کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورث اعلیٰ عبیدہ مجوسی یا یہودی تھا۔

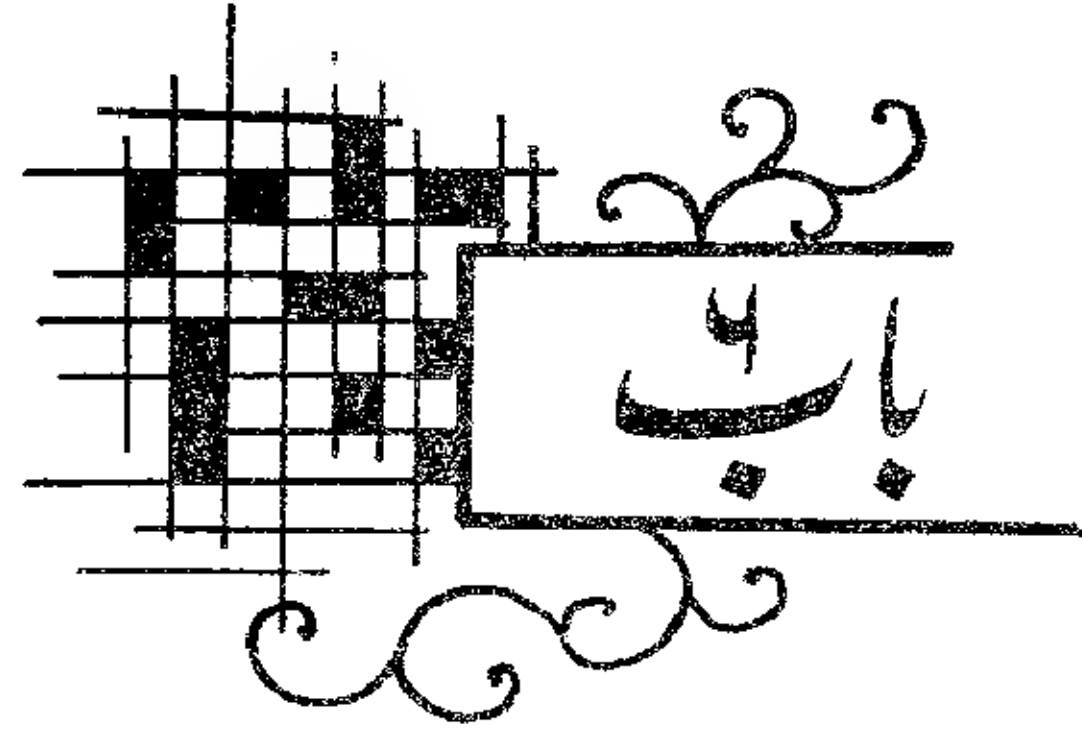
قاہرہ سے متجددین کے منبر پر طمانچہ

مجمع البحوث الاسلامیہ (قاہرہ) کی دوسری اسلامی کانفرنس میں شرکت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (قائد جمعیتہ العلماء اسلام) نے اپنے بیان میں یہ ایمان پرور انکشاف کیا کہ پالیس ممالک کی اس کانفرنس کے ایک سو مندوبین نے اسلام کے منافی رجحانات اور تحریفات کی بیج کنی کے سلسلے میں متعدد اہم قراردادیں منظور کیں۔ ان تمام علماء نے متفقہ طور پر اس حقیقت کی وضاحت کی کہ زکوٰۃ محض ایک عبادت ہے۔ اسے ٹیکس قرار دینا اس کی شرح میں ترمیم کرنا اسلام کے قطعاً منافی ہے۔ بنک کا سود کم ہو (مفرد) یا مرکب (سود و سود) دونوں حالتوں میں حرام ہے۔ کانفرنس نے از روئے اسلام ایک سے زائد بیویاں رکھنے (تعدد و ازدواج) کو

بھی جائز قرار دیا۔ اور یہ کہ کوئی حکومت اس شرعی اجازت کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں قبیل نہیں ہو سکتی۔

گو یہ تمام امور از روئے قرآن و سنت پہلے سے طے شدہ ہیں۔ مگر عالم اسلام کے ممتاز علماء کے ان توثیقی اور اجماعی قراردادوں سے ان تہجد پسندوں کی حوصلہ شکنی اور مایوسی ضرور ہوگی جو اپنے ملحدانہ عزائم کی بناء پر اسلام کو مشرق تحریف و تبلیغ بنانا چاہتے ہیں۔ اور ان ذلیل مقاصد کے لئے خلق اسلام کے نئے نئے فتنے کھڑے کر رہے ہیں۔ ان فیصلوں سے یہ خوش آئند نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ بھراؤ عالم اسلام کے تمام علماء حق زمین کے جس حقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں (دین کے بارہ میں زمانہ اور حالات سے متاثر نہیں ہوئے۔ ان کے نزدیک اسلامی اقتدار اٹل ہیں۔ حالات کو بدلنا چاہیئے اسلام کو نہیں۔

مغرب زدہ طبقہ کا غلط سہارا | ان قراردادوں کا دوسرا مفید رخ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مغرب زدہ طبقے بسا اوقات اپنے غلط نظریات و تحریقات کے لئے علماء مصر و ازہر کے اقوال کا غلط سہارا لیتے ہیں۔ ان قراردادوں نے ان کا یہ غلط سہارا بھی بچین لیا ہے کہ ایسے غلط اقوال اور اور فتنے بعض ٹیڑھے اذہان اور گمراہ قلوب کی پیداوار ہوتے ہیں، متجرا و جمہور علماء کئے نہیں۔ اور غلط بات کے لئے جہاں سے بھی استدلال ہوا اسے غلط ہی کہا جائے گا۔ مجمع البحوث کی ان ان مومنانہ قراردادوں کی منظوری پر ہم تمام مندوبین کو عموماً اور پاکستانی وفد کے ارکان کو خاص طور سے مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ ان کے مساعی کا ان قراردادوں خاص حقہ ہے۔



اسلام اور سائنس عصر حاضر کے خلائی اور تسخیری کارنامے

”سَرِّهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأُفَاقِ
وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ
أَنَّهُ الْحَقُّ“

اسلام اور عبد حاضر کے

سائنسی کارنامے

پچھلے دنوں روسی سائنسدانوں کے اس اعلان نے علم و تحقیق کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ روس کے محکمہ "خلائی تحقیقات" نے لوناہیم کو سطح چاند پر اتار دیا۔ اور وہاں سے معلوماتی اطلاعات فراہم کیں۔ پھر چند دن بعد زہرہ سیارہ پر بھی کنڈا لسنے کی خبروں نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ جبکہ چاند کی مسافت کا اندازہ سائنسدانوں کے نزدیک اڑھائی لاکھ میل کے قریب ہے۔ اور نظام شمسی کے اس دوسرے سیارہ زہرہ کی مسافت (بقول سائنسدانوں کے) اس وقت ہم سے ساڑھے سترہ کروڑ میل دور ہے۔

اکتشافات کا عہد | موجودہ دور جو اپنے طبعی تحقیقات، علمی و فنی ایجادات اور اکتشافات کے لحاظ سے بجا طور پر تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور مستحق ہے کہ اسے اکتشافات و ایجادات کے عہد سے یاد کیا جائے۔ روس کے اس محیر العقول کارنامہ سے جو بلاشبہ سائنس اور اکتشافات کی دنیا میں ایک عظیم اور قابل فخر کارنامہ ہے جہاں علم اور سائنس کی دنیا میں ایک غلغلہ بلند ہوا ہے، وہاں بعض حلقوں میں اس پر حیرت اور تعجب کے طے جلے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا عمیق مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض سطحی اذہان شکوک و شبہات کے شکار ہوئے کہ سائنس کے ان نت نئے اکتشافات اور محسوسات کے اس مشاہدہ اور تجربوں میں اسلام کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ اور کیا تسخیر کائنات کی یہ لائق تہنیتی کامیابیاں اور یہ برقی رفتار پیش قدمیاں اسلام کے کسی اصول سے ٹکراتی تو نہیں؟ اور اس عالم کائنات و مادیات کے بارہ میں اسلام کا کوئی ایسا متواتر نظریہ یا عقیدہ تو نہیں جو انکشاف اور تسخیر کے کسی کارنامہ سے جوڑ نہ کھاتا ہو؟۔۔۔ آج کی فرصت میں ہم اس نقطہ نگاہ سے تسخیر

کائنات اور سائنس کے دیگر کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے جو اذہان کی ناپختگی کی وجہ سے اسلام کے بارہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اس احساس کہتری کا ازالہ بھی ہو جن کے شکار بعض حضرات ان کارناموں کی پُر فریب چمک دمک کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اور بالآخر یہ احساس ان اسلامی اذہان و قلوب کو اپنے مذہب کے بارہ میں مایوسی اور افلاس، غیروں کی ذہنی غلامی، اور فکری مرعوبیت میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے حدود کار | جہاں تک مذہب اور سائنس کے باہمی ٹکراؤ اور تضادم کے خدشات اور وسوس کا تعلق ہے عقل و فہم کی اس کچ روپی اور فہم و نظر کی اس گمراہی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان اذہان میں مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود و رفتار کا تعین نہیں ہو سکا۔ حالانکہ مذہب اور سائنس کی راہیں بنیادی طور پر جدا جدا اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ سائنس تحقیق اور علم و انکشاف کا سر و کار اس عالم محسوسات و مادیات سے ہے۔ جو کسی طرح بھی ہمارے حواس و مشاہدات میں آسکتے ہیں۔ اور مذہب کی ساری جولانی غیب کی اس دنیا میں ہے جو ہمارے محسوسات سے وراء الورد ہے، وہ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کی خبر دیتا ہے۔ جہاں تک ہمارے عقل و ادراک اور احساس و شعور کی رسائی قطعی ناممکن ہے۔

فطری تجسس | مذہب ہمارے ان سوالات اور گھٹیوں کا حل پیش کرتا ہے جس کے سلجھانے سے سائنس اور فلسفہ، علم و شعور کی طاقتیں داماندہ اور درماندہ ہو جاتی ہیں عالم کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا رخانہ ہست و بود کی یہ سنگامہ آریاں کہاں جا کر ختم ہوں گی؟ اس عالم آب و گل کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کے لئے ہے؟ پھر اس کائنات کی وہ بھرپوری ہستی جسے ہم "انسان کے نام سے پکارتے ہیں" جسم و مادہ کے اس کارخانہ اور قدرت کے ان لامتناہی خزانوں پر کیونکر قابض و حاوی ہے؟ اور بالآخر تسخیر و غلبہ کی یہ قوت و طاقت جسم و خون سے بنے ہوئے اس "عالم اصغر" (چھوٹے عالم) انسان کے ہاتھوں میں کیوں اور کس مقصد کیلئے ودیعت کی گئی ہے؟ عقل و فکر ان سوالات کے

جواب دینے سے قاصر ہے۔

سائنس کی درماندگی اور سائنسدانوں کا اعتراف
سائنس و تحقیق کا عالم انسانی جبلت کے ان فطری مطالبات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اسے خود اپنی عجز و درماندگی کا اعتراف ہے۔ اور انکشاف و انکشاف کی اس دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اور موجد، اسباب و مسببات کے معے حل کرنے والا بڑے سے بڑا محقق بھی بانگ دہل اپنے قصور اور لاعلمی کا اعلان کر رہا ہے کہ :

”کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے، اس لئے ہمارا دائرہ کار ان دونوں سے الگ الگ ہے۔“ (فرانس کا مشہور ماہر سائنس پروفیسر لٹیرے)
اس دنیا کا ایک دوسرا شہسوار جے ڈبلیو این سیون کتنی صفائی سے اقرار کرتا ہے کہ زندگی جو انسان کی سب سے زیادہ قریب حقیقت ہے، سائنس اسکی کیفیت و نوعیت اور ماہیت و آغاز کے ادراک سے قاصر ہے :

”اور انسان کے گہرے مسائل سائنس کی سرحد سے باہر واقع ہیں۔ سائنس تو محض ایک ابتدائی کوشش ہے، اور اسکی تمام سچائیاں ”مشروط ہیں“ (برہان ۱/۲)
”بہت سے سائنسدانوں نے زندگی کے آغاز کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک اس کے متعلق کوئی قطعی علم حاصل نہ ہو سکا۔“
تھامس ہنری ہکسلے مزید وضاحت سے عقل و سائنس کے اس بے دست و پا ہونے پر روشنی ڈالتا ہے :-

”جب ہم پچھلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں زندگی کے آغاز کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوتا اور ہم اس ظہور کی کیفیت پر قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔“

انہی کے ہم نام جرج لین ہکسلے کو اقرار ہے کہ :

”ہم صرف مظاہر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جہاں تک سائنٹفک تحقیقات کا تعلق ہے، ہمارا علم صرف مظاہر کی تشریح اور ترجمانی کرتا ہے۔“

سائنس کی حقیقت آزادانہ تحقیقات اور تجربات میں مضمر ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اصول و مبادی غیر متغیر ہیں۔ اس میں حذف و اضافہ و ترمیم کا ہر وقت امکان ہے۔ (برہان ص ۲۴ ج ۶ ش ۱)

پکڑنے کے اس قول کے خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ استدلال و فلسفہ کی بنیاد پر کھڑے کئے گئے اصول و مبادی کتنے کمزور اور بے تمکین ہوتے ہیں، پھر زندگی کے فطری سوالات اور حقائق کی رہنمائی ان تغیر پذیر نظریات و مبادی سے کس طرح ممکن ہے۔

کائنات کی حقیقت اور سائنس انوں کا اعتراض عجز
سائنسی اصول و نظریات کی یہی بے ثباتی اور کمزوری ہے کہ جب بھی سائنس کی دنیا میں کائنات کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں سوچا گیا تو اس کی بنیادوں میں تزلزل پیدا ہوا، جہل اور لاعلمی کی آندھیاں اٹھنے لگیں اور اعلان کیا گیا کہ :

”ہمارے دماغ کی فطری ساخت ہی اشیاء کی ماہیت اور کیفیت کے ادراک سے عاجز ہے ہم صرف کمیّت کا ادراک کر سکتے ہیں۔ کیفیت کا نہیں (پروفیسر کلیہ برہان ج ۶ ش ۱)

پروفیسر ٹنڈل نے سمجھانے کے لئے گھڑی کی مثال دیکر سائنس کے حدود اختیارات کا تعین کیا اور کہا کہ :

”مجسمہ ہی حال واقعات و حوادث فطری کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی ایک مخفی مشین کار فرما ہے۔ اور ایک خزانہ قوت ہے، جو اس مشین اور ذخیرہ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتاتا ہے کہ واقعات و حوادث انہی دنوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کارخانہ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے۔؟ یہ کیسے بنی؟ اور اس گھڑی کو کس نے کو کا۔؟ اور اسکی چلانے والی قوت کہاں سے آئی۔؟ یہ وہ سوالات ہیں، جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔“

(اند مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۲۸)

لاریب کہ عالم سائنس کے یہی شہباز آج خلا کو مسخر اور نظام شمسی کے بڑے سے بڑے اجرام کو زیر کر رہے ہیں، مگر زندگی کے وہ فطری حقائق جن کے سمجھنے اور پانے سے خدا و آخرت پر ایمان لانے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر وہ شخص جس کے سر میں انسانی دماغ ہے، گو بر نہیں۔ اس کے تسلی بخش مل سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ سائنس، اختراع اور ایجاد کی دنیا اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکی۔ اور پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ: "سائنس کسی چیز کی بھی کامل توجیہ نہیں کر سکتی نہ اس کے اسباب اول تا آخر بتائے جاسکتے ہیں، کیونکہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی تاویل و توجیہ میں آغاز اشیاء کی طرف چند قدم آگے نہیں بڑھ سکا۔" (کپلے)

اسی کپلے نے عالم سائنس کے بنیادی اصول و مباحث، سلسلہ علت و معلول انتہی المیکڑوں سالمات (اجزاء لا تجزئی) وقت اور زمانہ کی گتھیاں سلجھانے میں ایک زندگی کھپا دی۔ مگر بالآخر اسباب و مسببات کے درمیان زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور عقل نارسا کے گھوڑے دوڑانے کے بعد اسے بر ملا اپنی کتاب اصول و نتائج "میں اعتراف کرنا پڑا کہ:

"وجود کی علت اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر قومی کی دسترس سے باہر ہے۔ اس باب میں جتنی لالچینی ہرزہ سرائیاں پڑھنے کا موقع مجھے ملا ان میں سب سے بدتر ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں۔ جو آغاز عالم کے متعلق موٹنگا بنائے کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے مہملات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں، جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے۔" (الدین العظیم)

یہ صرف چند نمونے اور اقتباسات ہیں جن سے عینب اور غیر محسوس عالم کے بارہ میں سائنس کی در ماندگی اور زندگی کے فطری تقاضوں اور سوالات سے اس کے فرار و گریز پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کے دائرے قطعی جدا جدا ہیں، ان میں تعارض و تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا خوب فرمایا ایک بالغ نظر فلسفی اور صاحب دل عالم نے کہ: "اگر خشکی کی ٹہین سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے۔ تو

سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔

غرض آج جن لوگوں کو سائنسی کارناموں سے مذہب کی بنیادیں گرتی اور لرزتی معلوم ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی اپنی نظر کی کوتاہی اور عقل کے فتور کی دلیل ہے۔
برہرہ حقیقت اگر ماند پر دہ
جرم نگاہ دیدہ صورت پرست ماست

اقلم مذہب کی حدود اور وسعتیں | مشاہدات و محسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں سائنس ہمیں بے یار و مددگار ظلمت، بعضاً فوق بعض۔ (تہ بہ تہ اندھیرے) کے علم جہل و بے خبری میں چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک وہاں سے اقلیم مذہب کی حدود کا آغاز ہوتا ہے، جسکی پٹیاں لامحدود ہیں، اور جسکی وسعتیں علم و ہدایت، فکر و فہم، عقل و خرد کے تمام خزانوں کو سمیٹی ہوئی ہیں، جہاں ظلم و جہل نام کی کوئی شے موجود نہیں، نور ہی نور ہے۔ علم حقیقی کی ضیا پاشیاں اور قدرت و فطرت کے اہل اصول اور لازوال مبادی کی فرمانروائیاں ہیں۔ فطرۃ اللہ التي فطر الناس علیہا لا تبدلہ لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولكن اکثر الناس لا یعلمون۔ جس سرحد پر محسوسات و مشاہدات کا علم ہمیں حیران و سرگردان چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ وہاں سے مذہب آکر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ ہمیں تخلیق کائنات اور انسانی پیدائش کے مقاصد سے روشناس کرتا اور شکوک و شبہات کی تمام گتھیاں سلجھا کر انسانی قلوب و اذان کو سکون و اطمینان کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

تسخیر کائنات میں مذہب کی رہنمائی | زندگی کی حقیقت اور عالم کے آغاز و انجام کے بارہ میں انسانی رہبری کے بعد مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ یہ زندگی کن خطوط پر بسر ہونی چاہیے، اور قدرت نے تسخیر و غلبہ کی جو استعداد انسان کو دی ہے، اسے کن مقاصد میں لگانا چاہیے۔؟ مذہب کہتا ہے کہ مشاہدات و محسوسات کی یہ ساری کائنات اُن اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے، جس کی بنا پر عالم کے اس جرم صغیر انسان کو پوری کائنات پر سبقت دی گئی اسے اثرات المخلوقات یہاں تک کہ اسے خلافت ربانی کے آخری

مقام عروج پر فائز کیا گیا، مذہب کہتا ہے کہ اس زندگی کو جس کے ادراک سے تمہاری سائنس عقل قاصر تھی، آخرت اور ایک ابدی زندگی کا ذریعہ بناؤ اور اس طرح بقائے دوام اور لافانی ہونے کی وہ فطری خواہشیں حقیقی معنوں میں پوری کر دو جس کا دلولہ اور تڑپ تمہارے خمیر میں شامل ہے۔ مذہب ہمیں ہرگز ان تسخیری قوتوں کو کام میں لانے سے نہیں روکتا جو ہماری شہرست میں قدرت کے دستِ فیاض نے رکھیں، وہ کہتا ہے کہ تم ستاروں کو گن سکتے ہو آفتاب و قمر کو زیر کر سکتے ہو، پہاڑوں کو چیر سکتے ہو، ہواؤں اور سمندروں کو مغلوب کر سکتے ہو زمین و آسمان کی وسعتیں سمیٹ کر اپنی مٹھی میں لا سکتے ہو۔ تیز رفتار اور دیوہیکل بے جان اجسام کو خلائی سیارہ، جہاز، ریل اور بحری بیڑے کی شکل میں دوڑا سکتے ہو کائنات کے عناصر راجعہ کی حقیقتیں اور ماہیتیں بدل سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ان کائنات سے ایسی توانائیوں کی صورت میں قوت اور طاقت کی لامحدود دولت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے آسان ہے کہ پہاڑوں کے جگہ نشق کر دو اور خلا کی پنہائیاں چیر ڈالو اور ممکن ہے کہ تم زمین کے علاوہ زہرہ و مانتاب اور نظام شمسی کے دیگر سیاروں کو بھی اپنا مسکن اور جوالانگاہ بنا دو کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دہائی تہذیب کے کامل ارتقاء و عروج کے زمانہ میں تمہاری یہ تخلیقی قوت اور اختراعی صفت درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ تم بادل برساؤ اور مصنوعی صورتوں سے اشیاء اموات پر بھی قادر ہو جاؤ۔

بہت سے دعووں کی تائید و توثیق | مذہب اس دن کے انتظار میں ہے۔ کہ تم یہ سب کچھ کر سکو کہ اس کے بہت سے دعوؤں کی مزید توثیق و تصدیق تمہارے ان سائنسی کارناموں پر موقوف ہے۔ اس طرح اخبارِ غیب اور رجالِ غیب کے وہ سارے دعوے اور حقیقتیں تم پر عیاں ہو سکتی ہیں، جسے تم اپنے مادّی دل و دماغ اور مغلوج ذہن کی بناء پر ناممکن اور محال سمجھتے تھے۔ وہ حقیقتیں اور خوارقِ عادات جس کا مظاہرہ اس کائنات کے خالق نے غیبی اسرار کی مناد شخصیتوں انبیاء و رسل کے ہاتھوں کر لیا تھا۔ تم آج سائنس اور صنعت، راکٹ اور میزائل کے سہارے خلاؤں کے میدان میں اندر رہے ہو۔ ہم نے مان لیا کہ صدیوں کی کدو کاوش کے بعد آج تمہاری رسائی خلا سے پار کی دنیا تک ہو رہی ہے۔

رسول کریمؐ اور عروج و پرواز کی منزلیں | مکر کیا آج شے چودہ سو سال قبل مخلوقات میں
خلافتِ الہیہ کے سب سے عظیم منظرِ انسان نے محمد عربیؐ فداہ ابی دمی کی شکل میں عروج و
پرواز کی یہ ساری منزلیں پلک جھپکنے میں طے نہیں کی تھیں۔؟ ولقد رای من آیات ربہ
الکبریٰ۔

وہ جو خود انسانی ارتقاء و عروج کا آخری نقطہ معراج تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ جو
چاند اور ستارے تو کیا آسمانوں اور ملکوتی کائنات کی ساری بلندیوں سے بھی پرے پہنچ گیا۔ جہاں
دنیا کی سب سے بڑی محرم راز اور طاقتور ہستی جبریلؑ امین کی رسائی بھی ناممکن تھی۔ ملا اعلیٰ
کے اس امراء و معراج میں نہ تو انہیں کسی جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت پیش آئی۔ اور نہ
اس عالمِ مادیات و مشاہدات کی کسی مادی قوت نے ان کی دستگیری کی۔ پھر یہ اسلام اور
مذہب ہی تو تھا جس نے انسانی عروج و استیلاء اور معراج و ارتقاء کی ایسی جیتی جاگتی تصویر
محمدؐ عربی کے معراج کی شکل میں صدیوں قبل دنیا کے سامنے رکھ دی تھی کائنات کا انا قدیم
تصور اور اس کے دائرہ اسکان میں ہونے کی تعلیم کسی دوسرے مذہب، نظریہ اور تھیوری
نے اس سے پہلے نہیں دی تھی۔ یہ غلامانِ تجربہ و سائنس اور بندگانِ عقل تو اب تک اس کا
مذاق اڑاتے رہے، اور زندگی کی تمام حقیقتوں اور آغاز و انجام کے خدائی تقاضوں اور حکمتوں
کی طرح اسکی بھی تکذیب کی۔ بلے کذب و اجمال محیط و العالم۔

تسخیر مخلوقات معرفتِ خالق کا ذریعہ | الغرض قدرت نے ہمیں پوری فیاضی سے
اس کائنات سے فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا۔ کہ زندگی کے فطری سفر میں جو بھی رکاوٹ تھارے
سامنے آئے اسے زیر و زبر کر دو۔ مگر ہاں! زندگی کے کسی لمحہ اور کسی ثانیہ میں اس
حقیقت سے غافل مت ہو کہ تمہاری یہ تمام قوتیں اور توانائیاں کسی غیر کی کرم نوازیوں
کا نتیجہ ہیں۔ ایک دراء الراء ہستی ہے جس نے تمہیں عقل و خرد کی نعمت سے نوازا اور
تسخیر و تصرف کے یہ راستے سمجھائے اس نے اپنی بے مثال فضل و کرم سے تمہیں عقل کی
دولت دی، استنباط و استخراج کی نعمت سے نوازا۔ جس کے ذریعہ تم کائنات کو اپنی
جولانی اور تصرف کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہو۔ عقل انسانی اور شعور و ادراک کا یہ ”جوہر“

ابھی کا عطا کردہ ہے، جس کے ذریعہ تم عناصرِ اربعہ کی باہمی تحلیل و ترکیب کر کے طاقت کے لازوال خزانوں پر قابض ہو گئے ہو۔ اگر اس کے فیض و کرم کی کرشمہ سازیاں نہ ہوتیں اور اس نے اس قیمتی جوہر ”عقل و منہم“ سے تمہیں نہ نوازا ہوتا تو تم اس کائنات کی سب سے حقیر و ناتواں مخلوق ہوتے کہ اس کائنات میں عقل و خرد سے عاری مخلوق ہاتھی اور بیل وغیرہ جسم و ضحامت کے لحاظ سے تم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ پھر وہی رب ہی تو ہے جس نے عقل و خرد اور خلانتہ ربانی کی نعمتوں سے تمہیں نوازا کہ اس کائنات کو تمہارے لئے سحر کر دیا۔

ولقد کرّمنا بنیٰ آدم و جعلناہم
فی البر والبحر و رزقناہم من
الطیبت و فضلناہم علیٰ کثیر
ممن خلقنا تفضیلا۔
اور البتہ ہم نے بنی آدم کو فضیلت
دی اور خشکی و تدری دونوں کی قوتیں
اسکی تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی
ہیں اور اچھی چیزیں اسکی روزی کے

لئے پیدا کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں سے اکثر پر اس کو برتری ملی۔
هو الذی خلقکم ما فی الارض
جمیعاً۔
اللہ وہی ذات ہے جس نے زمین
کے بیچ ہر چیز کو تمہارے لئے پیدا کیا۔

تسخیر و اکتشاف اور قرآن | غیب کی راہیں سمجھانے والا یہ آخری صحیفہ غیب کہتا
ہے کہ یہ تو خدا ہی ہے جس نے انسان کو تمام مخلوقات کی حاکمیت عطا فرمائی اور سفلیات
تو کیا عالم بالا کے شمس و قمر تک بھی تمہارے زیرِ کر وئے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض
وانزل من السماء ماء فاخرج
به من الثمرات رزقناکم و
سخر لکم الغلات تجری فی البر
بامره و سخر لکم الانعام و سخر
لکم الشمس والقمر و النّٰبیین
و سخر لکم اللیل والنهار و آتاکم
اللہ وہ ہے جس نے بنایا آسمان و زمین
اور انار آسمان سے پانی پھر اس سے
نکالی روزی تمہاری میوے۔ اور
سخر کیا تمہارے لئے کشتی کو کہ اس
کے حکم سے دریا میں چلے اور کام میں
لگایا تمہارے لئے ندیوں کو سورج کو
اور چاند کو ایک خاص دستور و نظام

من كل ما سألتموه وان تعدّوا
نعمته الله لا تحصوها ان الانسان
لظلم كفاً -
کے مطابق اور کام میں لگا دیا تمہارے
لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر
چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو
اللہ کے احسانات نہ پورے کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔ (ترجمہ شیخ الہند)
اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ساری مخلوقات سے زیادہ محتاج بنا کر بھی کائنات کی ہر چیز کو
خواہ سفلی ہو یا علوی تمہاری بیگاری میں لگا دیا۔

الم تر و ان الله سخرکم ما
فی السموت والارض واسبح
علیکم نعمۃ ظاہرۃ و باطنۃ
(پ آیت ۲۱)
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں
میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب
کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام پر لگا
رکھا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور

باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (ترجمہ : مولانا احمد علی لاہوری)
والانعام خلقھا لکم فیھا دین
ومنافع ومنھما تاکون ولکم
فیھا جمال حین تریحون و
حین تسرحون وتحمل
اور اس نے تمہارے لئے چار پائے
پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم
کرنے والی پوشاک اور طرح طرح
کے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے

۱۔ نیز ملاحظہ ہو۔ وسخر الشمس والقمر کل یجرى لاجل مسیٰ ۲۔
وسخر الشمس والقمر لیسئلن الله ۳۔ آیت ۶۱۔ الم تر ان الله سخرکم ما فی الارض
والفلك تجری بامرہ ۴۔ وسخرکم الانهار ۵۔ وسخرکم اللیل والنهار والشمس
والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذلک لآیت لِقَوْمٍ یعقلون ۶۔ آیت ۱۲۔
وهو الذی سخر البحر (الی قولہ) لعلکم تشکرون ۷۔ آیت ۱۳۔ وسخر الشمس والقمر
کل یجرى الی اجل مسی وان الله بما تعملون خبیر ۸۔

أَتَعَالِكُمُ إِلَىٰ بَدَلِهِمْ تَكُونُوا بِالْغَيْبِ
بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہاری

الْإِبْشِقَۃَ الْإِنْفُسِ أَنْ يَكْفُرُوا
نگاہوں کیلئے جمال و زینت بھی ہے

لِرُفُوهِمْ أَجْرٌ (الہی قولہ)
جب تم انہیں صبح و شام گھومنے

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ -
پھرنے چھوڑتے ہو۔ اور یہی جانور

تمہارا بوجھ ایک شہر سے دوسرے تک لے جاتے ہیں کہ تمہارے بس میں وہاں

پہنچنا تھا، مگر بڑی مشقت کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا شفقت اور رحم

والا ہے۔ الخ پھر وہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنکی تمہیں خبر نہیں۔

کیا آیت بالا کا آخری ٹکڑا دیکھو مالا تعلیموت۔ اکتشافاتِ حاضرہ اور موجودہ دور کی نت نئی

اختراعات کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔؟

نعمتِ تسخیر کا حق اور تقاضا | ان آیاتِ بیانات سے یہ حقیقت بخوبی عیاں

ہوتی ہے۔ کہ انسان کے یہ تسخیری کارنامے منشاء قدرت کے خلاف نہیں ہیں۔ اور نہ اسلام

تمہیں اس سے روکتا ہے۔ بلکہ جگہ جگہ تفکر اور تدبیر و تفہیم کی خاطر ہمیں اس کائنات کی وسعتوں

میں غور و فکر اور سیر فی الارض کی دعوت دیتا ہے، اور چاہتا ہے کہ ہم اس عالمِ مشاہدات کے

انفسی اور آفاقی آیات کو اس کے خالق کی پہچان اور ان قوتوں کو اسکی مرضیات کے حصول

کا ذریعہ بنائیں۔ تمہاری یہ ”خللانور دیاں“ اسکی عظمت و قدرت کی پہچان کا ذریعہ بنی پائیں۔

اور ہر نئے انکشاف و اختراع اور ایجاد و اوراک کے وقت تمہارا رُواں رُواں اسکی کبریائی میں

ڈوب جانا چاہئے۔ کہ اس نے تمہارے آرام و آسائش کی خاطر نعمتوں کی ایک دنیا بسا دی اب

تمہارا فرض ہے کہ اس کی حمد و ستائش کے گیت گاتے ہوئے اسکی نعمتوں کو ٹھکانے لگا

دو۔ یہ چاند اور سورج تو اس کے انعامات و اکرامات کا ایک ذرہ ہے۔ اور اس طرح اس

عالم کا ہر ذرہ انسانیت کے ابدی فلاح، دائمی امن اور بقا کا وسیلہ بنا چاہئے نہ کہ تمہاری

یہ سائنس و تحقیق اس کی عظمتوں سے غفلت و انکار، اور اسکی نافرمانی و سرتابی، اس دنیا

کی مخلوقات پر ظلم و تعدی کا ذریعہ بن جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایجادات تمہاری بہیمی و

جیوانی جبلت کی وجہ سے عالم کی تباہی و بربادی اور مخلوق کی ویرانی اور بربادی کا سبب بن جائیں

بلکہ :

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا
استویتم علیہ وتقوون
سجۃ الذی سخر لنا هذا
وما کنالہ مقرنین وانا الی
ربنا المنقلبون -
تھے۔ (اگر اکی رہنمائی و مددگیری نہ ہوتی۔) یا آخر ہم سب کو اسکی طرف لوٹنا ہے۔
کذلک سخرناھا لکم لتعلمکم
تشکرون -
کذلک سخرناھا لکم لتکبروا
علی ما هدکم -
تم اسکی بزرگی بیان کرو کہ اس نے
تمہیں ہدایت کی۔ (ترجمہ: حضرت مولانا لاہوریؒ)

چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف | الغرض سائنسی کارناموں یا چاند اور سورج کی
تسخیر کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی تصریح نہیں پائی جاتی جس سے ان چیزوں
کی نفی ہوتی ہو، سورج اور چاند کا کسی خاص آسمان میں ہونا یا دیگر سیارات کیلئے آسمانوں سے
اوپر یا پانچویں یا چھٹے آسمان کے تعین کے جواز تو الٰہی مشہور ہیں وہ فلسفہ یونان یا بطلمیوسی علم
ہستیا، یا اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں۔ البتہ قرآن و سنت سے آسمانوں کا وجود ان کا ذمی جرم
ہونا ان میں دروازوں، گذرگاہوں کا پایا جانا، ان کا مختلف منازل و بروج پر تقسیم ہونا ثابت
ہے۔ اکابرین اسلام میں حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات میں تصریح پائی جاتی
ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر سمیت فنادیل معلقہ (شکے ہوئے فانوسوں)
کی مانند آسمانوں کے نیچے موجود ہیں۔ اور آسمانوں کا مقام ان تمام سیاروں سے اوپر ہے۔
طبعیاتی علوم اور امام غزالیؒ کی اصولی بات | باقی ان علوم کے بارہ میں اصولی بات

لہ النجوم فنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور باییدی الملائکۃ۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۵۱)

وہی ہے جو امام غزالیؒ نے اپنی خود نوشت واردات و تاثرات المنقذ من الضلال میں ارشاد فرمائی کہ ریاضیات، منطقیات، طبیعیات وغیرہ کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے۔ ان طبیعیاتی علوم کے بارے میں (جس میں عالم سموات و کواکب، عناصر اربعہ اور اجسام مرکبہ و مفردہ سے بحث ہوتی ہے) ہمیں یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہئے کہ طبعیت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ خود مختار نہیں جو لوگ ان علوم کی باریکیوں سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے ہیں کہ علوم غیب و حقائق میں بھی ان لوگوں کی ہمارت کا یہی حال ہوگا وہ غلطی پر ہیں۔

امام غزالیؒ ایک طرف علماء طبعیات کے ان کارناموں سے مرعوب اذہان اور ان کی تقلید میں دین کے انکار اور استخفاف کرنے والوں پر سخت گرفت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان سطحی اذہان پر بھی تنقید کرتے ہیں جو ہر نئی دریافت اور مادی اکتشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں :

الافتة الثانية نشأت من صديق	طبعیات سے مرعوب ہونے کی طرح یہ بھی
للاسلام جاهل ظن ان الدين	ایک بڑی آفت ہے کہ اسلام کے بعض
ينبغي ان ينصروا انكار كل علم	نادان دوست فلاسفہ اور علماء طبعیات
منسوب اليهم فانكر جميع علومهم	کی ہر نئی دریافت اور نظریہ اور ان کے
وادعوا جهلهم فيها حتى انكروا لهم	ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت
في الكسوف والخسوف وزعم ان	سمجھتے ہیں یہاں تک کہ طبعیات کے سلسلہ
ما قالوا خلاف الشرع فلما قرع	میں سورج گرہن چاند گرہن تک کے بائے
ذلك لم يسمع من عرف ذلك	میں انکی باتوں کو خلاف شرع اور مذہب
بالبرهان القاطع لم يشك في	سے متصادم سمجھ کر ٹکرا دیتے ہیں اسکا مضر
برهانه ولكن اعتقد ان الاسلام	پہلو یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان نظریات و
مبنى على الجهل والكار البرهان	اكتشافات کی صداقت کے قائل ہوتے

القاطح فيزداد للفلسفة حباً و
 للاسلام بغضاً ولقد عظم على الدين
 جنايته من ظن ان الاسلام ينصر
 بانكار هذه العلوم وليس في
 الشرع تعرض لهذه العلوم
 بالنفع والاشبات ولا في هذه
 الامور تعرض للامور الدينية
 جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں یہ بڑی جرات ہے جن کا گمان ہے کہ
 اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے حالانکہ شریعت کہہ نہ تو ان اشیاء
 کا ثبوت مطلوب ہے اور نہ انکار مقصود اور نہ ان علوم و تحقیقات میں دینی اصول
 کو تعرض ہو سکتا ہے۔ (المنقذ من الضلال للغزالی ص ۱۸)

حسن و قبح کا دار و مدار مقاصد اور استعمال پر ہے۔ | یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے
 بخوبی واضح ہوا کہ سائنس کے کسی بڑے سے بڑے کارنامے کا مذہب کے کسی پہلو پر زور نہیں
 پڑتی۔ پھر اسلام جیسا دین فطرت —! جو اپنے بنیادی اصول و ارکان روح اور مزاج اور
 مقاصد میں ذرہ بھر ترمیم و تبدیلی کا روادار نہیں۔ اس کے مبادی اور اعراض لافانی اور اس کے احکام
 و قوانین اٹل ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہی ملت حنیفیہ سائنس و علم اور نظریات کے کسی چیلنج کو قبول
 نہ کر سکے وہ ان مادی ترقیات کی مخالفت نہیں کرتا بشرطیکہ اس فانی کائنات میں تمہارا یہ تگ و تاز
 مقاصد و مبادی اور انجام سے بے فکر می کا باعث نہ بنے اور تم وسائل و ذرائع کو زندگی کا مقصد
 نہ ٹھہراؤ۔ یہ چیزیں بذات خود نہ خیر میں نہ شر۔ اگر تمہاری یہ تسخیری قوتیں عالم کی فلاح انسانیت
 کی باہمی خیر خواہی و ہمدردی، حقیقت انسانی کی پہچان کا ذریعہ اور حصول آخرت کا وسیلہ بنتی
 ہیں تو ان کی خوبی کے کیا کہنے۔ اور اگر تمہارے یہ ایجادیں و اختراعی کارنامے دنیا کے مختلف
 ممالک کی تباہی اور بربادی عالم کی تخریب کاری اور انسانیت کی پریشان حالی، ایک دوسرے
 کو مغلوب و مغلوبہ کرنے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کا باعث بنتے ہیں — اور جیسا کہ

دو عالمی لڑائیوں سے لیکر اب تک ان اشیاء کے استعمال سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو تمہاری یہ سائنس و تحقیق اور یہ شبانہ روز کوشش صرف اس جذبہ حیوانیت اور درندگی کی تسکین اور اس وحشت و بربریت کا ظہور ہے جو خدا اور نوا میں فطرت سے غفلت و انکار مادیت کو منتہائے حیات بنانے کے بعد ان انسان نما جسموں کو وحشی درندوں اور چوپایوں سے بھی ذلیل و خوار بنا دیتا ہے۔ اولٹ کا لاغلام بل ہم اصلے۔ اگر تمہارا مقصد ان خلائی فتوحات سے زمین کے رہے سبے چین و سکون کو تباہ کر کے اپنے سامراجی اور حیوانی ارادوں کو پورا کرنا ہے۔ تو کائنات کی ملکوتی طاقتیں تمہاری ان کامیابیوں پر لعنتیں بھیجتیں ہیں۔ اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں۔

تو کار زمین را نکو ساختی کہ بر آسماں بال و پر داختی
پھر خدا کے نزدیک اس خلائی اور ایٹمی دور کے روشن خیال اور آدم نما درندہ سے قرونِ اولیٰ کا وہ غیر مہذب انسان ہزار درجہ بہتر ہے جو غاروں میں رہتا۔ مگر اس کا دل انسانیت کے احترام و فلاح اور خدائی اقدار کی عظمت و تقدیس سے معمور تھا۔

ایجاد و اختراع اور بر باد دہی عالم | ہیروشیما کی دلدوز داستانیں کسے بھولی ہونگی صرف ایک دن (۱۱ اگست ۱۹۴۵ء) کو صرف ایک بم سے جاپان کا یہ عظیم الشان شہر ہیرو ند خاک ہو کر رہ گیا صدر نیو سیلینڈ کی رپورٹ کے مطابق اس ایک بم سے دو لاکھ چالیس ہزار افراد ہلاک ہوئے، سینکڑوں میل تک فضا نابکاری ذرات سے نہر آلود ہوئی اور جس کی تاثیر سے بچے ہوئے لوگوں کا خون تحلیل ہوا۔ ان کے بال گرتے رہے اعضاء سکڑ گئے اور رفتہ رفتہ موت کے گڑھے میں جا گرے (ترجمہ ماذخر العالم) پچھلے ہفتہ فرانس کے مشہور رسالے — ”پریس مارچ“ — میں اس تباہی کی ہلاکت آفرینی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی جس کا ترجمہ جنگ مارچ ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ ”دس لاکھ برسوں کی انسانی ترقی پر چند لمحوں میں پانی پھیر دیا گیا۔“

یہی حال دوسرے شہر ناگاساکی کا ہوا۔ یہ تو اس وقت کے ایٹم بم کا حال تھا۔ آج کے بیس میگا ٹن کا ایک بم ان بموں سے ہزار گنا طاقتور ہے اور اگر یہ بم ایسے شہر پر گرایا جائے

جس کا رقبہ بیس میل میں پھیلا ہوا تو چشم زدن میں یہ ساری آبادی نیست و نابود ہو جائیگی۔
 برطانوی سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق لندن یا نیویارک جیسی گنجان آبادی پر یہ
 ایک بم دو کروڑ انسانوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ امریکی حکام اپنی ایسی دور مار میزائلوں
 کا دعویٰ کر رہے ہیں جس سے براہ راست چین اور روس کو تباہ کیا جاسکتا ہے۔ حکومت
 روس اعلان کر رہی ہے کہ اس کے پاس ایک سو میگا ٹن ہائیڈروجن بم تیار ہو چکا ہے جو
 روس سے ہزاروں میل دور دشمن کے علاقوں کے ہر صنعتی، اقتصادی اور فوجی مرکز کو
 صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اور اس کے مہلک تابکاری اثرات لاکھوں مربع میل کے
 ہر جاندار کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔

تہذیب جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں | تہذیب جدید کی ان سائنسی فتنہ سامانیوں
 کی تعبیر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کی ہے۔

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا
 یہ حال تو ان چیزوں کے اختیار اور ارادی استعمال کا ہے، غیر ارادی اور تکوینی طور پر ان
 چیزوں کی ہلاکت آفرینی کا حال کیا ہے۔ پچھلے ایک ماہ میں دنیا کی صرف ایک حکومت کے
 ایک دار الخلافہ ٹوکیو میں پے درپے ہوائی حادثوں سے تین سو افراد ہلاک ہوئے، دنیا کے
 مختلف حصوں میں آٹھ دس ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوئے۔ امریکہ کا ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوائی جہاز
 بحیرہ سپین میں گرا اور ایک دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اس طرح
 اس درندگی و بہمت کو بھی نگاہ میں رکھتے جس کا مظاہرہ ویٹ نام کی ہمتی انسانیت پر
 کیا جا رہا ہے۔

ایسے ہولناک نتائج کو دیکھ کر ڈاکٹر فریڈ ایون نے جنگ عظیم کے بعد کہا تھا کہ
 ”جنگ عظیم کے بعد سائنسی انکشافات کے بارے میں میری اچھی توقعات کا خاتمہ ہو گیا۔ میں
 نے دیکھا کہ وہی علوم و فنون اور انجینیری کی ساری حکمتیں جس سے انسان کی خدمت کی جا
 سکتی تھی اب اس کے حق میں دشمن بن گئیں اور اسکی وحشت و سنگدلی شقاوت اور بہمت
 میں ان آلات سے بدرجہا اضافہ ہو گیا۔ تخریب و بربادی کے عظیم الشان انجن ہم جانوروں

کے اٹھ آگئے۔ ان ترقیات کی نظر فریب حقیقت دوسرے سائنسدان پروفیسر
 جوڈ نے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ ”تم ہوائی جہاز کو فضائے انسانی پر اڑتے دیکھ کر اس
 کے موجب کے عزم و ہمت پر عیش و عشرت کرنے لگتے ہو مگر ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت
 یہ ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں۔ وہ مقاصد کیا ہیں؟ فضائے آسمانی سے بہتے انسانوں
 پر بمباری انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں
 کو جلا دینا۔ زہریلی گیسوں کا پھینکنا یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں۔ یا شیطانوں کے۔
 انما یرید اللہ ان یعذبکم بھافئ الدنیا و تزھق انفسکم و ہم کفرون۔ الآیۃ
 هل یجزون الا ما کانوا یعملون صدق اللہ خالق الکمل مولانا الکریم۔



چاند اور ستاروں کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو دہم کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ جولائی ۶۹ء کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیرِ ہوا چاہتا ہے۔ مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبعیاتی علوم میں دلچسپی اور مذہب سے دوری یا علم کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساسِ محترمی، مروجیت اور شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے۔ آج کی فرصت میں اسلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فطرتِ انسانی کے تجسس کا قابلِ تسلیم جواب | مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کائنات عالمِ اپنی تخلیق و بقا اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی، نامعلوم الیکٹرون یا سلسلہ علت و معلول کا منت پذیر نہیں بلکہ یہ نہایت منظم اور پر حکمت کائنات ایک حی و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے۔ انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی ہے۔ اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابلِ تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر عقلاء اور فلاسفہ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرینِ طبیعیات اور سائنس دانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سہرہ پر ختم ہو کر ہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب، فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا۔

لامحدود کائنات اور سائنسی اعترافات | پھر یہ کائنات صرف وہی نہیں جو اب تک ہمارے

علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکی ہے بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربیات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا بقنا حصہ ہمارے علم و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ وہ اس لامحدود کائنات کا کھرواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہ درمادہ سے مستور ہے۔ مذہب نے اپنے آخری ترجمان رسول اکرمؐ کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد ہوا مگر آج کے سائنس دانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کرا دیا اور مذہب کی تائید و تصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں۔ کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں درحقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ صرف تاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جز اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹلیس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ہزار تارے نظر آتے ہیں۔ ہلکی دور بین سے کئی ہزار نومی دور بینوں سے کروڑوں اور امریکی کے بڑے رصد گاہ، مائنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خور و بینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان تاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر ان میں سے بعض تارے تو حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں۔ پھر ان تاروں کی درمیانی مسافت اور کمرۂ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے۔ انہی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے۔ پھر یہ کائنات تاروں کی لاتعداد کہکشاؤں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے۔ پوری کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۸۶ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشافات کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس

پھیلنے کی رفتار آٹھ سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۲ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے اور یہ جو روشنی ستاروں سے پھوٹ پھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے۔ وہ ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تصویر اس کی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا :-

دلعوات ماف الارض من
شجرة اقلام والبحر ممددة من بعدة
من بعدة سبعته البحر
ما فندت كلمات الله -

اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ
مندرول کے ساتھ سات اور ایسے مندر بھی
سیاہی بن جائیں جب بھی خدا کی تخلیقی
کار فرمایوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی۔

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جود ربك الا هو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے شکروں کو مگر وہی) اور وما اوتینم من العلم الا قليلا (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

عالم غیب | یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترک تازیوں سے وراء الورد ہے جسے "عالم غیب" سے موصوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور قدام ہے۔ اس کی دستوں اور گہرائیوں کے سلمے تو یہ پوری مادی کائنات بھی ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے حصول اور جس کی تعبیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور ان ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دارومدار ہے۔

تخلیق کائنات کا مقصد اور
تسخیر کائنات کے خدائی تقاضے

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم
آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور سخی لا حاصل قرار

نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اہل روز سے علمی قوتوں سے مالا مال کیا۔ (وَعَلَّمَ آدَمَ
الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبیر کرنے، اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے
لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالم آخرت کے لئے زیارہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل
دعوت دیتا چلا آ رہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک سب کچھ تمہارے
لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالق کائنات کی پہچان اور اس کی
عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو۔ اس کے پیپہ پیپہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر
پنہاں ہیں۔ اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامان تقیث کا ایک گنج گراںمایہ اپنے اندر
لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی نہایت
کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے جسے تم قیامت تک
حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و قدر تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی، تسلسل اور
اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے وخلق مالا تعلمون اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اس کی دی ہوئی
نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اس کی عظمتوں میں ڈوب جاؤ۔ سراپا عبدیت اور بندگی
بن جاؤ اور تمہارا رواں رواں اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک
واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمته ربکم	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے
اذا استویتم علیہ وتقولوا	تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہو
سبحان الذی سخر لنا هذا	کہ پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو
وما کنالہ مقرنین وانا الی	ہمارے پس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
ربنا لم یقلوب	رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس مقصد کے لئے قرآن کریم ہدایت کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعنکم تشکرون
(تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں تشکروا للہ علی ما ہدانا کم (تاکہ تم اللہ کی ہدایت کی بزرگی بیان کرو کہ
اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

مذہب اور سامع کے سرحدات اور سرچشے اس وسیع کائنات کا صرف انسان

کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اول تا آخر غور و تدبیر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر راہِ تعبیر کے یا بھی تجلیل و ترکیب اور عناصرِ علمی و عقلی کے یا بھی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے۔ تو ایک پسے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہِ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہر ایک اصلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔ مذہب کی حدود و فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اس کی قوت پر واز جواب دے دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبیعیات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے۔ خواہ اس کا ظہور کمرہٴ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الہیات ہیں۔ وہ ہمیں انسان کے گہرے مسائل، فطری حقائق، قوانین خداوندی، آخرت، حساب و کتاب اور قانون مکافاتِ عمل، زندگی کے انجام اور توجید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائیدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اول الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تعمیر پذیر ہیں۔ اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے ایک پستلج ہوتی ہے۔ ایک کاسرِ شمشیرِ خدا سے حی و قیوم کی رمی ہوئی روشنی وحی و نبوت ہے۔ دوسرے کا مبلغِ علم، عقل خام اور فہم ناقص عشر فایث الشیاء این التری۔

سائنس اور مذہب میں | پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں
کوئی تصادم نہیں | سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم انت
تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قائم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر
سائنس کی کوئی بات معادہٴ صحیح اور عقلِ سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے
اس کا ٹکراؤ ہو۔ اگر ایسی صورت حال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہو گا۔

مخالق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اولین تعلیمات سے ملا ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ جس طرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ ناقابل تردید اور واجب التسلیم ہے۔ دونوں میں تعارض ناممکن ہے۔ دونوں کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود اختیار جدا جدا ہیں۔

خدائی تعلیمات کا اصل موضوع

تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت کا اولین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین، بھلائی کی ہدایت، خلق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح صرف اور محل میں استعمال کرنا اور اس زندگی کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے۔ وہ اگر آیات آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہ لا شریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے۔ وہ عالم آخرت و حیات بعد الموت کا ذکر چھڑتا ہے تو مائتبی استدلال اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کرتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آئے والے تکوینی امور و محال کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو اعلیٰ یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہو۔ محال اشیاء اور عناصر کی کنز و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا۔ چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قمر بھی جو اشیاء و اجرام کے یہ توجہ اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اس کی ماہیت و حقیقت نہیں اس کی مسافت اور اس کے قابل تسخیر ہونے یا نہ ہونے کی بحث کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کے کتابتہ کی گیمینا نجوم، زمین اور ریاضی کی نہیں

الغرض جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔

راہ اعتدال | پس اگر آج کوئی شخص علماء طبعیات کے کسی کا سامنے سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے تو وہ اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی اکتشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے۔ دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائیگی کی علامت ہیں۔

چاند کی تسخیر میں اسلام کا موقف

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے۔ بلاشبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ پچودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں۔ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اس کی تغلیط ہوتی ہو۔ چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کی طرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا بڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں۔ وہ سب کے سب فلسفہ یونان و رومی علم الافلاک یا بطلمیوسی علم ہیئت

لے۔ یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار و اطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات و سائنات کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیشین گوئی قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اس وقت کی مخاطب دنیا کا محافظ رکھا گیا اور جودن کے اجالے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدوق کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ "س"

یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں، صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلبہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا۔ تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں۔

نظام فلکی | پھر ان تفاسیر میں اگر بطلمیوس اور فیثاغورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہ بن عباس جیسے جبرالامت صحابی اور عطارین ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضرہ کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر، زہرہ، عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فالوسوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ جاندار ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا ان کے نیچے ہیں انگوٹھی میں ہیرے اور تختی میں میخ کی مانند ٹھہرا کر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ لایحول علیہا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۱، ۸، ۱۰-۱۲) اور دیگر تفاسیر۔ قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمانوں کو ایک محفوظ چھت قرار دے کر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے۔

آسمانوں کا وجود | رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود، ان کا تعدد، ان کا ذمی جرم ہوتا، ان میں دروازوں اور گزرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے، کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سبب تک رسائی ہو جانے سے یہ رعبے کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی

تفصیل اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے۔ کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر سے گزرا تھا کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود غلام ہے جس کو پانٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ الغرض ایک چاند تو کیا تمام سیارے بھی ہماری کند میں آجائیں تو کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کے بارے میں اسلام کے کسی دعویٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

اسلام نے کبھی بھی سائنسی اور کائنات کی ان لامحدود وسعتوں میں غیر اقوام کی ترک مادی ترقیات سے نہیں روکا۔ تازیوں کو دیکھ کر یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا بہت سے لوگ اس میدان میں مسلمانوں کی سپاندگی کا الزام لے چارے اسلام کے سرکھونپنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اس طبقہ کی ذہنی پستی اور فکری غلامی کا نتیجہ ہے جسے وہ بڑی عیاری اور چالاکي سے اب اس اسلام کا سر مونڈھنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا ذہنی وفکری اور عی رشتہ صدیوں ہوئیں کاٹ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے سائنسی اور مادی ترقی اور تیز رفتاری کوششوں سے ہمیں کب روکا تھا؟ اسلام کی ترجمانی کرنے والے علماء اور راسخین نے کب آپ کا ہاتھ روکا ہے؟ اسلام ان بے مایہ ادیان اور مذاہب، عیسائیت اور پاپائیت جیسا نہ تھا کہ ان میں عصری تقاضوں اور سائنسی انقلاب کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی اور یورپی اقوام کو سائنسی انقلاب کے لئے اپنے مذاہب کے ہاتھوں آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا بلکہ وہ ہر دور کے چیلنج کا مجسم جواب رہا اور قیامت تک رہے گا۔ پھر کیا ایک بھی مثال اسلام کی پچودہ سالہ تاریخ سے پیش کی جاسکتی ہے کہ اس نے علم و تحقیق ایجاد و اختراع اور مادی ترقی کو پابجولاں کر دیا ہو۔ یہ سیاہ تصور اگر ہے تو یورپ کے کلیسائی نظام کی ہے اسلام کی نہیں۔

مسلمانوں کے تحلف پس طبعیاتی علوم میں مسلمانوں کا تحلف اگر ہے تو اس کی ذمہ دار کے اصل ذمہ دار۔ یورپ کی وہ اندھی تقلید ہے جو ہماری نظر انتخاب صرف وہاں کی

فحاشی، عیاشی اور دیگر خرابیوں پر ہی ڈالتی ہے مگر علم و تحقیق اور سائنس کے میدان میں ہاتھ پائی توڑ کر اور کاسہ گدائی سے کہ ہم صرف ان لوگوں کے چبانے اور اگلنے پر اتفاق کرتے ہیں جنہیں آقا یاں مغرب اگل کر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر مذہب سائنسی ہمیں ان ترقیات سے

روکتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے عالمین مذہب کو ازکار رفتہ قرار دے کر مذہب کا جوا اپنے گھلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی قوتیں مغربی نظام تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے اوزار اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں تو درحقیقت ہماری پس ماندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے خرد پر اپنا مذہب، اپنا ورثہ اور اپنی فکری قوتیں بھی چڑھا دیں اور اس کے بدلے میں مغرب سے ایک ناقص اور جامد نظام تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں ہمیں سوائے ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے کلرکوں، سترلوں اور اس کی تہذیب و معاشرت میں نقالی کرنے والے بہرہ و پیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظام تعلیم سے ہمیں ذہنی آوارگی یورپ کی مرغوبیت، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی مگر ایجاد و اختراع، تحقیق اور دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جدوجہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہوگی۔ ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کوئی مشکلات ختم ہو جائیں گی اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ ان اقوام کی انسان دشمنی، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں۔ عالمی ٹرائیول کی مثال تالیے سامنے ہے۔ تسخیر قمر کی اس جدوجہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کارفرما ہیں یہ لوگ ایک ایک تجر بہ پیکٹی کھرپ روپے پھونک رہے ہیں مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں مچھلنے والے اور جنگ کی جھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بنیادی ضروریات فراہم کرنے کے لئے سائنس کے پاس وہ کونسا نسخہ کیمیا ہے جسے اب ستاروں اور آسمانوں پر آزمایا جا رہا ہے۔ پھر اس دوڑ دھوپ کا مقصد ایک روپیہ پہ بالادستی اور برتری ہے تو اس وسیع اور لامحدود کائنات اور ریت کے فرات کے پیرامیٹر میں

کے ہوتے ہوئے یہ مقابلہ اور دلیس آخر کہاں جا کر ختم ہوگا؟ کوئی مانے یا نہ مانے مگر انسانیت کی فلاح کامیابی اور امن و سکون کا حل صرف مذہب کے پاس تھا اور یورپ نے بڑی عیاری سے اس کا رخ ایک نہ ختم ہونے والی مادی عیاشی کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ جلد از جلد یہ عالم اپنے انجام تک پہنچ جائے۔ گویا خدا کی دمی ہوئی شہادت اب پوری ہو اسی چاہتی ہے کہ اقتربت الساعة والشق المقدر اور قریب ہے کہ وقت موجود کسی بھی وقت انسانوں کے اوپر بھپٹ پڑے۔

لَا يَجْلِيهَا لَوْ قَتَهَا الدَّهْوُ تَمَلَّتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَدَاتِيكُمْ الدَّيْخَةُ
(جولائی ۱۹۴۹ء)

سائنس یا سامانِ ہلاکت

یورپ کے خلائی تسخیری کارناموں اور سائنسی ترقیات، پھر اس کے ساتھ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا جذبہ اور اس جذبہ کے تحت اسلحہ کی بے تحاشا دوڑ — یہ سب چیزیں نگاہ میں رکھیے اور پھر ذیل کی تازہ خبر پڑھ کر ان ہلاکت خیز لوگوں اور تباہ کاریوں کا تجربہ لگائیے جس کی طرف زمین کے باشندے ان کی ترقیات کی بدولت دوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ امریکہ کے بیس میگاٹن بم کے بارہ ہیں خود امریکی سائنس دان لینس یا لنگ کا کہنا ہے کہ اس کی تباہ کاری ایٹم بم سے سینکڑوں درجہ شدید ہے۔ اس کے موجودہ ذخیرہ کا عشر عشیر ۱/۱۰ حصہ چٹم زون میں ستر کروڑ انسانوں کو متاعِ حیات سے محروم کر سکتا ہے۔ اس بم کے پھٹنے سے تقریباً سو سو کلومیٹر کی نظروں تک زمین آگ اگلتی نظر آئے گی اور بالفاظِ دیگر زمین خود جہنم بن جائے گی۔ (مارچ ۱۹۷۹ء)

پستی اور بلندی

تصویر کے دونوں رخ ایک ہی صفحہ پر

- ایس چہ شور لیست کہ در دور قمری بہنم ہمہ اوقات پر از فتنہ و شرمی بہنم
- خلا بازوں نے چاند پر اتر کر تجربات شروع کر دیئے۔
- چاند کو دوسری بار اشرف المخلوقات کی قدم بوسی کا شرف۔
- ہم بالکل ٹھیک ہیں، زمین کے قریب ترین کمرہ پر اترتے ہی امریکی خلا بازوں کے خوشی کے نعزے
- دونوں خلا باز آج پھر چاند پر چہل قدمی کریں گے۔

یہ ۱۹ نومبر ۶۶ء کو چاند کی سطح پر اترنے والے امریکی خلا بازوں کی دوسرے فاتحانہ کارنامے کی خبروں کا متن ہے۔ یہ گزشتہ سہ ہفتے کا یہ متن ہے اس لیے پناہ خوشی کے غماز ہیں جو سب کا طور پر ”اشرف المخلوقات“ کے اس عظیم کارنامہ پر پستی نوع انسان کو حاصل ہو رہے ہیں۔ بیشک مادی دنیا میں بلندی کی یہ انتہا ہے، مگر کیا واقعی انسان بلند ہو گیا؟ اور اس نے ترقی کر لی؟ اس کا جواب قدرت نے اسی دن کے اخبارات میں بلندی کی فاتحانہ خبروں کے پہلو بہ پہلو دے دیا۔ میرے سامنے جنگ ۲۰ نومبر کا پہلا صفحہ ہے۔ فخر و مسرت، غرور اور تکبر سے لبریز اس خبر کے بالکل متصل تھوڑا سا نیچے اخبار کی دوسری بڑی سرخی پڑھیے کہ بلندیوں کا پورا اندازہ پستیوں کو دیکھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ امریکیوں نے (ہتھیاری نہیں چاند کو دوسری بار قدم بوسی کا شرف دینے والی اشرف المخلوقات) جنوبی دیت نام کے ایک گاؤں کے، ۵۶ ہتھ مردوں، عورتوں اور بچوں کو مشین گنوں سے اڑا دیا۔ انہوں نے گاؤں کے تمام لوگوں کو مکانات سے باہر نکالا اور ایک میدان میں جمع کر کے تمام

علم حکمت کی یہ تمام کامیابیاں اسباب کے درجہ میں ہیں اور اسباب کا موثر ہونا موثر حقیقی ہونے کے ہاتھ میں ہے اور جب اجل موعود اور وقت مقررہ آجائے تو تمام کوشش بے کار اور اسباب جلوہ سراب بن کر رہ جاتے ہیں بقول کے ۔

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں قلم دست کاتب میں جیسے رہے
جس وقت تک خدا نے چاہا تو کوئی دشمنان کی زندہ رہا اور یہ زندہ رہنا علم و سائنس کا
منت پذیر نہ تھا جب دونوں کے مابین چاہا تو سائنس و حکمت کی تمام
جدوجہد کے باوجود اٹھارہ روزہ کشمکش موت و حیات کے بعد اس نے دم توڑ دیا۔ انسان آج
بھی موت کے ہاتھوں ایسا ہی مجبور و بے بس ہے جتنا آغاز تخلیق میں تھا۔ بڑے سے بڑا
سائنس دان اور فلسفی اس راہ میں عاجز و تقصیر کے اعتراف پر مجبور ہے۔ سینکڑوں برس پہلے
امام الفلاسفہ ابن سینا نے اسی حیرت کے عالم میں کہا تھا ۔

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل کر دم ہمہ مشکلات عالم را حل
بیرون جہنم ز قید مکر و حیل ہر بند کشودہ شمار نگر بند اجل

بے نور دلوں کا علاج کیا اچھا ہوتا اگر یورپ کی سائنس اور سر جرمی مردہ قلوب میں حرارت
حیات دوڑانے کی بجائے عصر حاضرہ کی تاریک دلوں کو انسانیت اور ایمان سے روشن کرنے میں کچھ
مدد دے سکتی۔ دور جدید کا انسان تو چلتا پھرتا لاشہ رہ گیا ہے۔ سچائی اور صداقت، انسانی اقدار اور ابدی
حقیقتوں سے تہی دامن اور ایمان کی روشنی سے خالی دل زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ پھر مغربی تہذیب
کا اپنا دیس تو عجیب محفے میں ہے۔ وہ خود بلکہ اس کے ہاتھوں پوری انسانیت خودکشی اور موت
کے چور ہے پر کھڑی ہے۔ وہ چور ہا جسے چاروں طرف سے مادیت اور زندگی، حرص و شہوت
خود غرضی اور لالچ، بے چینی اور اضطراب، مایوسی اور زندگی سے فرار نے گھیر رکھا ہے۔

انسانیت کو کوئی دشمنان کی کے دل پر خوشیاں منانے والو تم نے ان ظالم اور
خودکشی سے بچائیے ”مظلوم دلوں“ پر بھی کوئی توجہ دے جس کا ذکر انہی دلوں اخبارات
میں آیا۔ ان میں ایک تو فوگولینڈ کی ایک شقی القلب ماں محقی جس نے اپنے تین سالہ بچے کا دل
نکالا اور ٹماٹر میں اسے پکا کر کھالیا (جنگ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۷ء) اور دوسرا برطانیہ کے ساحلی

انسانیت دشمنوں کی کمندیں چاند تاروں پر

جن قوموں نے اس عالم سفلی کو اپنے شر و فساد سے بھر دیا تھا۔ اور پوری انسانیت جس کی ہلاکت آفرینیوں سے نالاں ہے۔ اب وہ اپنی کمندیں چاند اور ستاروں پر ڈال رہی ہیں۔ امریکی خلائی سیارہ ۵ کا تازہ کارنامہ سائنسی اور فنی لحاظ سے کتنا بھی اہم اور قابل تحسین کیوں نہ ہو؟ مگر جن لوگوں نے پوری زمین کو اپنی لیڈری اور قیادت کی خاطر جہنم کد بنا دیا ہے۔ ان کی یہ کامیابی حقیقی مسرت کی سزاوار اس وقت تک نہ ہوگی جب تک اس خلائی تسخیر کو انسانیت کی فلاح و بہبود اور امن عالم کا ذریعہ بنا دینے کی ضمانت نہ ہو۔ بظاہر تو خطرہ ہے کہ یہی کھیل جو علم و حکمت سے زیادہ دولت اور سیاست کے بل بوتے پر کھیلا جا رہا ہے پوری انسانیت کی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ بن جائے۔ سائنس اور ایٹمی کارناموں ہی کے سہارے یورپی اقوام کی اب تک کی تاریخ غمناک رہی ہے۔ کہ غالباً خلائی تسخیر کا یہ حیران کن مرحلہ ارشادِ خداوندی اقتربت الساعة والنشق القم کا ظہور ہوگا۔

دل کا پریش

آج کل کے اخبارات میں جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کے ایک مریض مٹر لونی وٹکانسلی کا چرچا ہے جس کا مریض دل ڈاکٹروں نے نکالا اور دنیا کی تاریخ میں پہلی بار اس کے سینہ میں ایک نوجوان عورت کا دل نصب کیا گیا۔ بلاشبہ سائنس اور ترقی کی تاریخ میں یہ ایک ہلکا واقعہ ہے، مگر اتنی غوغا آرائی کا مستحق نہیں کہ گویا انسان نے موت پر قابو پا لیا ہو۔ ہماری

دیہاتیوں کو بھون ڈالا۔ سچتہ مکانوں کو ڈائنامیٹ سے لٹا دیا، لکڑی کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ امریکی فوجی جیب گشت پر نکلے ہیں تو دیہات کی عورتوں کو اغوا کر کے ان کی بھری آبروریزی کرتے ہیں اور مزاحمت کرنے والوں کو یا تو قتل یا ان سے انتہائی وحشیانہ سلوک کرتے ہیں۔ اور یہ تو ایک ہلکی سی جھلک ہے ورنہ پوری تصویر تو آئے دن پورے اخبارات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اتنی بلندی اور اتنی پستی؟ اللہ اکبر۔ ایسی قوم انشرف المخلوقات نہیں ارذل خلافت ہے۔ انہوں نے چاند کو شرف قدم بوسی نہیں بخشا بلکہ اسے اپنے ذیل ترین قدموں سے آلودہ کر دیا۔ یہ قدم وہاں اس لئے پڑے ہیں تاکہ مستقبل میں زندگی کا ذیل کھیل چاند کی پہنائیوں میں بھی کھیلا جاسکے۔ ۲۰ نومبر کے اخبارات کے ایک ہی صفحہ پر امریکی قوم کی تصویر کے دونوں رخ آگئے ہیں۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ اسے مبارک یاد کہتے ہیں یا اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (دسمبر ۱۹۴۹ء)

برٹریٹڈ رسل کا معنی خیز مشورہ

مشہور برطانوی فلسفی لارڈ برٹریٹڈ رسل نے تسخیر حیات کی مہم پر تبصہ کرتے ہوئے کہا ہے:-
یہ مہم انسانی قوت کی عظمت کے اظہار سے زیادہ دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے..... ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اہم بات یہ نہیں ہے کہ چاند کی تسخیر کی جائے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کے مقابلے میں پہلے چاند پر پہنچ جائیں
لارڈ رسل نے ایک معنی خیز مشورہ بھی دونوں بڑی قوموں (امریکیہ اور روس) کو دیا ہے کہ
تم زمین پر ہی ایک دوسرے کو نہایت سستے داموں ہلاک کر سکتے ہو کیونکہ خلائی سفر جیسے
بہت ہنگامے طریقے پر ایک دوسرے کو تباہ کرنا چاہتے ہو (اگست ۱۹۴۹ء)

علاقہ ڈیلوز کا انسان نما عاشق تھا جس نے محبوبہ کو ورغلا کر اسے قتل کیا۔ اس کی لاش سمندر میں بہائی اور اس کا دل المونیم کے برتن میں جلایا۔ جب دل پوری طرح بھین کر خاک ہو گیا تو اس نے دل کا سرمہ آنکھوں میں استعمال کیا۔ اور یہ کیوں؟ پولیس کو بیان دیتے ہوئے ملزم ایڈورڈ ریڈ نے کہا میں نے سنا تھا کہ اس طرح سرمہ استعمال کرنے کے بعد عورتیں دیوانہ وار میری طرف بھاگ آئیں گی (جنگ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۲ء) یہ وحشت اور بربریت، یہ سنگدلی۔ یہ ہوں جوانی یہ قتل و فساد، یہ شراب و زنا کاری کیا تمہاری سائنس و حکمت اس کے سامنے بالکل لاچار اور بے بس ہے۔

یورپ کے دانشورو! ممکن ہے تم آکسیجن اور الیکٹرک کے ذریعہ مردہ دلوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحرک رکھ سکو۔ مگر انسانیت اور رحمدلی سے عاری ان بے نوردلوں کا تمہارے پاس کوئی علاج نہیں اور یہ اس لئے کہ خود تمہارا باطن بایں ہمہ علم و دانش تاریک اور مضطرب ہے۔ ایمان و یقین اور تصور آخرت جس سے مردہ دلوں کی میحانی ہوتی تھی اور ابڑے ہوئے دل آباد اور معمور ہوتے تھے۔ اس دولت کو تو تم نے پامال کر دیا اور تمہاری ہی تقلید میں دنیا کی دوسری قومیں اور مسلمان تک بھی اس دولت سرمدی کو گتوار ہے ہیں اور اب ایمان و یقین کی روشنی سے خالی دلوں کا انجام تمہارے سامنے ہے کہ تمہاری ایک ہی ریاست مغربی جرمنی میں ہر گھنٹے ایک شخص خودکشی کر رہا ہے اور سال بھر میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہے (۲۱ دسمبر ۱۹۶۲ء کے اخبارات بحوالہ رومن کیٹھولک نیوز ایجنسی) اور امریکہ سمیت یورپ کے دیگر علاقوں میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئے ہے۔ لونی و شکانسکی کے دل کو جوڑنے والو کبھی تم نے سوچا کہ تمہاری اس ملعون دھرتی پر اتنی تعداد میں اپنے ہاتھوں دلوں کو چیرنے کے اسباب کیا ہیں؟

منح باطنی کے بعد جسمانی منخ

یورپ کے بعض ڈاکٹروں نے تبدیلی قلب کے سلسلہ میں یہ توقع بھی ظاہر کی ہے کہ عنقریب انسان کے سینہ میں انسانوں کی بجائے سور اور بندر کا دل بھی نصب کیا جاسکے گا کیونکہ سور اور

بندر کو انسانی قلوب سے زیادہ مناسبت ہے۔ اس کے ساتھ بعض ڈاکٹروں کا یہ تاثر بھی ملحوظ ہے کہ نئے دل کا انسان کی نفسیات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ انسان کا رشتہ تخلیق بندر سے ملانے کا سہرا بھی یورپ کے سر تھا۔ ڈارون نے اپنی کتاب اصل الانواع میں انسانوں کو بندروں کی اولاد قرار دیا۔ چودھویں صدی کی تہذیب نے اپنے حیوانی فلسفوں اور طور طریقوں سے انسان کے باطل کو سوڑا اور بندروں کے سانچے میں ڈھال دیا اور اس مسخ باطنی کی رہی یہی کسر اس ظاہری اور جسمانی مسخ سے پوری ہو جائے گی۔ بیسویں صدی کا انسان جسے نیا ض ازل نے احسن تقویم اور کرامت غظمی کی دولت سے نوازا تھا اپنے اعمال و کردار کے ہاتھوں دوبارہ اسفل السافین کی طرف لوٹ رہا ہے۔

انسان نما حیوان اور مغرب کے انسانی قلوب کا سوڑا اور بندروں سے مناسبت
 سوڑا بندر کے دل کے بارہ میں ڈاکٹروں کی رپورٹ کی تائید مفضوب اور ذلیل
 اقوام کی تاریخ سے بھی ہو سکتی ہے۔ ان کی سرکشی، دنیا طلبی اور حق و دشمنی نفسیاتی خواہشات کی پیروی اور حیوانیت جب حد سے تجاوز کر گئی تو خدا نے انہیں بندروں اور سوڑوں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا اور انہیں شیطان کا غلام بنا دیا تھا جس کی بغیر خدا نے ان الفاظ سے دی ہے
 وجعلنا منہم القردة و الخنازیر و عید الطاعنوت اولئک شر مکات و اضل
 عن سواء السبیل (اور ہم نے ان میں سے بعض کو بندر بنا دیا اور بعض کو سوڑا اور
 طاغوت کے بندے۔ یہ لوگ بدتر ہیں۔ درجہ میں۔ اور بہت بہکے ہوئے ہیں سیدھی
 راہ سے) کیا آج کی مادہ پرست قومیں اخلاق و کردار کے لحاظ سے سوڑا اور بندروں سے
 بڑھ کر نہیں ہیں؟ اور کیا انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا رب نہیں بنایا؟ کیا وہ زندگی
 کا مقصد صرف حیوانی خواہشات کی تکمیل نہیں سمجھتیں؟ پس جبکہ ہر انسانی مجدد و شرف سے
 محروم کرتے اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی چیز طاغوت ہے تو ان کے عہد الطاغوت ہونے
 میں کونسا شبہ رہ گیا ہے اور جبکہ اغراض حیوانی کی تکمیل میں حلال و حرام، شرم و حیا، عفت و
 عصمت، ظلم و انصاف اور دیگر تقاضوں کا لحاظ نہ کرنا، سوڑوں اور بندروں کی جبلت ہے تو ان
 کے اعضاء اور جوارح سے عہد جدید کی ترقی یافتہ انسان کے جسم اور جوارح کی مناسبت کیوں نہ ہوگی؟

جنوبی افریقہ اور یورپ میں آج کل دل کی تبدیلی کے آپریشن ہو رہے ہیں۔ اس معاملہ کی شرعی حیثیت سے قطع نظر جہاں تک سائنسی ترقیات، متنوع انکشافات اور سرجری کے مجر العقول کا زناموں کا تعلق ہے۔ اگر ان کے استعمال سے کسی شخص کے دینی، اخلاقی اور جسمانی یا مادی حقوق پائمال نہ ہوں اور وہ حقیقی معنوں میں انسان کی خدمت کا ذریعہ بنیں تو اسلام کو ایسی سائنس و تحقیق پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ وہ مسلمانوں کو اس میں کمال حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

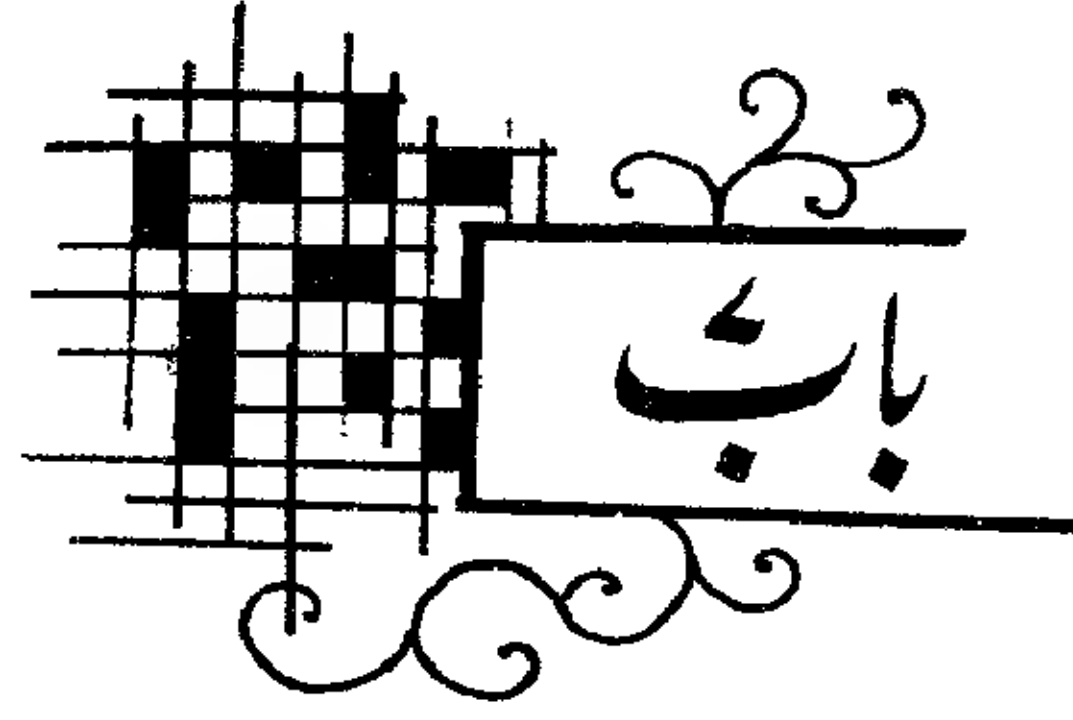
سائنس سے انخلاء غیب | آج کی سائنس درحقیقت عالم غیب کے بارہ میں اسلام اور معجزات کی تائید کے ان اعتقادات کی تائید اور معجزات و کرامات کے

ان خرق عادت مثالوں کی تصدیق کر رہی ہے جس کا ظہور انبیاء کرام اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے ہاتھوں ہوا اور علوم نبوت اور تعلیمات اسلام سے بے بہرہ عقل اور مادہ کی پیروی کرنے والے حضرات اب تک اس کے ماننے پر تیار نہ تھے۔ مثال کے طور پر اسلام نے اعتقاد کا یہ مسئلہ پیش کیا کہ قیامت کے دن انسان کے تمام اعضاء اپنے اپنے اعمال و افعال کی شہادت دیں گے۔ لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی مگر آج کے گراموفون اور ٹیپ ریکارڈر نے بندگان مشاہدہ کو اس کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ اگر لوہا اور سیاہ رنگ کا فیٹہ بول سکتا ہے کہ جس خدا نے زبان کو گویائی کی طاقت دی۔ وہ بدن کی کھال اور ہڈیوں کو بھی گویا کر سکتا ہے۔ امت مرحومہ کے عقیدہ معراج جسمانی سے مادہ پرستوں کی عقل انکار کرتی رہی۔ آج کے خلائی اور سیاراتی کارناموں، جہاز، راکٹ اور میزائل نے تصور معراج کو تجربہ اور مشاہدہ کی حدود میں لاکھڑا کیا۔ اس طرح اسلام کے وزن اعمال کا مسئلہ کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال و اقوال تو لے جائیں گے۔ آج کے سائنسی اوزان اور ترازوں کے ذریعے لطیف سے لطیف اشیاء حرارت، برودت اور ہوا تک کو تولد جادہ ہے۔ یہاں تک کہ ہر منی میں انسانی، اخلاقی اور احساسات معلوم کرنے کے آلات بھی ایجاد ہو چکے ہیں اور وزن اعمال کا مسئلہ عقل و فہم کے قریب ہو چکا ہے۔

اگر حضرت عمر فاروقؓ کی آواز کا سینکڑوں میل کی مسافت پر پہنچنے پر استبعاد ہے تو ہزاروں میل سے، بیڈیو، وائرلیس، ٹیلی ویژن کے ذریعہ اصوات اور تصاویر کے منتقل ہونے سے

اس کرامتِ فاروقیؓ کی تصدیق ہو جاتی ہے یہی حال حضورؐ کے معجزہٴ شوقِ صدر کا ہے حضورؐ کا سینہ مبارکؑ کی ہونے کے واقعہ سے عصرِ حاضر کے فلاسفوں کو اگر اچھنپا ہو سکتا تھا تو آج کی سرجریِ دل، جگر، گردوں اور دیگر اعضائے ربیسیہ کے آپریشنوں کے ذریعہ حضورؐ کے شوقِ صدر کے بارہ میں سچے اخبار اور دیگر غیبی معانی اور حقائق کی تسلیم پر دنیا کو مجبور کر رہی ہے۔ گو مسلمانوں کے نزدیک ان غیبی حقائق کی تصدیق اور ایمان کے لئے کسی سائنس اور مشاہدے کی ہرگز ضرورت نہیں جس ذات نے حقائق و خواص اشیاء کی پردہ درمی کی۔ صلاحیتیں انسان کو عطا فرمائیں۔ کیا وہ خود اس کائنات اور اس کی مخلوقات میں تمام اسباب و عادات کو توڑ کر ہر قسم کے تصرف پر قادر ہوگا

غیر انسانی اور | تبدیلیِ دل کے آپریشن پر تاثرات اور ردِ عمل کے ضمن میں بعض ماہر غیر اخلاقی | ڈاکٹروں نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ مرنے والوں کا دل ایسے حال میں نکال دیا جاتا ہے کہ اس میں زندگی کی رمق اور آثار قائم رہتے ہیں۔ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا ڈاکٹر برنارڈ نے بھی دی زبان سے اعتراف کیا ہے تو یہ کارنامہ سرجری کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہونا چاہیے۔ زندگی ایک لحظہ کی کیوں نہ ہو۔ بہر حال زندگی ہے اور ہر انسان کو دوسرے کے ہزار سال سے اپنی زندگی کا ایک لمحہ عزیز ہوتا ہے۔ ایک کی متوقع زندگی کے لئے دوسروں کی زندگی کا ٹٹا تا چرائے جلدی سے بچا دینا ایک غیر اخلاقی اور خود غرضانہ حرکت ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے تو اس مقصد کے لئے مردہ دلوں کو کام میں لایا جاتا ہے تو شرعی حیثیت سے قطع نظر پھر بھی انسانی اور اخلاقی لحاظ سے یہ معاملہ غور طلب ہے مگر اخلاقیات نام کی کوئی شے یورپ کی منڈیوں میں عنق ہے۔



فرق باطلہ کا تعاقب علمی و دینی فتنے

تأویات
منزل به منزل تعاقب

قادیانیت

ایک شجرۂ خبیثہ

”قادیانیت“ مسلمانوں کے لئے ایک ایسا ”شجرۂ خبیثہ“ ہے، جس کی جڑیں کبھی بھی عقل و دانش کی زمین میں جگہ نہیں پکڑ سکیں لیکن جبل و تلبیس، ملتے سازی اور فریب کے بل بوتے پر اس کی شاخیں کبھی کبھی بھیلنے لگتی ہیں اور خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ دینِ قیم کے صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لئے یہ خاردار بھاڑیاں اور کانٹے راہِ حق سے بھٹکنے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ چند دنوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ محمد مصطفیٰ علیہ السلام (بابا ناہو و اروا) سے بغاوت اور ملتِ محمدیہ کو اپنے مرکز سے ہٹانے کی یہ تحریک ایک بار پھر پرزے نکال رہی ہے، اس کی سرگرمیاں ملک و بیرون ملک میں تیز تر ہو گئی ہیں۔ اس انگریزی نبوتِ کا فہر کا پرچار پمفلٹوں، کتابچوں اور رسائل کے ذریعہ کیا جا رہا ہے تعلیم یافتہ طبقہ، دینی ادارے اہم شخصیات اور تعلیمی مراکز اس لٹریچر کا خاص نشانہ ہیں۔ خود ہمارے ہاں پچھلے دو ایک ہفتوں میں اس قسم کے چالیس پچاس رسائل اور پمفلٹ موصول ہوئے جو اول سے آخر تک اس بھوٹی نبوت کی تبلیغ اور بالفاظِ دیگر کفر و ارتداد کی دعوت اور مرزا ”قادیانی“ کے دعاوی باطلہ سے لبریز ہیں۔

یہی حال عصری کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ہے۔ پشاور یونیورسٹی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کفر و ارتداد کا یہ مسلم آزاد لٹریچر نہ صرف لائبریریوں بلکہ کلاسروں اور مختلف ہاسٹلوں تک پہنچ کر خالی الذہن اور سادہ لوح طالب علموں کے ذہنی انتشار و فکری بے چینی اور دین و عقیدے کے تذبذب کا باعث بن رہا ہے۔ اس ملک کے باشندے جو عمل و کردار کی ساری خامیوں کے باوجود ذاتِ رسالتِ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

والہا نہ عشق رکھتے ہیں، اور جن کا ایمان ہے، کہ دامن مصطفیٰ کا چھوٹ جانا ضیاع دین دایمان اور سراسر ہلاکت و خسار ہے، اُن کا عقیدہ ہے کہ اس دانائے سبل، ختمِ رسل کے سایہ رحمت کے سوا کوئی دوسرا ایسا سہارا نہیں مل سکتا۔ جو انہیں ابدی سترتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کی ضمانت دے۔ اگر اس رحمتِ عالمین کی ذات کو پہنچ سے ہٹا دیا جائے، تو یہ دنیا تو سراسر شیطنیت۔ سرتاپا ظلم اور سراپا اندھیرہ جائے گی۔

خدا سے بھٹکی ہوئی انسانیت جو اس وقت جہنم کے دہانے پر کھڑی ہے، یہ انسانِ نادرندے، یہ تہذیبِ ناجیوانیت۔ یہ بظاہر خوش رنگ مگر درحقیقت سراسر تعذیبِ تہذیبِ مغرب، یہ ظلمتِ کدہِ عالم؟ — اشد اکبر

خاکم بدین، اگر خدائے لایزال کی وہ آخری روشنی جو محمد عربی علیہ السلام کی شکل میں تجلیگا رہی ہے، وہ ہدایت کا سراجِ منیر، تعلیماتِ ربانی کا نیرِ تاباں اور انسانی فلاح و نجات کا مناد، اگر دنیا اس نورِ مبین کی کرنوں سے محروم ہو جائے تو پھر اس دنیا کی ظلمت و بد بختی اور چنگیزیت کا کیا عالم ہوگا۔ پھر کون سا ذی شعور اور حساس مسلمان ہوگا جو اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے دامنِ عاطفت سے نکال کر کسی مسیح و تباہی کی بوجہل اور ابولہب کے رحم و کرم پر چھوڑ دے کہ صلی گمراہی و رسیدی تمام بولہبی است۔

محمد ہمارا ایمان، محمد آبروئے ہر دو جہان، محمد ہمارا شان اور آن ہے (صلوات اللہ علیہ) دین و دنیا کی سرخسروئی اور شہنشاہی قیامت تک اسی کی چوکھٹ کی غلامی سے وابستہ ہے، اگر کسی کو اس کی غلامی سے علیحدہ ہے تو اس کے سر پر خاک ہے

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سراست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او
مسلمان کا شیوہ ہے اور تازہ بخ اس پر شاہد، کہ جان جائے تو جائے مگر مدنی آقا کی
شان پر حوت نہ آئے، وہ محمد عربی کی ناموس پر متاع ہر دو عالم قربان کرتا ہے، اور پھر بھی اس
سودائے عشق کو سراسر نفع ہی سمجھتا ہے کہ

اے تمام نفع ہے سودائے عشق میں اک جان کا زیباں کسوا ایسا زیاں نہیں

وہ اس ابروئے کائنات کے چشم و ابرو پر دنیا و مافیہا نثار کر دیتا ہے۔ اس کی کہی ہوئی بات اس کے اعمال و افعال اس کی تعلیم و کردار کی حفاظت اس کی زندگی کا مقصد اقلین و انہیں ہے۔ وہ تیروں کی بوجھاڑ سے بے نیاز ہو کر تلواروں کے وار جان و جگر پہناتا ہے کہ علم محمدی سرنگوں نہ ہونے پائے، وہ جب تک اپنے آپ کو خواجہ شرب کی عزت پر کٹ مرنے کو تیار نہیں پاتا اپنے ایمان کو ناقص سمجھتا ہے۔ ان احساسات اور جذبات کے ہوتے ہوئے جن کا اندازہ بدترین دشمنوں کو بھی ہے، کوئی مسلمان اپنے نبی کی اس حریف و رقیب جھوٹی نبوت پر کب خاموش رہ سکتا ہے جسے انگریز نے محض سیاسی اغراض کے لئے مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیا تھا۔

پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ نبوت محمدی علی صاحبہا السلام کے متوازی ایک باغی نبوت کو اپنی سرگرمیوں کے لئے کھلے بندوں آزادی دے دی جائے اور وہ مسلمانوں کے ایمان و اسلام پر ڈاکے ڈالتی پھرے، وہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے ان کی غیرت و حمیت کو لٹکا رہے اور سادہ لوح غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دے کر رحمت عالمین کے سایہ رحمت سے نکل کر ایک خرد بانہ تبتی کذاب کا طوق غلامی پہن لو اور پھر یہ کہ وہ غیر مسلم اقوام کے سامنے اپنے مسلم آؤ لٹریچر کے ذریعہ رسول اللہ اور دیگر انبیاء کو کم کر دینا، گو تم بدھ، کنفیوشس اور زرتشت کے برابر ایک روحانی رہنما بنا کر پیش کرے، اور اس طرح وہ علی رؤوس الاشہاد رخاں بدین تاجدار رسالت کی عظمت و برتری کو مجروح کرنا چاہے۔

۱۰ ملاحظہ ہو لندن سے شائع ہونے والا تحریک احمدیت کا آرگن "مسلم ہیرالڈ" بابت نومبر ۱۹۶۶ء بحوالہ البعث الاسلامی۔ ساتھ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اسلام تمام ادیان کے بقا اور وحدت اور باہمی مصالحت کی تاکید کرتا ہے۔ اس پرچہ میں سرخضر اللہ خاں کی ایک تقریر بھی انہی امور پر مشتمل درج ہے، جو انہوں نے عبادت گاہ تفاہم کا افتتاح کرتے ہوئے کی۔

پھر اس ”سعیارِ نبوت“ کے علمبرداروں کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ بھرے جلسوں میں وہ مسلمانوں کے محبوب رہنماؤں اور ناموس محمدیؐ کے جان نثار سپاہیوں پر آوازے کتے ہیں اور اپنی مذہبی حرکات میں مسلمانوں کی غیرت کو لٹکا کر کہتے ہیں کہ:۔

”کہاں گئے تمہارے عطاء اللہ شاہ بخاری، ثناء اللہ امرتسری، ابوالحسنات اور مجلس احرار جو ہماری مخالفت کیا کرتے تھے۔ وہ سب ختم ہو گئے اور ہم باقی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سچے ہیں“

مگر ان بے مایگان عقل و غرور کو کون سمجھائے کہ کسی عقیدہ کی حقانیت اور سچائی کا معیار کسی کی ہمیشگی اور غلو و نہی سچائی کسی راست باز انسان کے مرجع جانے سے ختم نہیں ہو جاتی۔ پھر تو دنیا میں کسی سچائی کا وجود باقی نہ رہے گا۔ مرزا تو سب ہی کو ہے کیا، انبیاء، کیا اولیاء، کیا صدیقین اور کیا شہداء۔۔۔ اور کیا فرعون و ہامان اور کیا ابوبہل والولہب اور کیا امت محمدیؐ کے دجالین و کذابین۔ یہ انگ بات ہے کہ کسی کی موت پر ملازم اعلیٰ میں بہار آجاتی ہے، انوار و برکات کے دریا موجزن ہو جاتے ہیں، ملائکہ اور خوروں کے بھر مٹ میں اس کی بارات آسمانوں تک پہنچتی ہے اور کسی کے مقتدر میں اس وقت خود کے لئے کوئی غلیظ بیت الخلاء ہوتی ہے کہ فرشتے بھی اس کی بدبودار روح کو نکالتے ہوئے الامان والحفیظ کی صدائیں لگائیں۔۔۔ اشخاص فانی ہیں، مگر سچائی زندہ جاوید۔۔۔

کیا مسلمانوں کے دل سے عقیدہٴ نبوت کی عظمت ختم ہو چکی ہے؟ کیا جہور اہل اسلام مرزا انجہانی کو پیغمبر تو کیا مسلمان تک ماننے لگے ہیں؟ یا مرزائیت سے نفرت کا جذبہ مسلمانوں کے دلوں سے نکل چکا ہے؟ ہرگز نہیں۔ گو آج انور شاہ کشمیری، عطاء اللہ شاہ بخاری اور

۱۔ معاصر ”خدام الدین“ راوی ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ قادیانیوں کے رسوائے عالم لیڈر سر ظفر اللہ خان نے قادیانیوں کے حالیہ سالانہ جلسہ منعقدہ ربوہ میں کہے۔

شمار اللہ امر تسری ہم میں نہیں مگر مسلمانوں کے منبر و محراب، ہر مدرسہ و خانقاہ، ہر مجلس و محفل سے
ان اکابر کی روح بول رہی ہے۔ اور ہر مسلمان کے دل میں وہ آگ لگ رہی ہے جسے ان
اکابر نے روشن کیا تھا یہاں ہم اس دریدہ دہن کی خدمت میں صرف یہ عمر پیش کرنے
پر اکتفا کریں گے۔

مت سوچؔ بخاریؔ نہیں اربابِ وطن میں یہ دیکھ فضا شعلہ فشاں ہے کہ نہیں ہے
جو آگ سلگتی رہی اس شیر کے دل میں اس آگ سے ہر فوج پناہ ہے کہ نہیں ہے
(باد فی انجیر)

یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے قادیانیوں کے ان مساعی کی جن سے وطن عزیز کے استحکام اور
اتحاد کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، یہ ملک جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے ہم اسے ہر
لحاظ سے مستحکم اور متحد دیکھنا چاہتے ہیں اس کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے انتشار و فراق
اور ملک کو نازک حالات سے دوچار کرنے والی ان سرگرمیوں سے محفوظ رکھا جائے۔
ہماری خیر خواہانہ التجا ہے کہ کفر و ازنداد کے اس دعوت و تحریک کو فوری طور پر روک دیا
جائے تاکہ وطن عزیز کسی آزمائش سے دوچار نہ ہو۔ (مارچ ۱۹۷۷ء)

مطالبہ اقلیت کا ایک سرسری جائزہ

پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیین بطور آخری نبی کے ایک حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتے بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک روح پرور آواز اٹھی اور سارے فضائے بیٹ میں پھیل گئی۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازہ حق سے گونج اٹھی، باطل کے درو دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعلی نبوت کے ظلمتکدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آواز کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ حرارت ایمانی اور حمیت ناموس رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں تادیابیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی اسلامیان پاکستان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس جرات مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آواز کشمیر اسمبلی اور صدر آواز کشمیر سردار عبدالقیوم خان کو بے پناہ خراج تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جن کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموس رسالت پر مرٹنے کے جذبات سے ماری تھا اور جو آنکھوں کے نہیں مگردلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمین دجل و تبلیس پر یہ قرار دواوا ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ آواز کشمیر کی حکومت اس ”جرم“ کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر ملت مسلمہ کا جذبہ فدائیت اور ناموس رسالت پر مرٹنے والے عزائم اس منصوبے کے آٹے نہ بکتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا ہے ان کی حقیقت سردار عبدالقیوم خان ہی کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مرکزی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان کے

نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ ”در اصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ غالباً قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں عینی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے۔“

بہر حال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں صرف برصغیر کا نہیں نہ صرف عالم اسلام کا ہے، بلکہ روئے زمین پر بسنے والے محمد عربیؐ کے ہر نام لیوا امتی اور دربار رسالتؐ کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے ”قادیانی مسلم نزاع“ جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا۔ اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصور ایمان اور تصور رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوتِ فکرو عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات قرآن و سنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریمؐ سے عشق و محبت، رسولِ عربیؐ سے نسبتِ غلامی، اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس ”نبوتِ کاذبہ“ کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے گا قادیانیت پوری امت کے لئے ایک چیلنج بنی رہے گی، اور محمد عربیؐ کی پوری امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ قرآن ہمیں ایسے معاملات میں دقاتلوہم حتیٰ لا تكون فتنۃ ویکون الدین کلمۃ للہ کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود خدا کی نگاہ میں ان کی وقعت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے برابر بھی نہیں جس نے نبی کریمؐ کی دلازاری کا کفارہ اپنے دقت کے جھوٹے مدعی نبوتِ مسیلمہ کذاب کو تبلیغ کرنے کی شکل میں دیا اور جب تک اس ملعون کو جہنم رسید نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امبار نہ بن سکے۔

— تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں کے مطالبہ اقلیت پر بھی چین بچین ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں اسلام اور ارتداد کا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کی سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی اسے مسلمانوں کی رواداری کہئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں اقلیت قرار دینے کا کم تر درجہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تو آئیے! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں۔ جہاں تک اقلیت کا مسئلہ ہے۔

دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہونے کا اعلان | قادیانیوں کا بحیثیت ایک

ایک انگ اور متوازی امت ہونے کے یہ نہ صرف ایک بدیہی حقیقت ہے۔ بلکہ خود مرزا ائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اعمال میں نہ صرف ایک متوازی امت ہونے کا اعتراف کرتی ہے بلکہ اپنے پیروؤں کو عبادات، معاملات، معاشرت دین و دنیا ہر شعبہ زندگی میں اس علیحدہ جداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آ رہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور انگ گروہ کہنے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ ”ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے“ — (تشیخ الاذہان جلد ۷ ص ۳۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل الیاس برنی ص ۱) ان کے خلیفہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ — مرزا کی دعوت قبول نہ کرنے والے خواہ انہوں نے مرزا کا نام تک بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (ص ۱) ان کا انکار موجب غضب الہی اور کفر ہے (ص ۱) ایسے لوگ خدا و رسول کے نافرمان اور جہنمی ہیں (ص ۱) اپنے نہ ملنے والوں کو مرزا کیسے پاکیزہ القاب سے نواز کر کہتا ہے: کل مؤمن یتقین الی الذریۃ البغایا — میرے مخالف جنگلوں کے سوا ہو گئے ان کی غورتیں گتیبوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدی ص ۵۳) ہماری فتح کا

قائل نہ ہونے والا ولد الزنا ہے، حلال زادہ نہیں۔

مرزا کے خلیفہ اور فرزند محمود احمد نے قادیانیت کے نمائندہ کی حیثیت سے گورداسپو کی عدالت میں کہا: کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے (اس لئے) غیر احمدی کافر ہیں (الفضل ۲۶ جون ۱۹۲۳ء) قادیانیت کے عالمی ترجمان ظفر اللہ خان کا محمد علی جناح صاحب کے نماز جنازہ کا انکار کس کو معلوم نہیں۔ اور جب پوچھا گیا تو ظفر اللہ نے کہا کہ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھئے یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم۔ مسٹر جناح سے بہت پہلے اسی ظفر اللہ نے اپنے ایک اور محسن بر فضل حسین کے جنازہ سے بھی یہی سلوک کیا اور وہ دور ہندو سکھوں کے ساتھ الگ کھڑے رہے (قادیانی قول و فعل ص ۲۳) یہی نہیں بلکہ جب بھی مرزائیوں کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی، ظفر اللہ نے عدالت میں بھی اس موقف کی تائید کی کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں۔ (ص ۱۹)

ابھی پچھلے سال ایم ایم احمد نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں مرزائیوں کے اسی موقف کو بڑی ڈھٹائی سے دہرایا اور جنازہ کے مسئلہ میں ظفر اللہ کے موقف کی بھی تصویب کی۔ مسلمانوں کے بارہ میں مرزائیوں کا یہ موقف اتنا کھلا اور واضح ہے کہ ۱۹۵۳ء کی منیر انکوائری نے بھی ہزار بددیانتی اور جانبدارانہ رویہ کے باوجود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ۔ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بے شمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لئے اس کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (رپورٹ ص ۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرز عمل ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جدا گانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کے لئے دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی تلقین نہ کی ہو۔

عبادات | کہا گیا کہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت ممنوع ہے اس لئے کہ کفار کو دعائے مغفرت جائز نہیں (قادیانی قول و فعل ص ۲۲) غیر احمدی کا جنازہ ہرگز

جائز نہیں (ص ۲۳) ایسے لوگوں کے معصوم بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص ۲۹) مرزا نے اپنے ایک بیٹے کا محض اس لئے جنازہ نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی (مسلمان) تھا (ص ۲۳) کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو کیا کسی احمدی نے ایسا کیا تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ (ص ۲۴)

معاشرتی معاملات | یہ تو عبادات کا حکم تھا، معاشرتی معاملات کو دیکھئے، مرزا کا قطعی حکم ہے کہ کوئی احمدی، کسی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے (ص ۲۴) البتہ ان کی لڑکیوں کو بیاہ سکتا ہے جس طرح یہودی اور عیسائی لڑکی کو (ص ۲۵) خود خلیفہ مرزا کے الفاظ میں — دینی تعلیمات نماز وغیرہ دنیوی تعلقات رشتہ ناطہ وغیرہ کے بعد اب لے کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے ان کے ساتھ قائم رکھنا جائز ہو۔ سلام کہنا بھی جائز نہیں (ص ۲۵) (مجاہدہ کلمۃ الفضل) مرزا ساری عمر نہ غیر احمدیوں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے نہ ان کو اپنا ممبر بنایا نہ ان کو چنہ دیا (ص ۲۸) مرزا انہوں سے اختلاف کو فروعی اور جزئی قرار دینے والے بے حیثیت ”مسلمانوں“ کے منہ پر خود مرزا انہوں نے اپنا غلیظ تھپڑ اس طرح مارا ہے کہ وہ برملا کہتے ہیں ”یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے“ (خطبہ مرزا بشیر الدین - الفضل ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا استعمال | مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مرزا نے خود اس دعوے کی

قلبی اس طرح کھول دی ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔
دایضاً اسمِ رومبر ۱۹۱۴ء

مسلمانوں سے دین اور معاشرت ہر لحاظ سے علیحدگی کی تلقین کے بعد اپنی جداگانہ تشخص کن کن طریقوں سے بحیثیت ایک الگ امت کے قائم کی گئی اس کی تفصیل دیکھئے۔

۱۔ اپنے پیروؤں کو ”میری امت“ سے تعبیر کیا گیا۔ ۲۔ رفقاء کو صحابہ کرام کا نام دیا۔ ۳۔ بیویوں

کو امہات المؤمنین اور سیدۃ النساء کی اصطلاح سے نوازا۔ ۴۔ مرزا کے مدفن کو گنبد خضراء کے مماثل ٹھہرایا۔ ۵۔ قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ٹھہرایا۔ ۶۔ قادیان کے سفر کو ظلی حج کا لقب دیا۔ ۷۔ سنہ ہجری کے علاوہ نئی تقویم کی بنیاد ڈالی۔ الغرض کسی دین اور امت کے لوازمات اور مناسبات کو ایک ایک کر کے اختیار کرنے کی سعی کی گئی، اپنے مقابل امت محمدیہ کو سیاسی سطح پر جس طرح برصغیر اور پوری دنیا میں مٹانے کی کوششیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں وہ آج کی فرصت کا موضوع نہیں کبھی آئندہ اس مفصل گفتگو ہوگی انشاء اللہ۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے جب بھی مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے تو سارے مسلمانوں کو کافرا و جہنمی کہنے والوں کی ”رگِ سلامیت“ پھڑک اٹھتی ہے اور داد و دیلاؤں کا مچ جاتا ہے کہ اس طرح وہ اسلامی آبادی میں مارا آستین بن کر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مفادات سے محروم ہو جائیں گے اور بدقسمتی سے اس انگریز کی پیدا کردہ ”امت“ کو انگریز ہی کی دہی ذریت کی شکل میں سرپرست بھی مل جاتے ہیں۔

مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی حقیقت | اب کے مرزاؤں نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام

اور مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ ہے۔ گھر گھر ایسے پمفلٹ اور رسائل پہنچائے جا رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، حضور کو خاتم النبیین جانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس طرح بہت سی باتوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دہی کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ہم ایسے دعووں کا بھی سرسری جائزہ ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ وہ حضور کو ہزار بار خاتم النبیین کہیں مگر اس سے ان کی مراد امت کا متفقہ مفہوم آخری نبی نہیں ہوتا بلکہ ایسا نبی جس کی مہر (خاتم) امت کو نبی بنادے مرزا محمود احمد دوسرے خلیفہ نے عدالت میں بیان دیا کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ (عدالت گورداپور میں بیان، شائع کردہ انجمن احمدیہ لاہور ص ۲)

۲۔ مرزا کی اکثر ایسی عبارتیں ان کتابچوں میں پیش کی جا رہی ہیں جو اس کے دعویٰ نبوت
۱۹۰۱ء سے قبل لکھی گئی ہیں۔ جبکہ اس زمانہ میں خود مرزا نبوت کے دعویداروں کو
کاذب، کافر، بد بخت، دشمن قرآن، بے شرم اور کیا کیا کچھ قرار دیتے تھے۔
ملاحظہ ہو آسمانی فیصلہ ص ۲۵ تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۳ وغیرہ) مگر سب ”نبوت“
کا دورہ پڑ گیا تو نہ صرف نبی بلکہ حقیقی نبی (حقیقت النبوة ص ۱۷) رسول (وافع البلاء ص ۱۱-۱۰)
مہدی اور محمد (الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۱۶ء) تمام انبیاء سے افضل (در ثبین)
بن گئے۔

۳۔ مرزائی اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہمارا کلمہ شہادت ایک ہی ہے۔ اس کی
حقیقت بھی سنئے۔ مرزائیوں کے نزدیک اس کلمہ سے مراد مرزا کی نبوت کی تصدیق اور
مرزا کی ذات ہوتی ہے وہ اگر کلمہ گو ہیں تو مرزا ہی کے نہ کہ محمد عربی علیہ السلام کے۔
اس لئے کہ مرزا کہتا ہے کہ ”محمد الرسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد الرسول
خدا نے مجھے کہا ہے (الفضل ۵ جولائی ۱۹۱۵ء) احمد سے مراد مرزا ہیں۔
(الفضل ۱۹ اگست ۱۹۱۸ء) قرآن میں آپ ہی کی بشارت کا ذکر ہے —
اب دھاکم بدہن (محمد الرسول اللہ کو بھی مرزا کے اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔
(پیغام سلح جلد ۳) اس وحی اللہ میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔
(تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۱۷) اس لئے مرزائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ — ہمیں
نئے کلمے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود رسول کریم سے الگ
کوئی چیز نہیں وہ (مرزا) خود محمد الرسول اللہ ہے۔ اس لئے ہم کو نئے
کلمہ کی ضرورت نہیں اگر محمد الرسول اللہ کی جگہ اور آنا تو ضرورت ہوتی۔
(کلمۃ الفصل رسالہ ریویو آف ریجنز جلد ۱ ص ۵۱)

۴۔ وہ اپنی موجودہ تحریرات میں مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں جبکہ مذکورہ بالا حوالوں سے
آپ کو اس کے خلاف معلوم ہو چکا تو لیجئے اس نقیبہ اور دجل و تبلیس کی حقیقت بھی
خود مرزائیوں سے سنئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے خود یہ الجھن دور کر دی ہے کہ ہم

غیر احمدیوں کو مسلمان سے موسوم کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس لفظ کے بغیر پتہ نہیں چل سکتا مگر خدا کے نزدیک مسلمان نہیں، انہیں نئے سرے سے مسلمان کرنا ہوگا۔
(مرزا بشیر احمد ص ۲۱)

۵۔ وہ اگر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو مرزا کی اصطلاح میں "ان کا مسلمانوں کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور"۔

۶۔ امتیں انبیاء سے بنتی ہیں | اگر ایک شخص ہزار بار کلمہ گو کہلائے کثرت ہادت کو شبانہ روز روز و رات مگر دین کے کسی

قطعی عقیدہ یا ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو تو تمام امت کے نزدیک بالاجماع کافر ہو جاتا ہے۔ یہی طرز عمل مرزا محمود احمد نے غیر قادیانی یعنی مسلمانوں کے بارہ میں اختیار کیا ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کلمہ گو نہیں کہ آپ انہیں کافر کہتے ہیں، مرزا نے جواب دیا۔ بے شک وہ کلمہ گو ہیں مگر مسلم کے لئے توحید تمام انبیاء، ملائکہ، کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو ان میں سے ایک کا منکر ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیر احمدی مرزا کی نبوت سے منکر ہو کر کفار میں شامل ہوئے (الفضل جلد ۲ جون ۱۹۲۳ء) خود مرزا نے ایک دفعہ کھل کر جواب دیا کہ صوم و صلوة کا پابند شخص بھی اگر کسی ایک حکم کو نہ مانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر نہ پایا پھوری کو جائز کہہ دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ (البدر ۲۶ جون ۱۹۱۲ء)

پس ٹھیک ہی مؤقف مسلمانوں کا مرزائیوں کے بارہ میں ہے اگر کوئی شخص اسلام قرآن حدیث ارکان اسلام شعائر اسلام نبی کریم کی مدح و توصیف سے دین کے دفتر بھر دے مگر وہ حضور خاتم النبیین کے بعد کسی بھی شخص کو کسی قسم کا نبی تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے کافر اور ملعون نہیں سمجھتا تو وہ اسلام کے قطعی فیصلہ کی رو سے کافر اور بدتر ہوگا۔ اس لئے کہ امتیں انبیاء سے بنتی ہیں۔ عیسائی حضرت موسیٰ کی نبوت تو رات اور تمام احکام کو تسلیم کرتے

ہوئے یہودیوں کے نزدیک اس لئے نئی امت ٹھہرے کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت تسلیم کر لی۔ مسلمان حضرت مولائے حضرت عیسیٰ ان کی کتابوں ان کے دین اور ان کی سچی تعلیمات کی ہزار دل و جان سے تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ عیسائی اور یہودی نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے ہیں کہ وہ حضور کی نبوت پر ایمان لائے جنہوں نے تسلیم نہ کیا وہ عیسائی اور یہودی رہے اس طرح مرزائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مرزا غلام احمد سے ادنیٰ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے پر بھی اسلامی اور محمدی امت ہی سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔

”پس اگر آج یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ اقلیت قرار دے دیا جائے تو یہ دونوں جماعتوں (مسلمانوں اور مرزائیوں) کے معتقدات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر مرزائی مسلمانوں کے اندر رہ کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات کی خاطر نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ اس طرح دینی پردے میں وہ ملت مسلمہ کے اتحاد پر ضرب کاری بھی لگا سکیں گے اور مفادات بھی حاصل ہوتے رہیں گے۔“

مگر حالات جو بھی ہوں پورے پاکستان اور پورے عالم اسلام کے ندایان محمد عربی اور پوری امت اسلامی کا یہی مطالبہ رہے گا، جسے آج سے کافی عرصہ قبل مفکر اسلام علامہ اقبالؒ نے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ:-

”ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیا کے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لئے کیوں مضطرب ہیں۔؟ ملت اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو

شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیکھ رہی ہے۔ کیونکہ ابھی قادیانی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکیں۔

(اسٹیشن کے نام خط ۱۰ جون ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبالؒ نے حکومت وقت کے طرز عمل کو بھنجوڑتے ہوئے

مزید فرمایا:-

”اگر حکومت کے لئے یہ گروہ مفید ہے تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن اس ملت کے لئے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے۔“

الغرض آج بھی مسلمانوں کا یہی مطالبہ ہے کہ مرزا قادیان کے جملہ تبلیغی کو ہندو سکھ عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ انہیں تمام کلیدی مناصب سے ہٹا دیا جائے ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نوع کا دعویٰ نبوت اور کسی ایسے مدعی کی تصدیق و تائید کی سزا مرتد کی سزا سے ہرگز کم نہ ہو۔ (ج ۸ صفحہ ۹ جمادی الاول ۱۳۹۳ھ جون ۱۹۷۳ء)

بھوپل تعاقب کی ضرورت

قادیانیوں کی روز افزوں سرگرمیوں کی وجہ سے پاکستان کو جن خطرات کا سامنا ہے، اس سے قبل ہم نے اس پر مختصر روشنی ڈالی تھی۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ملت مسلمہ مرزائی سازشوں اور کوششوں کی وجہ سے انتشار و انتشار کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک مستقل تحریک مستقل مذہب مستقل تشخص کی بنا پر اور ہجرا اپنے ماننے

والوں کے سوا پورے عالم اسلام کو قطعی کافر، ملحد اور جہنمی سمجھنے کی وجہ سے، وقت کی اولین ضرورت ہے کہ اسے مسلمانوں سے قطعی الگ ایک اقلیتی فرقہ قرار دے دیا جائے اور ہر اسلامی ملک کے آئین میں ایک الگ واضح اور غیر مبہم شخص اور تعریف کی جائے یہ مسئلہ پورے پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام، سربراہان اسلام اور دنیا کے تمام دینی اداروں اور افراد کے غور و فکر کا محتاج ہے۔ اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو اس شجرہ خبیثہ کے بارے میں فوری اقدامات کرنے ہیں جس کی وجہ سے افریقہ کے دور دراز ریگستانوں، عرب کے صحراؤں اور یورپ کے سبزہ زاروں میں مسلمان کو دو کراگ کی اس بھٹی میں جا رہے ہیں۔ یا پھر تبلیغ اور دعوت اسلام کی شہری اور پرفرب دایم زریں میں اگر اسلام کے متلاشی ایک کفر سے نکل کر دوسرے کفر میں پھنس جاتے ہیں۔ اس میں ہمارے کوتاہ و سستیوں اور بے ہمتیوں کا جتنا حصہ ہے وہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ لیکن بہر حال وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ نہ صرف پاکستان کی سطح پر بلکہ پورا عالم اسلام اپنے اپنے دائرہ میں اور اپنے دائرہ سے باہر یورپ اور غیر مسلم ممالک افریقہ وغیرہ میں قادیانیت کے تعاقب اور لوگوں کو اس کی حقیقت سے باخبر کرنے کی ذمہ داری سنبھالے۔ پھر پاکستان، جو ایک عظیم اسلامی ریاست ہوئے کی وجہ سے غیر مسلم اقوام بشمول اسرائیل و یورپ کے عزائم خبیثہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اور قادیانیت ہی ان اقوام کی آگے کاربن رہی ہے۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ ان کے خلاف نہایت مؤثر اقدام کرتے ہوئے قادیانیوں کو قطعی کافر قرار دے کر اسے اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اس کی دعوتی اور تبلیغی اور درپردہ نیم فوجی قسم کی تنظیموں اور سیاسی قسم کے مشاغل پر پابندی لگا دی جائے۔ مرزاہیوں کو تمام اہم مناصب یا مخصوص فوج کی کلیدی آسامیوں سے الگ کر دیا جائے۔ کہ نہ تو وہ جہاد کے اہل ہیں نہ اسے جائز سمجھتے ہیں، نہ مسلمانوں کو مسلمان، اور نہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست۔ اس طرح بحیثیت ایک مسلمان مملکت کے ضروری ہے کہ عالم اسلام کے تمام ذمہ داروں اور سربراہوں کو قادیانیت کی حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے اور جہاں جہاں اس کے

مشن کام کر رہے ہیں اس کی تحقیق کی جائے۔ اسلامی ممالک کے سفراء کا بھی بحیثیت مسلمان فرض ہے کہ فتاویٰ دینیت کے بارہ میں پوری معلومات سے اپنے اپنے ممالک کو آگاہ کر دیں۔

اس ضمن میں یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پاکستان سے اسلامی ممالک لیبیا، قطر وغیرہ کے لئے جن پاکستانیوں کی بھرتی کی جاتی ہے۔ ان کے بارہ میں پوری تحقیق اور تسلی کرائی جائے کہ کیا ”مسلمان“ کے روپ میں کوئی غیر مسلم قادیانی تو ملازمت کے سہارے جا کر ان ممالک کو قادیانی ریشہ دوانیوں کا مرکز نہیں بنائے گا۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی اہم اور اولین ڈبوٹی بھی ہوتی ہے۔

پاکستان میں جو اسلامی ادارے، انجمنیں اور تنظیم نبوت سے دلچسپی رکھنے والے ذمہ دار علماء حضرات ہیں، ان اس سلسلہ میں ان سفارت خانوں کو ضروری معلومات سے آگاہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح ان ممالک میں جانوائے جن حضرات کے مرزائی ہونے کا علم ہو جائے اس سے بھی اپنا فرض دینی ادا کرتے ہوئے حکومت پاکستان اور متعلقہ سفارت خانوں کو بروقت آگاہ کرنا چاہیے۔ الغرض ملک کی سالمیت کا نہایت اہم تقاضا ہے کہ مرزائیت کو اپنے غور و فکر اور جدوجہد کا نشانہ بنادیا جائے۔ اسی میں ملک و ملت کی فلاح ہے، اسی میں آقائے نعم المرسلیینؑ کی خوشنودگی ہے۔ اور یہی خداوند کریم کی رحمتوں کا ذریعہ ہے۔

اس ضمن میں حکومت
جمعیت تہذیب حکومت سبقت کرے
صوبہ سرحد پر ایک خاص

ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے قائد جمعیت حقیر مولانا مفتی محمود صاحب کو وزارت علیہ کے منصب پر فائز کر کے ایک

آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ نہایت تندہ و تحمل، احساس ذمہ داری اور دیانتداری سے اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہیں اخلاقی اور سماجی اصلاحات ہو رہی ہیں بتدریج و تیسیر حکمت اسلامی کے ساتھ معاشرہ کو اسلامی خطوط پر ڈالاجا رہا ہے۔ توفیق و پابیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں بھی جمعیت اور نیپ کی حکومت پورے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے نمونہ ثابت ہو سکتی ہے۔ شراب آثم الخبائث ہے مگر قادیانیت پوری ملت مسلمہ کے لئے اس سے ہزار درجہ اخبث الخبائث، وہ اعمال کی دشمن یہ عقائد کی دشمن، وہ جان لیوا تو یہ ایمان سوتہ۔ اس لئے شراب کی طرح اولین فرصت میں صوبہ سرحد کی حدود میں مرزائیوں کی سرگرمیوں پر قطعی پابندی لگا دینی چاہیے۔ اسے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہماری صوبائی اسمبلیاں مرکز سے بھی اس سلسلہ میں قراردادوں کے ذریعہ مطالبہ کر سکتی ہیں۔ یہاں مرزائی شریعہ کو ضبط کیا جاسکتا ہے۔ انفرض ہر لحاظ سے ان کے ساتھ کافر، مرتد یا کم النعم اہل ذمہ جیسا سلوک کیا جانا چاہیے۔ یہاں یہ اقدامات ہوں تو انشاء اللہ پورے پاکستان سے اس کی تائید میں آوازیں اٹھیں گی۔ اور اردو کی حمایت اور شراب پر پابندی کی طرح اس کی پیروی سارے صوبوں میں کی جائے گی۔ خداوند کریم نے ایک موقعہ جمعیتہ العلماء اسلام کو عطا فرمایا ہے۔ تو ایک برأت مومنانہ کے ساتھ آفتائے دو جہان سرور کائنات کی ناموس کے تحفظ کے لئے میدان میں اتر کر ہر ممکن اور حتی المقدور قدم اٹھانا چاہیے اس طرح حضوری کی خوشنودگی شامل حال ہوگی، اور خدا کی رحمتیں بھی۔

نیپ کے اولوالعزم قائد خان عبدالولی خان اس سلسلہ میں نہایت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ناموس ختم نبوت کا علم اٹھایا، اور پاکستان کے وجود کو اس شجرہ منبشہ سے نجات دلانے کے لئے یہاں جمعیتہ العلماء اسلام کا ساتھ دیا تو پورا پاکستان انہیں سراکھوں پر اٹھائے گا۔ اور ان کی قیادت کو چار چاند لگ

سکین گے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے قابلِ فخر رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اپنے دائرہ اختیار میں ان معروضات پر فوری غور فرما دیں گے۔ جولائی ۱۹۶۲ء

خدا کے گھر میں ایمان کے ڈاکو

سعودی عرب سے واپسی پر کئی ثقہ حجاج نے یہ افسوسناک انکشاف کیا کہ اس سال کئی قادیانیوں کو حرمین الشریفین میں داخلہ اور مناسک حج کی ادائیگی میں شرکت کا موقع دیا گیا۔ اس سے زیادہ لرزہ خیز یہ خبر ہے کہ مرزا بیوں کے عالمی مبلغ اور صفِ اول کے قائد ظفر اللہ خان بھی سرزمینِ حجاز اور مسلمانوں کے اس روحانی اور عالمی اجتماع میں گھومتے پھرتے رہے۔ یہ بھی افواہ تھی کہ ہسپتالوں میں کئی ایک قادیانی ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ ان اطلاعات کے عواقب اور نتائج کے تصور سے ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیا اب کعبۃ اللہ اور حجاز رسولِ علیہ السلام میں بھی ان شرمناک ریشہ دوانیوں، سازشوں اور اتنادی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن جائیں؟ جس کا مظاہرہ قادیانی جماعت ملک و بیرون ملک شب و روز کر رہی ہے۔ سرزمینِ یثرب میں روضۂ اطہر کی چو کھٹ سے مسلمانوں کو ہٹانے کی کوششیں۔؟ معاذ اللہ والی اللہ المشتکی۔

عہد نبوت سے لے کر اب تک مسلمان اس معاملے میں بڑے حساس رہے ہیں۔ حرمین الشریفین میں یہود و نصاریٰ اور غیر مسلم اقوام کے داخلے پر پابندی رہی حضور علیہ السلام نے مرضِ وفات میں جزیرۃ العرب کو یہود و نصاریٰ سے پاک رکھنے کا فرمان جاری کر کے معاملہ کی اہمیت اور نزاکت کا احساس دلایا۔ انحراب الیہود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب (الحديث) کہ عالم اسلام کا منبع اور مسلمانوں کا دل (حرمین الشریفین) غیر مسلموں کی فتنہ پردازیوں کا شکار نہ ہونے پائے کہ دل کے متاثر ہونے سے سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ موجودہ حکمران ملک فیصل کے پیشِ شاہ سعود کے عہد تک اسی معاملہ میں نہایت برقی گئی کچھ عرصہ قبل پندرہ

قادیانی خفیہ طور پر داخل ہوئے انہیں فوراً پکڑ پکڑ کر نکال دیا گیا۔ موجودہ حکومت سے اس مسئلہ میں غفلت ہوئی یا اس روشن خیالی اور ترقی پسندی کی وجہ سے ایسا ہوا ایمان سوز اثرات نے آج عربین کو اپنی پیٹ میں لے لیا ہے۔ معاملہ ہر حال میں نظر ثانی اور غور و فکر کا مستحق ہے۔ بے شک موجودہ سعودی حکومت تجار کے آرام و راحت میں کوئی کسر نہیں اٹھاتی، تمام ممکنہ اصلاحات کر رہی ہے، جس پر وہ پورے عالم اسلام کی طرف سے شکر یہ و تحسین کی مستحق ہے۔ مگر یاد رہے کہ عالم اسلام کے لئے حجاز کی اصل دولت اور سرمایہ وہاں کی معنوی برکات اور روحانی اثرات ہیں۔ مسلمان خدا فراموش مادیات اور زندگی کے ہنگاموں سے گھبرا کر اس آستانہ عافیت اور مرکز سکون کی طرف لپکتے ہیں۔ اگر روئے زمین پر خدا کی اس ایک ہی روشنی کے گرد بھی مادیات کا حصہ کچھا جاتا ہے، عصر جدید کی نام نہاد ترقیات سے وہاں کا تقدس آفریں نورانی ماحول بدلا جاتا ہے۔ یورپی تہذیب و تمدن آزادی اور فحاشی، مغربی تعیش و ترفہ کی کھلی بھٹی وی جاتی ہے، اور تو اور مسلمانوں کے دین و ایمان کے دشمن بیہودہ نصاریٰ، ہندوؤں اور قادیانیوں کو وہاں آنے کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ پورے عالم اسلام کے ساتھ نا انصافی ہوگی کہ عربین الشریعین تمام مسلمانوں کے مشترکہ متاع ہیں۔ اور خدا کے گھر میں دین و ایمان کے ڈاکوؤں کے نقب لگانے پر کوئی مسلمان خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ بدقسمتی سے ہماری حکومت قادیانیوں کے پاسپورٹ پر غیر مسلم یا قادیانی ہونے کی مہر نہیں لگاتی۔ اور سعودی عرب کے بعض ذمہ دار حضرات کا یہ عذر معقول ہوتا اگر انہوں نے کم از کم ظفر اللہ خان کبیر روک دیا ہوتا کہ اس کی سرزائیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ یہ دشواری پچھلی حکومتوں کو بھی پیش آئی ہوگی، پھر بھی انہوں نے نفیثش اور تحقیق کرتے ہوئے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا، اور اگر کسی طرح معلوم ہوا کہ دھوکہ اور فریب سے ایسا کوئی قادیانی داخل ہوا ہے تو اسے اسی وقت نکال باہر کیا۔

سعودی عرب کے موجودہ حساس اور بیدار مفسرانِ انسان شاہ فیصل سے ہماری مخلصانہ

التجاہ ہے کہ وہ ان امور میں اپنے خاندانی و روایتی تہذیب کو برقرار رکھتے ہوئے
 حریم کے معاملہ میں دنیا بھر کے نام لیوا یا ابن محمد علیہ السلام (بابائنا و ارواحنا)
 کے احساسات کا خیال رکھیں، یہ ناموس محمدیؐ کا سوال ہے جو آپ اور ہم
 سب کا مشترکہ معاملہ ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اور ناگفتہ بہ اور نامناسب
 منکرات اور خرابیوں کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے جو مشاہدات پر مبنی ہیں۔ مگر
 ہم آج صرف ناموس محمدی علیہ السلام اور تقدس حریم کے نام پر مرزائیوں کے
 معاملہ میں نظر ثانی کی درخواست کرتے ہیں۔

اندکے پیش تو گفتہ غم دل و ترسیدم

کہ تو آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

رج ۲ شمارہ ۸ محرم ۱۳۸۶ھ مئی ۱۹۶۶ء

تقدس حریم کا تقاضا

یہ جگہ پائش خبر پڑھیے اور ایک اسلامی مکتبہ جو محافظ حریم الشریفین کہلاتی ہے
 کی دینی بے حستی اور بے حمیت کاجی بھر کر ماتم کیجئے۔ ”پچھلے دنوں مرزا غلام احمد دیائی
 کے پوتے اور قادیانیوں کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد نے یورپ کا ہر دورہ
 جوہری غفلتِ خدا خان کی معیت میں کیا۔ اور اس دورے کو ”تبلیغ اسلام“
 کے لئے جہاد کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس دورے کی فلم بطور خاص سعودی عرب
 میں ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی۔ (المنبر لائلپور)

ادائیگی ج کے نام سے مرزائیوں کا سرزمین حجاز میں داخلہ۔ پھر وہاں اونچی سطح
 پر کانفرنسیں اور اس کے بعد یہ تیسری لرزہ خیز خبر اس سرزمین کے بارہ میں ہے جس
 کی فضاؤں میں نبی آخر الزمانؐ کی زبان مبارک سے انا خاتم النبیینؐ دل بنتی

بعدی۔ (میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں) کی صدائیں گونجیں اور جس مملکت کی موجودہ دارالحکومت کے گرد و نواح میں خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک لشکرِ جزائر کے ذریعہ کذابین کے سرخیل میلہ کذاب کی جھوٹی نبوت کو خاک میں ملا دیا تھا۔ گمراہی اور مستکمر ہر جگہ قابلِ نفیر ہے، تنواہ ارضِ حجاز میں ہو یا مصر و شام میں۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ مصر کے ”مجرم“ تو یہود و نصاریٰ تک کی صفوف میں کھڑے کئے جائیں۔ اور مرکزِ اسلام میں ناموس محمدؐ سے کھیلنے کی جسارت پر سانپ سوٹھ جائے یہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ سعودی حکمرانوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے شیوہ کو پھوڑ کر ملک کو میلہ کذاب کی راہوں پر ڈال دیا ہے۔ اور پورے عالمِ اسلام کو فتنے کے آغاز ہی میں سختی سے ان امور کا نوٹس لینا چاہیے۔

(ج ۳- ش ۱- جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

بیرون ملک تعاقب

پاکستان میں مجلس تحفظِ ختم نبوت کی دینی اور تبلیغی سرگرمیوں سے اکثر حضرات واقف ہوں گے مجلس نے بیرونی ممالک میں بھی ختم نبوت کی اشاعت اور مرزائیوں کے تعاقب کا کام شروع کر دیا ہے۔ مجلس کے ایک اعلامیہ کے مطابق مشہور

۱۔ ان دنوں ایک خاص طبقہ بالخصوص جماعت اسلامی کے ہاں مصر اور اس کے صدرِ ناقص کی دھمشیہ لقیہ ص ۲۵۲ مخالفت کا بازار گرم تھا۔ مروجہ بعض رسائی میں یہودیوں کا ایجنٹ تک کہا گیا مگر یہی لوگ اس وقت کے عربوں کے ایک خاص سیاسی بلاک کے بارہ ہیں مہربان رہے اس صورت حال کی طرف اشارہ ہے۔ ”س“

۲۔ بد میں حق تعالیٰ کی توفیق سے سعودی عرب کو میلہ پنجاب کے فتنہ مرزائیت کے استیصال میں نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہوا۔ ”س“

مناظر اور مبلغ مولانا لال حسین صاحب اختر نے ان دنوں انگلینڈ میں صداقت اسلام اور تردیدِ مرزا ایت کے بارہ میں تقریریں، اہم شہروں میں تحفظِ ختمِ نبوت کی تنظیم اور رکن سازی کا کام شروع کر دیا ہے اور حوصلہ افزا نتائج ظاہر ہو رہے ہیں، اس کام کی بہت پہلے سے ضرورت تھی۔ ہمیں مجلس کے اس اقدام سے بڑی خوشی ہے۔ اس وقت ختمِ نبوت کی اشاعت اور دفاع کے لئے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر کام کی شدید ضرورت ہے۔ واللہ یقول العاقبہ وهو یجدی السبیل۔ (دسمبر ۱۹۷۷ء)

قادیانی، اسرائیل، بھارت

اور

بنگلہ دیش کا قیام

ایک اطلاع کے مطابق بھارت کے قادیانیوں نے نام نہاد بنگلہ دیش کے لئے بھارت کی تمام پالیسیوں کی مکمل حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ”قادیان“ کے مقام پر احمدیہ فرقہ کے ایک اجلاس میں بنگلہ دیش کے لئے بھارت کی پالیسی کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے مالی امداد دینے کا بھی اعلان کیا گیا۔ اور بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ بنگلہ دیش تسلیم کرے اجلاس نے اپنے فرقہ کے تمام افراد کو ہدایت کی کہ وہ بنگلہ دیش کی تحریک میں ہر ممکن تعاون کریں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس تعاون کی اپیل صرف بھارتی قادیانیوں سے کی گئی ہے یا دنیا بھر کے تمام قادیانیوں سے مگر ”قادیان“ جسے مرکز کی ”تقدیس“ دنیا بھر کے قادیانیوں کے لئے نظر انداز کرنی مشکل ہے، ہم اس خبر

پر اپنی طرف سے کیا حاشیہ آرائی کر سکتے ہیں۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ اور اس کے ساتھ سعودی عرب کے مؤثر جریدہ البلادۃ السمریہ کی یہ اطلاع بھی پڑھیے جو ایڈیٹر نے برجوش ایمانی جذبہ میں ڈوب کر اپنے ایڈیٹوریل میں دی ہے کہ محمود قاسم نامی عجیب الرحمن کے کسی نام نہاد ساتھی نے اسرائیل کا دورہ کیا۔ اسرائیل نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور باقاعدہ وفد کیساتھ دوبارہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، پورے برجوش و غروش سے بنگلہ دیش کے موقف کو سراہا اور بیت المقدس میں اس کے لئے پریس کانفرنس کا انتظام کرایا گیا۔ اسرائیل — بھارت — اور اس کے ساتھ قادیانیت کیا ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں تو نہیں ہیں۔ قادیانیت اسرائیل کو اپنا سرپرست بھی سمجھ رہی ہے۔ قادیانیت بنگلہ دیش کے لئے امداد کی اپیل بھی کر رہی ہے۔ اور قادیانیت پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کی واحد علمبردار بھی بنی ہوئی ہے۔ یا دلچسپ۔ کیا تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف ایسی دھاندلی کی کوئی اور مثال بھی مل سکتی ہے۔ ۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء

منکرین جہاد سے دفاع سرحدات حی امیدیں

سنا ہے دو جنرلوں کو ترقی دے کر لیفٹیننٹ جنرل بنا دیا گیا ہے۔ جن میں سے ہر جنرل کو رکسانڈر ہو کر دوسے تین ڈویژنوں کی کمان کرتا ہے۔ اور یہ دونوں مصدقہ طور پر مرزائیت سے تعلق رکھتے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ مرزا کو نہ ماننے والے تمام مسلمان کافر ہیں اور عقیدہ جہاد رکھنا حرام ہے۔

۱۵۔ پھر مستقبل نے اسلامی تاریخ کا یہ شرمناک سانحہ سقوط مشرقی پاکستان کی شکل میں دکھلادیا (دقیقہ حاشیہ صفحہ ۱) اور بنگلہ دیش کے قیام میں بھارت، روس، اسرائیل اور مغربی اقوام کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کا درپردہ کردار بھی دنیا کے سامنے آیا۔ ”س“

پھر کیا ایسے نازک معاملہ میں ہماری خاموشی ملک و ملت سے غداری نہ ہوگی۔ ایک ابنِ علقمی اور دوسرے یثربی کذاب کے پوتے کی وجہ سے ملک کی نیا ڈوب گئی اور جو خاموش تھے انہیں آج کلمہ حق نہ کہتے پر بزولی کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔ پھر کیا آج بھی یہی مصلحت کی شیاں ہمیں بے نہیں ڈوبیں گی، کیا ہم مزید تجسروں کے متحمل ہیں، کیا اس معاملہ میں اظہارِ حق ملک کی خیر خواہی ہے یا سکوتِ مجرمانہ؟ — (فروری ۱۹۷۲ء)

ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ

صدر پاکستان کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ خلاف معمول صدارتی گزٹ شائع نہ ہونے سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ شاید وہ ان دنوں قائم مقام صدر کے قرائض بھی سنبھالے ہوئے تھے۔ ملزم متشرع پابندِ صوم و صلوة اور دینی جذبات و احساسات رکھنے والا بتلایا جاتا ہے اور اس نے اقبال جرم کر لیا ہے۔ اخبار جنگ کی اطلاع کے مطابق ملزم کے بیان کو اس لئے اتہائی صیغہ راز میں رکھا جا رہا ہے کہ اس کی اشاعت ”مفاد عامہ“ کے خلاف ہے۔ گویا یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق مفاد عامہ سے ہے تو لازماً عوام کے لئے دلچسپی کی چیز ہے، مگر معاملہ چونکہ عدالت میں ہے اس لئے ہم اصرارِ عدالت کی بناء پر اپنی رائے ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں، اگرچہ قادیانی پریس نے اپنے ”ضامین“ کے بارہ میں غوغا مچائی کہ اس اصرار کو ملحوظ نہیں رکھا۔ حقائق رفتہ رفتہ عوام کے سامنے آہی جائیں گے۔ کاش! پیمانہ کے یوں پھلک جانے سے یارانِ میکہ کچھ چونک اٹھیں۔ فہلے منہ مٹا کر۔ (دکتوبر ۱۹۷۲ء)

۱۰ صدر یحییٰ نے باہر جاتے ہوئے انہیں قائم مقام صدر نامزد کر دیا تھا مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ پاکستان کی کرسی صدارت پر مرزا قادیانی کا بوتلا بیٹھ جائے اور ذمہ داری سنبھالنے کے پہلے ہی دن یہ واقعہ پیش آیا۔

قائدانہ حملہ کے بعد عدالت میں بیان

پاکستان کے ثقہ دینی حلقوں اور بعض مقتدر رہنماؤں کی طرف سے دینی زبان میں سہی مگر مختلف دفتروں سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ پاکستان کے ایک اہم کلیدی منصب سے مرزا غلام احمد قادیانی مبنیٰ کذاب کے پوتے مسٹر ایم ایم احمد کو برطرف کر دیا جائے وہ کافی عرصہ سے نہ صرف صدر محترم کے اقتصادی مشیر ہیں بلکہ اقتصادی بات کا سیاہ و سفید بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایسے اہم منصب پر ان کا تقرر ان کی ”اعلیٰ قابلیت“ اور ”فنی مہارت“ کی وجہ سے ہے تو اس قابلیت کا خمیازہ پورے ملک کو اس شدید بحران کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جو اصلاً اقتصادی ناہمواری اور عدم توازن کی پیداوار ہے۔ یہی پیر مشرقی و مغربی صوبوں میں نفرت اور دوری کا باعث بنی اور ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہے کہ پچھلے دو ایک سال سے مشرقی خطہ کا ایک اہم سنجیدہ طبقہ اس کا ذمہ دار ایم ایم احمد کو ٹھہرا رہا تھا۔

یہ معاملہ عام مسلمانوں کی طرح دینی تقاضوں کی بنا پر ہمارے لئے بھی مدت سے لمحہ فکریہ بنا ہوا ہے۔ مگر ملک میں نازک ترین حالات سے دوچار ہے ہم نہیں چاہتے کہ ایسی کوئی بات مزید پریشانیوں کا سبب بن جائے۔ ہمیں قومی یکجہتی، اور ملکی سالمیت، بیحد عزیز ہے۔ ہم ایسے نازک لمحات میں حکومت اور رعایا کے درمیان مکمل اتحاد و اعتماد کی فضا برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے اور مارشل لاء کے آہنی حصار کے باوجود ایم ایم احمد پر قائدانہ حملہ کے بعد کئی ایسی باتیں کچھ ٹھنڈیوں اور کچھ قرآن و آثار کی بناء پر مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں جس سے حکومت اور رعایا کا باہمی اعتماد مجروح اور پیمانہ سمبر برباد ہو سکتا ہے۔ تو دینی مسئولیت کے علاوہ ملک اور ارباب حکومت کی خیر خواہی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس معاملہ میں براہ راست صدر یحییٰ خان تک اپنے گزارشات پہنچائیں، ایسے حالات میں کہ سرحدات پر دشمن کی افواج

جمع ہوں۔ اگر شبہات اندر ہی اندر پھلتے پھولتے رہیں اور صدر محترم کو ”سب ٹھیک ہے“ کے دائرہ میں رکھ کر عوام بالخصوص دینی و اسلامی حلقوں کی بے چینی سے بے تیر رکھا جائے تو نتیجہ ملک و ملت کے حق میں بہتر نہیں ہو سکتا۔

ایم ایم احمد صاحب پر قائمانہ حملہ ہوا اور کوئی سنجیدہ اور حقیقت پسند شخص اس انتہائی اقدام کی تحسین نہیں کرے گا۔ ملزم گرفتار ہوا ایم ایم احمد کی نزاعی شخصیت کی وجہ سے فطری طور پر تمام مسلمانوں کو اس کیس سے دلچسپی ہوئی وہ عدالت کی تفصیلات کو جاننا چاہتے تھے بجائے اس کے کہ مقدمہ سول عدالت میں آتا فوجی عدالت میں چلا گیا۔ جبکہ اس سے قبل قائم ملت بیاقت علی خان کی شہادت اور غالباً پشاور میں صدر ایوب خان پر قائمانہ حملہ جیسے اہم کیس بھی سول عدالت میں پیش ہوئے۔ اس سے عوام کے شکوک بڑھتے گئے کہ شاید قتل کا یہ اقدام دینی و ملی جذبات پر مبنی ہے۔ پھر اعتبارات میں یہ بھی آیا کہ چونکہ زیر بحث مسائل کا تعلق اہم قومی مفاد سے ہے۔ اس لئے کارروائی خفیہ رکھی جا رہی ہے۔ اس سے شبہات کو اور بھی جلاء ملی۔ مگر پھر بھی ملک کے موجودہ حالات اور بحران ختم کرنے کے لئے صدر صاحب کی مخلصانہ مساعی نے قوم کو اس معاملہ میں ضبط اور بردباری قائم رکھنے پر مجبور کیا ورنہ انگریز کے دور میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ملزم اگر قانوناً خطا کار بھی ہوتا مگر دینی و ملی حیثیت اور اسلامی جذبہ قربانی سے مجبور ہو کر پوری مسلم قوم اس کے دفاع میں کھڑی ہو جاتی مگر اس معاملہ میں قوم ارباب اقتدار پر اعتماد کرتے ہوئے خاموش تماشا بنی رہی نہ تو کسی نے ملزم کے خاندان سے ہمدردی ظاہر کی نہ ان کے دفاع میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اور غالباً ان کے وکیل تک کو بھی کسی ذہنی ادارہ اور علمی حلقوں نے اپنی خدمات کی پیش کش نہیں کی۔

گو اسے بعض لوگ ہماری حیثیت ملی اور جذبات ناموس ختم نبوت کے سرو ہونے پر محمول کر سکتے ہیں، مگر ہم اسے ایک ایسے منظم اور باوقار قوم کے حسن ظن اور اعتماد پر بھی حمل کر سکتے ہیں جو آخر وقت تک اپنے حکمرانوں پر بھروسہ کرتی ہے اور اسے بجا طور پر یہ امید بھی ہے کہ سواد اعظم کے محبوب معتقدات اور نظریات کی پوری رعایت رکھی جائے گی۔

مقدمہ فوجی عدالت میں ہے اور ہمارے دلوں میں اپنی عدالتوں کا پورا پورا التزام ہے قوم کی نگاہیں عدالت کی تفصیلات پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر مسئلہ کا تعلق ملزم اور مدعی کے کسی ذاتی اور نجی معاملہ سے ہے جبکہ بظاہر ایسا معلوم نہیں ہوتا در نہ نہ تو معاملہ فوجی عدالت میں جاتا نہ کارروائی خفیہ رکھی جاتی، تو یہ فریقین تک محدود رہے گا لیکن اگر تعلق دین کے اساسی اعتقادات اور بنیادی اصولوں سے ہے۔ تو ہم چاہیں یا نہ چاہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقہ تمام جان و ثناء نام ایوب جکے قلوب بقول صدر پاکستان عشق نبوی سے سرشار ہیں اس معاملہ میں دلچسپی لیں گے۔ مگر کوئی تہمتی رائے تفصیلات سامنے آنے پر قائم کی جاسکے گی۔ آج کی فرصت میں ہم بہت افسوس کے ساتھ حکومت کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتے ہیں جو ایک افواہ اور پھر افواہوں سے بڑھ کر خطوط اور تحریرات کے ذریعہ گردش کر رہی ہے اور صدر محترم سے بذاتہ اسی معاملہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانے کی اپیل کرتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں شکوک و شبہات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ :-

ایم ایم احمد صاحب نے مبینہ حملہ آور اسلام قریشی کے مقدمہ میں بیان دیتے ہوئے کہا میرا عقیدہ ہے کہ میرا دادا نبی تھا اور جو شخص اسے نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ اور اس بنا پر جو ہدیری ظفر اللہ خان نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ میں اپنی مرکزی تنظیم کو مالی امداد دیتا ہوں جو باہر ملکوں کو بھیجی جاتی ہے بشمول ہندوستان حالانکہ مجھے علم ہے کہ ہندوستان میں مقیم احمدی جماعت نے ہنگامہ دیش کی حمایت کا اعلان کیا ہے میں نے اسی سلسلہ میں انہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ جس ملک میں احمدی رہتے ہیں اسی ملک کے ہی وفادار ہوتے ہیں۔ میری کوشش رہتی ہے کہ لوگ ہمارے مذہب میں داخل ہوں میں اپنے عقائد کسی سے نہیں بچپاتا۔

ہمیں معلوم نہیں کہ واقعی یہ باتیں ایک اہم ذمہ دارانہ منصب پر فائز شخص کی ہیں یا نہیں عدالت کے ریکارڈ سے اگر مصلحتاً حذف نہ کی گئی ہوں تو سو دیکھاں معلوم کی جاسکتی ہے۔ کاش اہمارے پاس کوئی ایسا مخفی ذریعہ رسل و رسائل تھا کہ ہم یہ افواہیں صرف صدر پاکستان تک پہنچا سکتے اور وہ اس کا تدارک فرماتے۔

ہم اس مرحلہ پر حکومت سے کچھ کہے بغیر ایم ایم احمد صاحب سے اتنی گزارش کرتے ہیں کہ یہاں کی سوادِ اعظم حضور سرور کائنات علیہ السلام کو خاتم النبیین سمجھتی ہے اور نہ صرف آپ کے دادا بلکہ ہر مدعی نبوت کو دجال، کذاب اور کافر سمجھتی ہے۔ اور قبول آپ کے یہ عقیدہ رکھنے والے سب کافر ہیں۔ پھر آپ کو اس کافر ملک کی خدمت کا دوگ کیوں کھائے جا رہا ہے۔ اگر آپ اپنی خدمات ایک اسلامی مملکت کی بجائے ہندوستان یا اسرائیل کے سپرد کر دیں تو آپ کے دادا کی تحریک کی طرح شاید آپ کی پذیرائی بھی وہاں زیادہ ہو جائے۔ آپ بیشک بشمول ہندوستان مرکزی تنظیم کو بال امداد دیتے رہیں، مگر اس صورت میں کہ آپ ملک کے خزانہ اور اقتصادیات پر قابض ہیں۔ قوم بجا طور پر غطرہ محسوس کر سکتی ہے کہ ہمیں ہمارے خون پسینہ کی کماٹی قادیانیت اور سنگھ ویش کی تبلیغ و تعمیر میں تو خرچ نہیں ہو رہی اس لئے قوم آپ سے نہایت درمندانہ التجا کرتی ہے کہ ایسے حالات میں آپ از خود اس منصبِ جلیلہ سے سبکدوش ہو جائیں تاکہ آپ کی ذات ایسے نازک موقع پر حکومت اور رعایا کے درمیان بے اعتمادی یا کم از کم شکوک و شبہات کا ذریعہ نہ بنے اگر اس ملک کی اکثریت آپ کے عقیدہ میں کافر ہے تو آپ سے کسی خیر خواہی کی توقع کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ نے ان افواہی باتوں کی فوری تردید نہ کی تو یاد رکھیں کہ پاکستان کے غیر مسلمان آپ کو اپنے سینہ پر مونگ دلنے کا مزید موقع نہیں دیں گے۔ (نمبر ۱۱۱)

دوسرے ربوہ کا منصوبہ

مرزائی، قادیان کو ریٹ کن کا درجہ دینا چاہتے تھے۔ پھر بلوچستان کو قادیانستان بنانے کی جدوجہد ہوئی، ربوہ کو ریاست اندر ریاست بنایا گیا۔ وہاں کی پوری سرکاری مشینری کو اپنی رسوائی کے زمانہ تعلیم ”محکمہ امور عامہ“ کے ہاتھوں مفلوج کر کے رکھ دیا گیا۔ پورے پاکستان کے اہم سول اور فوجی کلیدی مناصب پر قبضہ جمایا گیا یا منصوبے بنائے۔ پوری دنیا میں سمر اج، صیہونیت اور قادیانی گمبھڑ کے نتیجے میں قادیانی اڈے قائم ہوئے چلے گئے۔ اب قادیانیوں کا نشانہ شمال مغربی سرحدی علاقے ہیں۔ جہاں اب تک

قدم نہیں جمایا جاسکا مفتی محمود صاحب کی حکومت سے قبل ایبٹ آباد کے نواح میرپور
منڈیاں میں مرزا یوں کی ہائی کمان نے سو ڈیڑھ سو کنال زمین خرید لی۔ جہاں خلیفہ کا گرانی محل
مسجد اور دارالتبلیغ کے علاوہ چھوٹا سا شہر بسانے کا منصوبہ بنایا گیا، تعمیرات شروع ہوئیں
مسلمانوں کو پتہ چلا تو غم و غصہ کے آثار پیدا ہو گئے۔ مقامی حکام سے فریاد رسی کی مگر جیسا
کہ مذہب بیزار اور مادر پدر آزاد حکام کا شیوہ ہوتا ہے۔ عوام کو رواداری اور دیگر
”مذہب“ کے احترام کا وعظ کیا گیا۔ اور وسیع النظمی کی تلقین کی گئی جبکہ خود ان کی
تنگ نظری پران کی غیرت ایمانی بھی ہمیشہ شکوہ کناں رہتی ہے۔

الغرض اشتعال بڑھتا گیا، سرحد کے وزیر اعلیٰ مفتی محمود صاحب کو علم ہوا تو فوری طور
پر تعمیرات روکنے کا حکم دیا، ڈی سی نے شاید تعمیل کی۔ پھر بھی تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا۔
اس لئے کہ یہ کنٹونمنٹ ابریا ہے۔ جو صوبائی دسٹرس سے باہر ہے۔ اور مرکز ایسے امور
میں بھی اپنے دائرہ اختیار میں داخل در معقولات گوارا نہیں کرتا۔ اور خود اگر چاہے تو
رسوائے زمانہ ثقافتی طائفوں کی پوری فوج ظفر موج دوسرے صوبوں پر مرضی بغیر
ٹھونس دیتا ہے یہ

بہر حال ایبٹ آباد کے غیور مسلمانوں کی حیثیت و غیرت ایمانی کالاوا پھٹ گیا۔
جلوس نکالے گئے، جلسے ہوئے، ۲۰۰-۲۵۰ ہزار افراد نے شرکت کی۔ یہ رکھ کر عہد کیا کہ
سرحد میں دوسرا رہوہ نہیں بنے و یا جائے گا۔ اس آتش فشاں کے پکڑنے کی خبر تک بھی کسی
اخبار میں نہیں آنے دی گئی۔ اس لئے کہ ڈیفنس آف پاکستان رولز اب صرف جھوٹے
مدعیانِ نبوت اور دجالین امت کے دفاع و حفاظت کے لئے رہ گیا ہے۔ لاوا پکتا جا
رہا ہے۔ صوبائی حکومت اپنی حد تک کوشش کر رہی ہے۔ اور اسے سب کچھ داد پر
لگانا بھی پڑے تو اس کا فرض ہے کہ ناموس ختم نبوت پر ہزاروں حکومتیں قربان کی جا

سہ سرحد میں مفتی محمود گورنمنٹ کے دوران ایک بے طرفی ثقافتی طائفہ کو صوبائی حکومت کے بار بار
انکار کے باوجود سرحد بھیجا گیا اور ثقافتی مظاہرے کرائے گئے۔

سکتی ہیں۔ مگر افسوس اور تعجب تو مرکزی حکومت پر ہے کہ وہ ایسے معاملات میں کیوں اتنی سردھری برت رہی ہے۔ کیا وہ نام لیوا بانی ختم المرسلین کی غیرت ایمانی ایک بار پھر آزمانا چاہتی ہے۔

پچھلے دنوں ایسی خبریں بھی گشت کرتی رہیں کہ مرکزی حکومت ایبٹ آباد کو فیڈرل ایریا میں شامل کر کے اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے۔ بیان تک کہ وزیر اعلیٰ منظمی محمود صاحب کو اخبارات میں بیان دینا پڑا کہ حکومت نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو سرحد کی حکومت مستغنی ہو جائے گی۔ ہمیں تعجب تھا کہ آخر حکومت کو اسلام آباد سے بے میل دور واقع ایک شہر کو فیڈرل ایریا میں شامل کرنے کی کیا ضرورت پڑی۔ مگر مرزائیوں کے اس ”دوسرے ربوہ کے منصوبہ“ نے یہ معنی بھی ایک حد تک حل کر دیا۔ شاید مرکز کو یہ احساس نہ ہو کہ سرحد کے غیور مسلمانوں کی حس ایمانی اس معاملہ میں اتنی سرد نہیں ہوئی اور اگر ضرورت پڑی تو یہاں کے مسلمان ثابت کر کے دکھا دیں گے کہ وہ اس گئے گزرے دور میں بھی ناموس ختم نبوت پر ساری متاع کائنات لٹکتے ہیں۔

مرزائی مسجد میں دو تانہ کا تجدد بد وقتا | ”قیام پاکستان کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر مسجد فضل لندن میں ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی، جس میں پاکستان کے سفیر میاں ممتاز محمد خاں دو تانہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا قیام نظریہ جمہوریت کی بنا پر ہوا ہے۔ اور اس میں ہماری کامیابی اور ترقی کا راز ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ نوجوان نسل کو نظریہ پاکستان اور اس کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کیا جائے۔ تقریب کی ابتداء میں انہوں نے کہا کہ میں لندن مسجد میں تجدد بد وقتا کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں کیونکہ آج سے ۳۹ برس قبل جب میں پہلی بار یورپ آیا تو میری ”مغربی زندگی“ کے ابتدائی ایام اسی مسجد کے زیر سایہ گزرے۔ یوم پاکستان کی اس تقریب میں سینکڑوں پاکستانیوں نے شرکت کی۔ مسجد فضل لندن کی طرف سے اس موقع پر ایک دعوت عصرانہ کا اہتمام کیا گیا۔“ یہ جنگ لندن، ۱۱ اگست ۱۹۷۲ء کا اقباس ہے۔ دو تانہ صاحب !

آپ نے پاکستان کی سفارت اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ کا جاتے ہی خوب
حق ادا کر دیا؟ — (اکتوبر ۱۹۷۲ء)

مرزا ناصر کے منصوبے

دہلہ میں مرزائیوں کے موجودہ امام مرزا ناصر احمد نے جماعت کی سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرزائیوں نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید کے ہزاروں نسخے نائیجیریا، گھانا، سیرالیون، زیمبیا، اور دیگر افریقی ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم کئے ہیں اس کے علاوہ انگریزی، ہمنی، اور دیگر زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کروا کر یورپی ممالک میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بھی جاری ہے۔ اس مقصد کے تحت اب تدار میں یورپ میں قرآن پاک کے تیس ہزار نسخے تقسیم کئے جائیں گے۔

یہ تو مرزا صاحب کے منصوبوں کی ایک جھلک تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے یہ نسخے بلوچستان کے تحریک شدہ نسخوں کی طرح اگر محرف نہ ہوں تو پھر مرزائیوں کو اس کی اشاعت کا فائدہ ہی کیلئے ہے۔

ترغیٰ سرگرمیاں | مرزائیوں کی ایسی ترغیٰ سرگرمیوں کی ہزاروں مثالیں اب تک سامنے آ چکی ہیں۔ مرزا غلام احمد اور ان کے ساتھیوں کی تصانیف میں بطور حوالہ درج آیات قرآنی میں نقلی تحریف کی بھی نشاندہی اخبارات و رسائل میں آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ یہ کیا معنوی تحریف والی بات تو وہ اس تحریک کا اوڑھنا بھونسا ہے۔ قرآن کریم تو غیر ان کی تحریف کا نشانہ تھا ہی کہ اب کڑے طیبہ میں بھی ان کی نقلی تحریف کے شواہد سامنے آچکے ہیں یہاں تک کہ ان باتوں کی حد سے بازگشت صوبائی اسمبلیوں سے ہوتے ہوئے اب کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھی شد و در سے نہی گئی مگر جہت اور عجب کی بات ہے کہ ہمارے محترم وزیر اطلاعات کو ثمر نیازی صاحب نے نہ صرف ان باتوں کی تردید کی بلکہ بلوچستان

میں تقسیم شدہ مرزائی نسخوں میں بھی ہر قسم کی تحریف کی تردید کی جس پر پاکستان کے علمی و دینی طبقے عموماً اور بلوچستان کے دینی حلقے بجا طور پر بخیریت ہیں کہ کیا واقعی ہمارے وزیر اطلاعات ان تمام حقائق سے بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر انہوں نے اتنے ذمہ دارانہ مقام پر فائز ہوتے ہوئے یہ طرز عمل اختیار فرمایا ہے۔ ہمیں علمی حلقوں کی طرح جناب کوثر نیازی کا تعلق خاطر عزیز ہے۔ مگر قرآن کریم اور حفاظت ناموس ختم نبوت کے تقاضے اس سے بڑھ کر گراں خاطر اور عزیز ہیں۔ اگر مولانا بھی مسلمانوں کے ایسے متفقہ اور مسلمہ جذباتی مسائل میں یہ انداز اختیار فرما دیں گے تو ہمارے درودوں کی ٹیس اور احساس الم اور بھی شدید ہوگا۔ قرآن کریم کی تصحیح کے سلسلہ میں مولانا نیازی کے اعلانات اور مساعی سے ہمیں خوشی ہو رہی تھی۔ مگر مرزائیوں کے قرآن کے بارہ میں ایسی شرمناک جھڑپوں پر مولانا کے اس ”برادری بے جا“ سے ہماری مسرتیں اب اندیشوں میں بدل گئی ہیں۔

بہر حال یہ تو برسبیل تذکرہ بات تھی، اصل بات مرزا ناصر کے اس پروگرام سے متعلق تھی، حقائق اور قطعی شواہد کی رو سے یہ نسخے محرف قرآن کے نسخے ہوں گے۔ اس میں مرزا ملعون کو نبی عربی احمد مجتبیٰؑ کے لبادہ میں پیش کرنے کی سعی کی جائے گی محمد کو احمد بنابر غلام کو احمد کے پیرایہ میں متعارف کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دیگر بے شمار قطعی معتقدات کی منہاسی بھی اڑائی جائے گی۔ مگر بہت سے مسلمان اور نام نہاد نام ایوان محمد عربی نہ صرف یہ کہ ٹس سے مس نہ ہوں گے بلکہ ان کے ”مذہبی مساعی اور بیانی گریسوں“ کو دود ستائش سے بھی نوازیں گے۔ مگر اپنی بے حستی فرائض سے غفلت اور بے حسیتی کا احساس بہت ہی کم کسی کو ہوگا۔

گرمائی لہجہ | کچھ عرصہ قبل صوبہ سرحد کے اہم گرمائی شہر ایبٹ آباد اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کے متصل قادیانی فرقہ کے ایک مخصوص کالونی کا منصوبہ مسلمانوں کے اشتعال

اور مفتی محمود گورنمنٹ کی مداخلت کی بنا پر روک دیا گیا تھا۔ اب پھر یہ تشویش ناک خبریں آ رہی ہیں کہ پولیس کی نگرانی میں صوبہ سرحد میں اس دوسرے رقبہ کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ جو درحقیقت مرزائیوں کے امام کا گرمائی سینڈ کراؤ اور باؤنڈری کی جگہ تھی۔ یہ خبر شہرستان

ہوگا۔ اس بارہ میں مسلمانوں کے جذبات کی نزاکت اور احساسات کی شدت کا حکومت کو پوری طرح علم ہے۔ مگر جان بوجھ کر اس رواداری اور وسیع الظرفی کا مظاہرہ مسلمانوں کی غیرت کو لٹکانے کے مترادف ہے۔ سرحد کے غیرت مند دیندار مسلمانوں کو خصوصاً اور پاکستان کے تحفظ ناموس رسالت کے جذبے سے سرشار تمام مسلمانوں کا عموماً اتریفہ ہے کہ اس منصوبہ کو کسی حال میں کامیاب نہ ہونے دیں اور اگر حکومت و راندیشی سے کام نہیں لیتی تو مسلمانوں کو اپنے طور پر عالمی صیہونیت اور سامراجیت کے علمبردار اس دشمن اسلام و رسول قادیانی فرقہ کے ان عزائم خبیثہ کو خاک میں ملا دینا چاہیے۔ ناموس رسول کے تحفظ اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بچانے کی تمام کوششیں عند اللہ مقبول و محمود ہوتی ہیں۔ اس راہ میں فرقہ برابری، غفلت و ملامت، پاکوئی، مصلحت بینی اور رواداری ایمان و اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ رہوہ میں کسی غیر مرزائی کو ایک مرلہ جگہ نہ دینے والے گروہ کو ہرگز یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مسلمانوں کے اکثریتی علاقے میں اپنے اڈے قائم کرے اس بارہ میں پاکستان کی ایک عدالت (محمد نسیم صاحب سول جج نسیم یار تھان) کا ایک حکم اتنا ہی بھی موجود ہے کہ مرزائی کسی سنی آبادی میں ہرگز اپنا مرکز قائم نہیں کر سکتے۔ — (جنوری ۱۹۷۷ء)

قادیانیت اور مکہ معظمہ

حی

اجماعی قرارداد

قادیانیت کے بارہ میں حال ہی میں مکہ معظمہ سے عالمی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قرارداد کی شکل میں جو آداز اٹھی ہے۔ وہ قادیانیت کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کے متفقہ اور تازہ اجماع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مآخذ شریعت قرآن و سنت اور اجماع امت کی رو سے کبھی بھی قادیانیوں کا فرمتد اور خارج از اسلام ہونا کوئی تنازعہ بات نہیں رہی اور اس اجماع کا ظہور متفقہ آراء سے ہوتا ہے مگر حال ہی میں ۱۴ ربیع الاول سے لے کر ۵ دھک مسلسل جاری رہنے والی تمام دنیا کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کی متفقہ قرارداد سے اس فرقہ بیشتہ کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کی اجتماعی طور پر بھی اجماع کی ایک صورت ظاہر ہو گئی۔

اس کانفرنس کی یہ قرارداد دولتِ مسلمہ کے لئے جتنی اہم ہے بدقسمتی سے خاص حالات کی وجہ سے ہمارے ملک میں اسے اتنا ہی نظر انداز کیا گیا تا کہ بعثۃ اللہ کی چوکھٹ سے وابستہ اسلامیانِ پاکستان اس خبر سے باخبر نہ ہو سکیں۔ ہمیں سعودی عرب کے پریس سے اس قرارداد اور کانفرنس کی تفصیلات کا علم ہوا، ہم اس قرارداد کا اصل متن اور اس کا ترجمہ شائع کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں اور حکومتوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس قرارداد کے مندرجات پر لبیک کہتے ہوئے ملتِ مسلمہ کو اور عالم اسلام کو فرقہ بیشتہ مرزائیت اور اس کی سازشوں سے بچانے کی اجتماعی تہا بیر اختیار کی جائیں یہ آواز صفا کی چوٹیوں سے بلند ہوئی۔ اور ہم اس کے ایک ایک حرف سے متفق ہی نہیں بلکہ اسے اپنے دلوں کی دھڑکن سمجھتے ہیں۔ اور ناموس ختم نبوت کے پاسباں تمام مندوبین

رابطہ عالم اسلام، شہر کار کا نفرنس کو اور بالخصوص خادوم الحرمین الشریفین ملک فیصل کو نہایت خلوص سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ربیع الاول ۱۴۰۸ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۸۷ء کی شام کو مکہ مکرمہ کی مقدس فضاؤں اور بیت اللہ الحرام کے سایہ میں دنیا بھر کے ایک سو چوبیس علمی اور اسلامی تنظیموں کی کانفرنس شروع ہوئی۔ یہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع تھا جس میں اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہوں، نمائندوں، علم و فضل کے لحاظ سے دنیا کے اسلام کے مشاہیر علماء، ادباء، صحافی اور اہل قلم و ادب باب فکر نے متفقہ طور پر عالم اسلام کے دیگر مسائل کے علاوہ علمی اور دینی لحاظ سے اتحاد و اتحد اور اتحاد کی تحریکوں اور فتنوں کو بھی موضوع بحث بنایا۔ قادیانیت، صیہونیت، بہائیت، فری میسن اور اس کی ملحقہ تنظیمیں، عیسائی مشنریاں، کمیونزم، دہریت، مغریت، اور الحاد وغیرہ کے انسداد پر غور ہوا۔ ان غیر اسلامی اور باطل فتنوں میں سرفہرست قادیانیت کا مسئلہ تھا، جو اب بھگت اللہ عربوں کے لئے بھی لمحہ فکریہ بنتا جا رہا ہے اور سعودی عرب کے شاہ فیصل اور رابطہ عالم اسلامی کے مساعی اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل تحسین ہیں۔

باطل مذاہب کے بارہ میں قرار و ادویں مرتب کرنے والی کمیٹی کے چیرمین علامہ محمود صوّاف نے قرار داد پیش کرنے سے قبل قادیانی فتنہ کا مفصل تعارف کر لیا۔ اس کے تائیس کے سامراجی محرکات اور غیر اسلامی افکار و آراء اور عالم اسلام اور ملت مسلمہ کے خلاف مرزائیوں کے سیاسی کردار، سازشوں اور منصوبوں کو طشت از با م کیا۔ قادیانی ازم جو یقیناً ملت مسلمہ کے اتحاد کے لئے پوری دنیا میں ایک شرب کاری بنی ہوئی ہے کاپس منظر بیان کرنے کے بعد قرار و ادب نہایت جوش و خروش سے منظور کی گئی۔ قرار و ادب میں اسلامی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مرزائیوں سے ہر قسم کے عدم تعاون کا اعلان کیا جائے، بلکہ انہیں کسی بھی اہم کلیدی منصب پر فائز ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان مندوبین میں سے یہ تیرہ جتنی اور شقاوت صرف پاکستان کے ایک مندوب رٹی۔ ایچ انٹی کے حصہ میں آئی جس نے قرار و ادب کے اس حصہ سے

غیر جانبداری اختیار کر کے حق و باطل کے اس معرکہ میں ایک عالمی سیٹیج پر پاکستان کیلئے
 دولت و رسوائی کا سامان فراہم کیا ہم پاکستان کو رسوا کرنے والے اس شخص کی نہ صرف مذمت
 کرتے ہیں بلکہ اس کے اس شرمناک رویہ پر لعنت بھیجے بغیر نہیں رہ سکتے اور ساتھ ہی ایسے
 لوگوں کو کسی بین الاقوامی اجتماع کا مندوب منتخب کرنے پر ذمہ داران حکومت سے احتجاج
 کرتے ہوئے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس طرح مٹھی بھر قادیانیوں اور یہودیوں کو خوش کر
 کے پورے عالم اسلام کے شبہات اور خدشات مول لینا اور دنیائے عرب کے اسلامی
 جذبات انوث کو مجروح کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

بہر حال ٹی۔ ایچ ہاشمی قسم کے دینی حیثیت سے عاری سرف ایک شخص کے غیر جانبدار رہنے
 سے قرار داد کی اہمیت اور اجماعی حیثیت اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ علماء کی کتابوں
 اہل قلم کے مضامین، خطبات کے خطبوں، اہل تحقیق کی تصانیف، مفتیوں کے فتوؤں، عدالت
 کے ججوں، اور بعض اسمبلیوں کی قرار دادوں کے بعد اب مرکز اسلام ام القریٰ مکہ معظمہ میں
 میں ہونے والی اور دنیا بھر کے اسلامی فکر و نظر کی نمائندگی کرنے والی کانفرنس کی نگاہوں میں
 بھی قادیانیت قطعی کفر، دجل و بلیس، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف یہودیوں اور
 سامراجیوں کی کھٹبتی ایک اسلام دشمن تحریک ہے۔ دیکھئے اب اس اجماع کے بارہ
 میں مرزائیوں کے کذاب علمین کیا کہتے ہیں؟ مگر اس سے قطع نظر اسلامیان عالم اور اس
 کے ذمہ دار افراد کو بیت اللہ سے اٹھنے والی یہ آواز بھنپوڑ رہی ہے کہ تاجدارِ مدینہ کی
 عصمتِ خلعتِ ختم نبوت کو تار تار کرنے کی سعی ناکام کرنے والے ذیل ہاتھ کب تک
 دنیا سے اسلام کی غیرت کو لٹکارتے رہیں گے۔

اس تاریخی قرار داد (جس کا عربی متن آگے آ رہا ہے) میں قادیانیت کو
 عالم اسلام کے لئے سب سے مضر اور بدترین خطرہ قرار دیا گیا ہے اور جسے
 کانفرنس کے ایجنڈا میں پہلے نمبر پر جبکہ دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ
 یہ ہے۔

قرار داد

قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے۔ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اغراض خبیثہ کی تکمیل میں مصروف ہے اسلام کے قطعی اصولوں سے اس کی مخالفت ان باتوں سے واضح ہے :-

الف :- اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔

ب :- قرآنی آیات میں تحریف

ج :- جہاد کے باطل ہونے کے فتوے دینا۔

قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے رکھی اور اس نے اسے پروان چڑھایا وہ سامراج کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ قادیانی اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے مفادات سے غداری کرتے ہیں۔ اور ان طاقتوں کی مدد سے اسلام کے بنیادی عقائد میں تحریف و تبدیل اور بیخ کنی کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں مثلاً۔

الف :- دنیا میں مساجد کے نام پر اسلام دشمن طاقتوں کی کفالت سے ارتداد کے اڈے قائم کرنا۔

ب :- مدارس، سکولوں، یتیم خانوں اور امدادی کمیٹیوں کے نام پر غیر مسلم قوتوں کی مدد سے ان کے مقاصد کی تکمیل۔

ج :- دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ نسخوں کی اشاعت وغیرہ۔

ان خطرات کے پیش نظر کانفرنس میں متفقہ طور پر طے پایا گیا کہ :-

دنیا بھر کی ہر اسلامی تنظیم اور جماعتوں کا فریقہ ہے کہ وہ قادیانیت اور اس کی ہر قسم کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی ان کے معاہدہ مراکز، یتیم خانوں وغیرہ میں کڑی نگرانی کریں اور ان کے تمام دہ پردہ سیاسی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں۔ اور اس کے بعد ان کے پھیلنے سے ہر حال، منصوبوں، سازشوں سے بچنے کے لئے عالم اسلام کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ نیز

(الف) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے اور یہ کہ اس وجہ سے انہیں مقامات مقدسہ حرمین وغیرہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاسکے گی۔
مسلمان ان لوگوں سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کریں گے، اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی، عائلی وغیرہ ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ان سے شادی بیاہ کے ناطے نہیں کئے جائیں گے۔ نہ مسلمانوں کے مقبروں میں انہیں دفنایا جائے گا الغرض ہر طرح ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(د) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں ان کے تمام وسائل اور ذرائع کو ضبط کیا جائے۔ اور کسی قادیانی کو کسی اسلامی ملک میں کسی قسم کا بھی ذمہ دارانہ عہدہ نہ دیا جائے۔

(ک) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور ان کے تمام تراجم قرآن کا شمار اور نشانہ ہی کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی تردید کی جائے۔

ہم اس اہم قرار داد پر ایک بار پھر جلالتہ الملک فیصل المعظم، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور کانفرنس کے تمام شرکاء اور مندوبین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور عالم اسلام بالخصوص اپنی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس قرار داد کو یہاں کے چند ملاؤں کی بڑی قرارداد دینے کی بجائے اس کی اہمیت، دور رس اور گہرائی پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہے۔ (۲ مئی - ۹ شش - ۷ مئی ۱۹۷۴ء ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ)

”رابطہ عالم اسلامی کی قرار داد کا عربی متن“

”نداء من مکتہ المکرمۃ تنادی المسلمین“
نحلة هدا امة تجعل
من اسم الاسلام شعائر

الستراغلا منها الخبيثة | برز مغالقاتها للاسلام :-

(د) ادعاء زعيمها النبوة -

(ب) تحريف النصوص القرآنية -

(ج) ابطالهم للجهاد -

القاديانية ربيبة الاستعمار البريطاني ولا تظهر الا في ظل حمايته ...
تتعاون القاديانية قضايا الامة الاسلامية وتقف موالية للاستعمار والصهيونية
تتعاون القاديانية مع القوى المناهضة للاسلام وتتخذها هذه القوى واجهة
لتحطيم العقيدة الاسلامية وتحريفها وذلك بما ياتي -

١- انشاء مساجد تحولها القوى المعادية ويتم فيها التبشير بالفكر
القادياني المنحرف -

ب- فتح مدارس ومعاهد وملاجئ للايتام وفيها جميعا تمارس القاديانية
نشاطها التخريبي لحساب القوى المعادية للاسلام -

ج- تقوم القاديانية بنشر ترجمات معرّفة لمعاني القرآن الكريم بمختلف اللغات
العالمية واللهجات المحلية بامكانية القوى المعادية ولا يقات هذا النشاط
التخريبي للاسلام يقترح ما ياتي -

١- تقوم كل هيئة اسلامية بحصر النشاط القادياني في مساجدهم ومدارسهم وملاجئهم
وكل الامكنة التي يمارسون فيها نشاطهم الهدام في منطقتهم وكشف القاديانيين
والتحريف بهم للعالم الاسلامي تماميا للوقوع في حبالهم -

٢- اعلان كفر هذه الطائفة وخروجها على الاسلام وهي لهذا اتمنع من دخول
الارض المقدسة -

٣- عدم التعامل معهم ومقاطعتهم اقتصاديا واجتماعيا ونكاحيا وعدم التزويج منهم
وفتهم في مقابر المسلمين ومعاملتهم ككفار -

٤- مطالبة الحكومات الاسلامية بمصادرة كل نشاط هذه الجماعات وتسليمه للمسلمين
الحقيقيين وعدم توظيف القادياني والسماح له بحز اوله اى عمل -

٥- نشر مصوّرات نكل التحريفات القاديانية في القرآن الكريم مع حصر الترجمات
القاديانية لمعاني القرآن والتبنيه عليها - والندوة مكة المكرمة ٨- ابريل ١٩٤٧

سرحد اسمبلی کی قابل تحسین قراردادیں

قرارداد ۷۔ جو صوبہ سرحد اسمبلی میں مورخہ ۷-۷-۴۷ء کو مولانا حبیب گل ناظم جمعیت علماء اسلام پاکستان نے پیش کی اور بھاری اکثریت سے منظور ہوئی۔

”یہ اسمبلی صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ صوبہ سرحد میں فلم ”ڈان آف اسلام“ جس کی نمائش سے مذہب اسلام کی توہین ہوتی ہے، کی درآمد پر پابندی عائد کرے۔
نیر مرکزی حکومت سے بھی اسی امر کی استدعا کی جائے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس مذہوم فلم کی نمائش فوراً بند کر دے،“

قرارداد ۸۔ جو مولانا عبدالصمد رکن مجلس شوریٰ جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد نے پیش کی اور جو متفقہ طور پر منظور ہوئی۔

”یہ اسمبلی صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں تمام اسلامی احکامات کو قانونی شکل دے کر فی الفور نافذ کرے۔“

تادیابوں کے بارہ میں مولانا حبیب گل صاحب کی پیش کردہ قرارداد اقلیت کی تفصیل اخبارات میں آچکی ہے۔ ہم ان نہایت اہم قراردادوں کی تحریک پر محرکین قرار داد اور قرارداد منظور ہونے پر پوری اسمبلی کو دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مسلمانان سرحد کے جذبات دینی اور ایمانی حجت پر مبنی فیصلے رنگ لارہے ہیں۔ اقتدار اور اختلاف دونوں صورتوں میں اہل ایمان و اخلاص کی سعی ضائع نہیں جاتی۔

(ج ۹ ش ۱۰-۱۱ جولائی، اگست ۱۹۷۷ء)

قومی اسمبلی اور آئین میں مسلمان کی تعریف — مسلم اور غیر مسلم کا تشخص کیوں ضروری ہے —

قومی اسمبلی میں عبوری آئین پر بحث کے دوران علماء کے مختلف مکاتب فکر نے متفق ہو کر پورے شد و مد کے ساتھ مطالبہ کیا کہ آئین میں جہاں ملک کی وحدت اور دیگر کلیدی اساسیوں کے لئے مسلمان کا ہونا لازمی قرار دیا جائے وہاں مسلم کی تعریف بھی ہونی چاہیئے کیونکہ کسی چیز کی ماہیت اس کی جامع اور مانع تعریف ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلمان قوم کی ایک مستقل تشخص ہے جو اسے دوسری اقوام اور مل سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی انفرادی اور امتیازی تشخص ہی وہ قومی نظریہ کی بنیاد تشکیل پاکستان کا ذریعہ بنا ہے۔ آج بھی کوئی اسلامی مملکت اور مسلم قوم اپنے وجود کو صرف اس صورت میں برقرار رکھ سکتی ہے کہ وہ ایک واضح اور غیر مبہم مفہوم کے ذریعہ مار آستین اسلام نامہ مندوں اور کافروں سے اپنی ملت کی حفاظت کر سکے۔ بھغیر پاک و ہند کی مختلف الاقوام حیثیت پھر موجودہ حالات میں پاکستان کی نزاکتیں اس مطالبہ کو ایک جائز اور معقول مطالبہ قرار دیتی ہیں۔ مگر حزب اقتدار نے جس زور شور سے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا اس کی کوئی مناسب وجہ بجز ”مرزائیت نوازی“ اور الحاد پروری کے اور سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا کہ چور کو داڑھی کا تنکا نظر آنے لگا۔ اور مرزائیوں نے اور کسی حد تک سکینین حدیث پر دینریوں نے حکومت کے اختیار کردہ موقف پر خوشی اور مسرت کا طوفان اٹھایا۔ آج ان لوگوں کے پریس پر

کی تصانیف رسائل الفضل، آئینہ صداقت، کلمۃ الفضل وغیرہ مرزا یانی ٹریکچر) ستم بالائے ستم مرزائیوں کے لاہوری ٹوٹے پر ہے، جو آج اس واویلہ میں قادیانیوں کا ہمنوا ہے۔ اگر وہ صرف کلمہ کہنے کو اسلام کا سرٹیفکیٹ سمجھتا ہے تو پھر وہ کس بنیاد پر قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور قادیانی انہیں کیہ دن دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

۴۔ وقت مرزا ایت کا فتنہ جس انداز میں مسلمانوں، اور بقایا پاکستان کے لئے خطرہ کا الارم بنا ہوا ہے۔ اس شجرہ خبیثہ کے ہاتھوں مستقبل میں جو خطرات پاکستان کو درپیش آ سکتے ہیں ہم اس پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں بہت سے درون خانہ اسرار و رموز کا علم ہے۔ اگر خدا نے اس بے بس ملک پر خاص نگاہِ کرم نہ فرمائی تو سازشوں کے شکار ہونے کا خطرہ یقین سے بدل سکتا ہے۔ دفاعی نقطہ نظر سے ہم دن بدن ان لوگوں کے ہین منت بنتے جا رہے ہیں جو عقیدتاً تباہا کو حرام سمجھتے اور اس ملک کے باشندوں کو قطعی کافر سمجھتے ہیں۔ اقتصادیات میں ان کے عمل دخل کے نتیجہ میں ملک دو ٹکڑے ہوا۔ ایم ایم احمد ہی کی وجہ سے دونوں صوبوں کے درمیان افسریت کی خلیج بڑھتی رہی۔ معاشی لحاظ سے ملک کا دیوالیہ ہوا۔

سیاسی عیاریوں کی یہ حالت کہ ایک طرف استعماری اور سامراجی اغراض کی خاطر ہمیں کاسٹ گڈائی کے کرپورپ کا، درلودہ گری پر مجبور کر دیا گیا، ملک پر اربوں روپے کا بوجھ لگتا چلا گیا۔ دوسری طرف چینی غیر بذات خود دلدلہ کی یا ترا کرنے جا رہا ہے، روس کانفرنس سیکریٹری خضیہ طور پر ربوہ جا چکا ہے، خضیہ سے خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ مگر پریس میں نہ تو اس بارہ میں کوئی خبر شائع ہوئی ہے، نہ مرزائی اسے مصلحتاً ظاہر کرنے دیتے ہیں جبکہ چین آزادی اور حریت کا دعویدار ہے، اور ربوہ سامراجی اور صیہونی سازشوں کا اڈہ۔ باخبر لوگ اس اجتماعِ ضدین پر محو حیرت ہیں۔ کیا یہ سب کچھ زیر زمین کسی سازش کی غمازی نہیں کرتا حکومت ان سب باتوں سے باخبر ہوگی مگر نوٹس تو کیا باہمی عہد و پیمان جیسا سلوک ہے کہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے ارکان مرزا ایت کو کفر سے بچانے کے لئے اسمبلی میں

سطحی نظر ڈال کر بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لیکن اس مطالبہ پر مرزائی جتنے بھی سیخ پا ہوں گے اور پرویزی یا منکر خدا اور رسولؐ کیونست جتنی ناگواری ظاہر کریں گے اتنی ہی اس مطالبہ کی معقولیت اور گہرائی و دوررسی ظاہر ہوتی چلی جائے گی جس سے اسمبل کے حزب اقتدار نے محترم وزیر اطلاعات کی قیادت میں علماء کے باہمی اختلاف کی آڑ میں فرار اختیار کرنا چاہا، مگر علماء کی متفقہ پیش کردہ تعریف نے آئینی کمیٹی کے لئے یہ راستہ بھی مسدود کر دیا ہے۔

تعجب تو مرزائی گروہ پر ہے جو ایسے مطالبات کو مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی سمجھ رہا ہے جب کہ اس گروہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے قلعہ اتحاد و تہم نبوت میں شکاف ڈالنے کی گاتار سعی کی اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار اور نفاق کا بیج ڈالنے کے لئے ایک مستقل مذہب کھڑا کر دیا۔ اسلام اور کفر کے درمیان خط امتیاز کھینچنے پر یہ لوگ چلا رہے ہیں۔ جبکہ ان کے پیرو مرشد قیسی کذاب قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو قطعی کافر، مرتد، جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، خواہ کسی نے اس کا نام تک بھی نہ سنا ہو مگر وہ ادلثک ہم الکافرون حقاً کا مصداق بنا جو اپنے نہ ماننے والے تمام عالم اسلام سے معاشرتی اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا حرام سمجھتا ہو اور جو لوگ اس ”جرم انکار“ بانی پاکستان مسٹر جناح کو بھی مستحق جنازہ و دعائے سمجھتے ہوں، جو گروہ اپنے دائرہ میں اپنے پیروؤں کے لئے ایک مستقل دین، مذہب اور انفرادی و امتیازی خصوصیات اور تشخصات کا طلبگار رہا ہو۔ (ملاحظہ ہو مرزا قادیانی اور ان کے خلفاء وغیرہ

۱۔ قومی اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں مولانا کوثر نیازی نے اختلاف علماء کی آڑے کر تعریفِ مسلم کے مطالبہ کو ٹالنا چاہا مگر علمائے کرام نے اپنے متفقہ موقف سے اس چیلنج کا جواب دے دیا اور اسی اجلاس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے تمام علماء اراکین اسمبلی کی تائید و تصویب سے مسلمانوں کی متفقہ تعریف پیش کر دی جسے بعد میں آئین کا حصہ بنایا گیا اور جو قادیانیوں کے سلسلہ میں ان حضرات کی پہلی دستوری فتح تھی۔ ”س“

کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۃ اسلام میں ہوتا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں، ”دعوت اقبال ص ۱۳۷“
 یہ مفادات اسی سے وابستہ ہیں کہ مرزائیت اسلام کے لئے دام ہم رنگ زمین بن کر مارا سیتا بنا رہے۔ پھر کیا وہ اپنے الگ تشخص اور کسی انفرادی امتیاز کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہیں علامہ اقبالؒ نے کتنی حقیقت بینی کا ثبوت دیا کہ:-

”ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیا کے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو ٹرے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار اپنی جماعت کا بنیاداً مسلمانوں کے قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ تمام دنیا کے اسلام کا فرہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں زیادہ دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں مگر وہ ہندو کے مندروں میں پوجا نہیں کرتے“ ”دعوت اقبال ص ۱۳۷“

اس علیحدگی اور مقاطعہ و متارکہ کے باوجود مرزائی ہم سے رواداری اور حسن ظن کی امید رکھتے ہیں۔ وہ تو ہمیں کافر سمجھیں مگر ادھر سے اسلام کی تعریف کا مطالبہ بھی تفرقہ انگیزی اور شر پسندی ہو، ان دو طرفہ مفادات کی آخر وہ ملت مسلمہ سے کس بنیاد پر توقع رکھتی ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے مسلمانوں کی آبرو کے دنیا و دین متاعِ اولین و آخرین روح کائنات سرورِ عالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے روائے ختم نبوت اور غلعتِ ختم المرسلین پر ڈاکہ ڈالا اور ملت مسلمہ کی غیرت ایمانی کو خجروں کیا۔ کیا کسی ملت کے قلعہ وحدت کو پاش پاش کرنے کی جرأت کا اتنی فراخ دلی سے صلہ دیا جاسکتا ہے جس کی مرزائیت ہم سے طلبگار ہے اور کیا حصارِ اسلام میں پے درپے نقب لگانے کے بعد بھی مرزائیت

مسلمانوں کی کسی حکومت کی اتنی کرم فرمایوں کی مستحق ہو سکتی ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر اپنے بعض کرم فرماؤں کی آرزو وہ دلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کی یہ تقریب اقبالؒ ہی کے الفاظ پر ختم کر کے دوسری فرصت پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

”میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ جو تھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے کا انتظار نہ کیا اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کا کیوں انتظار کر رہی ہے“

(حرف اقبال ص ۱۳۸) (جون ۱۹۲۷ء)

قومی اسمبلی

اور

قادیانیت

معزز اراکین اسمبلی!

ملت اسلامیہ تقریباً نوے سال سے مرزائیت کے سقم بہہ رہی ہے۔ اس مذہب کی طرف سے اسلام کے نام پر اسلام کی جڑیں کاٹنے کی جو طویل مہم جاری ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کی دھجیاں بکھیری گئی ہیں۔ قرآنی آیات کے ساتھ حکم کھلا مذاق کیا گیا ہے۔ احادیث نبویؐ سے تلاعب کیا گیا ہے۔ انبیاء کرامؑ صحابہؓ کے مقدس گروہ۔ اہل بیت عظامؑ اور اسلام کی جلیل القدر شخصیتوں پر علانیہ کبچڑا چھا لا گیا ہے۔ اسلامی شعائر کی برملا توہین کی گئی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ مرزا غلام احمد جیسے کردار کو اس رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ”پہلو پہ پہلو“ کھڑا کرنے بلکہ اس سے بھی بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے جس کے مقام عظمت و رفعت کے آگے فرشتوں کا سر نیزا نہ بھی خم ہے۔ جس کے نام نامی سے انہائیت کا بھرم قائم ہے۔ اور جس کے دامن رحمت کی نیا ضیوں کے آگے مشرق و مغرب کی حدود بے معنی ہیں۔

خیمہ اخلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

۱۔ قادیانی مسئلہ قومی اسمبلی میں نیز بحث تمام مذاہب کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق زیر غور قرار داد کی شریعات پر مشتمل ”ملت اسلامیہ موقف“ کے نام سے جو کتاب اسمبلی میں پڑھ کر سنائی گئی اس کتاب کی تائید اس درمیانہ گزارش پر کیا گیا ہے

مرزائیت اسی رحمتہ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہداء کیوں کے خلاف توڑے سال سے سازشوں میں مصروف ہے۔ اس نے ہمیشہ اسلام کا روپ دھار کر امت مسلمہ کی پشت میں خنجر گھونپنے اور دشمنان اسلام کے عزائم کو اندرونی اڈے فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں فرزندانِ توحید کے قتل عام اور مسلم خواتین کی بے حرمتی پر بھی چراغ جلائے ہیں اور اس نے اپنے آپ کو ملتِ مسلمہ کا ایک حصہ ظاہر کر کے اسلام دشمنوں کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو اس کے کھلم کھلا دشمن انجام نہیں دے سکتے تھے۔

ملتِ مسلمہ توڑے سال سے مرزائیت کے یہ مظالم جھیل رہی ہے۔ انہی مظالم کی بنا پر تمام مسلمانوں اور مصوٰر پاکستان علاءِ اقبال مرحوم نے اپنے زلمے کی انگریز حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مرزائی مذہب کے قبیحین کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر انہیں مسلمانوں کے جماعت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ لیکن وہ ایک ایسی حکومت کے دور میں پیدا ہوئے تھے جس نے مرزائیت کا پورا خود کاشت کیا تھا۔ اور جس نے ہمیشہ اپنے مفادات کی خاطر مرزائیت کی پیٹھ پیچھنے کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی۔ لہذا پوری ملتِ اسلامیہ، اور خاص طور سے علاءِ اقبالؒ کی درد میں ڈوبی ہوئی فریادیں ہمیشہ حکومت کے ایوانوں سے ٹکر کر رہ گئیں۔ مسلمان بے دست و پا تھے۔ اس لئے وہ مرزائیت کے مظالم سہنے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

آج اسی مصوٰر پاکستان کے خوابوں کی تعبیر پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ یہاں ہم کسی بیرونی حکومت کے ماتحت نہیں تھے، لیکن افسوس ہے کہ تائیس سال گزرنے کے بعد بھی ہم ملتِ اسلامیہ کی اس ناگزیر ضرورت، اس کے دیرینہ مطالبے اور حق و انصاف کے اس تقاضے کو پورا نہیں کر سکے۔ اور اس عرصے میں مرزائیت کے ہاتھوں سینکڑوں مزید زخم کھائے ہیں۔

معزز اراکینِ اسمبلی!

اب ایک طویل انتظار کے بعد یہ اہم مسئلہ آپ حضرات کے سپرد ہوا ہے۔ اور صرف

پاکستان ہی نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں، پوری مسلم دنیا آپ کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اور ان مُلحد اشیاءِ مسلمانوں کی روحیں آپ کے فیصلے کی منتظر ہیں۔ جنہوں نے غلامی کی تاریک رات میں مرزائیت کے پچھائے ہوئے کانٹوں پر جان دے دی تھی۔ جو حق و انصاف کو پکارتے رہے مگر ان کی شنوائی نہ ہوئی۔ اور جو ستائیس سال سے اس مسلم ریاست کی طرف دیکھ رہے ہیں جو مجاہدین آزادی کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی ہے۔ اور جو دو سو سالہ غلامی کے بعد مسلمانوں کی پناہ گاہ کے طور پر حاصل کی گئی ہے۔

معزز اراکینِ اسمبلی!

مسلمان کسی ظلم نہیں کرنا چاہتے۔ مسلمانوں کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اس مرزائی ملت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے جس نے اسلام سے کھلم کھلا توہینِ علیحدگی اختیار کی ہے جس نے اسلام کے مُسلم عقائد کو جھٹلایا ہے جس نے دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کو بر ملا کافر کہا ہے۔ اور جس نے خود اللہ اپنے آپکو ملتِ اسلامیہ سے کاٹ لیا ہے۔ ان کی عبادت گاہیں مسلمانوں سے الگ ہیں۔ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے دونوں طرف سے ناجائز سمجھے جاتے ہیں اور عدالتیں ایسے رشتوں کو غیر قانونی قرار دے چکی ہیں۔ مسلمان مرزائیوں کے اور مرزائی مسلمانوں کے جنازوں میں شرکت بھارت نہیں سمجھتے، اور ان کے آپس میں ہم مذہبیوں کے سے تمام معاشرتی رشتے کٹ چکے ہیں۔ لہٰذا اسمبلی کی طرف سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کوئی ایجنڈا یا مصنوعی اُف رَام نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک ایسی ظاہر و باہر حقیقت کا سرکاری سطح پر اعتراف ہوگا۔ جو پہلے ہی عالم اسلام میں اپنے آپ کو منوا چکی ہے۔

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز کوئی ایسی تجویز نہیں ہے۔ جو کسی شخصی عداوت یا سیاسی لڑائی نے وقتی طور پر کھڑی کر دی ہو۔ بلکہ یہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات کا، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں ارشادات کا، امت کے تمام صحابہ و تابعین اور فقہاء و محدثین کا، تاریخ اسلام کی تمام عدالتوں اور حکومتوں کا، مذاہبِ عالم کی پوری تاریخ کا، دنیا کے موجودہ ستر کروڑ مسلمانوں کا، پاکستان کے ابتدائی مصوّروں کا، خود مرزائی پیشواؤں کے اقراری بیانات کا، اور ان کے نوے سالہ طرزِ عمل کا فیصلہ ہے۔ اور اس کا انکار عین دوپہر کے وقت سورج کے وجود کا انکار ہے۔

چونکہ مرزائی جماعتیں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے امتِ مسلمہ کے مفادات کے خلاف

کارروائیوں میں مصروف رہتی ہیں، اس لئے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان اس وقت منافرت^۲ عداوت کی ایسی فضا قائم ہے۔ جو دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ نہیں ہے۔ اس صورتحال کا اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے کہ مرزائیوں کو سرکاری سطح پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے اسکے بعد دوسری اقلیتوں کی طرح مرزائیوں کے جان و مال کی حفاظت بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔ مسلمانوں نے اپنے ملک کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ ہمیشہ انتہائی خیانتی اور رواداری کا سلوک کیا ہے۔ لہذا مرزائیوں کو سرکاری سطح پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد ملک میں ان کے جان و مال کا زبادہ محفوظ ہوگا۔ اور منافرت کی وہ آگ جو وقفے وقفے سے بھڑک اٹھتی ہے، ملک کی سالمیت کے لئے کبھی خطرہ نہیں بن سکے گی۔

لہذا اہم آپ سے اللہ کے نام پر شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے نام پر قرآن و سنت امتِ اسلامیہ کے اجماع کے نام پر حق و انصاف اور دیانت و صداقت کے نام پر دنیا کے سرکردہ مسلمانوں کے نام پر آزادی ہند کے مقدس مجاہدین کے نام پر اور پاکستان کے ابتدائی مصوروں کے نام پر یہ اپیل کرتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے اس مطالبے کو پورا کرے جس میں کسی قسم کے دباؤ سے متاثر نہ ہوں، اور جو اختیارات آپ کو حاصل ہیں انہیں ملت کی فلاح کے لئے استعمال کر کے اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کریں جن کی شفاعت میلانِ محشر میں ہمارا آخری سہارا ہے۔ اگر ہم نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہ کیا تو ملتِ اسلامیہ میں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اقتدار و اختیار ڈھل جانا ہے، لیکن غلط فیصلوں کا داغ موت کے بعد تک نہیں مٹتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی دستگیری فرمائے۔ آمین۔ (محررین قرار داد ۲ منجانب، ۳۳ راکین قومی اسمبلی)

اگست ۱۹۶۷ء

۷ ستمبر کا تاریخی اور اسلامی فیصلہ

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی شام کو ان آنکھوں نے قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ کا جو عظیم اور مبارک فیصلہ ہوتے دیکھا اس کے تاثرات اور احساسات کے اظہار سے قطعی طور پر اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں، میرے سامنے وہ نازک لمحات گزر رہے تھے جن کا تقریباً پلوں صدی سے ملت مسئلہ کو انتظار رہا۔ کتنے اہل اللہ تھے جن کی بیندیں سیلہ پنجاب علیہ ماعلیہ کی فتنہ سامانیوں کو دیکھ دیکھ کر حرام ہو گئیں تھیں۔ کتنے اکابر علم و فضل اور مردانِ بحث و تحقیق تھے جن کی علم و فکر کی ساری قوتیں اس راہ میں خرچ ہوئیں۔ کتنے اصحابِ عشق و عزیمت تھے جنہوں نے شہنشاہِ دو عالم کی بارگاہ میں سرخروئی پانے کے لئے اپنی جانیں لیلائے ناموسِ ختمِ نبوت پر لٹا دیں۔ کتنے اربابِ جہد و جہاد تھے جنہوں نے کھلے دل اور کشادہ پیشانی سے اس راہ کی ہر قید و بند کی صعوبتوں کو گلے سے لگایا۔

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ مے زند
کتنے اعظامِ صدق و صفا تھے جنہوں نے وصیتیں کیں کہ اگر ایسا یومِ مسعود اور فتحِ مبین دیکھنا نصیب ہو جائے تو ہماری قبروں پر اگر مرثدہ سنا دیا جائے۔ آج علامہ انور شاہ کشمیری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ارحامِ نوشی سے جہنم اٹھی ہیں۔ وہ دیکھو اقبالؒ، ظفر علی خانؒ اور الیاس برنیؒ کتنے شاداں و فرحاں ہیں شمار اللہ امرتسریؒ کی سرخروئی میں اور بھو، اضافہ ہو چکا ہے۔ پیر علی شاہؒ اور محمد علی مونگیریؒ کی خانقاہیں جگمگا اٹھی ہیں حبیب الرحمنؒ بھی انور

ختم نبوت کا منطقی مطالبہ | جبکہ وہ خاتم النبیین ہیں تو سارے ارباب و ملل، احکام و
فلزین اور دساتیر و قوانین کا بھی اسی پر خاتمہ ہو چکا ہے۔

یہی ختم نبوت کا مطالبہ ہے۔ اب ساری تہذیب، سارے ازم اور سارے تمدن اسکے
مدنی تمدن کے سامنے مسٹ چکے ہیں۔

آج کے اس عظیم اور بے مثال فیصلہ پر پوری ملت کی طرح میری خوشیوں اور مسرتوں
کی انتہا نہیں۔ میں اپنے آپ کو اس احساسِ حمد و ثنا اور ان جذباتِ مسرت و ابتهلاج کے
اظہار سے قطعی عاجز پارہا ہوں۔ پھر بھی جذبات کے طوفان میں رواں رواں خدائے رب العالین
کا احسان مند اور شکر گزار رہتا چاہیے۔

میرے عزیز قارئین! خدا رنجے بتائیے، میں ان لامحدود اور غیر فانی مسرتوں کو اپنے محدود
اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کیسے سمیٹ سکتا ہوں۔ ؟

الحمد لله الذي نصر عبده كذا انجز وعده وهزم الاحزاب وعده هو الذي
ارسل رسوله بالهدى ودين الحق لينظروا على الدين كله وكفى بالله شهيدا — اللهم
لك الحمد ملك السموات والارض لا نعصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك
الصلوٰة والسلا م عليك يا امام المرسلين يا قائد الخير يا بنى الرحمة يا بنى
الانبياء يا امام الرشاد والهدى تضديك باعنا واولادنا وارواحنا يا سيد المرسلين۔
وان الله يقول الحق وهو يهدي السبيل۔

۱۱ رمضان سنہ ۱۴۲۹ھ

محمد علی جالندھریؒ، احسان احمد شجاع آبادیؒ، لال حسین اختر، چوہدری افضل حق کی محنتیں رنگ لائی ہیں۔ دیوبند، لکھنؤ، البھیانہ، میرٹھ اور سہارنپور کے قدوسیوں میں جشن برپا ہے الغرض ملاء اعلیٰ کی ساری کائنات محمد عربیؐ کے زمزموں سے گونج اٹھی ہے۔ باطل مٹ چکا، اہل باطل ماتم کناں ہو گئے۔ یہی ہونا تھا۔ ان الباطل کان زھو قآہ

محمد عربیؐ کہ آبرو کے ہر دوسرا ست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

۶ ستمبر پاکستان کی جغرافیائی سرحدات کا یوم دفاع تھا، تو ۷ ستمبر شرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کی نظریاتی سرحدات کے ناقابل تسخیر ہونے کا اعلان ہے۔ ۷ ستمبر کا فیصلہ عظیم فیصلہ، عظیم کارنامہ عظیم اہم و منزلت اور عظیم نتائج اور ذمہ داریوں کا دن ہے۔ خوشیوں اور مسرتوں کا دن۔ پورے عالم اسلام کے نام لبوایان محمد عربیؐ کیلئے کہ ان کے آقا اور مولیٰؐ کی ابدی عظمتوں اور دائمی رفعتوں پر ایک اور مہر لگ گئی۔ پوری ملت اسلامیہ کی شادمانی کا دن ہے۔ اس لئے کہ ملت کی وحدت و یگانگت ان خائن ہاتھوں سے محفوظ کر دی گئی جس کی چیرہ دستیوں سے ملت کا شیرازہ دو لخت ہو رہا تھا۔ یہ فیصلہ باعث حدیث التحسین و تبریک ہے پوری قوم کے لئے، علماء اور طلباء کے لئے، تبار اور ملازمین کے لئے، اہل دانش اور اہل قلم کے لئے، اہل علم و فضل کیلئے، حاکم اور محکوم کیلئے، عامۃ المسلمین کیلئے، پارلیمنٹ اور اس کے تمام ارکان کیلئے، حزب اختلاف اور حزب اقتدار کیلئے، دینی اور سیاسی تنظیموں کی متحدہ مجلس عمل کیلئے، اور اس کے ایمانی بصیرت سے سرشار رہنماؤں کے لئے اور ان سب کے ساتھ وزیر اعظم بھٹو کیلئے کہ سب اپنی اپنی نیت اور عمل کے مطابق رضائے مصطفویٰ اور خوشنودی ربانی کے سزاوار تھے۔ انشاء اللہ مسلمانو! یہ فیصلہ ہمارے ذمہ ایک قرض تھا، محمد عربیؐ علیہ السلام کا سامنا اس کے بغیر مشکل تھا۔ نہ ہم اس کا شفاقت ہو سکتے تھے۔ مغربی سامراج کا پالا ہوا کتا خاتم النبیینؐ کی عظمتوں کے آفتاب و مہتاب کو بڑھال سے دیکھ کر بھونکتا رہا۔ وہ سامراج کا پروردہ تھا۔ اور ہم سامراج کے غلام، اس لئے مجبور و بے بس۔

ہم اگست نہیں بلکہ ستمبر! تو اسے گو کہ جشن آزادی منانے والو! اب تم ہمیشہ ہم اگست کی بجائے، ستمبر کو جشن آزادی منایا کرو کہ انگریز استعمار اگست کو نہیں، ستمبر کو چکا۔ انگریزی مقاصد، ستمبر کو خاک میں مل گئے۔ جھوٹے مدعی نبوت کی متعفن لاش ٹھکانے کے ساتھ، ستمبر کو ہمیں استعمار کا گرفت سے نجات ملی۔

مگر اس کے ساتھ ہوشیار بھی رہو کہ یہ ضربِ کاری استعمار و صیہونیت اور پورے عالمِ کفر کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں نہیں سہے گا، اس کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اور بھی بڑھ جائیں گی اور منصوبے اور بھی گہرے ہو جائیں گے ہمیں بھی اس سے بڑھ کر تدبیر و فراست و نبی جیت اور اتحاد و یگانگت سے کام لینا ہوگا۔ اور ملتِ مسلمہ کے تمام افراد کو اس کی فتنہ سامانیوں سے خبردار رکھنا ہوگا۔ پورے عالمِ اسلام بلکہ پوری دنیا میں اس فتنہ کا تعاقب اور احتساب، ستمبر کے فیصلے کا منطقی تقاضا ہے۔

مسلمانو! یہ فیصلہ ملتِ محمدیہ کی تاریخ کا ایک سنہری فیصلہ ہے۔ مسلمانو! یہ فیصلہ ہے۔ اور عالمِ اسلام پر نبوتِ محمد عربی علیہ السلام کی ابدیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کی رسالت و شریعت کی ہمہ گیری اور عالمگیری کا اعلان چودہ سو سال بعد بھی ہو چکا ہے۔

یہ فیصلہ ارشادِ خداوندی — ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیطہرہ علی الدین کلہ — کا ایک اور ظہور ہے۔ یہ سب کچھ اس ذاتِ کبریاٰ عز و جل کی ان رحمتوں کا منطقی نتیجہ ہے جو اس کے آخری نبی کے لئے محفوظ و مخصوص ہیں جس نے اپنے محبوب کو ورفعالک ذکرک سے مخاطب کیا اور جس نے انہیں وکان فضل اللہ علیک عظیما — اور — ولسوف یعطیک ربک فترحی — کی بشارتیں دیں حضور محمد عربیؐ قذہ ابی وائی علیہ السلام امر اور لافانی ہیں اس کی نبوت و رسالت دائمی ابدی اور مردی ہے۔

اے اقوامِ عالم مرکزِ ثقل سے وابستہ ہو جاؤ | پس اے اقوامِ عالم! دیکھو۔

چودہ سو سال گزر جائے پر بھی محمد عربی علیہ السلام کے سر پر تاجِ ختمِ نبوت کیسا جگمگ کر رہا ہے اور ان کی ذات پر قبائے تکمیل دین کتنی فٹ اور خلعتِ اتمامِ نعمت دین کتنی زیبہ ہے۔ کہیں اقوامِ عالم اور تاریخ ادیان و ملل میں اس ابدیت اور دوام کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے؟ اگر نہیں تو آؤ اس ابدی صداقت، لافانی حقیقتِ کبریٰ، نبوت کے مقامِ معراج اور انسانیت کے مرکزِ ثقل سے اپنے آپ کو وابستہ کر لو اور اس کا دامنِ تمام لو۔

فتویٰ اسمبلی کے اقلیتی فیصلہ پر

نذرانہ عقیدت

ماہنامہ الحق اس شمارہ سے اپنی حیاتِ مستعار کے دسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ زندگی کے اس مختصر یا طول سفر میں جو کٹھن مراحل آئے باجن سنگلاخ اور دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا یہاں ہم اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ نہ کوئی شکوہ ہے نہ شکایت کہ یہ راہ پھولوں کی سیج نہیں۔ نہ کبھی جاوہ حق کا سفر مادی اور ظاہری آسائشوں اور مہولتوں کا منت پذیر ہوا ہے۔ لیلائے حق و صداقت اپنے متوالوں کو اگر بلاتی ہے تو کسی کی زبان میں یہ کہتے ہوئے دعوتِ وصال دیتی ہے۔ کہ سہ

انہی پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ میرے گھر کے راستہ میں کئی گہکشاں نہیں ہے
الحق نے اپنی نویں منزل کے اختتام پر یعنی ستمبر میں قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کی شکل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ فتح و شادمانی اور قرب و وصال حق اور حصولِ مقصود و مطلوب کی ایک ایسی نعمت بے سرشار ہٹوا جس کا شکریہ کسی بھی نالواں مخلوق کے بس میں نہیں نہ اس نعمت کی صداوت و مسرت کبھی زائل ہو سکتی ہے، انشاء اللہ عز و جل اس راہ میں الحق کی ناچیز کوششیں بھی رائیگاں نہیں گئی ہوں گی۔ دسویں سال کے آغاز میں اس نعمت کے شکریہ کے طور پر ہم آقاؐ سے نامدار حضورِ رحمتہ للعالمین خاتم النبیینؐ کی بارگاہِ اقدس میں تاج و تخت ختم نبوتؐ اور ناموس ختم المرسلینؐ کے آئینی تحفظ کی تقریب میں ایک حقیر سا

مذرائہ عقیدت پیش کر رہے ہیں اور وہ قادیانی مسئلہ پر مشابہ علم و فضل اور علماء ملک و ملت کے جذبات و تاثرات کا حسین گلدستہ ہے۔ اس امید پر کہ کیا عجب ان گلبائے عقیدت کو پیش کرنے والے اور اس کے مرتبین ادارہ الحق اور تمام قارئین الحق کے لئے قیامت کے دن شافعِ محشر کی شفاعت و خوشنودی کا ذریعہ بن جائے اور یہی بضاعۃ مزجاة بارگاہِ ایزدی سے پروائے نجات نصیب ہونے کا وسیلہ بن جائے کہ یہی امید ہی زاویہ اور سرمایہ آخرت ہے۔ بہر حال الحق کا مخصوص حصہ بارگاہِ ختم المرسلین میں اس التجاء کے ساتھ پیش ہے کہ وجبتا ببضاعة مزجاة فادف لنا الکلیل ونصدق علينا ان الله يحب المتصدقين۔

خراج عقیدت کے اس بابرکت ہدیہ میں کوئی بخل کئے بغیر ہم نے بلا لحاظ مشرب و مسک ملک و ملت اور علم و فضل سے تعلق رکھنے والے مختلف مکاتب فکر کے زعماء، علماء، اہل قلم اور ارباب فکر کو اظہار خیال کی دعوت دی نہ حزب اقتدار اور اختلاف میں تفریق کیا نہ اپنوں اور غیروں میں کہ ہر ایک رحمت کائنات کی رحمت گریبانہ کا امیدوار اور طلبگار ہے۔ اور تقریباً سب نے مسئلہ ختم نبوت میں حتیٰ الغد و حصہ لیا۔ ہمیں خوشی ہے اور ہم خلوص دل سے ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے گوناگوں مشاغل اور عوارض کے باوجود ہمیں اپنے احساسات اور شجاعت و یز سے نوازا اور کسی نے واقعی اعذار کی بنا پر معذرت کی اور ابھی بہت سے ایسے ہیں جن کے جوابات کے لئے ہم چشمِ براه ہیں۔ مگر انتظار کی وجہ سے پرچہ کی اشاعت میں مزید تاخیر قارئین کے لئے ناقابلِ رواشت ہے اب بھی موجودہ جوابات شامل کرانے کی وجہ سے اتنی تاخیر ہو چکی ہے کہ ہمارے محبوب قارئین کا ہیمانہ صبرِ بجا طور پر پریشان ہو چکا ہے۔ گو اس تاخیر میں اس عذر کے علاوہ کتابت کی دشواریاں طباعت اور دیگر بے شمار مسائل کا بھی حصہ

سلف قادیانی مسئلے کے آئینی حل پر ہم نے مشابہ علم و فضل کو ایک سوالنامہ بھیجا کہ اس فیصلہ کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں اور مستقبل میں اس فیصلہ کے تقاضوں کو عملاً کیسے پورا کیا جاسکتا ہے اور مسلمانوں کو تائب و تقی کا سلسلہ کس طرح جاری رکھنا ہے اس سوالنامے کے جو جوابات موصول ہوئے انہیں الحق کے اکتوبر نمبر دسمبر کے شماروں میں شائع کیا گیا۔ اس مضمون میں الحق کے اس مذرائہ عقیدت کا ذکر ہے۔

مگر اس شمارہ کی نامناسب حد تک تاخیر اسی وجہ سے برداشت کر لی گئی کہ اکثر حضرات کے جوابات آسکیں چنانچہ جو بھی مضمون آیا اسی وقت حوالہ کتابت کیا گیا تاویانیت کے بارہ میں اس خصوصی حصہ کی ترتیب بھی مضامین پہنچنے کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اس لئے بعض جگہ فرق مرتب ملحوظ نہیں رکھا جاسکا۔ اور ہم ایسے تمام حضرات سے واقعی عجز و عذر کی وجہ سے تقدیم و تاخیر ہو جانے پر عفو و تسامح کے امیدوار ہیں۔

تاویان اقلیت کے آئینی فیصلہ پر اس مضمون میں صرف جذبات مستتر نہیں بلکہ اندیشے بھی ہیں ذمہ داریوں کا احساس بھی دلایا گیا خطرات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اور اس پہلو پر بھی مختلف حضرات نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے کہ آئینی فتح کے بعد ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ اس مسئلہ کے ذیلی تقاضے بڑھ ہی گئے ہیں۔ جو فوری طور پر عمل طلب ہیں اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں، مسلمانوں، علماء، بالخصوص مجلس عمل کے غور و فکر کے لئے اتنے مسائل کی نشاندہی ہو گئی ہے جس پر مزید کچھ اضافہ کئے بغیر ہم ملت مسلمہ کے تمام طبقات حکومت، عوام، دنیا بھر کے مسلمانوں اور بالخصوص اپنے ہاں کی مجلس عمل اور مجلس تحفظ ختم نبوت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان نکات پر فوری غور کر کے انہیں عملی شکل دینے کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فتح مبین سے حاصل ہونے والے شاندار نتائج ہماری غفلتوں کی وجہ سے شکست سے زیادہ خطرناک صورت میں تبدیل جائیں۔

نومبر ۱۹۶۲ء

لے مشاہیر علم و فضل کے لئے جوابات الحق کے خاص شمارہ اکتوبر ۱۹۶۲ء کے علاوہ نومبر اور دسمبر ۱۹۶۲ء کے شماروں میں شائع ہوئے۔

مرزائیت اور آئین کی توہین

حکومت کو بار بار توجہ دلائی جا چکی ہے کہ مرزائی دستور ساز اسمبلی کے ۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کے متفقہ آئینی فیصلے کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اب جبکہ قادیانیوں کے سرکاری آرگن الفضل ۷ اپریل ۱۹۷۵ء نے علی الاعلان اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اور یہ اعلان نولٹے وقت لاہور ۲۲ مارچ ۱۹۷۵ء میں بھی آپکا ہے۔ ادھر ظفر اللہ قادیانی نے بھی اپنے حالیہ مضامین میں اس آئینی ترمیم کو ٹھکرا دیا ہے۔ تو اب یہ وضاحت کرنا حکومت کا فرض ہے کہ ایسے اعلانات اور سرگرمیاں دستور یہ کی توہین اور آئین سے غداری اور بغاوت کے زمرہ میں آتی ہیں یا نہیں؟ اور اب یہ فیصلہ بھی کہ بھٹو صاحب پاسبان ختم نبوت ہیں یا محافظ مرزائیت، ایسے اعلانات کے بارہ میں بھٹو صاحب کے ردِ عمل اور رائے اقدامات پر موقوف ہے۔ (اپریل ۱۹۷۵ء)

قادیانی فیصلہ کے عملی تقاضے

الحمد للہ قادیانی مسئلہ کا آئینی فیصلہ تو ہو گیا مگر عملاً قادیانیت اپنی ظاہری اور پس پردہ سرگرمیوں کے لحاظ سے اب تک ملت اسلامیہ کے لئے ایک فتنہ بنا ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی خطرہ صرف آئین میں دو چار ترمیموں سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جیسا کہ ہمارے سوالنامہ کے جواب میں تمام اہل بصیرت نے بھی لکھا کہ آئین کے تمام قانونی اور ذیلی تقاضے پورے کئے بغیر آئینی ترمیم کے بعد قادیانیت مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کہ اب اسے آئینی تحفظ اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے پردہ میں ملت مسلمہ کے خلاف اپنی تمام حسرتیں نکالنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اب جب کہ خود

قومی اسمبلی پر طویل غور و خوض اور مکمل بحث کے بعد قادیانیوں کی اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی آشکارا ہو گئی، اور اسی چیز نے آئینی ترمیم پر اسمبلی کو متفق کرا دیا تو یہ نہایت بے بصیرتی اور ناعاقبت اندیشی کی بات تھی کہ سانپ کو زخمی کر دینے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسے کھلا پھوڑ دیا جائے بلکہ اس کے زخموں کا اندمال کیا جائے، دشمن کے عزائم، کردار، سرگرمیاں اور اس کی پوری تاریخ سامنے آجانے کے باوجود بھی اس کے ساتھ ایسا سلوک، رواداری یا وسیع النظری نہیں بلکہ قومی و ملی خودکشی یا ملک و ملت سے غداری کہلائی جاسکتی ہے۔ اس لئے آئینی ترمیم کے بعد اس کے تقاضے پورے کرنا چاہیے تھے۔ مگر ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود نہ تو اب تک ترمیم کے تحت قانون سازی کی گئی جبکہ اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں اس کام کی تکمیل کی توقع تھی نہ قادیانی سرگرمیوں کے سلسلہ میں ملت کے جذبات کا عملاً کوئی احترام کیا گیا مگر کریڈٹ اور ڈس کرڈٹ کے سوال کو بڑی اہمیت دی گئی اور ”قائد عوام“ کے جلسے بھی محافظ ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گرجنے لگے مگر ختم نبوت کی حفاظت کے لئے عملاً اب تک کیا ہوا ہے؟

مرزائی ملک کے سول اور فوجی کلیدی مناسب پر نہ صرف یہ کہ فائز ہیں بلکہ سننے میں آتا ہے کہ کئی اہم پوسٹوں پر انہیں مزید ترقی بھی دی گئی ہے۔ مرزائی ختم نبوت اور اسلام کے قطعی عقائد و اصطلاحات اور شعائر کی کھلم کھلا توہین کر رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ تبلیغ اسلام کے نام پر۔ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو سچا مسلمان کہلانے پر بضد ہیں۔ بلکہ ان کے تمام لٹریچر، مجلات اور رسائل میں وہی زہریلا مواد چھپتا ہے جو ان کا سرمایہ ثقافت ہے۔ مرزائیوں کا موجودہ امام مرزا ناصر ادب پر پس پوری قوم کی نمائندہ اسمبلی کے فیصلہ کو مسترد کر چکا ہے مگر اس کھلے بندوں بغاوت اور غداری کا کوئی نوٹس نہیں لے رہی۔ اندرون ملک ان کی ”تبلیغی سرگرمیوں“ کا اندازہ ان کی تازہ رپورٹ کا نفرنس کے انتظامات اور وسیع تیاریوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ وہ عالمی سطح پر پشیمول بھارت اپنے پییدہ افراد کو بلا وجہ جمع نہیں کر رہے بلکہ ان کے غور و فکر کا محور حالیہ آئینی فیصلہ کا رد عمل ہی ہو سکتا ہے۔ مگر حکومت قادیان کے بارہ میں اپنی سابقہ ڈگر پر چل رہی ہے اور اس حد تک الرجیک ہے کہ ملک کی نمائندہ

نمود مختار اسمبلی میں بھی مرزا آیت کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتی۔ قومی اسمبلی کے موجود اجلاس میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ربوہ کانفرنس پر تشویش ظاہر کی اور اسے تحریک التوار کے ذریعہ زیر بحث لانا چاہا تو مفاد عامہ کی اس جدوجہد کو ”مفاد عامہ“ کے خلاف قرار دے کر سختی سے اس بحث کو روکا گیا۔ مرزائی مسئلہ کے بارہ میں داخل کئے گئے۔ سوالات جوابات دیئے بغیر یا ہر ہی باہر سے مسترد کر دیئے گئے۔ صمدانی رپورٹ کو زیر بحث لانے کی تحریک بھی مسترد ہو گئی۔ رجسٹریشن کے سلسلہ میں بھی یہی حالت ہے۔ دو ٹوک اندراج مکمل ہو چکا ہے۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ جاری ہو رہے ہیں۔ مگر ان تمام چیزوں سے آپ مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں کر سکتے۔ ربوہ عملاً اب تک قادیانی سٹیٹ کی راجدہانی ہے۔ سر ظفر اللہ ملک کے باہر اپنی حسرتیں نکالنے کے بعد اب ملک میں آکر اپنے ملک دشمن اور اسلام دشمن عزائم میں مصروف ہیں۔ بھارت سمیت کئی بیرونی ملکوں سے ان کے نامہ و پیام کی خبریں آرہی ہیں۔ مرزائیوں کی فوجی اور نیم فوجی تنظیموں پر پابندی نہیں لگائی گئی۔

الغرض جب قادیانی مسئلہ جوں کا توں ہے تو معلوم نہیں حکومت کس منہ سے اسے اپنی اسلامی خدمات کا ایک کارنامہ قرار دے رہی ہے۔ اور جب حکومت مرزائی جماعت کی سرگرمیوں سے کوئی کھٹکا تک نہیں اور نہ عملاً اس کی ملک اور اسلام دشمنی کو تسلیم کرتی ہے تو پھر انہیں کاغذی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا یہ صرف سستی شہرت کی خاطر ہٹوایا محض سودا اعظم کے وقتی جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دینے کے لئے۔ یہ سب چیزیں مجلس عمل اور عام مسلمانوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں۔ مجلس عمل بھی (اور کافی حد تک ایسا محسوس ہو رہا ہے) اگر سمجھتی ہے کہ وہ یومِ تشکر اور جشنِ فتح مناکر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکی ہے تو یہ اس کی

سے فساد اہل ربوہ کے بعد مسلمانوں کے اشتعال اور مطالبہ پر حکومت نے جس صمدانی کی سربراہی میں تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس کی رپورٹ صمدانی رپورٹ کے نام سے موسوم ہوئی مگر حکومت نے اس کی اشاعت روک دی۔

بہت بڑی بھول ہوگی۔ خدا نخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجلس عمل کے جذبہ اتحاد اور
 جوش و خروش میں کمی سے فتح کے نتائج شکست سے بدل جائیں مجلس عمل کا ملک و
 بیرون ملک قادیانیت کے تعاقب اور قطعی استیصال کے بغیر مطمئن ہو جانا خدا اور
 اس کے رسولؐ کی نظروں میں ناقابل معافی جرم ہوگا۔ حکومت کا بھی اس بارہ
 میں سرور و تہ پورے عالم اسلام کے لئے حیرت اور اضطراب کا موجب بن سکتا
 ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ مجلس عمل نے اپنی ذمہ داری کا کچھ احساس کرتے ہوئے
 راولپنڈی میں منعقدہ اپنے حالیہ اجلاس میں ایک طرہ سے اگر طویل غور و خوض کے
 بعد اس صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ
 اسمبلی میں نمائندہ ارکان کو مامور کیا کہ وہ یہ مسئلہ اعلیٰ سطح پر اٹھائیں۔ تو دوسری
 طرف مجلس عمل نے اپنے اجلاس سے جوش و عمل اور باہمی اتحاد برقرار رکھنے
 کا بھی ثبوت دیا۔ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر مجلس عمل
 کی بقاء کتنی ضروری ہے۔ ۹

الحمد للہ کہ اس کا احساس مجلس عمل میں شامل جماعتوں کو بھی ہے اور کسی صاحب
 بصیرت کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بہر حال قادیانی مسئلہ کے بارہ میں اب
 تک عملی صورت حال مجلس عمل اور عام مسلمانوں کو نگاہ میں رکھنی چاہیئے۔ اور حکومت
 کو بھی اب وہ تمام تقاضے جلد ہی پورے کر دینے چاہئیں۔ ہو اس مسئلہ میں
 اللہ، رسولؐ، اسلام، آئین جہوریت، اخلاق، سیاست اور عقل و فرد ہر لحاظ سے
 تقاضائے تکمیل کرتے ہیں۔

پاکستان اے ابو ظہبی مبارک اقدامات

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے ۷ ستمبر کے فیصلہ کے بعد فوری ضرورت اس فیصلہ کے اجراء اور اس کے مطابق قانون سازی کی ہے۔ مگر افسوس کہ حکومت نے اسے اب تک درخور اعتناء نہ سمجھا اور نہ مجلس عمل نے اس بارہ میں گہری عمل کا ثبوت دیا۔ اب مدتوں بعد یہ مسرت انگیز خبر سامنے آئی کہ صدر پاکستان نے ایک حکم کے ذریعہ سینٹ کے انتخابات میں حصہ لینے والے مسلمان امیدواروں پر لازمی قرار دیا کہ وہ اس مضمون کا حلف اٹھائیں گے کہ وہ حضور اقدس کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ کسی ایسے شخص کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے جو حضور کے بعد کسی بھی معنی یا مفہوم میں نبوت کا دعویٰ کرے۔ شناختی کارڈوں کے لئے جو نئے فارم سامنے آچکے ہیں ان پر بھی حلف نامہ کی ایسی عبارت صاف اور غیر مبہم الفاظ میں موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سے قبل اب تک جاری شدہ شناختی کارڈوں کے بارہ میں بھی ایسی ہی کارروائی کی جائے اور یہ کہ کسی مرزائی کے پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور دیگر کاغذات میں واضح طور پر اس کا مرزائی ہونا درج کر دیا جائے تاکہ کسی بھی مسلمان ملک کو مفالطہ اور فریب کا شکار نہ ہونا پڑے۔

قادیانیت کے بارہ دم تحریر متحدہ عرب امارات کی ریاست ابو ظہبی کی عدالت عالیہ کے اس ایمان افروز فیصلہ کا متن بھی سامنے آچکا ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”مذکورہ بالا امور کے پیش نظر میں حکومت کے ذمہ داروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو بیک بینی دو گوش متحدہ عرب امارات سے ملک بدر کر دیا جائے۔ ہماری حکومت کو قادیانیوں کے پاسپورٹ میں فقط قادیانی

نوٹ کر لینا چاہیئے۔ ان کا طریق ضبط کر لیا جائے اور پڑھنا پڑھنا ممنوع، نیز حکومت کو لازم ہے کہ قادیانیوں کے عقائد باطلہ کو بے نقاب کرتے کے لئے تمام ذرائع ابلاغ سے کام لے تاکہ مسلمانوں پر واضح ہو کہ قادیانیت ایک الگ مذہب اور اسلام سے خارج ہے۔ اور یہ کہ قادیانی غیر مسلم اور مرتد ہیں۔ (امجد بن عبدالعزیز آل مبارک رئیس القضاۃ ۵/۲۹/۱۳۹۵ھ) ہم الزمینی کی اسلامی عدالت کو تہ دل سے اس مومنانہ فیصلہ پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دیگر اسلامی ممالک سے اس کی تقلید کرنے کی اپیل کرتے ہیں۔ (رجب ۱۳۹۵ھ)

رابطہ عالم اسلامی

احتیاطی و انسدادی تدابیر اختیار کرنے کی اپیل

رابطہ کی اہم قراردادیں | ملکہ مظہر کی رابطہ عالم اسلامی نے مل وقوع کے تقدس اور عالم اسلام کے دینی فکری اور سیاسی مسائل میں گہری دلچسپی لینے کی وجہ سے مسلمانوں کی نظروں میں ایک وقیع مقام حاصل کر لیا ہے۔ رابطہ نے اپنی مجلس تاسیسی میں عالم اسلام کے معتد اور جید علماء کو مسمو لیا ہے۔ اس وقت جب کہ انفرادی اجتہادات کی گنجائش نہیں۔ عالم اسلام کو درپیش علمی اور سیاسی مسائل میں ایسے نامندہ اجتماعی فیصلوں سے بڑی تقویت ملتی ہے۔ اور عالم اسلام کو ضروری ہے کہ رابطہ کے اہم فتوؤں اور قراردادوں کو لائق اعتناء سمجھے۔ اس سال بھی رابطہ نے ۱۵ ذیقعدہ سے یکم ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ تک رابطہ کے طویل اجلاسوں سے اختتام پر اسلامی دنیا سے متعلق نہایت اہم قراردادیں پاس کیں جن میں سے چند ایک قراردادوں سے مسلمانانِ پاکستان کی آگاہی بھی ضروری ہے۔

قادیانیت | قرارداد منہ کا تعلق قادیانیت سے ہے۔ اس مسئلہ میں رابطہ کا کردار ابتداء سے نہایت شاندار رہا ہے۔ اب ایک بار پھر اس مسئلہ میں رابطہ کی مجلس تاسیسی نے دنیا بھر

بہت بڑی جھول ہوگی۔ خدا نخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجلس عمل کے جذبہ اتحاد اور جوش و خروش میں کمی سے فتح کے نتائج شکست سے بدل جائیں مجلس عمل کا ملک

بیرون ملک قادیانیت کے تعاقب اور طبعی استیصال کے بغیر ممکن ہو جانا خدا اور اس کے رسول کی نظروں میں ناقابل معافی جرم ہوگا۔ حکومت کا بھی اس بارہ میں سرور و تیرہ پور سے عالم اسلام کے لئے حیرت اور اضطراب کا موجب بن سکتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ مجلس عمل نے اپنی ذمہ داری کا کچھ احساس کرتے ہوئے راولپنڈی میں منعقدہ اپنے حالیہ اجلاس میں ایک طرہت اگر طویل غور و خوض کے بعد اس صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ اسمبلی میں نمائندہ ارکان کو مامور کیا کہ وہ یہ مسئلہ اعلیٰ سطح پر اٹھائیں۔ تو دوسری طرف مجلس عمل نے اپنے اجلاس سے جوش و عمل اور باہمی اتحاد و برقرار رکھنے کا بھی ثبوت دیا۔ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر مجلس عمل کی بقا کتنی ضروری ہے۔ ۹۔

الحمد للہ کہ اس کا احساس مجلس عمل میں شامل جماعتوں کو بھی ہے اور کسی صاحب

کی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قراردادوں کی تائید و توثیق کی ہے۔ اور قادیانی فرقہ کو خارج از اسلام قرار دیتے ہوئے اسلامی ممالک سے کہا ہے کہ وہ پاکستان، ملائیشیا اور نائیجیریا کی طرح اسے غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اور اپنے ہاں انہیں کافروں جیسی حیثیت دے اور ایسے واضح قوانین مرتب کر دیں جس کی رو سے کوئی قادیانی مسلم افواج یا دیگر اہم مناصب پر فائز نہ ہو سکے غیر مسلم ممالک میں واقع اسلامی اداروں اور تنظیموں سے بھی کہا گیا ہے کہ اسی نہج پر قادیانیت کے خلاف سرگرمیاں تیز کر دی جائیں۔ اس کے علاوہ مسلم اور غیر مسلم ممالک میں قادیانیوں کی قلعی کھولنے اور ان کے غیر اسلامی کردار اور عزائم سے متعارف کرانے کے لئے مذاکرات اور اجتماعات کا اہتمام کیا جائے۔ (مجلۃ رابطۃ العالم الاسلامی ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ)

رابطہ کی اس قرارداد پر سب سے زیادہ توجہ پاکستان کو دینی چاہیے، اس لئے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دینے سے ہماری مسئولیت ختم نہیں ہو جاتی نہ عالم اسلام کا یہ مایہ آستین ایسے کسی رسمی فیصلہ سے ختم ہو سکتا ہے۔ اس فیصلہ کے بعد دنیا بھر میں قادیانیوں کی سرگرمیاں نہ صرف یہ کہ بڑھتی جا رہی ہیں، بلکہ آگے دن منصوبہ بندی کے اعلانات میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ربوہ کی حالیہ سالانہ کانفرنس میں مرزا ناصر نے ”جہاد“ کا بھی اعلان کیا ہے۔ یہ جہاد کس کے خلاف؟ قادیانیوں کے خلاف یا عیسائیوں کے خلاف؟ یا پھر ان یہودیوں کے خلاف جنہوں نے روزِ ازل سے مرزائیوں کو خاص مراعات سے نوازا ہے۔ اور اسرائیل میں مرزائی مشنوں اور مراکز کے قیام کی ہوصلہ افزائی کی ہے۔ یا پھر یہ جہاد اپنے ولی نعمت مرتجی مغربی استعمار کے خلاف؟ اس سوال کا جواب خود مسلمانوں کو تلاش کرنا ہے۔

صیہونیت اور قادیانی صیہونیت سے قادیانیوں کے خفیہ اور علانیہ روابط کا ذکر بار بار آچکا ہے اور اب حال ہی میں نوائے وقت لاہور مؤرخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۷۵ء نے ادارہ ہال مال لندن سے شائع ہونے والے ایک یہودی پروفیسر کی آئی نوماتی کی تصنیف ”اسرائیل اسے پر د فائل“ کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل نے پاکستانی قادیانیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسرائیل نے پاکستانی قادیانیوں کو فوج میں ۴ سو پاکستانی قادیانی شاعل ہر چھکے گئے۔ اس سے سنا ہے کہ قادیانیوں نے اسرائیل کے

شانہ نشانہ اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ یہائی فرقہ جسے برطانیہ اور یہودیوں نے روزِ اِقل سے خاص عنایت سے نوازا۔ حیفہ میں مقیم برطانوی گورنر نے عبدالبہا کو خلعت اور اعزازات دیئے یہاں تک کہ آج بہائی تحریک کا بین الاقوامی ہیڈ کوارٹر اسرائیل کے حیفہ میں واقع ہے جب کہ مرزائیوں کا اہم اسرائیلی مرشد بھی حیفہ ہی میں ہے۔ قومی اسمبلی کے اقلیت قرار دینے کے فیصلہ کے بعد بہائیوں نے بیکار اپنے کام کو تیز کر دیا اور ملک میں جگہ جگہ ختم نبوت کے خلاف تقاریر کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ صیہونیت کے ساتھ بہائیوں کے گہرے ربط و تعلق کو دیکھ کر پچھلے سال عرب ملک کی مقاطعہ کمیٹی نے بہائیوں پر مکمل پابندی لگا دینے کا فیصلہ کیا۔ ہمارے ہاں مرزائیوں کی طرح بہائیوں کو کھل پھوٹ ہے۔ اور اب اسلام اور خاتم النبیینؑ کے خلاف کام۔ بین الاقوامی یک جہتی اس پسندی اور انسانی یک جہتی جیسے اصولوں کے نام پر ہو رہا ہے۔ اسرائیل فوج میں مرزائیوں کی بھرتی ادھر حیفہ میں بہائیوں اور مرزائیوں کے مراکز اور طریق کار اور اصولوں میں یگانگت یہ سب باتیں کتنی تھمرے کی محتاج نہیں۔ پاکستان اسلامی برادری کا اہم رکن ہے۔ اور اسرائیل عالم عرب اور عالم اسلام کا بدترین دشمن۔ لبنان کے حالیہ واقعات میں اسرائیل کا گھٹا و نا کردار کس سے مخفی ہے۔ کیا واقعی پاکستان کے تادیانی اسی اسرائیل کے دست و بازو ہیں جو عالم عرب کے دل میں اسرائیل کے بعد ایک اور مخبر پیوست کرنے میں مصروف ہے اور جس کی ذیل نظریں اب مدینہ طیبہ پر لگی ہوئی ہیں۔ یہ امر اور اخبار اگر بھی حقائق بن کر سامنے آگئے تو اسلامی برادری میں پاکستان آنکھ اٹھانے کے قابل رہ سکے گا۔ ۹

مرزائیوں کی لاہوری جماعت کی حقیقت

ایک استفتاء اور اس کا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کل مورخہ ۸ ستمبر بوقت پُرہم بجے دن سابق امام مسجد و وکنگ مسجد محمد طفیل متعلقہ مرزائی فرقہ لاہوری کی ساس کا جنازہ مسجد ہذا میں لایا

گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین جو کہ اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں۔ مرزائی سابق امام محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ جبکہ چند معززین نے اس حرکت کا محاسبہ کیا۔ تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام و وکنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لئے جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں۔ اور دوسری دلیل یہ پیش کی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم کو کافر نہیں کہتے۔ لہذا آپ مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتویٰ سے کما حقہ مطلع فرمائیں۔

یعنی شاہدوں کے دستخط

الجواب | مرزا غلام احمد قادیانی بوجہ اپنے دعاوی باطلہ کے قرآن و سنت کے واضح اور بدیہی نصوص اور اجماع امت کی بنا پر قطعی کافر اور مرتد ہے انہی وجوہات کی وجہ سے مرزا کے ایسے معتقدات کو اپنانے والے یا اس کی اتباع کرنے والے یا اس کی تصدیق و تائید یا کسی طرح بھی تاویل کرنے والے قطعی کافر اور مرتد ہیں۔

تنبیہ کذاب مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد ان کے تبعین کی ایک جماعت نے جو لاہوری مرزائی جماعت کہلاتی ہے۔ جس کی قیادت مولوی محمد علی لاہوری نے کی (مرزا کے واضح بدیہی اور غیر مبہم دعاوی کے باوجود اس کی تکفیر کرنے کی بجائے رجوع ہر مسلمان کا لازمی عقیدہ ہونا چاہیئے) ایسے تمام دعاوی اور اقوال کفریہ کی تاویل شروع کر دی جبکہ وہ خود اپنے دعوؤں میں پکار پکار کر کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تشریف بھی اور غیر تشریف بھی، سارے انبیاء بشمول حضور خاتم النبیین پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتا رہا۔ اپنے منکر تمام مسلمانوں کو جہنمی اور کافر قرار دیتا رہا۔ مگر مولوی محمد علی لاہوری اور اس کی پارٹی نے مرزا صاحب کو کافر سمجھنے کی بجائے اسے وجود ہرین صدی کا مصلح اکبر، مجدد اعظم اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود تک مانا۔ دیکھئے اس کی تفسیر بیان القرآن حصہ اول ص ۳۱۶، ریویژن آف ریجنر ج ۵ ص ۳۱۴، ج ۱۲ ص ۴۵۵ وغیرہ

محمد علی لاہوری کے تحریفات قرآنی کے چند نمونے | محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر میں بے شمار مقامات

پر تحریف معنوی۔ اور ایسے تلامب سے کام لیا جو الحاد کا ور دازہ کھوتا ہے۔ مغرب زادہ کج فہم تعلیم یافتہ طبقہ کی طرح محمد علی لاہوری بھی ذہنی مرغوبیت میں مبتلا رہے معجزات اور ماثوق الفطرۃ واقعات کو ان کا ذہن قبول نہیں کر سکتا تھا تو انہوں نے قرآن کے حقائق غیبی اور معجزات دنیوی کی اس طرح تشریح کرنی چاہی کہ یہ چیزیں عصر حاضر کے مادی نظریات سے متصادم نہ ہوں اس راہ میں انہوں نے عربی ادب اور قواعد عرب و استعمال کی اور صحابہ کی تشریح متقدمین کے تفاسیر غرض ہر ایسی بات کو تحریف کے خداد پر چڑھایا جو ان کے مادہ پرست مغرب زدہ ذہن فہم نہ ہوئے جوڑ نہیں کھا سکتا تھا۔ اس تحریف کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) آیت و اضرب بعصاك الحجر کا ترجمہ: اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ ج ۱ ص ۶۹۔

(۲) واذ قتلتم نفساً۔ آیت میں سیاق و سباق قواعد عربیت کے بالکل خلاف آیت کو حضرت مسیح سے متعلق کیا گیا۔ ج ۱ ص ۷۷۔

(۳) معجزۃ عیسیٰ خلق طیر کی آیت میں طیر سے عالم روحانیت میں پرواز کر سکنے والے انسان مراد لئے گئے۔ ج ۱ ص ۳۲۱۔

(۴) حضرت سلیمان کے منطق الطیر کی آیت میں منطق سے وہ نامہ مراد ہے جو پردہ لے کر جاتا ہے۔ ج ۳ ص ۱۴۰۹۔

(۵) اگلی آیت میں وادی النمل کی تشریح ایک عرب قبیلہ کی وادی اور نمل سے ایک انسان مراد لیا گیا ہے۔ ج ۳ ص ۱۴۱۱۔

(۶) سورۃ سبا کی آیت فلما قضینا علیہ الموت میں وابتۃ الارض کا معنی حضرت سلیمان ع کا ایک بیٹا اور منساقۃ کا مطلب سلطنت کے عصا کا کھایا جانا اور ہرادی سے بیان کیا گیا ہے۔ ج ۳ ص ۱۴۳۶۔

(۷) ہد سے متعلق آیت میں اس سے خبر رسائی کا ایک شخص مراد ہے۔
 (۸) ”آیات جن“ میں ”جن“ کی تشریح انسانوں ہی سے کی گئی ہے۔ ج ۳ ص ۱۸۹۳
 یہ چند نمونے ہیں ورنہ محمد علی کی تفسیر کے تینوں ضخیم جلد ایسے ہی تحریفات سے
 بھری ہوئی ہے۔

لاہوری جماعت کے اعترافات | نبوت مرزا سے انکار اور صلح و مجدد کہنے
 کا بھی راستہ جان بوجھ کر نفاق و تلبیس اور
 مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اختیار کیا گیا ورنہ درحقیقت لاہوری اور مرزائی ہر دو
 پارٹیوں کے معتقدات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو پیغام صلح ۱۹۱۲ء جولائی لاہوری پارٹی
 کا ترجمان ہے۔ اس میں مرزا کو رسول مانتے کا اعلان موجود ہے۔ اپنے رسالہ ریویو ج ۳ ص ۳۱۱، ۱۱
 میں نہ صرف مرزا کو رسول اللہ اور نبی بلکہ سارے رسولوں سے افضل کہا۔

محمد علی لاہوری کے ایسے اقوال اور مضامین سے ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے جس میں
 اس نے نہ صرف نبوت و رسالت مرزا کا اعتراف کیا بلکہ وہ نبوت و رسالت کے تمام
 لوازمات بھی ثابت کرتے رہے۔ ریویو آف ریلیجنز (جس کے وہ ایڈیٹر رہے) میں تو
 انہوں نے احمدیت اور اسلام میں اس طرح حد فاصل کھینچ دی ہے جس طرح عیسائیت
 یہودیت سے بالکل ایک الگ مذہب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

یعنی احمدی تحریک اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے جو عیسائیت کا یہودیت
 کے ساتھ تھا و منقول اند مباشہ راولپنڈی ص ۱۲) نمونہ کے چند مزید اقوال اختصار کے ساتھ
 ملاحظہ ہوں۔

”آپ کے تابعین کامل کے لئے نبوتوں اور رسالتوں کا دروازہ بند نہیں ہوا“ (ریویو ج ۴ ص ۱۸۶)

”ہم تو اس پر قائم ہیں کہ خدا ہی پیدا کر سکتا ہے ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ

دیا دینی مرزا صاحب، وہ صادق تھا خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔“

تقریب محمد علی مندرجہ الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۱۸ء بحوالہ فرقان نادیاں جنوری ۱۹۱۸ء

لاہوری جماعت کے ترجمان پیغام صلح ۱۹۱۳ء میں پوری لاہوری جماعت کا

حلفیہ بیان شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ:-

”ہم خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے ہم حضرت مسیح موعود اور مہدی موعود کو اس زمانہ کا نبی رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔“

ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ لاہوری اور قادیانی جماعتیں عقائد میں ایک ہیں مگر اصل جھگڑا جو اختلاف کا باعث بنا سیاسی اختلاف یعنی گدی نشینی کا ہے اور علیحدگی کی صورت کو کچھ خوب صورت بنانے کے لئے سابقہ عقائد سے رجوع کئے بغیر مرزا کے لئے نئے انقلاب و اصطلاحات شروع کئے گئے در نہ در حقیقت دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

بہر حال اگر حقیقت حال یہ ہوتی کہ وہ مرزا کو صرف مصلح و مجدد سمجھتے، تب بھی ان کی تکفیر نہیں کوئی پس و پیش نہ ہوتی، کیونکہ کسی جھوٹے مدعی نبوت کو ماننا اور سچا ماننا اور واجب الاطاعت جان کر مسلمان سمجھنا بھی قطعی کفر ہے کہ اسے مسیح مہدی اور مصلح موعود سمجھا جائے۔

ضروریات دین میں تاویل و تحریف کفر ہے | برصغیر کے محقق علماء خصوصاً علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے اس فریب و نفاق

کا پردہ بھی قطعی دلائل سے چاک کیا۔ اور لاہوریوں کی تکفیر ہی کے ضمن میں ”اکفالا للملحدین فی ضرورتیہ الدین“ جیسی معرکہ الآراء کتاب لکھی جس میں واضح فرمایا کہ قطعی یقینی اور متواتر عقائد اور ضروریات دین میں تاویل و تحریف اور انکار قطعی کفر ہے۔ اگرچہ ایسا کرنے والا خود اپنے آپ کو مسلمان کہے۔ اور اہل قبلہ میں سے اپنے کو سمجھے اور سارے ارکان اسلام عبادات وغیرہ ادا کیوں نہ کرے۔

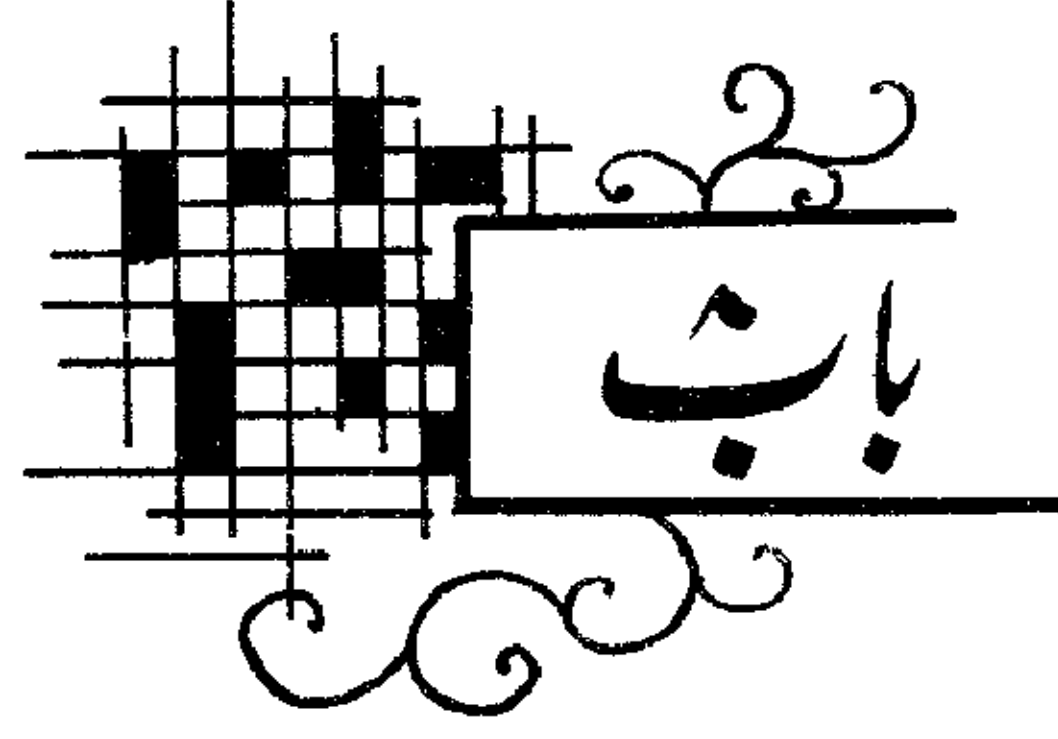
مسلمانوں کے لئے تو مرزائیوں کا لاہوری فرقہ دوسرے قادیانی ربوائی جماعت سے بھی بڑھ کر خطرناک ہے کہ عام مسلمان انہیں نمازوں وغیرہ میں شرکت کرتے دیکھ کر ان پر حسرتیں کرتے ہیں اور بالآخر ان کے مکائد اور خباثت کا شکار ہو جاتے ہیں انکی زبانی مرزا قادیانی کے حامد اور مناقب سن سن کر انکے بارہ میں بھی خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، جو ضیاع دین و ایمان بن کر رہ جاتا ہے۔ الحاصل لاہوری مرزائی بھی قطعی کافر ہیں۔ نہ تو کسی مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا انکے مسلمان ہونے

کی دلیل بن سکتا ہے۔ نہ ان کا یہ کہنا کہ ہم تو مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتے۔

قادیانیوں کا تقبیہ | اور اب تو قادیانیوں کی جماعت بارہ کے امام نے بھی ازراہ تقبیہ مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دینے کی خاطر اپنے متبعین کو مسلمانوں کے ساتھ نماز

پڑھنے اور معاشرتی و سماجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیا ان کا اس طرح کرنے سے وہ مسلمان کہلا سکیں گے؟ اگر مرزائی ہم مسلمانوں کو کافر نہ بھی کہیں تو کیا وہ دائرہ کفر سے نکل سکیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ جب تک مرزا کے بارہ ہیں اپنے عقائد کفریہ سے رجوع نہ کیا جاوے اسلام انہیں کافر مرتد واجب القتل اور تہنہمی قرار دے گا۔ آپ نے اپنے سوال میں جس شخص (سرکاری امام خواجہ قمر الدین) کا ذکر کیا۔ اگر انہوں نے غلط فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے لاہوری مرزائی کی اقتدار کی یا اسے مسلمان سمجھتا رہا تو اسے نادوم اور تائب ہو کر اپنے موقف سے رجوع کرنا چاہیے۔ اور اگر اب بھی وہ لاہوری مرزائیوں کے بارہ ہیں اپنی رائے پر مہر ہے تو اسے منصب امامت سے ہٹانا اور معزول کرنا ضروری ہے۔

واللہ اعلم (سمیع الحق مدرس دارالعلوم حقانیہ و مدیر ماہنامہ ”الحق“ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ)



فتنہ انکار حدیث
سنت اور عصر حاضر کے جاہلانہ تصورات

فتنۃ انکارِ حدیث

منکرینِ حدیث کی بے جا وکالت

ملک کے مشہور ادیب، شاعر اور صحافی جناب ثورش کا شمیری کو یکایک کیا سوچیں کہ ۱۴ مئی کے چٹان میں انہوں نے اس ملک میں فتنۃ انکارِ حدیث، کے سرغنہ جناب غلام احمد پروین کی مدد لینی اور وکالت کا پٹرا اٹھایا اور اس زرد ریشور سے کہ پروین کو افکارِ اسلام کی کرہا میں حسین قافلہ کی آواز اور قرآنی فکر کی ایک فاسل شخصیت قرار دیتے ہوئے انہیں بارگاہِ رسالت کی سرخروئی اور فضلاء امت کی صف میں جگہ پانے کی "بشارتیں" بھی دیں مزید کہا کہ جو کام ساری امت کے علماء کے بس کا نہ تھا۔ پروین نے وہ کر دکھایا اور اسلام کے دامن سے عجی گرد جھاڑ دی۔ پروین کی ایک کتاب کا صرف ایک باب پڑھ کر انہوں نے ان کے بارہ میں ایک "خوشگوار تبدیلی" محسوس کی اور پھر اس کے نتیجہ میں امت کے تمام مکاتیب فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ، اصحابِ علم و تقویٰ اور اربابِ تحقیق و فتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب چونکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی اس لئے تمام علماء کو چاہیے کہ وہ پروین کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسلام کے بارہ میں ثورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہو گئے معلوم نہیں ساری کتاب پڑھنے کے بعد معاملہ کہاں تک جا پہنچتا۔

جہاں تک ثورش صاحب کا تعلق ہے ان سے بے شمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی موقف میں تبدیلیوں کے باوجود ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو ثورش کی ہجرات و ہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارہ میں ان کے مومنانہ جہاد اور ہجرات مندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کے لئے محبت اور تحسین کے جذبات پاستے ہیں اور

ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اس جذبہ جمیت کی وجہ سے ان "سیات" سے درگزر کئے ہوئے ان کے حسنات کو قابل قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ یہ رائے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی ایک کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مثبتہ و مشکوک نہیں بلکہ اساطین امت تمام اجداد علم کے ہاں کافر اور مرتد ہے اور ایسے لوگوں کے تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اچھائی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔ مرتد اغلام احمد قادیانی کی با این ہمہ دحل و تبلیس قرآن و سنت میں تحریفیات نبوت سے بغاوت کے باوجود اس کی دو ایک ایسی کتابوں کو پڑھ کر کل کوئی تمام امت کو اس کے بارہ میں اپنا موقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور عالم النبیؐ کا سچا وفادار قرار دے جس میں عشق رسولؐ اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے، تو کیا شورش صاحب کسی کو ایسا کرنے کا حق دے سکیں گے۔

الغرض شورش صاحب کی خدمات اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں منکرینِ حدیث کی اس زور و شور سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کر سکے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں درست اندازہ اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تارتار کرنے کی ظالمانہ جرات ہے جس کی حفاظت اور اس کی خاطر شورش صاحب سر دھڑکی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس تبدیلی اور خوشگوار انقلاب میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا منہ بوعین و ایمان ہے۔ اس لئے ہم ان سے خیر خواہی جذبہ نصیحت اور دینی مسئولیت کی بنا پر یہ التجا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین ——— اور عقیدے کی دنیا میں خدا کی زبان میں اس بڑھیا جیسا نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کئے کرائے پر بانی پھر دیتی ہے۔ ۱۷ اللّٰہی نقضت غزلہا من بعد قوۃ الکافران۔

دین و عقیدہ کی راہ میں ہر اچھی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی جبلت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسولؐ کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دنا میں حسافی رنگ لئے ہوئے ہیں تو یہ کتنی بد قسمتی اور حسرت کی بات ہوگی کہ وہ یکایک

والشعراء يتبعهم الغاؤون الم تر انهم في كل واد يهيمون ويقولون ما لا يفعلون —
کا مصداق بن جائیں۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے
اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے عین حالت جنگ ہیں اپنے آپ سے ملک کے
تمام دینی و علمی طبقوں اور ناموس رسالت سے سرشار مسلمانوں کو ناراض کرنا ان کے حق میں بھی مفید
نہ تھا اور شہادت اعداد کا بھی ذریعہ تھا۔ مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا اور قادیانیت
سے برسرِ پیکار تلوار بہت سول کی نظروں میں کند اور غیر موثر ہو گئی اور آج وہ الحق بھی بد قسمتی سے
شورش کے اس نئے موقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جسے مرزائی تعاقب و استیصال کی وجہ
سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے اور الحق قادیانی رسائل و مجلات کے سب و شتم
برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے۔

فتنۃ الکاحدیت | لیکن اس تلخ فریضہ کی ادائیگی بہر حال ان تمام دینی و علمی افراد کا دینی
تقا صاف ہے جو الکاحدیت اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پر ویز کی حقیقت سمجھ کر اسے اتنا ہی
ناموس رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جتنا کہ یہ لوگ خود شورش صاحب ایک
دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے ذہرِ ہلاہل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کے
مقام و منصب سے بغاوت کے لحاظ سے الکاحدیت کی تاریخ محرکات دواعی اور عوامل پر نظر ڈالتے
اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار پر ویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھا ہوتا اور
اسلام اور منصب نبوت و رسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پر ویزی فلسفہ فکر کو پرکھا ہوتا تو
یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے
ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں جو تاریخ کے ہر دور میں اہل الحاد و زندقہ نے اور پھر جھوٹے
مدعیان نبوت نے منصب نبوت میں دجل و تبلیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام عجیب سازشوں سے بیٹھ کر عجیب بلکہ یہودی سازش ہے جس کو اسلام کے
رخِ زیبا سے جھاڑنے کا کریڈٹ آج شورش صاحب پر ویز کو دے رہے ہیں۔ برعکس ہند
نام زندگی کا فورعجی سازشوں کی تاریخ اگر شورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر

صفحہ ہر سطر میں درپردہ انکار حدیث کی کافرانہ چالیں نظر آتیں۔ قرامطہ، باطنیہ، خوارج معتزلہ، مجسمہ، معطلہ، محرفین قرآن، منکرین صحابہ اور ایسے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے خلاف شکوک و شبہات اٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی۔ پھر اس زمین پر عقلیت اور بحیثیت کفر و الحاد، تشکیک اور مذمت کا بیج بوریا۔ یہ تو اسلامی لہارہ اڑھ کر سنت اور حدیث کو نشانہ تبلیہ بنانے والوں کا حال تھا۔

فتنہ استشراف | اسلام کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ جنہیں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد اپنے دینی عصبیہ اور ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی عزائم نے مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کے لئے اپنی تدابیر اور منصوبے منظم کر لیں تو انہوں نے مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراف کے نام سے استعمال کیا جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسول اسلام کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزت و افتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو۔ خواہ یہ چیز خود حضور کی ذات اور ان کی سیرت تھی یا ان کی تعلیمات، احادیث، آثار و اختیارات مسلمانوں کے علمی و اعتقادی نظام کے لئے سرچشمہ قانون و آئین تھا۔ خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لئے حضور کی آئینی اور شرعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقہ صحابہ میں کیوں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اولین مدونین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا، چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈنزیہر نے مستقل طور پر ابو ہریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدون اول امام نہرمیؓ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی، اسلام کے قابل فخر مشاہیر کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا۔ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی ایک بھیا ناک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام داعی اسلام اور مسلمانوں سے جس چیز کو بھی کچھ نسبت تھی اسے مشق تحقیق بنا کر افکار اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی مصدر و مآخذ قانون و شریعت سنت اور حدیث کی شرعی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کے خلاف وسیع کاریوں اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دھیل و تبلیہ کے اس میدان میں دشمنان اسلام کے ہاں۔

گولڈن زیہر، مار گولتھ، شناخت اور اس جیسے کئی آئمہ ضلال والحاد کے نام نہری حروف میں لکھے گئے ہیں
منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعداء اسلام کے طویل المیعاد منظم علمی
منصوبوں اور اس کے محرکات اور آراء و افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح
ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنہ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں
ہی کا ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنے ہاں متجددین، روشن خیال، نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث
کے افکار و نظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے
خلاف وہی قے چاٹ چاٹ کر بھونکتے ہیں جو سامراجی اور اشتراکی کئے علمی تحقیق اور مشرق دوستی
کے لبادہ میں پھیلی ڈیڑھ دو صدیوں سے اگل رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں
کرتے۔ یہ تو وہ سارنگی اور طینور سے ہیں جس کی ہر سرکسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون ہوتی ہے۔

انکار حدیث اور انکار ختم نبوت میں باہمی مماثلت

حقیقت یہ ہے کہ انکار ختم نبوت ہو یا انکار حدیث دونوں یکساں طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے منصب و مقام نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت
ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجہ مماثلت پر ذرا
بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزا لائے قادیان) ایک دوسرے کے ظل اور بیرون
معلوم ہوں گے۔

وعدہ وصل بحدیث میان من و تو کہ رقیب آمد و پر سید نشان من و تو
اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہوگا کہ قادیانی رجال کی بدبودار روح پنجاب کے دیروں
میں بھٹکی ہوئی اپنے ہی ایک ہم نام و ہم وطن غلام احمد پرویز کے غلیظ قالب میں دوبارہ نمودار ہو گئی
— آئیے درادروں کے درمیان ان وجہ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد نے حضور اکرم کی نبوت اور اس کی تشرعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے
ہوئے بھی اپنے لئے تشرعی حیثیت کا دروازہ کھول دیا تو:-

غلام احمد پرویز نے حضور کی تشریعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر مرکز ملت اور

مرکزی حکومت کے اطاعت کے نام سے ہر اچھی بری حکومت کو تشزیع کا حق دے دیا اور یہ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت، تابعداری اتباع، اقتدار اور تاسی۔ یہ تمام چیزیں رسول کی مہنیں مرکز ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ کہ اولوالامر سے افسران بالا مراد ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کو خود ساختہ عجیب و غریب معانی پہنائے اور ظلی اور بروزی گورکھ دھندوں میں ایک قطعی واضح اور بدیہی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرح ایک معممہ بنا دیا۔ غلام احمد پروین نے رسالت محمدیہ ماننے کا تو دعوے کیا، مگر حیثیت خاکش بدہن صرف ایک ڈاکیہ کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی۔ دیکھئے سلیم کے نام پروین کا خط ۱۵ ص ۲۵ دگویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت کے کھاتے میں جاملے گا۔

۳۔ غلام احمد مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لئے خود قرآن اور حضور کی ذات کا سہارا لیا تو۔

غلام احمد پروین اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لے کر قرآن اور سنت اور خدا اور رسول کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو اس سلسلہ میں اپنا حربہ بنایا۔

۴۔ غلام احمد تنبی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے ملت کا شیرازہ اتحاد بکھیرنے کا ذریعہ بنایا تو۔

غلام احمد پروین نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفقہ صریح اجماعی مسئلہ میں دخل اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

۵۔ غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر

انبیاء کی عیب جوئی اور طعن و شتم سے نہ بچو گا۔ یہاں تک کہ رسول عربیؐ کی ذات میں نقص نکالنے سے بھی گریز نہ ہوا تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہم نوا بھی اپنے نظام اجتماعی اور مرکز ملت کا راستہ نکالنے کی خاطر سنت رسولؐ میں عیب چینی کرنے لگے۔

۴۔ غلام احمد قادیانی نے نئے امر و نہی پر مبنی شریعت کا علم اٹھایا اور کچھلے سارے دین پر خط نسخ کھینچا چار یا خود کو اس میں ہر طرح تبدیلی کا مجاز ٹھہرایا تو۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ قرآن کے تمام احکام وراثتِ قرصہ، لین دین، صدقات، زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (نظام ربوبیت از پرویز ص ۲۵، ۱۹۶ وغیرہ) اور یہ کہ مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز روزہ، معاملات اخلاق، غرض جس چیز میں چاہے رد و بدل کر دے (مقام حدیث ج ۱ ص ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵) جبکہ عبادات پر اتنی ڈھٹائی سے ان کے پیش رو مرزا نے بھی چھرا نہیں چلایا تھا۔

۵۔ عتبی کذاب مرزا قادیانی نے شریعت کی تمام اصطلاحات کو تحریف کا نشانہ بنایا تو غلام احمد پرویز نے امت کے متفقہ و مسلمہ مصطلحات شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے من گھڑت مفہوم و مطالب پڑھائے اور ان کے ہاں آخرت سے مراد مستقبل ہے۔ (سلیم کے نام ج ۲ ص ۱۲۲) جنت و دوزخ مقامات نہیں انسانی کیفیات ہیں (لغات القرآن از پرویز ج ۱ ص ۲۹۹) فرشتے انسانی محرکات ہیں اور ایمان یا الملئکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوتیں انسان کے آگے جھکی رہتی چاہئیں۔۔۔ (ابلیس و آدم از پرویز ص ۱۹۵ لغات القرآن ج ۱ ص ۲۹۹)

یہ بریل انکشاف حقیقت کی روشنی کو کہتے ہیں۔ (ابلیس و آدم ص ۳۸۳) آدم کسی وجودِ شفیق کا نہیں بنی نوع انسانی کا نام ہے۔ اور یہ کہ انسانی پیدائش ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے (لغات ج ۱ ص ۲۹۹) نماز سے مراد نظام ربوبیت ہے (نظام ربوبیت ص ۸) زکوٰۃ صدقات و ایسہ کا مطلب ٹیکس ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۳۳ ص ۳۴) ثواب اور وزن اعمال کا عقیدہ ایک ایون ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۴۶)

تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کا داخل کیا ہوا ہے (ص ۱۹) صدقہ فطر ڈاک کے ٹکٹ ہیں۔ ج ۱ بن الملئکہ کالفرنس اور قربانی صرف اس کے فقرائے کے لئے رشتہ نہیں کرنے کا اصطلاح ہے۔

تلاوت قرآن جادو منتر کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی، قرآنی فیصلے وغیرہ)

۸۔ غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآنی

فیصلے ص ۴۹) اور اب قرآن کے رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں۔ (سلیم کے نام خط، ۲

ج ۳ ص ۱۹۸ تا ص ۱۹۹) موجودہ مسلمان تو برہم سماجی مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص ۱۸، ۱۵)

۹۔ غلام احمد قادیانی کی نئی شریعت میں حلال بھی ہے، حرام بھی یعنی یہ حق اسے حاصل

ہے کہ جسے چاہے حلال کہہ دے جسے چاہے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال و حرام

کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور پرویز می شریعت میں صرف

چار چیزیں حرام ہیں۔ (طلوع اسلام مئی ۵۲ء ص ۴۹)

۱۰۔ غلام محمد کی وحی اور الہام — ”میں ولد میں“ قسم کے ہدایات سے بھر لو رہے

تو غلام احمد پرویز کے تفسیری نکات میں آپ کو دیشنونگ عن المیضی۔ کا مطلب برطیرارانہ

معاشی نظام جیسے قرآن دانی جیسے شاہکار ملیں گے۔ ثلاث عشرۃ کاملة۔

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی

باہمی مماثلت و مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث کی وکالت کرنے

والوں بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا جذبہ ناموس رسالت اور حمیت دینی

ہے اور ایسا کیوں ہے کہ ایک غلام احمد کے بارے میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رخ اختیار

کرتی ہے مگر دوسرے میں آپ کو حسینؑ کی مظلومیت اور فضائے امت کی عبقریت

نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا ائمہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ کا

لاکھوں حدیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس جیسی دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ

بلکہ حدیث کی صحیح تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلق تمام مباحث اس حد تک علماء

امت کے ذریعہ منقہ ہو چکے ہیں کہ اس پر مزید اضافہ ممکن نہیں۔ علم و تحقیق کی یہ باتیں

شورش صاحب نہ ہی جھپٹیں تو بہتر ہے اور اگر خواہ مخواہ شوق سخن ہے تو علماء ان سب کا

نہایت سبب و تفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس میں اتریں اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے اور ہندی نژاد پرویز تو کیا یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام و منصب اور تشریفی حیثیت کے بارہ میں بے لاگ لگی لٹی کیے بغیر خیالات معلوم کر لیں اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔
رسول کا تشریفی منصب | قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بار بار رسول کی ان تمام حیثیتوں کو متعین کر رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

- رسول بحیثیت معلم و مربی۔ (بقرہ آیت ۱۲۹-۱۵۱ آل عمران ۱۴۴ وغیرہ)
- رسول کتاب اللہ کا شارح ہے۔ وہ قرآن کی تفسیر پر مامور ہے (نحل آیت ۴۴)
- رسول پوری امت کے لئے پیشوا مقتدا نمونہ، اسوہ اور واجب الاتباع ہیں (آل عمران آیت ۳۲)
- رسول خدا کی طرح شارع (LEGISLATOR) ہیں۔ (اعراف، آیت ۱۵۷، حشر، آیت ۷)
- رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (النساء ۱۰۵، الشوریٰ ۱۵، النور ۵۱، النساء ۵۸)
- رسول اکرم نبی ہی کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (النساء ۵۹، ۶۰، الفتح ۱۰، محمد ۳۰)

الغرض سنت اور اہل سنت کے بارے میں پرویز کا اصولی موقف کیا ہے جس کے مآخذ و مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور سبکی اتباع و اطاعت ایمان کی اولین شرط ہے

اس بارہ میں امت کے واضح اور اجماعی طرز عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریم کے کھلے ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارے میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتب فکر اجماعی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنما کو بھی حاصل نہیں تو پھر کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے خوشگوار موقف پر نظر ثانی فرما دیں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرمائیں۔ (جمادی الاول ۱۴۲۹ھ)

متجددین اور منکرین حدیث

جاہلانہ تصورِ سنت

اسلام میں قرآن کریم کے بعد دوسرا مقام سنت اور حدیث نبویؐ کا ہے۔
منصب رسالت قرآن کریم اول تا آخر سنت نبویؐ کی اس اہم ترین مرکزی اور بنیادی حیثیت پر زور دیتا ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک ایسے رسولؐ کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو بیک وقت معلم اور مربی بھی ہیں، شارح کتاب اللہ بھی اور تمام امت کے لئے پیشوا اور نمونہ تقلید بھی۔ وہ رسولؐ کی اتباع اور اطاعت کو محبت خداوندی اور یوم آخرت کی امید واری کی علامت قرار دیتا ہے اور حضورؐ کی زندگی اور آپؐ کے اقوال و افعال کو اپنا اسوۂ حسنہ بنانے والوں کو کافرین کے زمرہ میں شمار کرتا ہے۔ اس کی بے شمار آیتیں ناطق ہیں کہ رسولؐ کا کام صرف ”کتاب“ پہنچانا نہیں بلکہ اس کی تشریح و تعبیر اور اس کی تفسیر و تبیین بھی آپؐ کے فریضہ نبوت میں شامل اور منصب رسالت کا تقاضا ہے کہ وہ جگہ جگہ رسولؐ کو بحیثیت شارح پیش کر کے انہیں تشریحی اختیارات (LEGISLATIVE POWERS) دیتا ہے اور کبھی مختلف ہدایوں میں تصریح کرتا ہے کہ رسولؐ کریم اللہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم، فرمانروا اور قاضی (رج) ہیں۔۔۔ وہ سب رسولؐ کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہے کہ میرے رب کی قسم جب تک یہ لوگ دل و جان سے میرے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں یہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہو سکتے۔ میری مرضی سے فیصلہ سے انکار تو کیا، اگر انہیں اپنے دلوں میں دراستی لگی بھی محسوس ہو جائے تو یہ چیز متکبر ایمان کے ضیاع اور دین و اسلام کی بربادی کا سبب ہوگی۔ مومنین کا شیوہ تو یہ ہے کہ جب اللہ اور رسولؐ کی کسی بات اور فیصلہ کی طرف بلائے جائیں تو وہ دوڑتے چلے آئیں اور کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا (التوبہ ۷۵)۔۔۔ سب سے کافر اور منافقین، تو ان کا حال یہ ہے کہ ایسے موقع پر رسولؐ سے کئی کئی بار تائیدیں (یا انکار) دے رہے ہیں قرآن مجید کی

اڑے کر آج دین اور ملتِ اسلامیہ پر شیخون کرنے والے یلغار کر رہے رہیں، اسی کتاب میں
کا اعلان ہے کہ رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کے تشریعی منصب سے انکار خدا اور
اس کی کتاب سے انکار ہے۔ وہی کتاب کہتی ہے کہ رسولؐ کی زبان خدا کی زبان۔ اس کا ہاتھ
خدا کا ہاتھ۔ اس کا قول خدا کی وحی، اس کا عمل خدا کا منشاء اور اس کا فیصلہ خدا کے بزرگ برتر
کا اٹل قانون ہوتا ہے۔

پھر آہ! ان لوگوں کی نفسانی خباثتوں اور فطری کج نہیوں کا نام کن الفاظ سے کیا جائے
جو قرآن کا نام لے کر رسولؐ اولین و آخرین سے یہ سارے مناصب و محکم بدین اچھین لینا
چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہے کتاب اللہ میں ہے، رسولؐ کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، نہ اس کے
ارشادات اور تشریحات قرآن کو شریعت کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ انہیں
مسلمانوں کے قانون کا مانع سمجھا جاسکتا ہے۔ حالانکہ سنت کا دوسرا نام خدا قانون
(SOURCE OF LAW) ہونے پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا اجماع
چلا آ رہا ہے۔ مگر اسلام میں سنت کو جتنا اہم کردار اور اساسی حیثیت دی گئی ہے،
اسلام اور رسولؐ اسلام کی ذاتِ اقدس سے عناد رکھنے والے منافقین اور ملحدین نے
سنت کی تشریعی حیثیت گھٹانے میں اتنا ہی زور لگایا ہے کہ جب رسولؐ کی تشریح اور
تفسیر کو قرآن کریم کے احکام اور اصطلاحات سے الگ کر دیا جائے گا، تو اسلام اور قرآن کی
من مانی تاویل بلکہ تحریف کے لئے راستہ کھل جائے گا۔ قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور اس
طرح کے بے شمار فرق باطلہ میں یہ چیز آپ کو قدر مشترک کے طور پر ملے گی، خواہ یہ لوگ
دعویٰ حدیث پر عمل کرنے کا کرتے رہے یا اعلانیہ انکار۔

سنت رسولؐ اور مستشرقین اور تجدد ذرہ طبقہ | پچھلی دو صدیوں سے یورپ کے مستشرقین اور
مسلمانوں کے تجدد ذرہ طبقوں کے مساعی کا محور بھی زیادہ تر "سنت رسولؐ" ہی رہا کبھی کھلے
الفاظ میں اسے نشانہ تحقیق بنایا گیا اور کبھی منافقانہ لبادہ اوڑھ کر سنت کی نئی نئی تعبیرات کہنے
کی شکل میں ہمارے ہاں کے تجدد ذرہ حضرات جو نہ تو اپنی علمی و فکری قوتوں کو خدا اور رسولؐ کی
مرضیات پر چھوڑ دیتا چاہتے ہیں۔ اور نہ جمہوری مصلحتوں کی وجہ سے واضح طور پر اسلام اور

ایمان سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کے مساعی کا تعلق بھی زیادہ تر سنتِ رسولؐ کی تشریحی حیثیت کو نقصان پہنچانے سے ہے۔ ایسے لوگ جن کی ساری علمی متاع اپنے پیشرو غیر مسلم مغربی اساتذہ کی تحقیق و تبصرح ہے، ہمیشہ سنتِ نبویؐ کے مصداق اور اس کی اہمیت و استنادی حیثیت کو مخدوش اور مشکوک کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے غلام احمد پریزاد اور اس کی جماعت تو کھلے بندوں احادیثِ رسولؐ سے انکار کی دعوت دیتی ہے۔

سنت اور حدیث کے بارہ میں منافقانہ کردار اور کچھ لوگ علانیہ انکار کئے بغیر سنت اور حدیث کو اپنی ملحدانہ اغراض کی بنا پر ایسے معانی پہنانا چاہتے ہیں جس سے سنت کی حقیقت تو مسخ ہو کر رہ جائے، مگر انکارِ حدیث کے الزام سے بھی ان کا دامن بچ جائے۔ اس ”طرزِ تحقیق“ کا سہرا سوائے عالم یہودی مشرق پر فہرہ جو زفت شامت کے سر پر ہے۔ اور ہمارے ہاں اس نظریہ کے فروغ و اشاعت کا فریضہ ان کے وفاتشار شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کی ہمنوا جماعت بجالا رہی ہے۔ پہلی جماعت اپنی فاسد اغراض اور خواہشات کی راہ میں سنتِ رسولؐ کو سنگِ گراں سمجھ کر اسے راستہ ہی سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

نظریہ سنت جاریہ وغیر جاریہ مگر ڈاکٹر فضل الرحمن کا نظریہ ”سنت جاریہ وغیر جاریہ“ وہ عیارانہ حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر آپ تبسم کی رندی اور عیاری پر تقوٰے اور پارسائی کا غلاف چڑھا سکیں گے۔ اس نظریہ کا خلاصہ فضل الرحمن صاحب کے الفاظ ہی میں یہ ہے کہ ”سنت درحقیقت ایک ”تعاملی اصطلاح“ ہے جس کی تشکیل ”آزاد شخصی رائے“ سے ہوتی ہے۔ اور ”عوام الناس“ یا ”رائے عامہ“ کے قبول کر لینے کے بعد وہی چیز ”سنت“ بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی ”اجماع“ ہے۔ جس کو وہ ”آزاد اجماع“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملتِ مجموعی طور پر سنتِ نبویؐ کے مشمولات کی تخلیق کرنے کی مستحق ہے، ملتِ الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور اس ”تعاملی اصطلاح“ کو جاری رکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب صوف

اس کا نام سنت جاریہ (زندہ سنت) رکھتے ہیں اور حضورؐ کی اصلی سنت کو سنت غیر جاریہ (مردہ سنت)۔ معاذ اللہ قرار دیتے ہیں جس کی تشریح مختصر یہ ہے کہ کتاب و سنت اور تعلیمات شریعت میں اتنی ”توسیع“ کر دی جائے کہ جدید تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل اور خرابیاں عامۃ الناس کی رائے اور تعامل کی وجہ سے حسبِ خواہش سنت اور شریعت میں سمائے جاسکیں۔

پرویزی نظریہ سے مہلک | تحریف و تبلیس اور دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی کے لحاظ سے چودہویں صدی کی تحقیق منکرینِ حدیث کے پہلے گروہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح حضرات کی نظریں لاعلمی یا دینی بے حیثیتی کی وجہ سے فضل الرحمن کی اس تکنیک پر نہیں جاتیں اور وہ ”انکار حدیث“ سے دوسری جماعت کی براءت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ فضل الرحمن یا اس کے ادارہ کی طرف سے اگر ”پرویزی نظریہ“ کے تعاقب میں کوئی مضمون آتا ہے تو وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں پرویزی انداز فکر مسلمانوں کے دینی احساسات اور جذبات کی وجہ سے اسلام کے حق میں کم خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ قصرِ اسلام کو خاکِ بد میں جلد از جلد ہیوندِ خاک دیکھنا چاہتے ہیں **وَلَا فَعْلَ اللَّهُ كَذَلِكَ** یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے چور اور منافق بن کر درپردہ حربوں سے اس قصر میں نقب زنی کو زیادہ مؤثر اور مفید سمجھتے ہیں۔ پرویز جیسا جارحانہ اور دو ٹوک طریقہ نہیں۔ اگر پرویزی جماعت کھلے اترے اور کفرِ صریح کا راستہ چھوڑ کر ان کی طرح لفاق اور تبلیس کا راستہ اختیار کر لے تو آج ہی یہ دونوں مکتب فکر گلے مل سکتے ہیں۔ پھر ان دونوں مکاتب فکر میں میدانِ الحاد و تہجد کی سیادت و قیادت کا جذبہ بھی کارفرما ہے جو انہیں ایک دوسرے کا قریب اور حریت بنانے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ورنہ فرقِ باطلہ کے نفسیاتی مطالعہ اور ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں اصل اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں سب ایک ہیں، طریق کار، اندازِ بیان اور تعبیرت میں فرق ہے۔

آزاد اجماع اور شخصی رائے | چودہویں صدی کے اباہیت زدہ لوگوں کو اسلامی اقدار سے فرار کے لئے متشقیقینِ یورپ، ہمارے ہاں کے اہل تہجد اور اسلام کے

تعمیر نو (NEW CONSTRUCTION) کا نعرہ لگانے والوں اور اس کو حالات اور ظروف کا تابع بنانے والوں کی یہ تحقیق خوب بھائی ہے کہ، موس زندہ عوام کی اکثریت اور دین سے عموماً بے خبر عامۃ الناس کی خواہشات اور فیصلوں کو دین میں سنت جاریہ، آزاد اجماع، شخصی اجتہاد وغیرہ کے نام سے حجت اور اتھارٹی کا مقام دے دو۔ پھر دیکھو کہ جو فواحش اور منکرات دین میں قطعی حرام تھے، کس طرح وہ یکایک عامۃ الناس کے اپنانے سے جائز اور حلال بلکہ قانون اور شریعت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

عوام کو فیصلہ کرنے کا حق؟ اگر اس "آزاد اجماع" اور "شخصی رائے" کو احکام شرعیہ کا ماتخذ اور "سنت جاریہ" مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو سینما، بے پردگی، فحاشی، سود بنگلہ، ہجو، الغرض یورپ کے تمام اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی مسائل کو اسلام سے مخالفت کہہ سکے۔ کل اگر آزاد شخصی رائے سے تشکیل پائی ہوئی "سنت جاریہ" سوشلزم کو پسند کرے، پرسوں کمیونزم یا کیپیٹل ازم کو اور کچھ عرصہ بعد دجال اور اس کی لائی ہوئی یورپی تہذیب کو گلے لگائے تو ان میں سے ہر چیز کو سنت نبویؐ کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

خدا اور گہرائی میں جلیے تو نتیجہ کے لحاظ سے "سنت اور حدیث" سے تلاعب اور تمسخر کرنے والی دونوں جماعتیں اس نکتہ پر اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ "اطاعت رسول" اور شریعت کی بجائے ہر دور کے عوام کے فیصلوں کو وہی حیثیت دے دو جو رسولؐ اور اس کی سنت کو حاصل ہے۔ البتہ پروپیگنڈا کی مکتب فکر میں اس کی تعبیر "مرکزیت" کے نام سے کی جاتی ہے اور مجتہدین کے ہاں "زندہ اور مردہ سنت" سے اور کبھی آزاد اجماع اور اجتہاد کی آڑ میں عوام یا ان کی منتخب کردہ پارلیمنٹ مقننہ۔ اگر اسے اسلامی نقطہ نظر سے مقننہ کہنا جائز بھی ہو (جو کہ ہر قسم کے فیصلوں کا حق دیا جاتا ہے۔ خواہ ان فیصلوں کا مقصد کتاب و سنت اور اس کے منصوص احکام کو "ویٹو" کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس خود ساختہ اجماع سے امت کے پیچھے تمام اجماعی مسائل کا لوٹ کیوں نہ ہو رہا ہو۔

جمہوریت کے نام پر اجماع وغیرہ کے بارے میں صدر ایوب کے غلط خیالات | پھر اس غلط اور خطرناک تصور اجماع کا پروپیگنڈا اس لور شور سے کیا گیا ہے کہ بدستوری سے اور تو اور

ہمارے قابل احترام صدر مملکت تک اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنی کتاب ”فرینڈز ناٹ ماسٹر“ کے گیارہویں باب ”آئین اور نظریہ حیات“ میں انہوں نے ”اجماع“ کے اسی مفہوم کو اپنا لائحہ عمل بنانا چاہا ہے۔ اور چونکہ ملکی آئین اور ضابطہ حیات کی تشکیل میں صدر محترم کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہی خطوط پر وہ ملک کی قانون سازی کو پسندیدہ سمجھتے تھے جس کے اثرات مستقبل میں پورے ملک کے مسلمان اکثریت کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ اجماع کا وہ تصور جو اسلاف نے کتاب و سنت کی روشنی میں ہمیں دیا ظاہر ہے کہ اس کے لئے جو اہلیت اور صلاحیت ملحوظ رکھی گئی تھی، عوام تو کیا اس دور کے خواص امت تک میں اس کا پایا جانا مشکل ہے۔ صدر محترم کے خیال میں ایسے اجماع سے جمہوری قدروں کی پائمالی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قانون و شریعت پر علماء یا دینی علوم سے وابستہ کسی خاص گروہ کی اجارہ داری ناجائز سمجھتے ہیں اور زمانہ جدید میں اجماع کا مصداق قانون ساز اداروں کی رائے ہی کو قرار دیتے ہیں۔

ملائیت پائیت نہیں | حالانکہ ظاہر ہے کہ اسلام میں ”علماء اور ملا“ کسی خاص رنگ و نسل یا کسی مخصوص پیشہ یا کسی خاص قوم و نسب سے نسبت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں، نہ اسلام میں اس پائیت اور برہمنیت کی گنجائش ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے جو بھی چاہے بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا تفریق قوم و پیشہ، کتاب و سنت اور اسلامی علوم کا صحیح علم و فہم حاصل کر کے عالم بن کر منصب وراثت نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ رنگ و نسل کا امتیاز تو کیا دین کی ترجمانی کا یہ منصب جلیل مسلمانوں کی عورتوں اور غلاموں تک کو نصیب ہو سکتا ہے۔ تو پھر اصل معاملہ ”ملا“ کی اجارہ داری کا کب رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں اگر ہم ”ملا“ کا نام لے کر دین کی اجارہ داری اور تعمیر و ترجمانی میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہیں تو درحقیقت ہم تشریع اور قانون سازی کے لئے کتاب و سنت کی بالادستی اور اجارہ داری کے روادار نہیں ہوں گے۔

جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک اہمیت ہے | بیشک اسلام نے جمہوریت اور مسلمانوں کے عمومی پسند اور انتخاب کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اجتماع، استحسان، عرف اور تعامل امت کے نام سے اسلامی قانون کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جمہور کا کوئی فیصلہ نہ تو کتاب سنت اور خدا و رسول کی مرقی اور دین کے عمومی مزاج سے متصادم ہو اور نہ کسی چیز کو اپنانے میں خواہش پرستی، نفس پروری اور دین سے گریز کا داعیہ شامل ہو۔

اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے | جمہوریت کے نام سے دین اور شریعت میں عوام کو اس طرح کی آزاد قانون سازی کا حق دینا بالکل ہی ایسا ہے کہ ہم ملک کی تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں کسی انجینئر کی رائے اور قابلیت سے استفادہ کی بجائے عام لوگوں کو جنہیں انجینئرنگ کی معمولی شد بد بھی نہ ہو سارا کام سپرد کر دیں۔ کسی قابلیت اور صلاحیت کے بغیر عوام کو تربیلہ اور مشکہ جیسے بھاری بھر کم منصوبوں کی تعمیر و تشکیل کا کام سپرد کر دینا جمہوریت پروری نہیں بلکہ جمہور اور جمہوری اقدار سے دشمنی ہوگی۔ اسی طرح ڈاکٹری اور میڈیکل کو لیجے، لوگوں کی صحت، بیماری اور خصوصاً اجسام انسانی کی چیر مچھاڑ جیسا نازک کام عوام کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ کیا ملک کے شہرخص کو جاں بلب مریضوں کے اپریشن کا حق اس لئے دیا جاسکتا ہے کہ اسے منع کرنا جمہوریت کی پائمالی ہوگی؟ نہیں! بلکہ سرجری کا نازک ترین کام وہی شخص انجام دے سکے گا جسے مطلوبہ قابلیت، تعلیم، ڈگری اور تجربہ پورے طور پر حاصل ہو۔ اور کیا ملک کے شہرخص کو خواہ وہ مروجہ عدالتی قوانین اور عدالتی نظام سے معمولی آگاہ ہی بھی نہ رہتا ہو یہ حق دیا جاسکے گا کہ وہ چیف جسٹس یا پورے عدلیہ کے فیصلوں کو چیلنج دے سکے، یا قتل جیسے مقدموں کا فیصلہ کرتا پھرے، یا اسے وکالت کا اختیار دیا جائے۔ پس ظاہر ہے کہ جب دنیاوی علوم میں اس قسم کی اجارہ داری کو ہم حق تلفی قرار نہیں دے سکتے تو دین، شریعت، اور زندگی پر لاگو ہونے والے قوانین کے لئے مخصوص شرائط، قیودات اور خاص قسم کی قابلیت اور اہلیت کے التزام کو کیوں جمہوری اقدار کی خلاف ورزی سمجھا جائے؟

اجتہاد اور اجماع | پس بلاشبہ شریعت نے ہر کس و ناقص کو نہ تو اجتہاد کا حق دیا ہے نہ شخصی رائے پر اٹھائے گئے آزاد اجماع کو وہ دین کا اصل قرار دیتا ہے۔ بلکہ اجماع ایسے لوگوں کا ہی معتبر ہوگا جو خدا ترسی، تقویٰ، خشیت، فراستِ ایمانی، بصیرتِ دینی، جذبہِ خیر خواہی و حق کوئی جیسی صفات سے مالا مال ہوں، علمی اور فنی لحاظ سے ہر طرح کامل مکمل جامع اور عینقرنی شخصیتیں ہوں۔ ان کا کوئی فیصلہ تصدیق، تخریب، عناد، جہل، خود غرضی اور خواہشات انسانی پر مبنی نہ ہو اور پھر ان کے فیصلوں کے لئے اللہ، رسولؐ اور عہدِ صحابہ و تابعین سے کوئی قویٰ سند بھی موجود ہو۔ ایسے ہی لوگ اجتہاد و استنباط کے اہل ہوں گے اور ایسے ہی تمام بزرگوں کا اتفاق ”اجماع“ قرار پائے گا۔ ممکن تھا کہ آج بھی ان شرائط اور قابلیتوں کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھولا جاسکتا۔ مگر افسوس! کہ واقعاتی دنیا میں صدیاں ہوئیں وہ کچی گم ہو چکی ہے جسے کمر ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور مالکؒ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطینِ علم و فضل یہ دروازہ کھولا کرتے تھے۔

اب انہیں ڈھونڈ چرائی رخ زریبا لیکر

خلاصہ بحث | بہر تقدیر اسلام کی نظریں اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ اور اصل مقام کتاب و سنت اور اس سے مستنبط احکام و اصول کا ہے۔ اگر امت کی اکثریت یا مسلمانوں کی منتخب کردہ کوئی پارلیمنٹ کسی غیر شرعی فیصلہ یا کسی گمراہی پر متفق ہو بھی جائے تب بھی امت میں ایک مضبوط جماعت ہمیشہ ایسی پائی جائے گی جو اس ”اجماعِ ضلالت“ کی نہ صرف مخالفت بلکہ حق کی اعلان و اشاعت کرتی رہے گی۔ مجموعی امت گمراہی پر حسبِ بشارتِ نبویؐ (لا تَجْتَمِعُ اُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ) ہرگز متفق نہیں ہو سکتی، بنا بریں نہ تو مرکزِ ملت یا قوتِ حاکمہ کو اطاعتِ رسولؐ سمجھا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہم یورپ کے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ سے در آمد شدہ نظریات کو سنتِ جاہلیہ کہہ سکتے ہیں اور نہ زنا با رضاء جیسے صریح فاحشہ کو قانونی حیثیت دینے پر اتفاق کرنے والی پارلیمنٹ کے فیصلوں کو ”اجماع“ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیگر دینی اصطلاحات، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ کا ایک خاص شرعی مفہوم ہے۔ جسے نہ تو بدلا جاسکتا ہے۔ نہ ان میں ”توسیع“ اور ”ترمیم“ ہو سکتی ہے

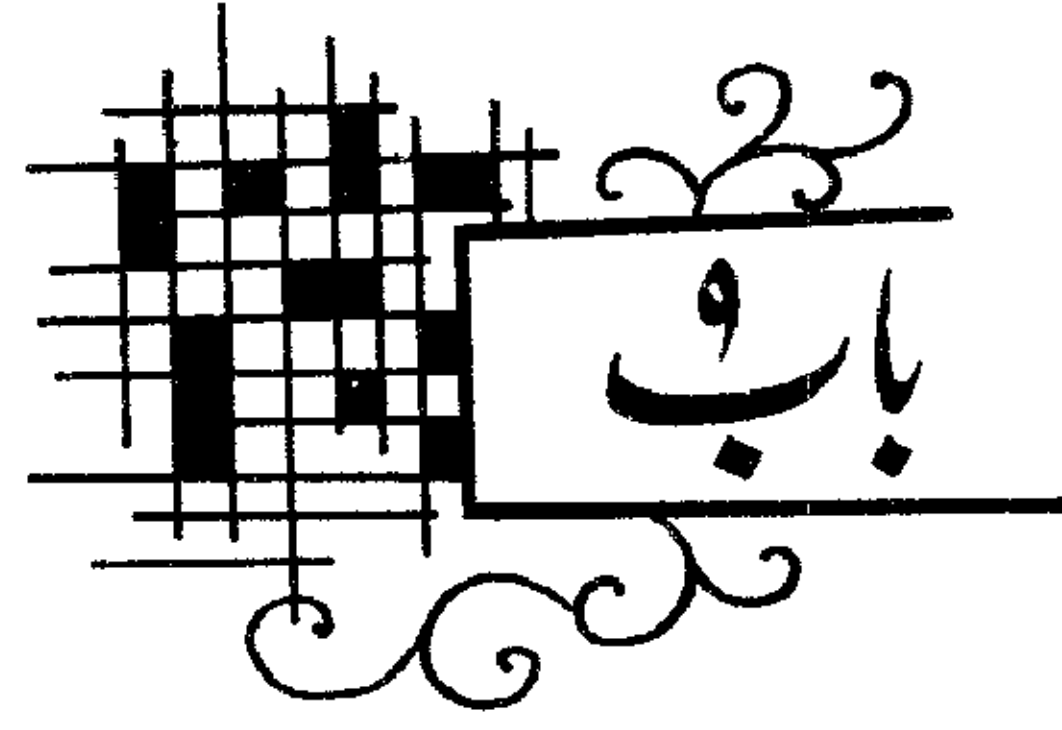
اور جس طرح ”کتاب“ سے مراد وہی قرآن ہو گا جسے امت اب تک متواتر آسمانی صحیفہ مانتی چلی آرہی ہے۔ اسی طرح سنت، اجماع، اور اجتہاد کے وہی معنی قابل قبول ہوں گے جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک متواتر چلے آرہے ہیں اور جس طرح کتاب، وحی، نبوت، رسالت وغیرہ الفاظ کے شرعی مفہومات قطعی اور اس میں تحریف و تبدیل اور ظلی برداری کی تفریق الحاد، کفر اور زندقہ ہے، اسی طرح اسلام کے اصول اربعہ کتاب و سنت، اجماع و اجتہاد کو اپنے اصل معانی سے الگ کرنا اور اسے اپنے من مانی معانی پہنانا تحریف فی الدین اور دین سے تلاعب اور مذاق ہی سمجھا جائے گا، جسے امت کا عمومی دینی مزاج قیامت تک برداشت نہیں کرے گا۔

خواجہ شہاب الدین کی سادہ لوحی ماکرامی
 خواجہ شہاب الدین صاحب نے مخزنِ حدیث کی بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کی ایک کنونشن میں دیگر خیالات کے ضمن میں مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز کی قرآنی حدیث پر انہیں خراج تحسین پیش کر کے مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ غلام احمد پرویز کی قرآنی تحریفات و جعل و تبیس سے بھرپور طریقہ اور حضور خاتم النبیینؐ کی تشریحی حیثیت کو چیلنج کرنا اگر خواجہ صاحب کی نگاہ میں قرآنی خدمت ہے تو ع

بریں عقل و دانش بیاہر گریعت

اگر خواجہ صاحب کو خود پرویز کے ملحدانہ طریقہ پر کاموقع نہیں ملا تو کم از کم اس بارہ میں انہیں ملک کے مختلف مکاتب فکر کے ایک ہزار جتید علماء و مشائخ کے متفقہ فتویٰ پر اعتماد کرنا چاہیے تھا جس میں اجماع اور اتفاق سے پرویز صاحب کو کافر اور مرتد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح خواجہ صاحب نے بالواسطہ دین و شریعت کے حامل تمام علماء کی تغلیط و تضحیک کر کے اپنی آخری عمر میں عمر بھر کی اپنی نیک نامی کو دھچکا لگا دیا ہے جو ان کی سادہ لوحی یا ضرورت سے زیادہ رواداری کا ثبوت ہے اس سے زیادہ افسوس ریڈیو پاکستان لاہور پر ہے جس نے اپنی صوتی تصویریں پرویز کے بارہ میں خواجہ صاحب کی تحسین و تکریم کی اشاعت کی اور ملک کی اکثریت کے احساسات کو مخروح کیا۔

(دسمبر ۱۹۷۷ء)



فتنہٴ رفس و انکار صحابہؓ
عظمت و عدالت صحابہؓ تقاضے

فتمہ رخصت والکار صحابہؓ

تعدیل صحابہ مدار دین ہے | قدوسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار و نظریات ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے۔ وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں۔ وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں غیر تو غیر اپنوں میں سے بھی اگر کوئی اٹھ کر ان ستونوں کو گرتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ملی خودکشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبر اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے اور پوری بغیر خواہی، اخلاق اور خدا ترسی سے اس ہاتھ، اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدین) منافق، سازشی، منافق، پالیٹکس، خود غرض یا اقربا پرور اور معاذ اللہ جابر و ظالم تھے تو جو دین اور شریعت اور جو کتاب و سنت ان کے ذریعے ہم تک پہنچی اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی۔ یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرام کی تقدس ثقاہت اور تعدل کا مسئلہ صرف جذبات اور نرمی عقیدت کا مسئلہ نہیں اور نہ اسے تعصب اور بغیر خواہی پر محمول کرنا چاہیے۔ یہ پوری شریعت اور پیغمبر اسلام کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے جن لوگوں کی جانفشانی، اخلاص، علو ہمت، ایثار و جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ہم ”علم و تحقیق“ یا عناد و تعصب کا تہیہ ان ہی پر چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شعبی (جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں نقل کیا) ہم یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ثابت ہوں گے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلہ میں زیادہ مرتبہ شناس اور قدردان کہ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں؟ تو یہود نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کے حواری (صحابہؓ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسولؐ کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے۔ ”کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس طوفانِ نوحہ و ماتم میں ہمارا پورا گھر (دین و شریعت) تو ہمیں ڈوب رہا۔؟ اور ہماری تحقیق و اکتشاف کی کلہاڑی سے قصر اسلام میں شکاف تو نہیں پڑ رہے۔؟ ولا فعل اللہ، ذالک فاعتمدوا یا اذی الایصار۔

عظمتِ صحابہ اور شانِ عدالت پر حملے

صحابہ کرامؓ ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں۔ جن کی عدالت اور صفائی خود خداوند کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ قرآن و سنت اور دین و شریعت کے نام سے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے۔ وہ اسی قدسی صفاتِ جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ ان کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجے میں ہمیں اور ہمارے اسلاف کو کفر و شرک اور ظلم و ضلالت کی ظلمتوں کی جگہ ایمان و یقین اور عدل و انصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔

علم و تحقیق کے نام پر اس کیسی بدنیتی اور شقاوت کی انتہا ہے کہ آج ہم میں سے ہی بعض ناقابلِ اندیش اور دولتِ خشیستہ خداوندی سے کورے ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ پلارہے ہیں اور وہی زبانیں جو ”اقامتِ دین“ اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے اپنی ساری قوتِ گویائی صحابہؓ کی تعدیل و تقدیس کو مجروح کرنے میں خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی بیش قیمت متاعِ دین و ایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات اور رسالوں میں سر بازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم و تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے اولین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو درمندانِ اسلام اور علمائے حق کا اولین فریضہ ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادہٗ عیاری کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور ایسے مکار ہاتھ نسل ہو جائے چاہیں جس کی دست درازیوں سے عثمانؓ مظلوم اور معاویہؓ مرحوم کی قبائے عصمت و تقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالت و تعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر جو قسم شہیدِ عثمانؓ کے اس خون سے رنگا جا رہا ہے۔ جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے وقت قرآن کریم کی آیت فسيفکھم اللہ کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی۔ کیا آج اللہ کی کفایت اس خون کے تقدس کی حفاظت و ضمانت سے مجبور رہے بس ہو سکتی ہے؟

حاشا وکلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے عثمانؓ کی مظلومیت اور شہیدِ دار کی بیکیسی تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد اربابِ تحقیق پر خندہ زن ہے

اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسکفیکہم اللہ، وهو السميع العليم۔
اظہار برأت عظمت صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں ”خلافت و ملکیت“ کے نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی، افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ دہلی کے معروف ادارہ ”ندوۃ المصنفین“ کے آرگن برہان میں پچھلے ماہ کسی کیپٹن قطب الدین نے خلافت راشدہ کے ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ منہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالت صحابہؓ پر بھی نہایت سخیف انداز میں طبع آزمائی کی۔ ندوۃ المصنفین ہمارا ہی ایک قابل فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیر شہیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو خود ایک ثقہ، متدین اور محقق صاحب قلم اور دیوبند سے وابستہ جید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور حیرت کی بات تھی۔ چنانچہ مدیر برہان کو توجہ دلائی گئی جو ان دنوں علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف سے برأت ظاہر فرمائی۔ اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا بھی وعدہ کیا۔

دفاع صحابہؓ اور ہمارا فرض

قومی یک جہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سے کس باشندہ شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنان اقتدار ہے ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یک جہتی، باہمی اتحاد اور حسن معاشرت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہل سنت والجماعہ کی ہے جس کے ریشہ ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس کے ساتھ ساتھ اہل بیتؓ اور ائمہ اطہارؓ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔

دفاع صحابہؓ مسلمانوں کا فرض ہے | ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات دینی عقائد و مسلمات کے تحفظ اور دفاع کے لئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان

سرگرمیوں میں قدغن کرتی ہے، جس کی زبردستی عظمت و تقدس اور دینی افکار و نظریات پر پڑ

رہی ہے۔ یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔
 جن کا وجود دین میں اتھارٹی اور اسوہ کا مقام رکھے۔ تو ایک اسلامی اور جمہوری ملک میں
 اسے ہرگز انتشار پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور
 دینی استحقاق کے باوجود یہاں کی اکثریت محض قومی یکجہتی اور ملکی استحکام کی خاطر (یا اپنی دینی
 اقدار و مسلمات سے غفلت اور بے بسی کی وجہ سے) اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات
 اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ اس حسن معاشرت اور فراخ دلی کا خیر مقدم
 کیا جاتا۔ اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ کہ پورے ملک کے
 سواد اعظم پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ارادے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی اور اس کے لئے
 روش اختیار کی جاتی چونکہ تو پاکستان کی سالمیت اور بنیادی اصول سے جوڑ کھائے اور نہ اکثریت کا
 مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے۔

اہل الحاد و فتنہ | مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت تو کیا کوئی
 کی سیتہ زورمی | ایک فرو بھی اٹھ کر پورے ملک کے اعتقادات اور پاکستان کے اساسی
 نظریہ اسلام کو لٹکا کر سکتا ہے۔ اسے دین اور مذہب کے ایک ایک ستون گرانے اور اسلام کے
 پورے فکری نظام کو تہہ بالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ وہ ٹکے کی چوٹ علم و شجاعت، مدرسہ و خانقاہ
 مسجد و مکتبہ درس و تدریس، تصنیف و مطالعہ، ارشاد و تہذیبیت، عرض اسلام کی ترجمانی کرنے والے
 تمام مظاہر، اداروں اور شخصیتوں کو صورت غلطی کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتا ہے۔ چند افراد کا ایک گروہ
 جہاد اور روشن خیالی کے پندار میں پورے دین فطرت، اسلام کو ملکی ترقی کے لئے "ریورس گٹر" سمجھا
 ہے اور اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام علماء و محقق کو "ملاہیت" کے نام پر پابند طوق و سلاسل
 کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو نظر و فکر۔ اگست ۱۹۷۷ء) ایک شخص (غلام محمد پرویز)
 اٹھ کر اسلام کے پورے حدیثی ذخیرہ اور پیغمبر کی تشریحی حیثیت پر ہاتھ صاف کرتا ہے مگر اس
 تمام جارحانہ غیر جمہوری، غیر اخلاقی اور لادینی تحریروں و تقریر کو قومی یکجہتی کے خلاف اور اکثریت کی
 ولایتی قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسلام کی تحقیق و تیسرے نام پر اس اسلام دشمنی اور سیکولر نوازی
 کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اگر اس ظلم و انفرافری کے خلاف اکثریت کوئی آواز اٹھاتی ہے تو

ان اسے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے۔

نبوت کا ذریعہ کا پرچار | جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جسے پوری اسلامی دنیا روز
اول سے کافر، مرتد اور خارج اسلام سمجھتی ہے) بلاادک ٹوک اپنی نبوت کا ذریعہ کا پرچار اور مسلمانوں
کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سالیبت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی
نرمبادلہ سے تبلیغ کے نام پر دیس دیس میں اس کی خلافت اسلام مسائی جارہی ہیں۔ اس کا
امیر پورے طمطراق اور شان بان سے اسلام کا نمائندہ مسلمانوں کا خلیفہ اور پاکستان کا مذہبی لائسنس
بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے بدترین دشمن
اسرائیل تک ہیں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جس کا اعلان وہ بلا کسی جھجک کے اپنے گوشواروں
میں کر رہی ہے۔ مگر اتنا دیکھ کر اس مہم کو نہ تو قومی یک جہتی کے متافی سمجھا جاتا ہے اور نہ مسلمانوں
کے عزیز ترین اعتقادات کے لئے چیلنج جبکہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبر سے
جذباتی اور ذالیانہ لگاؤ ہے۔

شیعہ معتقدات | اہل سنت والجماعہ (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت)
کا شروع | کی فراخ ہو سکتی ہے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ
حضرات نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے
۱۔ شیعہ مسلمانوں کے لئے الگ نصاب تعلیم و تربیت بنانے۔

۲۔ عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہ کے سپ دشمن) کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی
سے آزاد کرانے۔

۳۔ اور شیعوں کے لئے ایک الگ اوقات بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں
ان مطالبات کی خاطر میدان کمر بیا کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک
اکثریتی طبقہ کے علمی و فطری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا کہ ملکی
استحکام اور بقا کو خطرہ نہ دیکھنے والی ان فتنہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔
جس کی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھ دار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہو گا کہ الگ تھلگ
رہنے کا یہ احساس اور علیحدگی کی بے حد وجہ اگر ایک طرف ملک کی سالیبت پر ایک کاری ضرب

ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے رد عمل کی شکل میں خود شیعوں کے لئے یہ انداز افتراق بے شمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا رد عمل پھر تعلیم اور اوقات تک محدود نہ رہے گا بلکہ کئی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے، جس کا تصور بھی ملک و ملت کے بھی خواہ نہیں کر سکتے۔

سرکاری نصاب سے | ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو دیوالوں کی بڑھ
خلافت راشدہ کا اخراج سمجھتے رہے مگر بد قسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسی باتیں ظاہر
ہونے لگیں جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر
یہ المتناک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف
کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر سکولوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ جیسے
معماران اسلام کے احوال و سوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا ہے۔ (جین کی سوانح یورپ کی بعض
یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل اور ان کے لئے مشعل راہ ہے) جن کی پاکیزہ معیاری سیرت
ملک اور معاشرہ کی تشکیل کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی
پاکستان کی طرف سے شیعہ مطالبات پر غور کے لئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں۔ ان امور نے
بمجا طور پر اہل سنت کو چوڑا کر دیا ہے اور یہ خبریں پورے ملک کے لئے مسلحہ فکر یہ بن چکی ہیں۔ ایک
ایسی تحریک جس کے نتیجے میں ملک و ملت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ جائے اور نہ ختم ہونے
والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، کوئی معمولی سا خطہ نہیں جس سے اہل سنت اور ملک کے دوسرے
غیر خواہ صرف نظر کر سکیں۔

سنی کنونشن | اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کی طرف سے
سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور ہر لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں پورے
مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اور مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر غور کے
بعد چارہ رادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں باہمی عناد و
فساد اور فرقہ وارانہ تلخی اور تصادم پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتیب
فکر سے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد و اتفاق کی اپیل اور شیعوں کے دلائل و اسامی

جلسے جلوسوں اور صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفاء راشدین کی سیرت نکالنے کی سادش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قراردادوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ یہ قراردادیں ملک کی خیر خواہی، دین کے تحفظ اور قومی سالمیت کی ترجمان ہیں اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق۔ ظاہر ہے کہ نہ تو ایک مہمٹی بھر صباغت کی خاطر ملک و ملت اس تشدد اور بیاہمی تقسیم کی تحمل ہے اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی، سب و شتم اور تیرا بازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کر سکتے ہیں جنہیں خلفاء راشدین یا صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سنی سوادِ اعظم پر صریح زیادتی

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لاء اینڈ آرڈر قسم کے پریس نوٹوں اور آرڈی نیمنوں کے ذریعہ دیگر فرقوں کا تحفظ کروایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے دینی نظریات، اعتقادات اور قطعی مسلمات کی سربراہ تو بنیں اور تحقیر برداشت کرتے جائیں، مگر کسی قسم کا حرف شکایت زبان یا قلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہوگا۔ مگر دوسری طرف فراخ دلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اقلیتی فرقوں کو پورا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کھانڈی چلائیں۔ انبیاء اور صلحائے امت کے بارہ میں نہایت گستاخانہ الہامات اور مکاشفات کا پرچار کریں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کتھریوں اور جنگلی سوروں کی اولاد سمجھیں۔ ملت محمدیہ کے تمام امتیازات اور خصوصیات کو ایک ایک کر کے مٹائیں اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی ملت اور امت کو مصداق قرار دیں۔ ان لوگوں کو آزادی ہے کہ حضور اقدسؐ کی احادیث سے انکار کی برملا دعوت دیں۔ حضورؐ کی تشریعی حیثیت کا دھاکم بدھن، مذاق اڑائیں۔ اطاعت خدا و رسول کو من مانی معنی پہنائیں۔ انہیں کھلی چھوٹ ہو کہ دئی نبوت، جبرئیل کی جو چاہیں تاویل کریں۔ معراج جسمانی اور عقیدہ رفع مسح کو افسانہ سمجھیں۔ شراب، بھاد، سود کو حلال قرار دیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ حج جیسے ارکان اسلام کی مقدار میں کمی بیشی کریں اور چاہیں تو ڈنکے کی چوٹ اسلام کو کمبوزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنائیں۔ انہیں تو بلا خوفِ احتساب یہ حق

حاصل ہو کہ مسلمانوں کے مسلمہ بزرگوں، صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ پر ہر قسم کی دست دراندازی کریں۔ مگر نہ تو ان لوگوں سے کوئی باز پرس ہو اور نہ ایسی حرکات سے ملک و ملت کو انتشار و افراق کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے اہل سنت و اجماعت کی عظیم اکثریت کے یا تو کوئی عقائد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ عقائد نہ تو خروج ہوتے ہیں اور نہ ان پر مخالفین کی دست اندازیوں کی کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر اگر ایسا نہیں تو کیا اس ملک کے سواد اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کسی تحفظ اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات و واقعات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو گا جنہوں نے اپنے دین و شریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت و ترویج اور باطل کی سرکوبی ہی کے لئے تاریخ کی لامثال قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ اگر ان کے دین اور اعتقاد کو کسی غیر مسلم غالب اکثریت کے رجم و کرم پر نہ ہنا تھا تو انہیں آگ اور خون کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دین اور دینی اقدار کے خون ہونے کا یہ ہولناک نظارہ وہ کسی سیکورسٹ میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ — پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی اساس کتاب و سنت اور ان کی وہی تشریح و تعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں کے ہاں مستقبول و تسلیم پا چکی ہے۔ پس کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کو تو بے دست و پا بنا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بچانے والوں کو کلی چھٹی دی جائے بلکہ ان کے تحفظ اور مدافعت کا انتظام ہو۔ ایسی صورت حال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہونا بصیرت اور تدبیر کی صورت ناقصیت اندیشی کا بیڑا ثبوت اور غم سلیم سے مخروم کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک و ملت کی بنیاد خواہی، دینی ذمہ داری اور اور ہمارے اساسی نظریات سے وفاداری کی بنا پر اس المناک صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں۔

خلفاء ثلاثہ کے بارہویں شرانگیزی

مولانا عبدالماجد دہلوی بادی مدیر صدق لکھنؤ کے ایک تازہ گرائی نامہ سے معلوم ہوا کہ کراچی کے ایک اردو ماہنامہ ساقی نے پچھلے بعض شماروں میں خلفاء ثلاثہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ایک انتہائی شرانگیز مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون کی دلائل آدمی کا یہ عالم ہے کہ بعض مصنف مزاج شیعہ حضرات بھی اس سے بیزار ہی ظاہر کر چکے ہیں۔ مضمون میں ان جلیل القدر صحابہؓ کی عظمت و تقدس کو جس بے دردی سے مجروح کرنے کی سعی کی گئی ہے اس پر جتنا بھی اظہار نفرت ہو سکے کم ہے۔ مولانا دہلوی صاحب نے یہاں کی دینی صحافت سے اس مضمون کا محاسبہ نہ کرنے پر دینی بے حسی کا شکوہ فرمایا ہے جہاں تک الحق کا تعلق ہے دینی اقدار کی حرمت اور ائمہ سلف کی عظمت و تقدس اور ہریم اسلام کی قیادت میں خداوند قدوس کے فضل و کرم سے وہ ہرگز کسی مصلحت کوئی اور رعایت، مدامت کا روادار نہیں اور نہ کسی قسم کا خوف و لالچ اسے کلہ ہرق پہنے سے باز رکھ سکتا ہے لیکن جہاں تک ساقی کے اس مضمون کا معاملہ ہے نہ تو ہماری نظر سے اس بات پر جو گزرا ہے اور نہ اس کا یہ قابل نفرت مضمون۔ غالباً یہی حال دیگر دینی پریچرل کا بھی ہے۔ ساقی کے اس پریچر پر حق تنقید محفوظ رکھتے ہوئے ہم اتنا عرض کریں گے کہ ملک کے سوا و اعظم اور عالم اسلام کی اکثریت کے احساسات کو پامال کر کے اس قسم کے مضامین اور کتابوں سے سوائے انتشار و افتراق اور عاقبت کی بربادی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا، جس جماعت کی تبدیل و خرابی اور اس کے رسولؐ نے فرمائی ہو کسی بدباطن اور کج فہم کی بہتان تراشیوں سے اس کی شان نہیں گھٹ سکتی اور نہ اس کتاب کو کتاب و سنت اور اجماع امت کے بعد کسی اور توجیہ کی ضرورت ہے۔

شیعہ سازشیں

ہم نے پچھلے شمارہ میں شیعہ نصاب کی علحدگی اور شیعہ مطالبات کے خطرناک عواقب پر کچھ روشنی ڈالی تھی۔ اب حکومت کی تشکیل کردہ دینیات کمیٹی کے کچھ رہنما اصول سامنے آئے ہیں اور

کافی حد تک وہی ہو کر رہا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ ہم تو اصولاً اس قسم کے مطالبات کو درخور اعتنا سمجھنا۔ اس کے لئے کمیٹی تشکیل کرنا اور اسے زیر غور لانا ہی ملک و ملت کے افتراق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ پھر طرفہ نما شاید کہ کمیٹی اور اس کے ضمنی ورکنگ گروپ میں شیعہ سنی ارکان کو بالکل اسی طرح مساوی نمائندگی مل گئی کہ گویا شیعہ اس ملک کی نصف آبادی ہو۔ اس وقت کمیٹی کی تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان مطالبات کو اتنی اہمیت و بحرانیت کا شیرازہ منتشر کرنے کی سعی کر دی گئی ہے۔ اب رد عمل میں اہل سنت کے جائز حقوق اور مطالبات اور شیعہ حضرات کو اس ملک میں ان کے الگ مقام پر رکھنے کی جدوجہد کو بھی اسی تحمل اور رواداری سے برداشت کرنا چاہیے نہ کہ علیحدگی، افتراق اور انتشار برپا کرنے کی ساری ہمتیں اکثریت پر لگا دی جائیں۔ شیعہ کی اس قسم کی سرگرمیاں یا تو اس ملک کو شیعہ سٹیٹ بنانے کا پیش خیمہ ہیں یا شیعہ اپنے وقت کے ابن علقمی بچی خان کے ادھورے منصوبے کو تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیں گے

خلافتِ راشدہ اور نصابِ تعلیم

پچھلے کسی شمارہ میں میٹرک کے نصاب سے خلافتِ راشدہ کے باب کے اخراج سے متعلق محکمہ تعلیم کے اس اقدام کے عواقب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب وزیر تعلیم مغربی پاکستان کی طرف سے اس فیصلہ کے واپس لئے جانے کی اطلاع آئی ہے۔ ہم اس وضاحتی اعلان کا دلی خیر مقدم کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ اس غلط اور نا عاقبت اندیشانہ اقدام کے محرکات کی نقاب کشائی کرائی جائے گی۔ خلافتِ راشدہ جس کی عظمت و تقدیس و تعذیل و تنزیہ قرآنی خصوص اور صریح ارشادات رسول پر مبنی ہے۔ یہ عہد سعادت اسلام کی اساس ہے اور گھر کبھی بھی بنیادوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک مسلمان ریاست کے لئے لازمی ہے کہ وہ نہ صرف اس عہد زریں کو اپنا اسوہ بنائے بلکہ اس کے احترام و تقدیس کو چیلنج کرنے والی کسی بھی علمی، عملی یا فکری سرگرمی کا بروقت سختی سے محاسبہ بھی کرتی رہے۔

شیعہ نصاب اور افتراق و انتشار کا راستہ

پچھلے دو تین سال سے شیعہ حضرات کی طرف سے شیعہ نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھایا جا رہا تھا اور یہ بات چونکہ ملک و ملت کی سالمیت، یکجہتی اور یہاں کے سواد اعظم اہل سنت و الجماعت کے دینی اور مذہبی حیثیت پر صریح دست اندازی تھی۔

قومی اسمبلی میں | اس لئے اہل سنت کی طرف سے بجا طور پر علیحدگی کے اس مسئلہ
ارباب اقتدار کا کردار | پر نہ صرف تشویش کا اظہار کیا گیا بلکہ ۲۱ اور ۲۵ اگست ۱۹۷۲ء

کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس مسئلہ پر قومی اسمبلی کے اجلاس میں اس مسئلہ پر بار بار تحریک التواپیش کیں اور اسمبلی کے کئی علماء ارکان کی تائید سے سوال اٹھایا کہ یہ چیز نہ صرف ہماری اعتقادی اور فکری و مذہبی زندگی بلکہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زندگی کے لئے بھی تباہ کن ہے اور مسلمانوں کے فکری اتحاد کو نقصان پہنچا کر بالآخر ملک کے اتحاد و سالمیت کے لئے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ اس وقت کے وزیر قانون جناب پیر زادہ صاحب نے اس مسئلہ کو ٹالتے ہوئے مولانا سے کہا کہ یہ محض خبریں ہیں اور کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس میں اہل سنت و الجماعت سنی مسلمانوں کی مرضی شامل نہ ہو۔ اس کے بعد مولانا نیاز می صاحب کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس مشترکہ کمیٹی کی سفارشات کو نہ صرف یہ کہ کابینٹ نے نامنظور کر دیا بلکہ خود شیعہ جماعتوں میں سے بھی بعض نے اسے رد کر دیا۔ رہے جمہور اہل سنت تو انہوں نے کسی موقع پر بھی ایسی کسی مشترکہ کمیٹی اور علیحدگی نصاب کے مسئلہ پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء کی مشترکہ کمیٹی میں جو دو ایک علماء اہل سنت شامل تھے انہوں نے خود بھی اسی رپورٹ کے خلاف

مطبوعہ مطالبات کی دستاویز پر دستخط ثابت کر دیئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ شیعہ حضرات خاموش رہے اور اب جبکہ قادیانی مسئلہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں فکر میں اتحاد برپا نکلتا اور قومی یکجہتی کی ایک فضا قائم ہوئی تو نا معلوم اسباب کی بنا پر یکایک شیعہ حضرات کی طرف سے ایچی ٹیلیشن اور دھمکیوں کے انداز میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا۔ گویا بالواسطہ قادیانی محاذ پر مسلمانوں کی شاندار فتح کو شکست سے بدلتے کی سعی کی گئی اور بقول شیعہ نقابرات کے حکومت شیعہ عوام کے سامنے چھلک گئی (ملاحظہ ہو مہنت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر) اور ۱۲ اکتوبر کو لاہور میں جمہور اہل سنت کے حقوق و مطالبات اور ان سے استصواب رائے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ اپریل ۱۹۷۵ء سے سکولوں کے نصاب اسلامیات میں اٹھویں تک مشترکہ نصاب جاری ہوگا (جس میں سوانح صحابہ و صحابیات کا ذکر نہیں ہوگا۔ نویں اور دسویں کلاسوں میں علیحدہ علیحدہ نصاب ہوگا جس میں عیادات اور سوانح شامل ہوں گی وغیرہ۔) الخ

ستی اکثریت سے ظالمانہ مذاق | اس فیصلہ کی تفصیلات ہیں گئے بغیر ہم کم از کم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ خالص یکطرفہ بغیر مضفانہ اور شیعہ حضرات کے حق میں ہے۔ یہ تصفیہ اگر ہو ہے تو حکومت اور شیعوں کے درمیان نہ کہ سنی اور شیعہ فرقوں میں اور اس ملک کے جمہور اہل سنت کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق ہے کہ حکومت ان کی مرضی حاصل کئے بغیر اس ناجائز عقد کی خوشی میں مسلمانوں کو بھی شریک ٹھہرا رہی ہے۔ جہاں تک جمہور اہل سنت کے اکثر علماء، اصحاب فکر و نظر اور ارباب حل و عقد اداروں اور تنظیموں کا اہم ترین نازک مسئلہ میں غفلت، سکوت اور بے حسی کا معاملہ ہے تو ہم اپنے قومی تشخص سے غفلت اور حمیت دینی کے فقدان پر انا اللہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یہاں اس حقیقت کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ قادیانیوں کو چھوڑ کر جو ہر لحاظ سے ایک الگ غیر مسلم جماعت ہے اور جو عملاً خود بھی ہر میدان میں اپنے آپ کو الگ کر چکے تھے۔ ہم مسلمانوں کے اندر موجودہ فرقوں کی علیحدگی پسندی کے ایسے رجحانات کے سخت خلاف ہیں۔ شیعہ نصاب کے مسئلہ میں علیحدگی اور تفریق کی روش اختیار کرنے کی ابتدا بھی جمہور مسلمانوں سے نہیں، مٹھی بھر تعداد رکھنے والے شیعہ بھائیوں سے ہوئی ہے مگر ہمیں ڈر

ہے کہ طعن و تشیع اور الزامات کا نشانہ اب بھی ملک کے سواد اعظم جمہور اہل سنت کو بنایا جا بیگا۔
 (اور یہ سادہ سی مطلوبیت اور لیے بسی محض ان کی بے حسّی اور قومی ذہن کے فقدان کی وجہ سے
 ہے) اور روشن خیال و الشوریوں اور ارباب اقتدار کو نہ تو علیحدگی اور افتراق کی ان سازشوں
 میں ملک کی سالمیت اور بقا کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ نہ کہیں مذہبی تعصب اور جاہلانہ گروہی طرز عمل
 نظر آتا ہے لیکن اگر جمہور کے لبوں کو ذرہ بھی جنبش ہوئی اور ظلم پر آہ بھی ہوئی تو سب کی رگ
 وفاداری پھڑک اٹھے گی اور وسیع النظری، رواداری اور روشن خیالی کا جذبہ بھڑک جائے گا
 بہر حال ہم آج کی صحبت میں اس فیصلہ کے بعض دور رس اور خطرناک نتائج پر روشنی
 ڈالنا چاہتے ہیں۔ مقصد ملک کی سالمیت اور ملی یکجہتی ہے اور متنازع ملک کی گاڑی کو
 اس مہلک راہ سے بچانے کی ہے، جس پر اس ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کی صورت
 میں ملک کو ڈالاجا رہا ہے۔

ملک کے سیاسی اہل اصول، اقتصادی ضرورتوں اور سواد اعظم کی دینی اور معتقداتی نزاکتوں
 کے لحاظ سے حکومت کے لئے ناگزیر یہ ہے کہ وہ ایسے اہم مسئلہ پر عجلت میں کئے گئے فیصلہ
 پر نظر ثانی کرتے ہوئے اکثریتی طبقہ سنّی مسلمانوں کو اعتماد میں لے اور ان کے معتمد علماء اور
 ارباب فکر سے مشورہ کرے۔

قومی یکجہتی پر سیاسی لحاظ سے ملک کو اس وقت جس فکری سلامتی، اتحاد اور
 ضرب کاری | قومی یکجہتی اور نظریاتی یگانگت کی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ
 تھی۔ ملی اتحاد پر آئندہ رہے ہے ملک کی بقا کا دار و مدار ہے۔ اب تک خوش قسمتی سے
 شیعہ سنی طبقوں میں یہ فضا قائم رہی۔ باہمی منافرت اور اجنبیت کا احساس یا شدت احساس
 کم ہی رہا۔ سنی مسلمانوں نے تو تحریک پاکستان کے آغاز سے لے کر اب تک اس سلسلہ میں
 نہایت فرائض اور رواداری کا مظاہرہ کیا اور بارہا اپنی قسمت کی باگ ڈور بھی ایسے ہاتھوں
 میں دے کر مضائقہ محسوس نہ کیا جن ہاتھوں نے آگے چل کر ملت مسلمہ کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر
 نہ اٹھائی اور بالآخر مسلمانوں کے اس حصار پاکستان کو پاش پاش کر کے ہی چھوڑا۔ — بہر حال
 اس باہمی رواداری اور حسن معاشرت کے بنیادی عوامل میں اہم چیز موجودہ متحدہ دینی لہجہ

ہی رہا کہ سکول اور تعلیم گاہ کے ماحول میں بچوں کے اذہان، ایک دوسرے سے علیحدگی اور جداگانہ گردہی و جود کی تربیت سے محفوظ رہیں اور اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ محمد اللہ کہ قیام پاکستان کے بعد ہمارے تعلیمی ادارے، شیعہ سنی نظریاتی تصادم کی لپیٹ میں نہیں آئے اور نہ اکثریتی فرقہ کی دینیات شیعہ بچوں کے جذبات بخروج کرنے کا ذریعہ بنی۔ تعلیمی اداروں سے باہر بھی ہماری زندگی اس کچاؤ سے کافی حد تک محفوظ رہی بلکہ تعلیمی نصاب اور نظام کی یگانگت کافی حد تک بچوں کے ناپختہ اذہان میں باہمی الفت و تعلق اور نظریاتی اعتدال پیدا کرنے کا موجب بنتی رہی۔

اب حیب نصاب کی علیحدگی کی صورت میں بچپن ہی سے بچوں کے اذہان میں ان کے جداگانہ خیالات اور نظریات اور علیحدہ علیحدہ حیثیت کا شعور اجاگر کیا جائے گا تو یہ احساس علیحدگی آگے چل کر باہمی منافرت کی کتنی خطرناک شکل اختیار کر سکے گا اور قومی یکجہتی اور فکری یگانگت کس بے دردی سے انتشار و افتراق میں بدل جائے گی۔

نہ ختم ہوئی الا سلسلہ | پھر دیکھئے کہ علیحدگی کا یہ سلسلہ آخر کہیں جا کر رک بھی سکے گا یا نہیں اس ملک میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی کمی غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں جو شیعہ حضرات کے اپنے مطالبات کے حق میں دیئے گئے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ایسے مطالبات کر سکتے ہیں۔ پھر کیا ہمیں ان مسطحی بھر غیر مسلم اقلیتوں ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی بدھٹ، بہائی یا قادیانی فرقوں کے لئے بھی ایک الگ الگ نصاب رکھنا ہو گا اور ہر فرقہ کی خواہش پر نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی از سر نو تنظیم کرنا ہو گی۔ ایک نہایت نامعقول رسم ڈالنے کے بعد ہم ایسے مطالبات کو کس طرح ناقابل تسلیم اور نامعقول کہہ کر مسترد کر سکیں گے۔ اتحاد کی رسی ہاتھ سے چھوٹ جائے کے بعد ملک و ملت کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ممکن ہو سکے گی۔

وسعت ظرفی | شیعہ حضرات اگر اس طرح اپنا ایک علیحدہ تشخص قائم کرنے پر بصد
یا علیٰ یے حسی | ہیں تو یہ بنیادی سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں

سے ایک جداگانہ قومیت تصور کرتے ہیں؟ جہاں تک مسلمانوں کے سوا اعظم کا تعلق ہے اس کی طرف سے ایسی کوئی آواز شیعوں کی علیحدگی کی نہیں اٹھائی گئی اور اس سلسلہ میں اب تک

نہایت فراخ دلی بلکہ مسرفانہ رواداری کے نتیجے میں ملک کے بعض حصوں کے لصاب تعلیم سے حضرت ابو بکرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے قابل فخر رہنماؤں کے احوال و سوانح بھی حذف کئے جا چکے ہیں اور سنی اپنی روایتی وسعت طرف یا علیؓ سے حسد کی وجہ سے یہ سب کچھ گوارہ کرتے چلے آئے ہیں لیکن کیا شیعہ حضرات کے موجودہ مطالبات کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ حبيب اکثریت انہیں اپنی طرح مسلمان سمجھتی ہے تو یہ لوگ بلاوجہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ کراتے پر کیوں بضد ہیں شیعہ سنی معتقدات میں بعض اصولی اختلافات کے باوجود بعض شیعہ فرقوں کو چھوڑ کر عام طور پر اس اختلاف کو فروعی سمجھا جا رہا ہے (جبکہ بعض اخباری مراسلات میں شیعہ حضرات اسے اصولی قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں)۔

دیگر مسلم فرقے | بالفرض اگر اختلاف فروعی ہے اور فروعی اختلافات بھی اس علیحدگی کا سبب بن سکتے ہیں تو خود اہل سنت کے اندر کتنے مکاتب فکر ہیں جو آگے چل کر جداگانہ حقوق اور مطالبات کا ہنگامہ اٹھا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے لیکن کیا فروعی اختلافات کی وجہ سے دیوبندی اور بریلوی الگ الگ دینی لصاب کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے۔؟

پھر حنفی اور غیر حنفی تقسیم کریں تو مقلد اور غیر مقلد کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اہل حدیث ایک الگ جماعت ہے جو کسی امام کی مقلد نہیں۔

تقلید کے دائرہ میں بھی یہاں دیگر آئمہ کرام کے پیرو موجود ہیں۔ شافعی بھی ہیں، مالکی اور حنبلی بھی، کیا ہمیں ان سب کے لئے الگ الگ لصاب بنانا پڑے گا اور سب کے لئے مساجد اور مدارس، امامت اور خطابت اور ملک کے قانون و آئین میں الگ انتظامات کرتے ہوں گے اور کیا کسی بھی مختلف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے دو چار افراد کی خاطر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی دینیات، ان کی فقہ، ان کے آئین و قانون کو مشق ستم بنایا جائے گا۔

کیا شیعہ اپنے فرقوں کو؟
علیحدگی کا حق دیں گے؟

اگر شیعہ فروعی اختلافات کی بنیاد پر علیحدگی کے حق دار ہیں تو خود شیعوں کے اندر آپس میں کتنی فروعی بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ پھر کیا وہ اپنے دیگر مکاتب فکر اور گروہ درگروہ فرقوں کو بھی علیحدگی کا یہ حق

دینے پر تیار ہوں گے۔ یہ سرف خدشات ہمیں وزیر تعلیم پیرزادہ نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء کے اجلاس لاہور میں یہ اشکال پیش کر دیا ہے۔ ہم حیب اس مسئلہ کو اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف سے بھی مطالبے کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسماعیلیوں اور بھٹوں کی طرف سے بھی ہم سے مطالبے کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ نوائے وقت راولپنڈی، ۷ مئی ۱۹۷۳ء، عیسائیوں کی طرف سے بھی ہر تعلیمی ادارہ میں بائبل شیجر رکھنے کا مطالبہ شائع ہوا ہے۔

اہل سنت کا مسلک حق | عقائد اور نظریات کے لحاظ سے اس فیصلے کا جائزہ لیں تو نہیں کہا جاسکتا کہ اہل سنت و الجماعت اس صورتحال کو کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے وہ تمام صحابہ کو سرستیمہ ہدایت اور معیار حق سمجھتے ہیں۔ بالخصوص شیخین (حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما) کی انصافیت کا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہ کرام (بشمول حضرت علی و امین حمین حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کی عظمت و حرمت اور ان کی تعدیل و تقدیس جزایمان سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل بیت اطہار و ابرار کی قدر و منزلت بھی لازمہ ایمان ہے۔

الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ کوئی منفیانہ ذہنیت کی بات نہیں۔ امام علی مقام علی المرتضیٰ کی حیثیت سنی لصاب میں غلیفہ راشد کی ہے۔ حضرت اہل بیت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔ ناظمہ بتول کی حرمت پر مرٹنا ہم سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ کسی بھی صحابی کی بے ادبی کرنا ضیاع ایمان اور ضبط اعمال اور دائمی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سنی لصاب میں اہل بیت اور ائمہ اطہار کی ادنیٰ گستاخی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لصاب میں کسی کو غاصب کہا جاتا ہے نہ کسی کے حق کو غصب شدہ۔ نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم، سب برابر و اختیار، مقرب باگاہ خداوندی اور ”حماہ بینہم“ کے مصداق ہیں۔ موجودہ مروج لصاب دنیات کی کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دلازاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

شیعہ معتقدات | اب شیعہ معتقدات کو دیکھئے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں۔ ان کے علمی اور دینی کلچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی (معاذ اللہ) صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اور عثمان غنی سمیت سب اہل صحابہ لغو ذواللہ غاصب اور ظالم تھے۔ حضرت عائشہ اور دیگر امہات المؤمنین (رضی اللہ عنہن) کے بارہ میں ان کے

عقائد کو کوئی بخیر مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیق و فاروقؓ کی حیثیت
 ٹالو بھی نہیں بلکہ حضرت علیؓ خلیفہ بلا فصل ہیں اور العیاذ باللہ نتیجہً ان سے پہلے کے تینوں خلفاء
 ظالم و غاصب تھے۔ شیعہ کے نزدیک ائمہ اثنا عشریہ سالفہ تمام انبیاء سے بھی افضل ہیں جبکہ
 اہل سنت کے نزدیک نبوت و رسالت کا مقام سب سے بلند و برتر ہے۔ عبادات میں نماز، آذان،
 اور صلوٰۃ تک کے احکام میں کافی اختلاف ہے۔ تقیہ (بوقت ضرورت جھوٹ) اور متعہ (مرد و زن کی
 باہمی رضامندی سے شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہ کرام پر لعن طعن اور
 تبرّازی ان کا جزو دین ہے۔ "عقیدہ بداء" قرآن کی ابدیت و شریعت کے ناقابل تنسیخ ہونے کے
 سراسر نفی کرتی ہے اور اس طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں جو ان کے ہاں دین کی اساس
 کا درجہ رکھتے ہیں۔

آگ اور پانی کا نیاہ | یہاں ان نظریات کی اچھائی یا برائی کی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھتے
 کا حق رکھتے ہیں کہ کیا اہل سنت والجماعت مسلمان اپنے لونہال بچوں کے لئے ایک ہی سکول
 ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں، ایسے لٹریچر اور ایسے اساتذہ کی ایسی تعلیمات
 کو ایک لمحہ کے لئے گوارا کر سکیں گے جس میں ان کے محبوب اسلاف پر تبرّازی کی گئی ہو۔
 ان کو ظالم اور غاصب کہا گیا ہو، تقیہ اور متعہ کی شکل میں ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت
 بربادی کے خطرہ میں ہو آگ اور پانی کا یہ نباہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیا اس طرح ہر سکول کے
 اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات و معتقدات مجروح نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ جس
 ہولناک اور بھیانک شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرف نظر کرنا
 کہاں کی دانشمندی ہے۔ حقیقت میں نگاہوں کا یہ اندازہ سچا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری
 سنی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آ سکتی ہے اور شیعہ عقائد کی بنیادی اور اہم سطح پر اشاعت
 اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ پوری امت مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر مشیعت
 کی بھینٹ ہمیں چڑھانی جا سکتی۔

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دلائل و بات نہیں ہوگی تو
 سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصاب کی علیحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ اگر نصاب ایسے

اختلافی مسائل اور مقدمات سے دور رکھنا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ نصاب جاری کرنے میں ان کا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہر حال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ اسے سستی بچوں کے تحفہ کی دکان دارانہ آلائشوں سے دور رکھا جاسکے گا۔

ہر شعبہ میں | یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا علیحدگی کا یہ مطالبہ صرف نصاب تعلیم علیحدگی کا دروازہ | تک محدود رہ سکتا ہے؟ شیعہ کمیٹی کے مطالبات میں اوقات کی علیحدگی بھی شامل ہے۔ تیرا بازی (برسر عام صحابہ پر سب و ستم) کی کھلی جھوٹ دیئے جانے پر اصرار ہے۔ چنانچہ جداگانہ نصاب دینیات کے فیصلہ کے بعد سہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر ۱۹۷۴ء اور شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے بلکہ زرداری کی سہولتیں حاصل کرنا اور اس کی پابندیاں ختم کرانی ہیں۔ آگے چل کر ان مطالبات کا دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کی ہر لونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لئے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اٹھاڑ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی معاملات کے لئے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ذاتی معلومات کی بنا پر ایک ذمہ دار عیسائی افسر فوج کے ہر لونٹ میں مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر کی خواہش کر بھی چکے ہیں۔ قادیانیوں کو جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اس رسوخ کی بنا پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ کیا یہ صورتحال ملک کے دفاع، سالمیت اور افواج کی یک جہتی و یگانگت کے لئے مضر نہیں ہوگی۔

مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لئے سنی آبادی کے ہر محلہ اور ہر گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابل برداشت بوجھ بھی محکمہ اوقات پر ڈال سکتی ہے۔

دوقومی نظریہ کا حشر | آزادی رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذہان کو شاید یہ صورتحال بہت پسند آئے کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ کی ۹۰، ۵۰ فیصد اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ۱۰، ۵ اقلیتی بچوں کی خاطر بائچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں لیکن اس طرح اس نظریہ کا

کیا مشترک ہو گا جو قیام پاکستان کا باعث بنا اور جسے اب کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں ہی سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں۔ یعنی — دو قومی نظریہ — ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجاری کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی قوت حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے مساوی حصہ دینا تھا تو کیا مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا سکتا تھا۔ کیا مسلمان برصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح مطالبات سے اپنے الگ تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس بلاشبہ اگر یہاں مجاری اور مینارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تباہی کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کر ناپڑا۔

الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے۔ اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں تو ایسے فیصلے ملک کی رہی سہی اساس اور بنیاد دو قومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہوں گے۔

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ وغیرہ کو سنی نصاب تعلیم پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے لئے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ کوئی اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی لیکن وہ اس آڑ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتے نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا جبریں راستہ نکال سکتے ہیں۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو نام نہاد سیکولر سٹیٹ ہونے کا دعویدار ہے لیکن وہاں کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں ہندوانہ ذہنیت اور ہندو رسم و رواج اور تعلیمات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہو گیا تو مسلمانوں نے اس کے لئے الگ مکاتب کھولے، پرائیویٹ ادارے قائم کئے۔ مگر وہ بھارت کو مجبور نہیں کر سکے کہ ان کے لئے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے۔

اقتصادی لحاظ سے | اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجئے تو کیا ایک ایسا ملک جس کی ۵۰ فیصد آبادی اقتصادی بد حالی اور سپاندگی کی وجہ سے لازمی بنیادی تعلیمی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ جہاں کی دور افتادہ دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی

نا آشنا ہیں۔ کسی ایسے دوسرے نصاب اور نظام تعلیم کی متحمل ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے تعلیمی مصارف دوگنا ہو جائیں۔ چنانچہ وفاقی وزیر تعلیم نے ۱۳ اکتوبر کے اس فیصلہ کے بارے میں اپنے بیان میں خود اعتراف کیا ہے کہ دینیات پڑھانے کے لئے الگ الگ استادوں کے انتظام کرنے کی صورت میں ملک بھر کے صرف سرکاری سکولوں پر دس کروڑ چھپٹیس لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔

ہم موجودہ سکولوں کو فریچر، بنیادی سامان اور ضروری شاف، مہیا نہیں کر سکتے تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب، اس کے لئے الگ اساتذہ اور کتابوں کے اخراجات کہاں سے پورے کر سکیں گے۔ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہوگا؟

سردسز کے طاق سے | ہمارے خیال میں ملک کی ۸۰ فیصد بالخصوص دیہاتی آبادی ایسی ہے جہاں کسی سکول میں آپ کو ایک بھی شیعہ بچہ نہیں مل سکے گا، ۲۰ فیصد تعلیمی ادارے اور سکول ایسے ہوں گے جہاں ایسے بچوں کی شرح دس فیصد سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوگی لیکن ایک پالیسی کے تحت ہر سکول کو نہ صرف دو نصاب فراہم کرنے ہوں گے بلکہ متضادم نظریات اور تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ بھی، اس لئے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہوگا، نہ شیعہ حضرات ایسے اساتذہ سے پڑھنا گوارا کریں گے۔ پھر حیب دینیات کے اساتذہ دونوں نصابوں کے لئے ضروری ٹیچرے تو فرض کیجئے ملک کی ۹۵ فیصد آبادی کے لئے ہمیں ۱۰ ہزار اساتذہ رکھنے ہیں تو ہم اتنی ہی تعداد ۵ فیصد آبادی کے لئے بھی رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ صورتحال ملازمتوں کے تناسب سے کتنی قابل افسوس ہوگی۔

دور حنی پالیسی | ایک اور زاویہ سے دیکھئے تو قومی یکجہتی کے ساتھ حکومت کی دور حنی پالیسی پر ہجرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتی رہی تو اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا رہا ہے کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے اور افتراق و انتشار کی راہ کھلتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانتہ یا نادانتہ محفوظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصولی مطالبہ مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور تشخص "کو بھی ایک عرسہ تک بے دردی سے ٹالا جاتا رہا لیکن دوسری طرف ایک ایسے فرقہ کو علیحدگی کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے جس کی علیحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے

کبھی نہیں ہوا بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ پہلا مطالبہ قادیانیوں کی علیحدگی، قومی یکجہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی، معقول اور ضروری تھا، جبکہ دوسرے مطالبے (شیعوں کی علیحدگی) سے قومی یکجہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابل اعتناء ہیں اور نہ اس کے ٹوٹے جانے پر مسلمانوں کے اندیشے لائق التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دورخی پالیسی پر ہوائے حیرت کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

اہل تشیع کی | ایک بات اور شیعہ حضرات کے لئے ان مطالبات کے رد عمل کی
ناعاقبت اندیشی | شکل میں قابل غور ہے۔ اگر ایسے مطالبات مسلمانوں کی طرف سے
شروع ہو جائیں کہ آئندہ الگ شخص کی وجہ سے شیعہ حضرات کو سول سروس فوج وغیرہ کی
ملازمتوں اور دیگر حقوق و رعایات میں بھی شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا
جائے تو کیا اس مطالبہ کو نامعقول کہا جاسکے گا۔ اس طرح اگر شیعہ حضرات اہل سنت سے
اپنے اختلافات کو اصولی قرار دیتے پر مصر رہے تو مسلمانوں کے لئے سوچنا ہوگا کہ ایسے
اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص مسلمان کے دائرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں یا ایسے
اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت
وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل اس کے رد عمل میں ظاہر
ہو سکتے ہیں۔ پھر شیعہ حضرات شاید اسے گھاٹے کا سودا سمجھ کر کھپتے
لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہوگا۔

نا قابل عمل فیصلہ | آخر میں اس فیصلہ کو قابل عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھئے
کہ یہ جبری طور پر کہاں تک نافذ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی
حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجئے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور
صوبہ جداگانہ انصاف کے اس فیصلہ کو مسترد کر دیتی ہیں تو مرکز اسے جبراً اٹھولیں کہ کتنے خطرات
میں ملک کو ڈال سکتی ہے؟ اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر بھی دیں لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات
کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں۔ گروہی جمیت انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ مسلمانوں

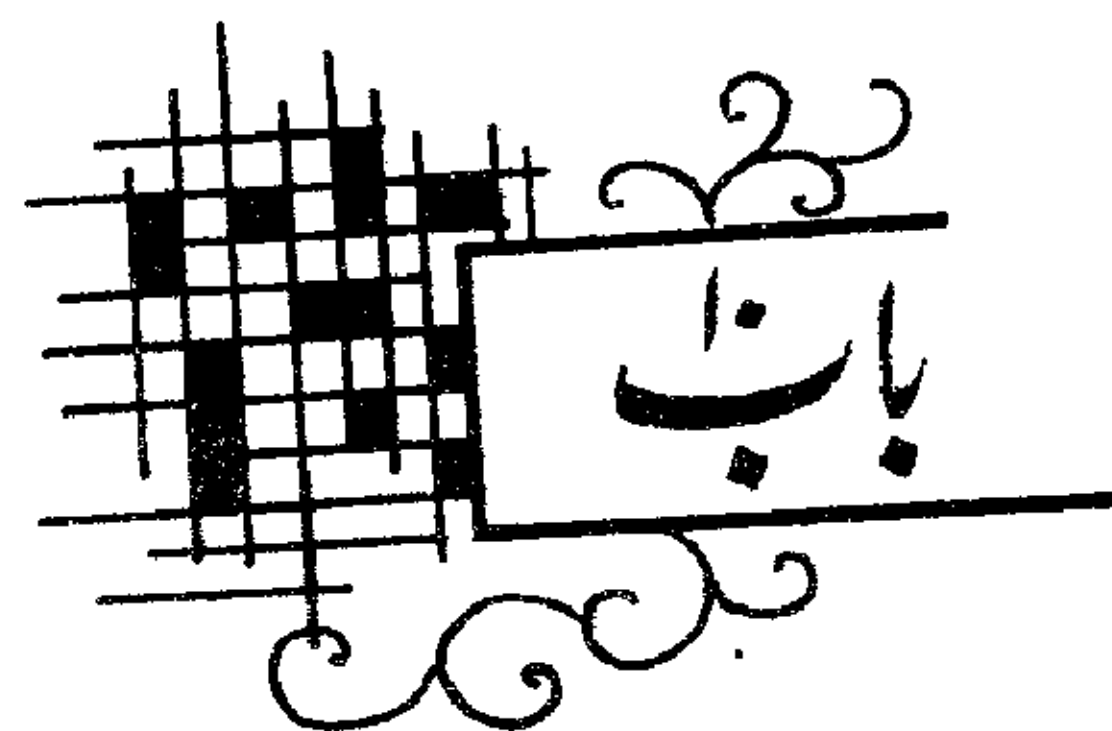
کے بچوں اور تعلیمی اداروں کے اہل سنت نوجوانوں میں دینی دلی احساسات کا شعور بیدار ہوا اور ۹۵ فیصد لڑکوں نے اس فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تو ملک کے امن و امان کا کیا بے گاہیں کی ملک کی تعمیر نو کے لئے اشد ضرورت ہے۔ ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملک کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری دردمندانہ گزارش ہے کہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے ملک کو منافرت، افتراق اور خانہ جنگی کے راستوں پر نہ ڈالا جائے۔ پہلے سے لسانی، علاقائی اور قومی مسائل کا عھزبیت ہمیں ہڑپ کر رہا ہے۔ اگر ملت کی شیرازہ بندی کرنے کی بجائے ایسے دیگر مسائل کو ہوا دی گئی تو اسے کسی سوچی سمجھی سازش کی ایک کڑی سی سمجھا جائے گا۔ اور ملک کے باشندوں میں باہمی اعتماد اور خیرگالی کی فضا قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ خدا اس روزید اور اس کے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ واللہ یعول الحق وھو یمدی السبیل۔

اختلافی معتقدات پر مبنی کلمہ اسلام

ملک میں شیعہ سنی نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھا تو ہم نے بار بار اس فیصلہ کے قومی و ملی خطرناک عواقب پر ارباب اختیار کو متنبہ کیا، سنجیدہ طبقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی اسلی میں آواز اٹھائی گئی مگر یہ سب کچھ صد ابھرا ثابت ہوا اور مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ نصابوں کے ذریعہ قوم میں تفریق و انتشار کی نیوڈالی گئی اور اب وہی کچھ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا، دینی نصاب کو متصادم خیالات اور نظریات کا ملبوہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو سوا و اعظم کے سرمنڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارہ نصاب و درسی کتب وزارت تعلیم و صوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب رہنمائے اساتذہ اسلامیات جماعت نہم و دہم سکولوں میں آگئی، سنی مسلمانوں اور علما کو بجا طور پر حیرت و تشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمہ اسلام تک کو نئے انداز میں پایا شیعہ حضرات سے متعلق اس باب میں علی ولی اللہ و صی رسول اللہ اور خلیفۃ بلا فصل کے ذریعہ امامت و خلافت کے جھگڑوں کو کلمہ اسلام کا جزو بنا دیا گیا، اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اور ان عقیدوں کو ذریعہ ایمان و اسلام

ملاحظہ ہو (۳۵) مسلک و مشرب کے امتیاز کے لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیار اسلام کلمہ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت و خلافت بلا فصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے تب بھی کچھ بات ہوتی مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمہ اسلام قرار دینا اور یہ کہ اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوا داعظم کو تحت السطور اور اشارات و تلخیصات میں کافر قرار دینا ملک و ملت کی خیر خواہی ہے۔ ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں داخلہ اسلام کی علامت صرف کلمہ طیبہ رہا ہے۔ اور عہد صحابہؓ خیر القرون میں کلمہ طیبہ ہی کلمہ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعہ روایات بھی اس باب میں بے شمار

ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جو امت مسلمہ کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور ناقابل تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طبقہ کے سامنے بھی بھجروا کر رکھا جا رہا ہے۔ نہایت نا عاقبت اندیشی ہے، ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے۔ چکوال میں تو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریک التواہد پیش کر چکے ہیں حکومت کو چاہیئے کہ وہ نصاب دینیات کی شکل میں جو آگ سنگ اٹھی ہے خدا را ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اسے بجھا دینے کے اقدامات کرے! (مارچ ۱۹۸۸ء)



بہائیت

بہائیت

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبہ زندگی میں یگاٹ کے اداروں —
مکاتب المقاطعة العربية لاسرائیل — کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم
اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے جو سارے اسلامی ممالک کی فوری توجہ کی مستحق ہے۔

غیر اسلامی | قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی
صبہونی فرقہ | شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف
اسرائیل اور صیہونیت کا آلہ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب
میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت
کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اور عرب
ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی و سیاسی
شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور الجزائر عالم اسلامی
نے اس بروقت تنبیہ پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اور پریس پکارب عرب اداروں کو مبارکباد
دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس
اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارے میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ
کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں
قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی وہ تاریخی قرارداد بھی پاس ہوئی تھی
جو بعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کار کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی۔ عرب

پر لیں بہائیت کے بارہ ہیں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔

مذہب سے زیادہ
صیہونی سیاسی جماعت

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہاں فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے بھی نہیں بلکہ اصل اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے

خلاف صیہونی پروٹوکولات اور سامراجی و یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری مین روٹری کلب، لائسنز کلب، غیر مسلم مشنری اداروں فحش جنسی لٹریچر اور استسراق و تحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار و اختلاف، سیاسی ضعف و انحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لیادہ میں ملت مسلمہ پر شب خون کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر ایک سطحی نظر سے بھی اس کے اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہائیت کا
سرچشمہ اور مقاصد

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مزار علی محمد باب شیرازی (۱۸۴۰ء) نے شیعہ غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ

لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، ادب و خرافات کا ایک ایسا مجموعہ مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نظام ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی عداوت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجدد و مشرف، انسانی اقدار و شرافت، عقل و فکر کی بچنگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس ملعونہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی و مذہبی اقدار سے باطنی اباحت زدہ انسانوں کے لئے باعث کشمکش بن سکے۔ اس سلسلہ میں حیاد شرافت، حلال و حرام، جائز و ناجائز، عقیدہ و ادب و ادب، عقل اور نجات کا کوئی سوال نہ تھا۔ اباحت کے مارے ہوئے یہود و نصاریٰ نے اسے اپنی تشنگی کا علاج اور صیہونیت و استعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اس طرح وہ مغرب کے یہود و نصاریٰ مشرق کی مجوسی اور مرہٹوں کا مرکز نظر بن گیا۔

اہل یورپ اس میں دھڑا دھڑا شامل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق گولڈزیہیر کا اعتراف ہے کہ :-

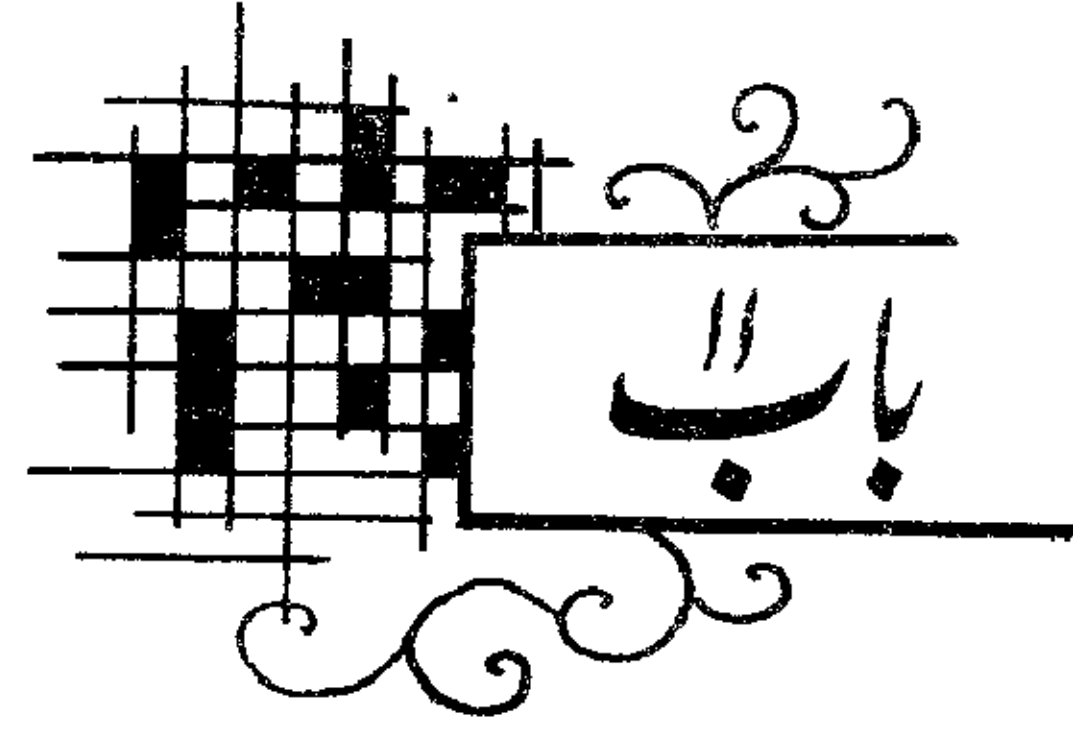
امریکہ میں قائم ہونے والی علمی اور ادبی انجمنوں نے اس کے اصول و ضوابط کے استحکام و فروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ (انہی اصول و ضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائٹنر کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ راقم) طبعی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور ٹکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدۃ الشریعۃ ص ۲۵)

استعماری مقاصد کا آلہ کار | پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالم اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ کافی عرصہ قبل جب حکومت مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور مبہونی تصویر اگئی تو وہاں کے محکمہ قضا یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور وزارت داخلہ نے بھی اس فرقہ کو پرامن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

اسلامی حکومتوں کا فرض | اب جبکہ عالم عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اتنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کر لیا ہے تو اس کے پاس قطعی اور کھلے شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوتی تو ہم خود بھی اس کی نفتاب کشائی میں تفصیل میں جاتے، تو نہ صرف عالم عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیبت ملی، جمیعت دینی اور قومی و سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرارداد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی تمام دعوتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا جائے۔

فرمی میسن روٹری | عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فرمی میسن، روٹری اور لائٹنر کلب اور لائٹنر کلب کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قادیانیت کی ریشہ دوانیوں کا بھی۔ اول الذکر پر پاکستان میں رسمی اور قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں۔ روٹری اور لائٹنر کلب کا مسئلہ بھی ۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قرار داد کے ضمن میں زیر بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے

لاعلمی کا اظہار کیا، مگر اب یہ جیکہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کے لئے
 لمحہ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارہ میں نظر ثانی
 کرنی چاہیئے۔ بد قسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کے لئے نہایت زرخیز ثابت
 ہو رہا ہے اور یہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک کے بڑے
 بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ کراچی، لاہور، لائلپور میں اس
 کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے
 تمام عناصر کا قلع قمع کر دے جو مارا آستین بن کر ملک و ملت کی بڑی کاٹنے میں مصروف ہیں۔



اسلامی معاشیات

اسلامی اور ایمانی پہلو کی کچھ جھلکیاں

معاشیات کا ایمانی پہلو

اس وقت ملک میں قحط سالی کے آثار ہیں، خشک سالی اور ضروریات زندگی کی گرانی اور نایابی ایک بھیانک صورت اختیار کر رہی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ ہمارے ترقیاتی، زراعتی اور معاشی منصوبے ناکام ہو رہے ہیں۔ ایسے حالات ہیں ایک مسلمان اپنے ایمان و یقین کی روشنی میں صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ ہماری نظریں وسائل معاش کے خالق سے ہٹ گئی ہیں۔ ہمارا بھروسہ ترقیاتی منصوبوں پر ہے، اور ہمارا سہارا صرف وسائل و اسباب ہی پر رہ گیا ہے۔ بلاشبہ ان اسباب کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اور حسب ارشاد خداوندی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (تمہارے نفع کے لئے خدا نے زمین کا سب کچھ پیدا کیا) خدا کی دی ہوئی طاقت و قوت اور وسائل کو کام میں نہ لانا انتشار قدرت کی خلاف ورزی اور احسانِ تسخیر کائنات کی ناشکری ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت کسی لمحہ بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ ہماری تمام معاشی اور اقتصادی قوتوں کا سرچشمہ خالق کائنات ہی ہے، اور ہم کسی لمحہ اس کے جود و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ کہ اسباب کا مسبب اور وسائل کا کارساز وہی ہے۔ پس جس طرح کہ ہماری بجلی پاور ہاؤس کے بغیر کچھ بھی نہیں، اسی طرح اس کی مرضی اور خوشنودی کے بغیر ہمارے سارے منصوبے، ہماری زراعتی اسکیمیں اور ترقیاتی پینجسلے بیچ اور بے کار ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لیجئے اگر وہ بارش نہ برسائے تو زمین میں پانی کے چشمے کہاں سے پھوٹیں؟ پھر کون ہو گا جو آپ کے لئے صاف ستھرا پانی لائے (فں یا تیکم بماء معین) اور جب پانی نہ ہو تو یہ ٹیوب ویل کس کام کے؟ اور اگر دریا خشک ہوں تو ان دیوہیکل ڈیم اور اور پاور ہاؤسوں کی کیا قدر و قیمت ہوگی؟ — قرآن کہتا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھو، اسباب پر نہیں۔ کیونکہ اسباب میں زندگی وہی ڈالتا ہے۔ زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی کی قدرت میں ہیں — دیکھئے وہ کتنے صاف اور دو ٹوک الفاظ میں اعلان کر رہا ہے۔

اتن لهذا الذی یرزقکم ان
 امسک رزقہ بل لتجوا فی عتقہ
 وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر
 وہ روزی کے اسباب بند کر دے
 کوئی نہیں مگر یہ لوگ اپنی شرارت اور
 نفور۔

سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں۔

ہمارے رزق و معاش کا حقیقی سامان تو آسمانوں ہی پر ہوتا ہے۔ وفی السماء
 رزقکم وما تعدون۔ پھر یہ آسمانی خیر و برکت اور خلاق کائنات کی رحمتیں ہماری طرف
 کیسے متوجہ ہوں؟ اس کا جواب بھی قرآن حکیم میں ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی
 زبانی دے رہا ہے۔ استغفرہ وارتکم ائہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مطارا اور
 یمددکم باموال وبنین ویجعل لکم حبثت ویجعل لکم انہا۔ (پس اے لوگو! اور
 گناہ بخشو! اپنے رب سے بے شک وہی ہے بخشنے والا وہ آسمان کی دھاریں تم پر کھول دے
 گا اور بڑھادے گا تم کو مال اور بیٹوں کے اعتبار سے اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے باغات
 اور نہریں۔) — (فروری ۱۹۹۷ء)

کفرانِ نعمت کا وبال

اشدا کبر۔ ملک و قوم کی یہ غیر یقینی اضطراب انگیز حالت، غربت و افلاس، مہنگائی اور بد حالی،
 باہمی جنگ و جدال، بے گناہ انسانوں کے خون کی ارزانی، یہ دھماکے، ظلم و ستم، یہ قید و بند،
 الغرض چاروں طرف بربادی اور شر و فساد کا دور دورہ ہے، پوری قوم اعمال و افعال کی مکافات کی
 چکیوں میں پستی چلی جا رہی ہے۔ گویا اس بستی کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہے جس
 کی مثال قرآن حکیم نے دی ہے جسے خدا نے ہر طرح کی عافیت، سکون، خوش حالی اور
 فارغ البالی سے نوازا مگر بستی والوں نے نہایت بے دردی سے اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں
 کی ناشکری کی۔ پھر خدا نے یکایک اس ساری آسودگی کو بد حالی اور بھوک و افلاس سے
 بدل دیا امن و عافیت کی جگہ خوف و اضطراب نے لے لی۔ فاذا قمھا اللہ لباہر الجوع والخوف

اس مثال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو خدا کی نعمتوں کو بغیر کی بجائے شکر کا ذریعہ بنا کر خدا کی بستیوں کو امن و سکون کی بجائے انتشار و اضطراب سے بھر دیتے ہیں۔ خدا نے بزرگ و بڑتر ایسے واقعات کا ذکر کر کے انہیں ملکا زنا ہے کہ خدا نے حتیٰ و قیوم اس پر قادر ہے کہ وہ دن کو سنسنے کھیلنے ہوئے اور راتوں کو میٹھی نیند سوتے ہوئے انہیں اپنے اعمال کا مزہ چکھا دے۔ اَفَامَنُوا مَكَرَ اللّٰهِ اِنْ يَّاتِيهِمْ بِاٰسَافٍ مُّضِيٍّ وَهَمٍ يَلْعَبُونَ۔ اَفَامَنُوا مَكَرَ اللّٰهِ اِنْ يَّاتِيهِمْ بِاٰسَافٍ مُّضِيٍّ وَهَمٍ يَلْعَبُونَ۔

پھر کیا اس بد نصیب ملک کے یہ آئے دن کے انقلابات اور تنبیہات قرآن کریم کی اس ابدی صداقت کی تائید مزید نہیں کر رہے۔ ملک کی شکست و ریخت پھر لاکھ سو لاکھ افراد کا ہندو کے ہاتھوں قید و بند کے المیہ نے اس تذلیل کی یاد تازہ نہیں کی جو تخت نصر کے ہاتھوں یہود کو اٹھانی پڑی تھی۔ سیلابوں نے کیا طوفانِ نوح کا سماں نہیں باندھا اور قمر کے کس پہاڑوں کا ارتعاش تو ابھی ختم بھی نہیں ہوا۔ ان کو ہستانی زلزلوں کے بعد بھی کسی باشعور قوم کو عادی و نمود کی ہلاکت و بربادی کے قصے دہرانے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ ؟

یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر غفلت و سرکشی کے حجاب اور بھی دبیز، موتے چلے گئے، سنگدلی اور شقاوت کی گہرائیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا، انفرادی اور اجتماعی حقوق اور مراتب پامال ہوتے رہے۔ تمام عمرانی اور معاشرتی تقاضوں کو روند ڈالا گیا، ملی اور اخلاقی اقدار تہس نہس کر دی گئیں، اسلام، جمہوریت، مساوات، اخلاق و اقدار، عدل و انصاف، حقوق اور ذمہ داریوں کی دھجیاں اڑادی گئیں۔ خدا طلبی کی جگہ خدا فراموشی، جیاد اور عفت کی جگہ بے حیائی اور فحاشی، ضبط و طاعت کی جگہ بدظمی اور انارکی، خوفِ آخرت کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی۔ بیوس زہ کے عفریت نے حلال و حرام کی ساری حدود توڑ کر رکھ دیں۔ راعی رعیت کے حقوق سے غافل اور رعیت راعی کے آداب سے بے خبر!

ظلم نے عدالت اور فریب و عیاری نے سیاست کا روپ دھارا۔ الغرض ملک کی حالت ایک بھٹی بھسی ہو گئی جس میں کو دکر اب پوری قوم اضطراب، بدگمانی، خوف و دلچہ دوس بھوک اور تنگدستی اور باہمی جنگ و جدال کی آگ میں سلگ اور سسک رہی ہے۔ آبرو نے

جان و مال کا اعتماد ختم ہوا، المینان و عافیت کے سارے سہارے ٹوٹتے چلے گئے۔
 آسائش اور خوشحالی تو بڑی بات ہے۔ ایک بڑی اکثریت کے لئے زندگی کا سدر منق قائم
 رکھنا و بال جان بن گیا اور ارشادِ ربانی: فحسرت بالنعیم اللہ، فاذا قہا اللہ لیسر العیو
 والخوف بما کالوا یکسبون کا بدرجہ اتم ظہور ہو گیا۔ (مارچ ۱۹۷۵ء)

ہولناک سیلابِ نوح

ایمانی جائزہ کی ضرورت

بدقسمتی سے مسلمانوں کی فطرت بھی زمانہ کے اثرات سے کتنی عجیب ہو گئی ہے کہ
 دو اور دو چار کی طرح کھلی حقیقتیں اور صداقتیں بھی اب ہماری مسلم اکثریت کے لئے ناقابلِ فہم
 ہو گئی ہیں مسلمان کی طبیعت جب تک ایمانی قوت کی گرفت میں رہی تو احساسِ اتنا حساس
 اور شعور و ادراک اتنا تیز ہوتا کہ ارد گرد کے معمولی تغیرات اور چھوٹے چھوٹے انقلابات و حوادث
 بھی اس کے لئے صد ہزار عبرت و نصیحت کا سامان بن جاتے وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی
 ماحول کا جائزہ لینا اعمال و کردار کا محاسبہ کرتا اور آفات و مصائب کی کسوٹی پر اپنے اور اپنے
 معاشرہ کو پرکھتا کسی ایک عزیز کسی ایک فرد کی موت سے بھی اس کی غفلتوں کے پردے چاک
 ہو جاتے اور سارے حقائق سامنے آ جاتے۔ اس لئے تو حضرت عمرؓ نے اپنی ٹہر کی انگوٹھی
 میں یہ الفاظ کندہ کرائے تھے کہ: کفی المرء بالموت واعظاً انسان کیلئے
 موت سے بڑھ کر واعظ نہیں۔ ہمارے ایک بزرگ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے
 اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو

تہ تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

ایک دوسری حقیقت انسانوں کی مشترکہ اور مجموعی کمزوری اسباب سے غفلت برتنا

ہے۔ پھر جب وہ نتائج دیکھتا ہے تو اپنی غفلتوں کا ماتم کرنے کی بجائے نتائج کی ہوننا کیوں پر چین بھبین ہونے لگتا ہے۔ اور جب نتائج کی تلخی اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تو اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو چھپانے کے لئے حالات کی ایسی توجہ کرتا ہے جو نتائج اور اسباب سے قطعی جوڑ نہ کھا سکیں، نتیجتاً اصل اسباب تباہی و بربادی اسی طرح مستور و محبوب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ بات قوموں کی ذلت و ادبار اور نہ سنبھل سکنے کے لئے خطرے کا آخری نشان ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری تو اس بارہ میں دوہری ہے، وہ نہ صرف نتائج کا رشتہ اسباب سے جوڑے گا بلکہ اسباب کی تلاش میں مومنانہ فکر و نظر سے بھی کام لے گا کہ جب تک بیماری کی اصل وجوہات نگاہ میں نہ لائی جائیں مریض کا مرض اسباب و علاج کی فراوانی کے باوجود جان لیوا ہی ثابت ہوگا۔ مومن حالات و حوادث کی مادی تاویل کی بجائے ایمانی اور حقیقی توجہ کرتا ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ایک مومن قوم کو مادہ پرست اقوام سے ممتاز کرتا ہے۔

اس تہمید کی روشنی میں پاکستان کے موجودہ ہولناک ترین طوفان کرب و بلا اور سیلاب نوح کا جائزہ لیجئے، اس کی وسعت اس کی ہمہ گیری اس کی گہرائی اس کی شدت اور امتداد اس کی تباہ کاریوں کو نگاہ میں رکھ کر بحیثیت مسلمان قوم قرآن کو اول تا آخر نہ سہی کسی بھی ہلاک اور معذب قوم سے متعلقہ چند آیات ہی کو پڑھ لیجئے اور پھر اس پر اپنی حالت قیاس کیجئے ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔ مادی نظریات کی کوتاہ نظریوں سے حقائق کا ادراک کبھی نہیں ہو سکتا نہ مصیبت کا ازالہ بجز ایمانی طرز فکر کے ممکن ہے۔ قرآن کریم ایسے ہی سیلاب اور اس کے بندوں اور بیٹوں سے تباہ ہونے والی خوش عیش و خوشحال ایک قوم کی تباہی کا ذکر کرتا ہے کہ ان پر مین میں سدّ مارب توڑ کر ترسبیل غرم چھوڑ دیا گیا، گھڑیوں اور منٹوں میں سب لہلہاتے ہوئے باغات اور پھولوں سے لدے ہوئے گلزار چٹیل میدان بن گئے اور یہ اس لئے کہ۔ فاعرضوا کہ انہوں نے اپنے رب سے اور اس کے عہد و پیمان سے اپنا رشتہ توڑ دیا تھا اور یہ تباہی و بربادی کیوں آئی اس لئے کہ ذلک جزینا ہم بما کفرنا و اھل نبینا اذ الکفر

یہ سب ان کی خیر مستیوں اور ناشکریوں کا نتیجہ تھا اور کیا ہم کفرانِ نعمت کرنے والوں کے علاوہ کسی اور سے بھی یہ سلوک کر سکتے ہیں؟ یمن کی یہ مضبوط اور سرسبز و شاداب آبادی کہاں گئی اور مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کید اور ہم نے بھی ان کو قصے کہانیاں بنا کر رکھ دیا۔ **و ظلموا انفسهم فجعلناهم احادیث و متقناهم کل ھتق ان فی ذالک لآیات لکل صبار شکور۔**

مادی اور معاشی کفر و شرک کا انجام | قرآن کہتا ہے کہ یہ انجام ہر اس قوم کا ہوتا ہے جو اپنے مادی تہذیب و تمدن میں اتنی مدہوش ہو جاتی ہے کہ مادی، عمرانی اور اقتصادی منصوبوں کے علاوہ ارادۃ الہی پر ایمان و اعتماد اور اسباب کے خالق اور مسبب حقیقی پر یقین و ایمان کے سارے راستے اس کیلئے بند ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کے لیڈر اہل حکومت ارباب اقتدار، صنعت کار، کارخانہ دار اور فوجی طاقت سب کے سرے اور دعوے مادی دائرہ میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ بڑے دیوبیکل منصوبوں اور اسکیموں کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے ہیں۔ وہ مادی اسباب و وسائل میں خود کفیل ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے پھرتے ہیں۔ وہ بیرونی ملاد پر انحصار ختم ہو جانے کے مژدے سناتے ہیں، لیکن یکا یک ارادۃ الہی ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور سارے دعوے ذلت و لپستی، قحط و افلاس، تنگدستی و مہنگائی، سیلاب و طوفان، جانی و مالی مصائب اور بربادیوں کی سرکش موجوں میں نگا ہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے دو باغ والوں کے قصے میں جس کفر و شرک کا ذکر کیا ہے وہ یہی مادی کفر و شرک ہے جس کا ارتکاب حالات کی سنگینیوں کے دوران بھی ہم سے ہوتا رہا۔

مبغوض اقوام کا شبوہ | ہم نے ٹھیک ان ہی معذب اور مردود و مبغوض اقوام کا شبوہ اختیار کیا جو عین حالتِ عذاب میں بھی اپنے فکر و عمل کی گمراہیوں کا تدارک نہ کر سکے نہ ایسے حالات میں بھی استکانت آئی نہ رجوع و انابت نہ استغفار و تضرع نہ اعمال پر شک و بدگمانی نہ توبہ کی توفیق نہ اپنے اور اپنے گرد و پیش کا احتساب اور موازنہ، بلکہ ہم نے اور ہساری بڑی سے بڑی اور نچی ذمہ دار شخصیت ذریعہ عظم تک نے جو انداز فکر اختیار کیا وہ یہ تھا کہ بڑی سختی

سے سیلاب کا مقابلہ کیا جائے گا۔ ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ پانی کیا حیثیت رکھتا ہے۔ (مسافات) ہم اس سے نمٹنے کے لئے تمام وسائل استعمال کریں گے۔ (امروز) ہمارے ذرائع ابلاغ بھی مسلسل یقین کرتے رہے کہ سیلاب کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جائیے۔ کہیں سے بھی اس کے اسباب حقیقی، مکافات عمل کے نتائج اور شامت اعمال کے ظہور کی طرف قوم کے دل و دماغ کا رخ پھیرنے کی صدا نہ آئی۔ اور معائنہ کی حالت کیا تھی؟ اس کی کچھ جھلکیاں پردوں سے چھین چھین کر دیکھی گئیں تو کیسی قبیح اور گھناؤنی، کہ کئی جگہ اپنی بستیوں آبادیوں، املاک و باغات کو بچانے کی خاطر پانی کا رخ ہرے بھرے شہروں کی طرف پھیر کر انہیں غرق کر دیا گیا۔

عذاب بھی ذریعہ تفریح | راوی کے کنارے ابڑے ہوئے انسانوں کی حالت زار دیکھتے ہوئے امراء اور اہل دولت کے طور طریقے ایسے تھے کہ پکنک منانے آئے ہوں۔ وہ لٹے پٹے انسانوں سے سستے داموں اشیاء خریدنے کے درپے رہے۔ ڈوبتے ہوئے شہروں اور اس کے مکینوں کے مال و متاع کو لوٹا گیا۔ خالی شہروں میں چوری کا بازار گرم ہو گیا اور یہاں تک کہ اس قوم کے بعض "مختار و جسور فرزندوں" نے طوفان میں گھری ہوئی بہنوں اور بیٹیوں کے اغوا، اُبروزی عصمت دری اور چھین خواتین میں بھی کوئی کسر نہ اٹھائی۔ بعض کیمپوں میں محصور خواتین نے ایسی دست درازیوں کے خوف سے راتیں آنکھوں میں کاٹیں اور کچھ غلط لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیلاب کے نام پر چند سے اور مالدار کا جعلی دھندا شروع کیا۔ اور یہ بھی کہ بھری بستیاں ڈوب رہی تھیں لیکن کئی جگہ مدد کے لئے چیخ و پکار پر کسی نے لبیک نہ کہی، سب کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ اور اس آسمان نے اپنی کھلی فضاؤں میں حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے انسانوں کے لٹے پٹے قافلوں کے ساتھ ۴ اگست کی رات کو کتنی رقص و سرود کی محفلیں بھی دیکھیں کہ یومِ آئین کی تقریبات کی منسوخی کے اعلان کے باوجود کئی اعلیٰ حکام نے ہوٹلوں میں رقص و سرود کی محفلوں کی شان و شوکت میں اضافہ کیا۔ جمہور لاہور کی روایت کے مطابق لاہور سے باہر انسان طوفانِ نوح کی اہیٹ میں تھے اور ادھر بوٹل انٹرکانٹینینٹل میں رقص و موسیقی اور شراب کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ادھر قدرت کا پیمانہ ہیر چھلک رہا تھا، ادھر قدرت کے یہ

باغی اور سرکش جام پر جام لٹھا کر اپنے جام کی ہر پھلک سے اس کا مذاق اڑا رہے تھے اور یہ سب ایک ”مسلم قوم“ کی ”اسلامی مملکت“ کے ”اسلامی آئین“ کی خوشی میں ہو رہا تھا۔ شاعر نے ایسے ہی موقع پر کہا ہو گا۔

طوفانِ نوح نے تو ڈبوئی زمین فقط

میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

شقاروت کی انتہا کیا یہ سب کچھ اس ارشادِ ربانی کی ہو بہو تصویر نہیں جس میں کہا گیا تھا کہ

وَلَقَدْ أَخَذْنَا هُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا رَبَّهُمْ فَمَا يَتَضَعُونَ اَنَّهُمْ فِي حَالٍ يَهِيمٍ
کہ ہم نے انہیں عذاب کی گرفت میں لے لیا مگر نہ وہ پروردگار کے آگے جھکے نہ ہی عاجزی اختیار کی۔ کیا پاکستان کو سقوطِ بنگال کے واقعہ ہائلہ اور قیامتِ کبریٰ کے بعد اتنی جلد اتنی بڑی دوسری ہولناکی نصیحت کی بھی ضرورت تھی۔ کیا ہماری عقلت موت سے بھی بدتر ہو چکی ہے؟ آئیے اپنے حالات کا محاسبہ کریں اور اپنے طرزِ عمل سے ان سوالات کا جواب مہیا کریں۔ اگر جواب نہیں ملتا تو خدا کی ناطق اور زندہ جاوید کتاب سے سنیئے: اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَكَّرُونَ۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر مرتبہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ابتلاء اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے لیکن وہ پھر بھی نہ توبہ کرتے اور نصیحت پر پڑتے ہیں۔ (ستمبر ۱۹۷۳ء)

خیر و برکت کے معنوی اسباب

مرکزی حکومت کا نیا بجٹ (میزانیہ) ہر لحاظ سے مایوس کن ہے۔ اس کے ظاہری اسباب تو سامنے ہیں، کامیابی اور خیر و برکت کے جو معنوی وجوہات ہوتے ہیں، دین کی اشاعت، اسلامی اقدار کے فروغ اور ملک اور معاشرہ کے اخلاقی اور عملی تطہیر، کیا اس کے لئے ایسا ہر ایک کے میزانیوں میں کبھی ایک پیسہ بھی رکھا گیا ہے۔ دین اور علومِ دین کے بارے میں

یہی بے اعتنائی موجودہ بجٹ میں بھی موجود ہے۔ مگر کیا قدرت خاموش تماشائی بنی رہے گی؟
 نہیں۔ بجٹ بڑھتے رہیں گے، غریبوں کی کمر ٹوٹتی رہے گی، پریشانی، ہيجان، بحران اور
 معاشی تعطل، گرانی اور کاروبار میں بے ایمانی کا دور دورہ بھی بڑھتا جائے گا۔ کہ مسلمان قوم
 کا کوئی منصوبہ، اور میزانیہ صرف ظاہری اسباب پر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک قدرت
 کی غیبی مدد شامل حال نہ ہو۔————— (جولائی ۱۹۸۷ء)

سود کے ہولناک نتائج

پاکستانی وزیر خزانہ نے قومی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پچھلے دس سالوں
 میں غیر ملکی قرضوں کا سود ایک ارب ۳۴ کروڑ ۸۳ لاکھ روپیہ بنتا ہے۔ یہ سود کی تباہ کاریوں کی
 ایک ادنیٰ مثال ہے، انفرادی حیثیت سے ہو یا قومی پیمانہ پر سود کا نتیجہ بہر حال استحصال و
 استعمار پوری قوم کے افلاس و ادبار اور معاشی لحاظ سے دوسروں کی کاسہ لسی ہی کی شکل
 میں ظاہر ہوتا ہے، قومی حیثیت سے تو اس کے اثرات پورے ملک کی اقتصادی اور معاشی
 بد حالی کی صورت میں اور بھی شدید ہوتے ہیں، اس کے ظاہری فوائد اور منافع اگر
 کچھ ہوں تو چند روزہ ہوتے ہیں۔ امریکہ کی مثال لیجئے جس نے سود کے بل بوتے
 پر پوری انسانیت پر غلبہ اور استعمار کی عمارت کھڑی کی، مگر اسی نظام کی بدولت آج
 اس کا محفوظ سرمایہ صرف آدھا رہ گیا ہے، اور اکثر مغربی ممالک معاشی بحران سے دوچار
 ہیں۔ کیا اتنے بڑے پیمانے پر اس سے پہلے کبھی ارشاد خداوندی ۛ یحییٰ اللہ الاولیٰ
 را اور اللہ تبارک و تعالیٰ ۛ مثال ہے سود کو کی صداقت ظاہر ہوئی تھی۔؟

(مارچ ۱۹۸۹ء)

غیر اسلامی معاشی اصطلاحات

صدر محترم نے مغربی جرمنی کے انٹرویو نگار کو انٹرویو کے دوران اور پھر طویل حالیہ سفر میں بعض تقاریب میں سوشلزم کے ساتھ مارکسزم کی اصطلاح بھی استعمال کی اور ایسا ”مشرودہ“ سنایا کہ گویا وہ اسلام کے ساتھ اب مارکس ازم کی پیوندکاری بھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ظلمت و نور، حق و باطل، مذہب و الحاد، مادیت اور روحانیت کا اجتماع ہر حالت میں ناقابل فہم ہے۔ مساوات کے بعد سوشلزم اور اب سوشلزم کے بعد مارکس ازم! واللہ۔۔۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد کتنے اور ”تجربات“ کرانے ہیں؟ ان غیر محتاط اصطلاحات اور دعوؤں نے ہمیں کہاں پہنچا دیا پھر عبرت کی نگاہوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں کھلتیں کیا ہمارے قلوب بالکل مسخ ہو چکے ہیں؟ اور اللہ کے قانون احتساب اور اعمال کی شامت کا ہمیں کوئی احساس نہیں رہا؟ اور ہمیں اس سے بھی بدتر یوم الحساب کا انتظار کرنا پڑے گا۔ واللہ یقول الحق دھویہدی السبیل۔۔۔ (جون ۱۹۷۲ء)

سوشلزم کے دعویدار مگر سود کی وکالت

ہمارے وفاقی وزیر خزانہ رانا محمد حنیف صاحب نے بجٹ ۱۹۷۲ء پر تقریر کے دوران یہ مشرودہ سنایا کہ حکومت ”ربا“ کو ختم کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ یہ سوال ابھی زیر غور ہے کہ موجودہ سود اور سودی نظام ”ربا“ کے تحت آتا بھی ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں سوائے اللہ و اتالیبہ راجعون کے اور کیا کہا جائے۔ ”ربا“ کے خاتمہ پر ”غور“ کا سلسلہ تو اس ”عوامی اور اسلامی حکومت“ کے قیام سے لے کر اب تک جاری ہے۔ مگر اب تو سرے سے یہ موجودہ سودی نظام کی غیر اسلامی اور

غیر انسانی حیثیت بھی مشتبہ بنا دی گئی اور یہ ان لوگوں کی زبان سے جو دعویٰ دار تو سوشلزم کے ہیں۔ مگر آج وکالت مغرب کے ملعون سرمایہ دارانہ نظام کی سودی معیشت کی کر رہے ہیں یہی لوگ تھے جو دو سال قبل اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی سود کی بندش سے متعلق قرارداد کو ”بھاری اکثریت“ سے مسترد کر چکے ہیں۔ اگر سودی نظام ختم کرنے کی بات ہے تو اس کے لئے نہ تو اندیشہ ہائے دور دراز کی ضرورت ہے نہ شیطان کی آنتوں سے بھی لمبے غور و فکر کی۔ بس ایک مومنانہ جرأت اور ایمان و یقین سے بھر پور پیشقدمی کی ضرورت ہے۔ متبادل راہیں خود بخود آگے بڑھ کر ہمارے قدم چومیں گی۔ (رجب ۱۴۰۵ھ)

انفرادی اور شخصی ملکیت

جذبہ نصیح و غیر خواہی کی بناء پر ”جماعت اسلامی“ سے ایک گزارش کرنی ہے جو کسی قومی و ملی موڑ پر حکمت عملی کا سہارا لے لیتی ہے۔ حالانکہ ان کے قائد مودودی صاحب کے الفاظ میں ”کسی مقصد کی برتری کے لئے صرف مقصد کا اعلیٰ ہونا کافی نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کے ذرائع اور خطوط بھی بے لاگ اور پاکیزہ ہونے چاہئیں“ مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ مقصد برآری کی خاطر جماعت نہ صرف یہ کہ طریق کار کی صحت کا خیال نہیں رکھتی بلکہ دین کے ایک ایک اصول کو سیاست کے خراپ پر چڑھا دیتی ہے۔ اس وقت جماعت اسلامی کا انتخابی منشور سامنے آچکا ہے۔ اس میں زراعت کے عنوان میں زمین کی ملکیت مغربی پاکستان میں سوا اور دوسوا کیڑ کے درمیان اور مشرقی پاکستان میں ۱۰۰ ایکڑ تک محدود کر دی گئی ہے اور تنہید میں کہا گیا ہے کہ ”غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوں“ قطع نظر اس بات کے کہ شریعت کا مذکورہ قاعدہ کن حالات اور کن غیر معمولی تدابیر پر منطبق ہوتا ہے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے نہ تو زمین کے بارہ میں کسی قسم کی تحدید کی ہے اور نہ دیگر اموال و املاک میں انفرادی اور شخصی ملکیت کی کسی قسم کی

حد بندی گوارا کی ہے۔ جائز اور حلال ذرائع سے جتنی بھی ملکیت حاصل کی جائے شریعت نہ صرف اسے جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتی ہے۔ قرآن و حدیث ایسے نصوص و شواہد سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نہ تو حالات کی نزاکت اور وقت کی رو میں بہہ کر ان کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ سوشلزم کا ہوا کھڑا کر کے اس کے ڈر سے اسلام کے کسی مسئلہ میں تحریف اور تحدید کر سکتے ہیں۔ اسلام غیر محدود ملکیت سے نہیں روکتا، البتہ وہ مالک کو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا پابند بنا کر ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ملکیت کی تحدید کرتا جاتا ہے، یہ زکوٰۃ و عشر، یہ صدقات اور ہبات اور سب سے بڑھ کر اسلام کا قانون میراث تحدید ملکیت نہیں تو اور کیا ہے مگر لامحدود کو محدود بنانے کا یہ منصوبہ قدرت کا بنایا ہوا ہے۔ ہم اس میں اضافہ کر سکتے ہیں نہ کمی، ہم مجرموں اور معاشروں کی ترقی کرنے والوں کا ہاتھ توڑ سکتے ہیں، مگر انہیں کسی حلال کمائی کے ایک پیسہ سے نہیں روک سکتے۔

حکمت عملی کی پالیسی | ہمیں حالات کا مقابلہ اور خرابیوں کی اصلاح کرنی ہے۔ مگر یہ اصلاح ایسی نہیں کہ دین کے کسی اصول پر قبضہ چلا کر فساد کا ایک اور دروازہ کھول بیٹھیں۔ دین کا مسئلہ بہر حال اپنی جگہ رہے گا۔ جماعت اسلامی اسے ہماری ناقابل اندیشی سمجھے یا کچھ اور ہم تو اس ”حکمت عملی“ کو بہر حال دین کے لئے نہ ہر قاتل سمجھیں گے۔ اگر جماعت اسلامی غیر معمولی حالات کی وجہ سے ۲۰۰ ایکڑ تک زمین کی تحدید کو غیر معمولی تدبیر اور دین کے اصول سے غیر متصادم سمجھتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کل سوشلسٹ اور کمیونسٹ اسی دلیل سے ملکیت زمین کا حق قطعی طور پر چھین کر اسے ”غیر معمولی تدبیر“ اور دین کے اصول سے ”غیر متصادم“ قرار نہ دے بیٹھیں، اگر جماعت کی طرف سے دین کے اصول کی کوئی واضح تشریح بھی ہو جائے تو معاملہ صاف ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی چاہا اس نے کسی بہیز کو اصول اور پھر جب چاہا تو ”اسلام کے اصولوں سے غیر متصادم“ کا فتویٰ لگا کر اسی اصول کو حکمت عملی کی بجینٹ چڑھا دیا گیا۔ آہ! اصول اسلام کی اس بے دردی سے پائٹالی۔ جنگ آزادی میں جمہوریت اور پارلیمانی نظام کو لانت اور منات کہا گیا، مگر بعد میں یہی چیز اصل الاصول بن گئی۔ عورت

کی امارت اور حکومت کو ہر حال میں اسلام سے متصادم کہا گیا، پھر یہی چیز وقت کا اہم ترین جہاد قرار پایا، انتخابی جہاد و جہاد کو خلاف شریعت کہا گیا، پھر یہی مشغلہ روزگار بن گیا، مقصد کے حصول کے لئے ذرائع کی تقدیس ہر حال میں قائم رکھنے پر زور دیا گیا، مگر پھر اس راہ کی ہر گوی پڑی چیز کو گلے سے لگا کر رفیق جادہ منزل بتایا گیا، اور اب مسئلہ ملکیت زمین میں گودا سے عارضی کہا گیا، ایک ایسا موقف اختیار کیا گیا جس کی مخالفت خود عمر بھر کا شیوہ بننا رہا تھا کاللتی نقضت غزلها من بعد قنطرة الکائنات معلوم نہیں جماعت کے عمائدین اس نئے اجتہاد اور حکمت عملی کی کیا توجہ کر رہے ہیں، تاویل جو بھی مگر یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ فلاں فلاں جماعتوں نے بھی ایسا کیا اور فلاں بزرگ نے بھی ایسا کہا ہے۔ اگر ایک چیز کا برائی ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے وزن میں اس بات سے کمی نہیں آسکتی کہ اور لوگ بھی ایسا کرتے ہیں، ایسی بات تو جرائم کی تاریخ میں بھی کسی نے نہیں کہی کہ میں اگرچہ مجرم ہوں مگر یہ تو ایک ایسا جرم ہے کہ صدمہ شہر شمار روز کنندہ۔ اور نہ کسی عدالت نے مجرم کے اس موقف کو قابلِ تسلیم قرار دیا ہے۔ تعدیل صحائف اور دیگر علمی و فقہی مسائل اور اب لاہوری مرزائیوں کے بارہ میں جماعت کا یہی عذر گناہ سامنے آچکا ہے۔ مگر غلط بات غلط ہے خواہ اس کا کہنے والا کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اب رہا ملکیت شخصی کو سلب کرنا یا اسے محدود کرنا۔

شخصی ملکیت کے شواہد | تو جہاں تک اصل مسئلہ انفرادی اور شخصی ملکیت کا تعلق ہے، خواہ املاک منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہوں اسلام نے اسے انسان کا فطری حق بنایا ہے نہ تو اس کی تحدید کی جاسکتی ہے اور نہ عصر حاضر کے لادینی اقتصادی نظاموں کے علمبردار اس میں قطع برید کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے آیت اذ لم یبدوا تا خلقنا للہم دیناً عملت ابداً فینا انعاماً فہم لہا مالکون میں انسان کی شخصی ملکیت پر مہر ثبت کر دی ہے اور

۱۔ مولانا مودودی نے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ لاہوری پارٹی کے مرزائی نہ مسلمان ہیں نہ کافر (رس)

قرآن کی بے شمار آیتیں اس جملہ فہم لہما مالکون رپس وہ اس کے مالک ہیں) کی تائید کرتی ہیں۔ جو لوگ ان الارض للہ زمین اللہ کی ہے) قسم کی آیات کو آگے پیچھے سے کاٹ کر اپنے مدعی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہاں متصلاً اللہ نے خود یورثہا من یشاء وہ جسے چاہے زمین کا وارث بناوے) یا اس کے ہم معنی الفاظ میں انفرادی ملکیت بیان کر کے ایسے لوگوں کا مذاق اڑا رہے۔ قل اللہ مالک الملك کے ساتھ تو فی الملك من تشاء بھی ہے اور والذین یکنزون الذہب والفضة کے ساتھ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ کی قید انسان کی انفرادی ملکیت کا اعلان کر رہی ہے، پھر وہ اسے اپنی ملکیت میں ہر جائز تصرف کرنے اور اسے اپنی ملکیت سے منتقل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بیع، ثمر، ہبہ، تملیک، اختاق، تدبیر، کتابت، اجارہ، اعارہ، مزارعت، وقف، رہن، قرض، صدقہ وصیت، میراث وغیرہ اس تصرف کے شمول میں ہیں۔ اسی طرح وہ کسی دوسرے مسلمان کے مال و دولت میں ناجائز دست اندازی سے بچنے کو ایمان کی اولین غلامت قرار دیتا ہے۔ ظلم و تعدی، چوری، ڈاکہ، خیانت، غصب، لوٹ کھسوٹ، حیر و استحصال کو حرام قرار دے کر اسلام انسان کے شخصی ملکیت کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ وہ یکساں طور پر سرمایہ دار اور غریب دونوں کو دلاتا کلاوا اموالکم بینکم بالباطل (ایک دوسرے کے مال کو ناحق نہ کھاؤ) سے مخاطب کرتا ہے۔ الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ والحديث، (خبردار کسی ایک کا مال دوسرے کو بغیر اس کی مرضی کے حلال نہیں) ارشاد نبوی ہے

سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصال اور مادیت | پس جو لوگ سوشلزم کو تمام معاشی

خرابیوں کا مداوا سمجھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ بھیجے ہوئے عادلانہ نظام اسلام کے تمام اصول و فروع کو نہس نہس کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے تمام حقوق کی پامالی و بربادی کا ایک ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں جس میں نہ صرف غریب اپنے رہے ہے سکھ اور پچھلے سے محروم ہو جائے بلکہ پوری قوم جہند خو نوار دزدوں کی جماعت کے رحم و کرم پر رہ جاتی ہے، اسلام کے مذکورہ تمام اصول کو ایک طرف رکھ کر ایک لمحہ کے لئے فرض کو پس کر سوشلزم آجاتا ہے اور وہ پوری قوم کو حق ملکیت سے محروم کر کے اللہ کی دی ہوئی تمام دولت

اور وسائلِ معاش کو ایک پارٹی کے حوالے کر دیتا ہے، تو کیا وہ پارٹی انسانیت کو اسکے تمام حقوق دلا دے گی۔ اور کیا وہ پارٹی موجودہ معاشرہ ہی سے ابھر کر سامنے آئی ہوگی یا آسمان سے فرشتوں کی شکل میں اترے گی۔ لیکن اگر اس کی اٹھان اس معاشرہ سے ہو جس کا مشیتِ نمونہ نمبر وار ۳۰۳ بدعنوان، مسروں کی شکل میں سامنے آچکا ہے اور اس کا عمل و عقد اس بیوروکریسی کے ہاتھوں میں ہو جو فائل کی سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ کھڑے کر کے پھر اسے نذرِ سیلاب بھی کر دیتی ہے، اور اس طرح کروڑوں روپے ہضم کر کے فائل داخل دفتر کر دیتی ہے۔ تو خدا را ذرا سوچئے کہ ایسے لوگوں کا لایا ہوا سوشلزم یا کوئی بھی معاشی نظام انسان کے مال و جان اور اس کے حقوق میں مساوات قائم رکھ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ سوشلزم کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر ہے جس میں نہ خوفِ خدا کی گنجائش ہے، نہ محاسبہِ آخرت کی، اور نہ کسی کو تنقید اور نصیحت کی۔

مساوات یعنی مواسات استحصال نہیں احتساب | اس کے مقابلہ میں اسلام ہے جو ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرتا ہے جو ہر لمحہ اور ہر عمل میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، آخرت کا محاسبہ اس کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے، ہر فرد کو دوسرے پر ظلم و غصب اور ہر برائی سے روکنے کا پورا حق ہے، اور وہ امیر کو بھی چاہے تو تلوار سے درست کر سکتا ہے، وہ اگر اسلامی قلمرو کے دوسرے سرے پر کسی کتے کے بھوک و پیاس سے مرجانے کی خبر سنتا ہے تو اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے تڑپنے لگتا ہے وہ ہر انسان کی بھوک و پیاس کو اپنی حاجت سمجھتا ہے اور جذبہٴ ایثار سے خود فقیر رہ کر دوسروں کو اپنی متاع کا مالک بنا دیتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے معاشی مسائل کی بنیاد مساوات پر نہیں بلکہ مواسات پر رکھی، وہ معاشی ناہمواری کو جبر سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین کی بیلادی سے حل کرتا چاہتا ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرہ قائم کیا خلافتِ راشدہ اس کی واضح مثال ہے۔

سوشلزم گھر گھر کا مجیدی | دوسری طرف سوشلسٹوں کے طور طریقے تھے، اور جبر و ظلم کی اساس پر ایک ایسی عمارت اٹھائی گئی جو نصف صدی میں دم توڑتی نظر آنے لگی ہے۔ تاریخ کی اس مادی تعبیر پر تازہ چاٹنا حال ہی میں روس کے سیکرٹری جنرل برزنیف نے یہ کہہ کر سید کیا

کہ روس میں سوشلسٹ نظام عملاً ناکام ہو چکا ہے۔ اور اس طرح فتنہ شاہد من اہلہا کا ایک نمونہ سامنے آگیا۔ — الغرض ہمارے پاس معاشی اور معاشرتی یگانگت کے لئے اسلام جیسا نسخہ کیمیا موجود ہے، مگر افسوس اور صافسوس کہ نہ تو ہم نے اسے سمجھا نہ پرکھا اور نہ کبھی آزمایا ومن لم یتذق لم یدر۔ —

پتوں نہ دیدند حقیقت را فسانہ زدند

سوشلزم عیار لیڈروں کا دام فریب | ہماری اس بے علمی اور حقیقت سے بیخبری سے موجودہ دور کے ابن الوقت سیاست دانوں نے خوب فائدہ اٹھایا بیچارے عوام اسے اپنی ساری بربادیوں کا تریاق سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگے اور اس حقیقت سے غافل ہو گئے کہ چور اپنی کمین گاہ تک پہنچا کر رہی ہے پونجی سے بھی ہمیں محروم کر دے گا۔ بات ناشائستہ سی ہے مگر مثال خوب چسپاں رہے گی کہ ہمارے علاقہ میں بچے کا تختہ کراتے وقت عموماً بچے کو ادھر ادھر کی بھول بھلیوں میں بہلایا جاتا ہے اور تختہ کا عین موقعہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں وہ دیکھو سونے کی پڑیاڑ رہی ہے اور ابھی تیرے قدموں میں ہے۔ بچہ شوق سے نگاہ اٹھاتا ہے اور ادھر اپنے جسم کے ایک حصہ سے محروم۔ تو ہمارے ہاں سوشلزم کی مثال اُسی ”سونے کی پڑیاڑ“ کی سی ہے جس سے عیار لیڈر خوب خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ — (فردری شلم)

اسلام اور دیگر معاشی ازم

ریشم میں ٹاٹ کے پیوند

کتنا بڑا ظلم ہے غریب اسلام پر جو غیروں سے نہیں، نام نہاد پیروؤں کے ہاتھوں اس پر ہو رہا ہے۔ جو لوگ ”اسلامی سوشلزم“ اور ”اسلامی کپیٹل ازم“ کے نعرے لگا رہے ہیں، وہ اسلام کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے۔ یہ محض ان لوگوں کی ذہنی غلامی احساس کہتری افکری بے مانگی اور اسلام سے بے خبری کا ثبوت ہے کہ اسلام کی جامعیت اور

ہمہ گیری، اس کی صداقت اور عدالت ثابت کرنے کے لئے اس پر اثبات اور اثبات کیست
یعنی بالشوسٹ ازم یا استحصال و سرمایہ داری یعنی بورژوازی کیپٹل ازم کا پٹہ لگا رہے ہیں۔ یہ اسلام
کی تحیر خواہی نہیں تحقیر ہے۔ ایک ”علائ دین“ جو نہ صرف معاشی بلکہ مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی ہر لحاظ
سے کامل و مکمل ”عادلانہ نظام“ ہے اس کا رشتہ نہ تو مہاجنی نظام سے جوڑا جاسکتا ہے جس کی
بنیاد غریبوں کی خون کی کماٹی کے جبری استحصال پر ہو، اس کی ساری رونق سود خواری، ساہوکاری،
ذخیرہ اندوزی اور ظلم و استبداد سے ہو اور نہ تو اسلام کی کڑیاں اس نام نہاد سوشلزم سے ملائی
جاسکتی ہیں جو محض اس ”مہاجنی نظام“ کا طبعی ردِ عمل انسانی ذہنوں کی پیداوار اور معاشی بداعتدالیوں
کا غیر فطری ظہور ہے۔ جو سلطنت اور سٹیٹ کو رب العالمین کا درجہ دیتی ہے اور زندگی کے
میدان میں ہرگز قابلِ عمل نہیں۔ اسلام کی حقیقت سے بے خبر دوستو! کبھی اُس سرخ دیوار کے اندر
جھانک کر بھی تم نے اس غیر فطری نظام (کیونززم) کو دیکھا ہے؟ اُدھر سرمایہ داری کے علمبردار یورپ
میں انسانی اقدار کا خون ہو رہا ہے کیا تم اس سے بے خبر ہو؟ کیپٹل ازم کا یہ دلیس تو آج موت
اور خودکشی کے چور ہے پر کھڑا ہے۔ انسانیت وہاں سسک رہی ہے۔ کیا ہمدردی اور
اخوت، اخلاقی اور نسلی رشتے وہاں موجود ہیں؟ ان کے معاشی نظام نے انہیں بھین و سکون کی
دولت بخشی ہے؟ کیا ساری دنیا اس کی معاشی دستبرد سے نالاں نہیں؟ ان سفید فام ”زندوں“
اور انسان نما ”جو بیایوں“ کی بستی میں انسانیت اور انسانی عظمت، تقدیس کس بری طرح ذلیل و خوار
ہو رہی ہے؟ پھر اسلام پر بھی تو ایک نگاہ ڈالو۔ قرآن و حدیث کے بھر و کوں میں ذرا جھانک
کر تو دیکھو۔ تمہیں توازن و اعتدال، ایثار و محبت، عدل و انصاف، پاسداری حقوق، سکون و اطمینان
کی ایک جنت نظیر زندگی نظر آئے گی جو خالق کائنات کی ”لا ہوتی ہدایات“ سے جگمگا رہی ہے۔
تمہاری معاشیات و اقتصادیات کا وہ کون سا عقدہ ہے جس کی گرہ اسلام نے نہیں کھولی؟ اور
جس کے لئے تم غیروں کی کاسہ لیس کر تے پھر اخلاق و معاش اور مبدع و معاد کا وہ کون سا مسئلہ
ہے جس کو اسلام نے الجھا پھوڑا ہو کہ تم اثبات اور سرمایہ داری کے ذریعہ اسے سلجھنا چاہتے ہو۔
اسلام ایک مستقل نظریہ حیات اور لائحہ عمل رکھتا ہے۔ وہ ایک کامل، معتدل فطری نظام ہے جسے
نہ تو سوشلزم سے کوئی نسبت ہے اور نہ سرمایہ داری سے آخری ٹیم میں ٹاٹ کے یہ پیوند تک لگاتے
رہو گے؟

بیٹ اور رزق کا مسئلہ

”بیٹ اور رزق“ غصہ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ گویا ڈیڑھ بالشت بیٹ اور معدہ نے پوری دنیا اور اس کی اخلاقی اور دینی اقدار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کیونکہ ہم مادیاتی، سوشلزم وغیرہ خوش نما ناموں کے ذریعہ اسے سلجھانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ مگر مسئلہ نہ صرف اپنے حال پر قائم بلکہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے۔ اگر ایک طرف مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا عفریت ”انسانیت“ کو ٹرپ کر رہا ہے تو دوسری طرف مشرق کی اشتراکیت اپنے حقیقی رنگ و روپ میں سامنے آ رہی ہے جو مساوات کے پردہ میں استحصا، اجتماعی سرمایہ داری اور استبداد و استعمار کے سوا کیا ہے ؟ ایک مرکوز اور جابرانہ نظام، زرعی صنعتی غرض انسان کی ہمہ جہتی ترقی میں زبردست رکاوٹ کے سوا اور کیا ہے ؟ اشتراکیت یورپ کی غیر فطری معاشیات کا ردِ عمل تھا۔ مگر دم توڑتی ہوئی اشتراکیت کا ردِ عمل کتنا شدید اور ہولناک ہو گا ؟ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ جن لوگوں کی نظر اسلام کے معتدلانہ نظام معیشت اور فطری اقتصاد کے بارے میں بالکل سلی ہے یا جو اپنی فکری کج روی اور سلامتِ طبع سے محرومی کی بناء پر اسلام کے بارے میں ارتیابیت یا لا اوریت کا شکار ہیں ان کی نگاہیں بھی ان غیر فطری نظام ہائے معیشت کی طرف اٹھتی ہیں فکرِ سلیم سے محرومی کی وجہ سے نگاہوں پر جو نول چڑھ گئے ہیں اس کے اندر جھانک کر کوئی مغربی اکتنا زیت کو اسلام سمجھ بیٹھا ہے اور کوئی کمیونزم کو اسلام کے معاشی تقاضوں کی تکمیل سمجھ رہا ہے۔ (اکتوبر ۱۹۷۷ء)

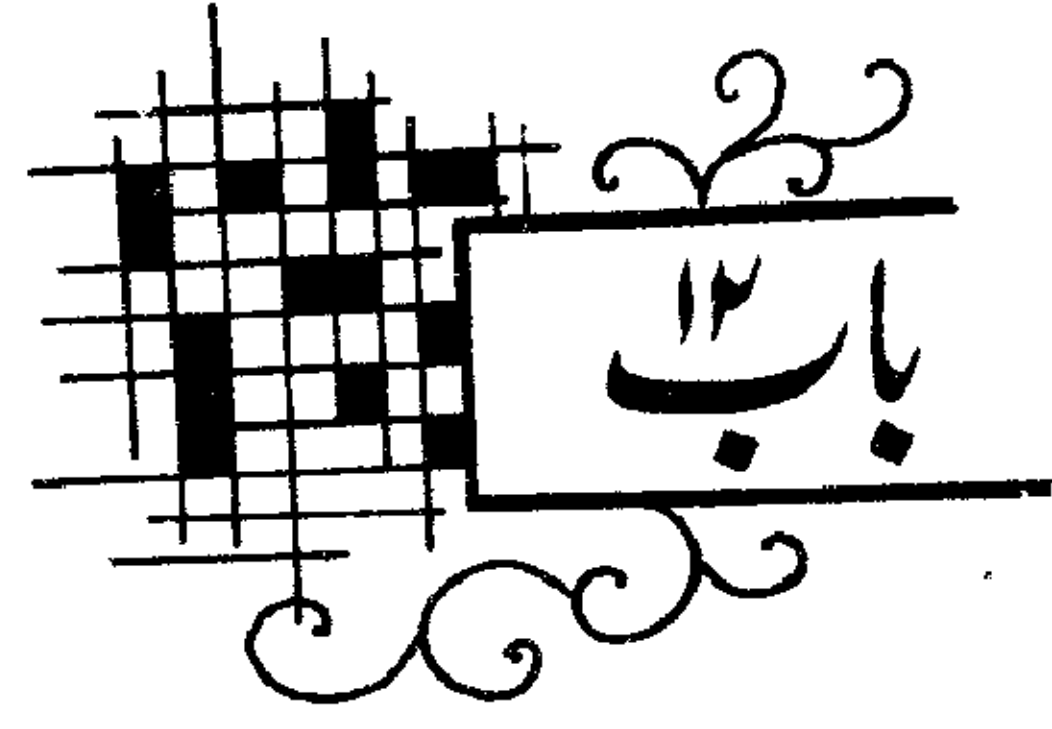
یہ ظالمانہ سرمایہ داری نظام

ہم سوشلزم اور اشتراکیت پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں، مگر کیا یورپ کا وہ ظالمانہ سرمایہ داری نظام کسی ایک لمحہ کے لئے بھی گولا کیا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ کے

چند افراد کی مترفانہ شہرہ چہوں کے سامنے تو قرونِ مظلمہ کی الف بیلوی داستان بھی ماند پڑ جائے
مگر انسانوں کی اکثریت نان بھوس کے لئے ترستی ہے۔ پڑھئے اور اندازہ لگائیے :-
”یونان کے ارب پتی اناکسس اور ان کی نو بیویاں بیوی جیکو لین نے گزشتہ
سال اپنی شادی سے آج تک سات کروڑ سے دس کروڑ تک روپے
خرچ کئے۔ امریکی اخبارات نے اپنے اس انکشاف میں لکھا ہے، کہ اناکسس
کی رہائش گاہوں کی تعداد ۹ ہے۔ ان میں موٹے کارو، پیرس، موٹے ویڈوٹا، یونان،
نیویارک کی رہائش گاہ اور ہوٹلوں کے مستقل کمرے، جہاز کریتا اور یونانی جزیرہ اسکورپس
شامل ہیں۔ یہ جوڑا ۱۰ لاکھ روپیہ فی ہفتہ کس طرح خرچ کر رہا ہے، اس کا اندازہ اس سے
لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی خاتون جیکو لین نے گلائی ماور کے مکان کی جدید آرائش پر
پچاس لاکھ تک روپیہ خرچ کیا۔ کاش مسلمان خلعاء و سلاطین کے محلّاتی
افسانوں اور عرب شیوخ کے حرم سراؤں کے دواں خانہ افسانوں کو گھڑتے اور بڑھا چڑھا کر
پیش کر نیوالا اعتبار یورپ اپنی ایک فاحشہ خاتون کی اس بیرون خانہ پر عیش زندگی سے بھی کچھ
عبرت لے اسراف و تبذیر کی یہ ایک ادنی جھلک امریکہ کی خاتونِ اول کی ہے جہاں کاسب سے بڑا
مسئلہ اب بھی وہاں کے ذمہ دار اخبار ”ٹائم“ کے نزدیک افلاس اور غربت ہے۔“

مسلمان تو کیا دنیا کی ساری اقوام نے مل کر بھی خمرستی اور طبقاتی تفاوت کا اتنا سیاہ مظاہرہ نہ
کیا ہوگا۔ یہ ہر بھی اسی امریکہ کے سر ہے، جو آج انسان کے بنیادی حقوق کا سب سے بڑا دعویدار بن کر
انسانی لاشوں پر دندناتا پھر رہا ہے۔

یہ تو معاشی عدم توازن کی ایک مثال تھی، اخلاق اور انسانی اقلہ کی پائمالی
جس بے دردی سے ہو رہی ہے، اس کی کچھ جھلک وہاں کے جنسی اور اخلاقی جرائم کے بڑھتے
ہوئے اعداد و شمار سے دیکھی جاسکتی ہے، یورپ خلاؤں میں بختنا بڑھتا جا رہا ہے، اتنا ہی
اخلاق اور انسانیت کے لحاظ سے قعر و ذلت میں گرتا جا رہا ہے۔ اُسے کون سمجھائے کہ انسانی
کرامت و شرافت کا معیار تسخیر و تباہ نہیں بلکہ تسخیر نفس ہے۔ (اکتوبر ۱۹۷۹ء)



قرآن حکیم اور سیرت رسول ﷺ
اصل وابستگی اور حقیقی یاد

نزولِ قرآن کا حقیقی جشن

اسلامی دنیا آج کل نزولِ قرآن کا چودہ سو سالہ جشن منا رہی ہے۔ قرآن حکیم کی شکل میں نعمتِ خداوندی اور دین کی تکمیل بلاشبہ مسلمانوں پر خداوند کریم کا خاص احسان ہے۔ جس کی وجہ سے اگر زندگی کا ہر لمحہ خوشی سے معمور ہے تو اس کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ اس نعمت کا بدلہ اور شکر یہ صرف یہی ہے کہ اپنی زندگی کو اس کے احکامات کے مطابق بنایا جائے۔ قرآن کا تقاضا ایک ہی ہے۔ چودہ سو سال قبل بھی یہی پیغام تھا۔ آج بھی ہے اور قیامت تک یہی مطالبہ رہے گا۔ کہ اس سچائیوں اور صداقتوں کا صدقِ دل سے اعتراف کر لو۔ اور پھر اپنی ہر خواہش اور صلاحیت اس کی مرضی پر ڈال دو۔ وہ ہم سے تسلیم تام اور انقیادِ کامل چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں مسلمان کا نام دیا ہے۔ یعنی سب کچھ کی مرضی پر قربان کرنے والا۔ یہی قرآن کا جشن ہے، اور یہی اس کی یاد۔ اگر ہماری زندگی اس پر عمل سے خالی ہے تو نئے جشنوں، نعرہ بازیوں اور عائشوں کی خدا کی بارگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ مگر جو قومیں عمل سے محروم ہو جاتی ہیں وہ ہمیشہ اپنی روح اور اپنے ضمیر کو ان ظاہری فریب کاریوں کا سہارا دینا چاہتی ہیں۔ یہی معاملہ آج قرآن کریم سے ہے اور ٹھیک حضورؐ کی اس پیشینگوئی کا ظہور ہو رہا ہے کہ قرآن کا صرف نام اور رسم رہ جائے گا وللمیقات من القسائم الا رسمہ ہر چند کہ قرآن کے ساتھ یہ ظاہری تعلق بھی مذہب سے لگاؤ کی علامت ہے اور اس لحاظ سے خوشی کا مستحق۔ مگر حقیقی مسرت تو جب ہونی چاہیے کہ ہر مسلمان اپنے عمل اور کردار سے قرآن کا جشن منانے لگے۔

قرآن سے انکار مگر جشن میں پیش پیش | جشنِ قرآن کی تقریبات میں بعض ایسے افراد اور ادارے بھی حصہ لے رہے ہیں جنہیں قرآن حکیم کی چودہ سو سالہ تشریح اور تعبیر سے اتفاق نہیں اور

وہ اسے راسخ العقیدہ گروہ کی روایات پرستی اور رجعت پسندی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور
تھے تقاضوں کی روشنی میں قرآن مجید کی نئی تعبیر کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں جشن منانا تھا
تو کچھ عرصہ انہیں اور انتظار کرنا چاہیے تھا۔ تاکہ نزول قرآن پر کم سے کم چودہ سو ایک سال گزرنے
کے بعد نئی تعبیرات کا ”ایک سالہ“ جشن منایا جاتا۔ اب جب قرآن کی تعبیرات اتنی سخت جان
ہیں کہ چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں انہیں مٹایا نہیں جاسکا۔ تو ان لوگوں کا ایسے جشن منانا کیا
منافقانہ چال تو نہیں؟ انہیں تو دراصل ماتم اور یاس کی محفلیں لگانی چاہیے تھیں۔ اس جشن و مسرت
کا حقدار تو وہی راسخ العقیدہ گروہ ہے۔ جسکی انتھک جدوجہد علمی جانکاہی، دینی ثقافت، خدا و
فہم و فراست اور تقویٰ اور تدین کے صدقے اہل زلف و الحاد کی دست اندازیوں اور
ریشہ دوانیوں کے باوجود قرآن حکیم اپنے معانی اور تشریحات کے ساتھ محفوظ رہا۔ اور جس نے
قرآن کریم کے منقول و متواتر مفہوم اور تعبیر کو جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھا۔ قرآن کریم کی
حفاظت جس کا وعدہ ہو چکا ہے۔ دراصل اس کے معانی، تشریحات اور سنت و حکمت نبویؐ
ہی کی شکل میں ہے۔ اگر دین و شریعت کی شکل میں قرآن کے مطالب محفوظ نہ ہوتے اور نہ ہی
اسے اپنی من مانی تاویلات اور تعبیرات کا جامہ پہنا سکتا تو صرف الفاظ کی حفاظت کا کوئی
فائدہ نہ رہتا۔

قرآن بیزار نصاب تعلیم | پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر چوہدری محمد علی صاحب کا یہ
بیان بلوری قوم کو چونکا دینے والا ہے کہ اس مرتبہ یونیورسٹی کے ٹیچر ٹریننگ سنٹر میں داخلہ
لینے کے لئے جتنے مرد اور خاتون امیدوار آئے، ان میں سے ایک کو بھی قرآن مجید کا پڑھنا
نہیں آتا تھا۔ ان میں سے بعض نے اپنے والدین کو بھی قصور وار ٹھہرایا، جنہوں نے انہیں
اسلامی مبادیات اور قرآن مجید کی تعلیم سے گوارا کیا۔

اگر مسلمانوں میں کچھ بھی جذبہ ملی باقی ہے تو دل ہلا دینے والی یہ خبر لادینی کے تدارک اور
تلافی کے لئے کافی ہے۔ اور یہ حالت تو قوم کے اس طبقہ (طلبہ) کی ہے جنہیں مستقبل میں
ایک اسلامی ریاست پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ اور جو ثانوی تعلیم کا، مومنوں
رہائی اور مڈل سکولوں کے تمام مراحل سے گزر کر تعلیمی فرائض مقلی اور پیچنگ کی امیدوار ہے۔

مذہب سے یہ مجرمانہ غفلت جہاں بچوں کے سر پرستوں اور پوری قوم کی دین سے عمومی بیزاری کی دلیل ہے، وہاں یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس خرابی کا بنیادی سبب وہ ناقص اور مذہب بیزار نصاب تعلیم ہے، جو ہماری عصری تعلیم گاہوں میں رائج ہے اور جس میں زندگی کے بارہ تیرہ سال کھپانے کے بعد بھی قوم کے لوہاں اپنی بنیادی کتاب قرآن مجید کے ناظرہ تک پڑھتے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ چوہدری صاحب کا یہ انکشاف اس حقیقت کا غماز ہے کہ نصاب میں ”لازمی دینیات“ کے نعرے محض ”وزن بیت“ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چوہدری صاحب کا یہ بیان پوری قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

قرآن مجید کا بطور فنیشن استعمال

پچھلے سال کی طرح اس دفعہ بھی پشاور میں ”جشنِ خمیر“ کے نام سے ایک نمائش ہو رہی ہے۔ جس کا افتتاح ڈویژنل کمشنر کی خواہش پر مجلس قرأت سے ہوا۔ کمشنر صاحب نے افتتاحی تقریر میں قرآن مجید کے ”کتابِ ہدایت“ ہونے کا پُر سوز الفاظ میں ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ قرآن مجید رہتی دنیا تک انسانی فلاح اور سعادت کا ذریعہ ہے، جہاں تک ان پاکیزہ خیالات اور جذبے کا تعلق ہے۔ اس کی ستائش و تحسین کرتے ہوئے ہم اس شدید درد و غم کو چھپائے نہیں بچھا سکتے، جو ہمیں اس جشن کے پروگراموں کی تفصیلات معلوم ہونے پر ہوا۔ جس تقریب کا افتتاح تلاوتِ قرآن پاک سے کیا گیا۔ بعد میں اس کی کئی کئی راتیں موسیقی اور رقص و سرود کے محافل کی نذر ہوئیں۔ جیسا سوختہ طوائفیں اسی سٹیج پر عائدین ملک اور ممتاز شہریوں کے سامنے آکر گاتی اور ناچتی رہیں۔ مقرر کرکچر اور ثقافت کے نام کو چار چاند لگایا جاتا رہا۔ پہلوانوں کے دنگل ہوتے رہے۔ آرٹ کی نمائش جاری رہی، پورے رقبہ میں سرکسوں باجوں گاجوں کا طوفان برپا رہا۔ پھر ایک ایک سٹال پر مردوں اور عورتوں کا بے تحاشا اختلاط اور ہجوم، غرضِ عفت و عصمت کا آئینہ ہر طرح سے چھوڑا ہوتا رہا۔ اور معلوم نہیں یہ سلسلہ مزید کتنے دن تک جاری رہے گا۔ اگر اس تقریب کا مقصد صرف ملک کی صنعتی ترقیات

کی نساؤں اور قومی روایات کا ابھارنا ہوتا تو اس کی افادیت میں کسے کلام ہو سکتا تھا؟ جب اس جیشن کا ہیولی ان عناصر سے تیار کیا گیا تھا تو کاش اس کا افتتاح بھی قرآن مجید سے نہ کیا جاتا۔ جب تک قرآن مجید ہمارے عمل و کردار کے یوانوں سے خارج ہے۔ اور ہمارے دلوں کی دنیا اس کی روشنی سے معمور نہیں اس وقت تک قرآن مجید کالیوں بطور فیشن استعمال دعوتِ ربانی اور محبتِ الہی کے اتمام کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اتمامِ محبت کے بعد ایسی فروگذاشتیں قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔

کاش! اس صحیفہ ہدایت کو ہم واقعی معنوں میں اپنی زندگی کے لئے ضابطہ عمل اور مینارِ ہدایت بنا سکیں۔

جون ۱۹۶۶ء

مجالس قرأت یا خدائی عدالت

پچھلے دنوں ملک کے مختلف گوشوں میں قرأت کی محفلیں منعقد ہوئیں، قرآن کریم سننے کے لئے مسلمانوں کا ذوق و شوق قابل دید تھا، قرآن کا پڑھنا اور سننا افضل عبادت ہے کہ وہ خدا کی آخری کتاب ہے، اب آئندہ کوئی روشنی کوئی دوسرا پیغام حیات آنے والا نہیں بیشیبت ایزدی چاہتی ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ خدا کی اس آواز سے محروم نہ رہے تاکہ کل کسی کو عذر نہ ہو کہ ہمیں حق کی روشنی نہ پہنچی۔ کہ وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا جب تک یہ پیغام رسالت اس تک پہنچا نہ دے۔ یہ قرأت کا اہتمام۔ یہ دنیا بھر کے نشریاتی سٹیشنوں سے اس کی اشاعت۔ یہ خدا فراموش بندوں کی بستیوں میں اس کی تلاوت کے اجتماعات۔ قدرت کی طرف سے اپنی محبت کا اتمام ہے۔ اس لئے یہ ماسکو سے بھی نشر ہو رہا ہے اور لندن سے بھی، پکننگ سے بھی سنایا جا رہا ہے اور واشنگٹن سے بھی۔ لیظہرۃ علی الدین کلہ۔ اس کی قرأت کا یہ عالمگیر انتظام اس منشاء ربانی کی تکمیل ہے، کہ کل قرآن ان پر گواہ استغاثہ بن سکے ان سننے والوں پر جنہوں نے اس کی پرتا شیر عجاز اور طرز بیان کا لطف اٹھایا، سارے ماحول کو جگمگایا، مگر دل کی دنیا روشن نہ کی، نہ اس کی روشنی میں اعمال و کردار کو مستواریا۔ یہ اُن پر پڑھنے والوں پر بھی محبت الہیہ ہے جن کے انداز بیان پر سارا ماحول یکسر گیا، کائنات تھم گئی، مگر خود ان کے گلوں کے نیچے من کی دنیا میں کوئی اضطراب نہ اٹھا کہ وہ سیرت تو کیا کم از کم صورت کو تو اس کے سانچے میں ڈھال دیتے۔ یہ قرآن ان علماء و مشائخ کے خلاف استغاثہ ہو گا جو اس کے اسرار و معارف اور لائقنا ہی رموز و حکم پر سر دھنتے رہے مگر اس کی روح اور تقاضوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے۔ یہ اُن حکام اور امراء کے خلاف محبت ہو گا جنہوں نے ان مبارک مجالس کے انتظام میں بڑی دلچسپی دکھائی مگر اس کے احکام و تعلیمات پر عمل کرنے اور کروانے سے گریز کرتے رہے۔

قرآن کا ہر جانی عاشق | یہاں تک کہ چند ہی دنوں بعد انہوں نے انہی شہروں جو قرآن کی آواز سے گونج اٹھے تھے، روسی ثقافتی طائفہ کی رقاصائیں نچوائیں۔ ان کے رقص و سرود کا

اہتمام کیا اور تیس کی آفرین و ستائش، استقبال و تحسین میں قوم کی اکثریت اور وہ صحافت بھی شریک ہوئی جو دہشتے قبل قرآن سے اپنی شیفتگی اور وارفتگی کا اظہار کبھی مٹی — عمل و کردار کے ایسے ہی تضاد کے موقع پر کہا گیا ہے کہ

ممنشوق ما به شیوہ ہر کس برابر ست با ما شراب خورد و بہ زاہد نہ ساز کرد

مصل تلاوت یا خدائی عدالت | یہ تلاوت قرآن کی محفلیں خدائی عدالتیں ہیں۔ اس دور میں مشیت ایزدی نے پوری دنیا کو اس کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے، تاکہ وہ "مالک یوم الدین" قیامت کے دن اتمام حجت کے بعد اپنا فیصلہ سنا سکے اور قرآن کا استغاثہ اس کو سن سن کر ٹھکرانے والوں کے خلاف ظاہر ہے۔ یا سب اقوام اتخذوا القرآن موعوداً (الآیۃ) وقال علیہ السلام ان الله یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہم آخریں (مالک عن نافع عن ابن عمرؓ) وقال انس بن مالک ربت قارئ للقرآن والقرآن یلعنہ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۸۱) وقال علیہ السلام اقرا القرآن ما نہاک فان لم یتهک فلت تقرء (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۸۱) وقال علیہ السلام ما آمن بالقرآن من استحل معامۃ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۸۱)

(ج ۲ - ش ۵، مارچ ۱۹۶۷ء ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ)

۱۔ رسول بارگاہ رب میں شکایت کرے گا کہ میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا ۲۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے بعض اقوام کو بلندی دیتا ہے اور اسی کتاب کو بعض اقوام کے ہلاکت و زوال کا موجب بناتا ہے ۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایک شخص تلاوت کرتا ہے اور قرآن کریم اس پر لعنت بھیجتا ہے ۴۔ قرآن جب تک نہیں پڑھیں گے تو کو واقعی اس کی تلاوت کرتے ہیں مگر ایسا نہیں کہ تلاوت بھی تلاوت نہیں ۵۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن کے حرمت سے حلال چیزوں کا برتاؤ کیا وہ درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں لایا۔

سیرت کی اہمیت اور جامعیت

رسولؐ اور امت کے باہمی حقوق

سیرت طیبہ کے ایک اجتماع میں کی گئی تقریر جسے ٹیپ سے من و عن ضبط کیا گیا ہے
یا ایہا النبی انا ارسلناک شہداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ
و سراً جہاً منیراً۔ لتؤمنوا باللہ و رسولہ و تحترقوا و توقروا بکرمۃ و احیاء
و ما ارسلناک الا رحمتاً للعالمین۔

محترم بھائیو! آج اس تقریب کی شکل میں ہم سرور کائنات رحمۃ اللعالمین کی بارگاہ اقدس
میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہیں۔ اور یہ نخلِ عقیدت کیا چیز ہے؟ اگر آج کے دن محمدؐ
کے ایک اللہ رب غلام مل کر اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیں اور سب کے سب حضورؐ پر
تشار ہوں تب بھی حضورؐ کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

سیرت کی وسعت اور ہمہ گیری | محترم دوستو! آج ہم اس تقریب سیرت میں نبی کریم علیہ السلام
کی سیرت مطہرہ کے بارہ میں کچھ کہنے کچھ سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور میں حیران ہوں کہ
حضور نبی کریمؐ کی سیرت مطہرہ کے بارہ میں اس مختصر وقت میں محدود علم کے ساتھ کیا کہوں۔ اور یہ تو
وہ مقام اور موضوع ہے، جہاں بنیاد و شبلی اور عطار و جاتی کی سانس رک جاتی ہے۔ اور جہاں
امام رازی اور امام غزالی جیسے بزرگان امت بھی محو حیرت ہو جاتے تھے تو ہم سب مل کر بھی
حضورؐ کی سیرت بیان کرنا چاہیں تو کچھ بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔

دفتر تمام گشت و بیاباں رسید عمر ماہچناں در اقل وصف تو ماندہ ایم

ہمارے سامنے حضورؐ نے ایک پورا نظام رکھ دیا ہے جسے اسلام سے، دین سے،
شریعت سے، اور سیرت مطہرہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم اور سنت نبویؐ سے تعبیر
کرتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کا اگر خلاصہ کسی لفظ میں نکل سکتا ہے تو وہ ہے سیرت۔ اب
ایک طرف شریعت اسلامیہ کی جامعیت، ہمہ گیری، تعلیمات نبویؐ کی وسعت، قرآن کریم کا اعجاز

عالمگیری اور ہمہ گیری، ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر کیا کوئی مختصر وقت میں ہزاروں لاکھوں حصہ بھی بیان کر سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ ام المؤمنین سے کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ کے اخلاق مبارکہ کیا تھے؟ فرمایا: کہ تم قرآن کریم نہیں پڑھتے وکان خلقه الله ان حضورؐ کی سیرت و حالات حضورؐ کے اخلاق، یہ سارے کے سارے تو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ الله سے والتاس تک قرآن حضورؐ کی سیرت مطہرہ ہے۔ اب قرآن کیا ہے؟ فرمایا۔ لا ینقضی عجا ئبہ۔ اس کے مضامین اس کے علوم و معارف قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے۔ چودہ سو برس سے صحابہؓ، تابعینؓ، ائمہ کرامؒ، علماء، مفتیین، محدثین، فقہاء طرح طرح سے اس کی تشریح و تفسیر کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہر نیا مفسر اس بحر موج سے وہ وہ نکتے اور موتی نکالتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ چودہ سو برس میں اس نکتہ کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اس کے علوم و مضامین قیامت تک کے لئے چیلنج بنے رہیں گے۔

جامع کامل اور لافانی اسوہ | اب جب قرآن حضورؐ کی سیرت ہے تو حضورؐ کی سیرت بھی اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں کے باوجود قیامت تک مشعل راہ بنائی گئی۔ اب قیامت تک ہزاروں سال ہیں۔؟ لاکھوں کروڑوں سال ہیں۔ خدا کے علم میں ہے تغیرات، تبدلات، انقلابات آتے رہیں گے، تہذیب اور تمدن بدلتے رہیں گے۔ علوم میں، سائنس میں، انکشافات میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اور یہی سیرت ہی رہنمائی کرے گی۔ حضورؐ کا لایا ہوا قرآن ہی رہنمائی کرتا رہے گا۔ اور انبیاء کرامؑ کی سیرتیں محدود مدتوں کے لئے مشعل راہ بنائی جاتیں سو سال، دو سو سال، پانچ سو سال، ہزار سال تک امتوں کی رہنمائی کرنی تھیں۔ مگر جو قیامت تک نبی بنا کر بھیجا گیا ہو عرب و عجم جو افریقہ اور جو ایشیا کے لئے اور جو کائے اور گوروں کے لئے اور جو ہر روز ہر زمانہ کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا، ان کی سیرت کے ارتقائی پہلو کا کوئی حد و حساب ہو سکتا ہے؟ آسمانوں پر انسان پہنچنے کی کوشش کرے گا، ستاروں پر گمنڈ ڈالے گا، چاند کو مسخر کرے گا۔ سورج پر گمنڈ ڈالنے کا سوچے گا۔ یہ سب کچھ ہونا تھا آپؐ کے بعد۔ اور جب علم و فن اور انکشاف کے ایسے دور آنے تھے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ کی سیرت ہر لحاظ سے جامع اور مکمل کیوں نہ بنائی جاتی۔ اسی

لئے تو فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔
 تعلیمات الہی کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے چلا تھا۔ تو آج نوامیس نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اور خدا
 نے حضورؐ اور ان کی تعلیمات اور سیرت کے ذریعہ اپنی نعمتیں مکمل فرمادیں۔ اب کسی اور سیرت کی ہرگز
 ضرورت نہیں اس لئے ساری سیرتیں خدا نے معدوم کر دیں اور ایک ہی سیرت کو مکمل و محفوظ بنا
 دیا۔ کسی اور کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں، اب کوئی دوسرا نسخہ فلاح و نجات نہیں آئے گا۔ تو
 جن چیزوں سے خدا نے نعمتوں کی تکمیل فرمادی، اس کی تعبیر آپ سیرت سے کریں، قرآن و سنت
 سے کریں، شریعت سے کریں، اسلام اور دین سے کریں تو کر سکتے ہیں۔

قرآن مجسم | تو جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا خوب فرمایا کہ حضورؐ کو قرآن مجسم بنا کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے
 سامنے رکھ دیا آ لہ سے والتاسے تک کتابی قرآن تھا تو حضورؐ چلتا پھرتا قرآن بنے، زندہ جاوید
 اور متحرک قرآن، بولتا ہوا قرآن کیوں؟ اس لئے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات
 کا ذکر ہے۔ اور جو آیات ذات و صفات سے تعلق رکھتی ہیں وہ نبی کریمؐ کے عقائد ہیں۔ جو آیات
 حلال و حرام اور احکام سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کے اعمال اور قوانین ہیں۔ جو آیات حسن خلق سے
 تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کا حسن معیشت ہیں۔ جو معاملات سے تعلق ہیں وہ آپؐ کا حسن معاشرت
 ہے۔ جو آیات توجہ الی اللہ، اتانہ الی اللہ، روحانیت اور تصوف سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کی
 خلوت ہے۔ جو آیات انبیاء کے قرب، قربانیوں اور کمالات سے تعلق ہیں وہ حضورؐ کی عبدیت
 ہے۔ جو آیات مشروع و محضوع سے تعلق ہیں وہ حضورؐ کی شان عبدیت ہیں۔ جن آیات میں دعوت
 الی الخلق، تہذیب نفس، تربیت اخلاق کا ذکر ہے وہ حضورؐ کی ہلوت ہیں۔ جن آیات میں خلافت و
 حکومت کا ذکر ہے وہ آپؐ کی سیاست ہے۔ جن آیات میں کفر و باطل کی کشمکش کا ذکر ہے
 وہ حضورؐ کا جہاد ہے۔

الغرض قرآن حکیم کی زندہ اور عملی تفسیر حضورؐ نے اپنی ذات کی شکل میں پیش کر دی۔ لہذا
 کان فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ آپؐ کی سیرت کے بغیر نہ ہمیں قرآن کام دے سکتا
 ہے نہ ہم اچھے برے کی تمیز کر سکتے ہیں۔

ضرورت نبوت | نبی نہ ہوتے تو بڑے بڑے عقلاء اور فلاسفہ کو ہدایت کے راستے معلوم نہ ہو

سکتے نہ سائنس اور مشاہدہ سے منطق اور فلسفہ سے انسان کی رہنمائی ہو سکتی۔ خدا نے فرمایا کہ :
 وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدَ إِلَّا إِلَٰهًا ۖ تَعْبُدُ الْإِلَٰهَ تَعْبَادَ الْإِنسَانِ ۚ كُلُّ خَلْقٍ قَدْ خَلَقْنَاكَ مِنْ خَلْقٍ ۖ وَتَعْبُدُ الْإِلَٰهَ تَعْبَادَ الْإِنسَانِ ۚ
 خلق کے آگے سر نہیں جھکانا ہے۔ عبادت، بندگی اور پرستش کی مستحق صرف ایک ذات وحدہ لا شریکہ ہوگی۔ اب عبادت کا مقصد؟ اس کی حقیقت کیا ہے، طریقے کیا ہیں، یعنی کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے معبود خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی پسندیدہ ہیں کچھ ناپسندیدہ۔ کچھ کاموں سے وہ راضی ہوتا ہے، کچھ کاموں اور باتوں سے ناخوش۔ پہلے کو مرضیات کہیں گے، دوسرے کو نامرضیات تو ایک صورت تو یہ تھی کہ خداوند تعالیٰ گھر گھر، گلی گلی، کوچے کوچے اعلان کرتے پھرتے کہ ان باتوں سے خوش ہوتا ہوں اور ان باتوں سے ناخوش۔ اور دنیا کا ایک معمولی حکمران مختصر دائرے کا افسر بھی ایسا نہیں کرتا کہ ہر شخص کے پاس چل کر اپنی مرضیات اور نامرضیات بیان کرتا پھرے۔ بلکہ ایک اعلان جاری ہوتا ہے، فرمان جاری ہوتا ہے بادشاہ کی طرف سے اور وہ سب کے لئے برابر ہوتا ہے یا دوسری صورت یہ ہوتی کہ ہر شخص یہ کہتا کہ میں خود نبی کے بغیر خدا کی پسند اور ناپسند معلوم کر لیتا ہوں اس کی کوئی صورت بھی نہیں تھی ہم انسانی عقل کی ٹکریں آٹے دن دیکھتے رہتے ہیں۔

ایک شخص فقیر اور فانی انسان خدا کی مرضیات خود کیسے معلوم کر سکتا ہے۔ آج ہم اپنے نبی نوع انسان کے بہت قریب ہو جائیں، اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا سب کچھ ہوتا ہو مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کن باتوں سے خوش کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ جب تک وہ خود اظہار نہ کر دے۔ ایک دوست جہان بن کر آتا ہے آپ اس سے معاف کر لیتے ہیں، دل سے دل ملا لیتے ہیں۔ مگر آپ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ کون سے کھانے پیتے اور کون سی چیز کا خواہشمند ہے۔ کن باتوں سے ناراض ہو گا کن چیزوں سے خوش۔ تو اللہ تعالیٰ کا پسند و ناپسند جو رب العالمین واجب الوجود ہے اور انسان ایک فانی مخلوق کیسے معلوم کیا جاسکے گا۔

تو خدا ہر ایک کے ساتھ نہ تو دل ملا سکتا ہے نہ خدا ہر ایک کے ساتھ بات کرتا پھرے گا، نہ خدا ہر گلی کوچے میں ہر ایک کو بتاتا پھرے گا کہ ان باتوں سے خوش اور ان سے ناخوش ہوتا ہوں نہ ہماری عقل میں اتنی طاقت ہے کہ خدا کی پسند اور ناپسند ہمیں معلوم ہو۔ اب اس کے

اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا کہ خداوند قدوس ایک نبی کو بھیج کر کسی ذات مقدس کو منتخب کر کے اس کو اپنی مرضیات اور نامرضیات سے آگاہ کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نے منتخب کیا نبوت، رسالت اور وحی کے ذریعہ اپنی مرضیات سے آگاہ کیا۔ نماز سے روزہ سے، زکوٰۃ اور حج سے خوش ہوتا ہوں، اتحاد و اتفاق اور محبت سے خوش ہوتا ہوں۔ بھڑاسے، شراب سے، مارنے پینے سے، باہمی شرم و فساد سے ناراض ہوتا ہوں۔ یہ مرضیات اور نامرضیات سب کے سب نبی کریم کے ذریعہ سے انسانوں کو معلوم ہو سکتے ہیں۔

اس ذات مقدس کو خدا نے جن لیا تھا۔ اب اس نے جو کچھ کیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا ان کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ اور جن باتوں سے منع کیا جن سے گریز کیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا ان کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ تو حضور اقدس کے اقوال و افعال، حرکات و سکنات، حضور کی تقاریر، یہ سب کچھ سیرت اور شریعت کہلائیں گے۔ اب وقفی ربك الا تعبدوا الا یاہ۔ آیت کہ یہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ کو نبی کریم کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھ کر عبادت کے طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ مرضیات پر چلنا اور نامرضیات سے بچنا چاہو تو آپ کے لئے ایک ماڈل، ایک نمونہ، ایک اسوۂ حسنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ذات ہے۔ تو شریعت اور سیرت اتنی ہمہ گیر اور جامع چیز ہے کہ سیرت کا بیان گویا پورے اسلام، پوری شریعت اور پورے قرآن و سنت کا بیان کرنا ہوگا۔ اور یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

زمانہ بعثت نبوی | مختصراً اتنا عرض کرنا ہے کہ حضور نے کیسے کیسے حالات میں اپنی سیرت مقدسہ کے ذریعہ انقلاب پیدا کیا اور دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور حضور نے دنیا کو کن طریقوں سے تبدیل کیا، تہذیب و تمدن اور شرافت پیدا کی، بعثت کے وقت آپ عرب کو عجم کو، ہند کو، چین کو، یورپ کو دیکھ سکتے ہیں۔ یعنی دنیا کی حالت ایسی تھی کہ گویا ایک عظیم الشان غسل جس کی ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہو اور کچھ ظالموں نے ہر چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی ہو۔ سونے کے کمرے کا سامان لیٹرین میں ہو، لیٹرین کا سامان سونے کے کمرے میں رکھ دیا گیا ہو۔ گویا ہر چیز اپنے محل اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی اور اس طرح انسانوں کے ہاتھوں خدا کی کائنات

ظلم و وحشت اور بربریت سے بھر گئی تھی۔ اب حضورؐ نے آکر کیا کیا؟ ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر سیٹ کر دیا۔ ہر چیز کو اس کا اصل مقام دے دیا۔

اور دنیا میں ہر طبقہ کے کچھ حقوق ہوتے ہیں ہم میں سے ہر ایک پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں۔ بیٹا ہے تو اس پر باپ کے حقوق، باپ ہے تو اس پر اولاد کا حق کہ اس کی اچھی پرورش کرے، والدین کا حق یہ ہے کہ اولاد اس کے آرام و راحت کا خیال رکھے، اس کے احسانات کا بدلہ دے۔ شاگرد کا استاد پر حق، ہر استاد کا شاگرد پر رعیت کا حاکم پر ساکم کا رعایا پر حق ہے۔ کوئی طبقہ انسانوں کا ایسا نہیں کہ دوسرے کے حقوق اس سے وابستہ نہ ہوں اور وہ نارغ ابدال ہو۔

رسول اور امت کا رشتہ | آج بھی کوتاہی ہے کہ ہر شخص صرف اپنے حقوق کو دیکھتا ہے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سوچتا کہ ہم پر بھی کسی کا حق ہے اور کچھ فرائض بھی ادا کرنے ہیں۔ اسی طرح رسول اور امت کا رشتہ ہے۔ ان کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ رسول کو خدا نے امت کے پاس بھیجا تو امت کے کچھ حقوق ہیں رسول پر۔ اور خدا نے وہ حقوق رسول کے ذمہ لگا دیئے ہیں کہ یہ یہ حق امت کا پورا کرنا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں رسول کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ یہ نہیں کہ رسول تو تمام حقوق پورے کر کے چلا گیا اور امت پر کوئی حق نہیں۔ تو امت کا رسول پر یہ حق تھا کہ وہ اسے ہلاکت کی گہرائیوں سے نکال دے امت کو ظلمتوں سے نکال کر صراطِ مستقیم پر ڈال دے اور ہلاکت کی بجائے نجات دے دے۔ اچھے اور برے کی تمیز سکھا دے۔ کیا حضورؐ نے یہ حق پورا کیا یا نہیں؟

رسول کریمؐ اور امت کے حق کی ادائیگی | تو آپ میں سے سب کو معلوم ہے کہ نبیؐ نے ہمارا، امتوں کا، بنی نوع انسان کا حق ایسے اچھے طریقے سے پورا کر دیا کہ اس طرح دنیا میں، کائنات میں کسی نے نہیں کیا، نبوت و رسالت کی ادائیگی اور دعوت کا کام جس انداز میں حضورؐ نے کیا کسی نبی نے اتنا نہیں کیا ہوگا۔ اودیت فی اللہ مالہ یؤد احد۔ امت کے غم میں ایک ایک انسان کے غم میں حضورؐ دن رات روتے رہتے، درد و سوز میں رہتے، ایک عجیب بے پینی اور گھٹن کی حالت طاری ہو جاتی۔ خدا نے کہا کہ: *وعلک بالخفق*، *نفسک علی آئناہم*۔ میرے محبوب کیا تو غم کے مارے اپنے آپ کو مارنا چاہتا ہے، تیرا تو گلا اس غم سے گھٹ جائے گا اس بوجھ

احساس کی وجہ سے کہ انسانوں کا کیا ہوگا، امت کا کیا ہوگا، کیسے خدا کے در پر آئیں گے، ایسی حالت ہوگئی جیسے کسی کا گلا گھونٹ دو۔ اس کو عربی میں بائع کہتے ہیں۔ فرمایا کہ تو نے تو فریضہ ادا کر دیا کچھ احساسِ غم ہیں کمی پیدا کرو۔ فریضہ کی ادائیگی تو فرمادی آپ نے اور فرمایا: انا ارسلناک شاهدًا ومبشراً وندیراً وداعیاً الی اللہ باذناہم وسیاً منیراً۔ ہم نے تمہیں بشیر بنا کر بھیجا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف پکارنے والا، اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

چراغ سے تشبیہ | چراغ سے تشبیہ دی، تو چراغ کیا کرتا ہے۔ وہ ظلمتوں کا دشمن ہے۔ وہ رات کی ظلمتیں اپنی ضیاء باریوں سے منور کرنا چاہتا ہے۔ وہ جلتا رہتا ہے، کڑھتا رہتا ہے۔ اپنی توانائی جب تک ختم نہ ہو تیل سا ختم نہ ہو، جی میں ذرا بھی سکت باقی ہو، چراغ جلتا رہے گا۔ سورج سے بھی تشبیہ دی گئی ہے کہ مراد سراج سے سورج ہی ہے وجعلنا الشمس سراجاً وھاجاً۔ آپ آفتابِ نبوت ہیں مگر تبصرہ یہاں سراج سے اسی لئے کی گئی کہ صبح شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

تو چراغ سے تشبیہ میں عجیب فصاحت و بلاغت ہے۔ تو نبی کریم اپنی ضیاء باریوں سے تاریکیاں مٹاتے رہے ایک درد و سوز میں مبتلا رہتے کہ کسی طرح اس جاہلیت کی ظلمتیں مٹ جائیں اور پییدہ سحر حیب تک طلوع نہ ہو، اُس وقت تک اپنے کام میں وقفہ اور آرام نہیں فرمایا امت کے لئے رات بھر کھڑے روتے رہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسی حالت ہو جاتی کہ — لہ اذین کا زین المرجلے۔ سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہانڈی جوش مارتی ہو، رونے کی، کڑھنے کی، امت کے بارہ میں ایسی حالت ہو جاتی۔

انسانیت کا نجات دہندہ | خود فرمایا کہ میری اور آپ کی مثال ایسی ہے کہ ایک بہت بڑا لاوا دھک رہا ہو۔ اور یہ انسان پر دانوں کی طرح آگ اس آگ میں کود رہے ہوں۔ جیسا کہ اب ہم اپنے اچھے اور بُرے کو نہیں پہچانتے اپنی ہلاکت اور نجات کو نہیں سمجھتے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں ایک ایک انسان کو بھیجے سے آگ پر پڑنا چاہتا ہوں وانا آخذٌ بعد جز کم کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں۔ وانا انقذکم منها۔ اور یہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ۔

کنتم علی شفا حفصہؓ من النار فانقذکم منها۔ تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ کوئی نجات کا راستہ نہیں تھا۔ خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ نجات دی۔ آپؐ ایک ایک کے پاس گئے۔ اپنوں کے پاس، غیروں کے پاس، رشتہ داروں کے پاس گئے، ابو طالب اپنے چچا کو وفات کے وقت بھی کہا کہ میرے چچا میرے کانوں میں چٹکے سے لا الہ الا اللہ کہہ دے کہ میں قیامت کے دن تیری سفارش کر سکوں۔ اپنی بیٹی فاطمہؓ کو کہا یا فاطمہ انقذی نفسك من النار۔ اپنی جان کو آگ سے خود بچالے، بیویوں کے پاس بچوں کے پاس گئے۔

اُمت کی فکر ایک ایک فرد کی فکر ہے، اُمت کی فکر ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک رات نماز میں یہ آیت تلاوت فرمائی، ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم فانک عنہم حکیم۔ تو صبح تک یہی آیت دہراتے رہے۔ جو خدا سے ایک خاص انداز میں رحم اور مغفرت کی درخواست ہے، کہ اگر تو ان انسانوں کو عذاب دے، آگ میں ڈالے تو ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب تیرے غلام ہیں تیرے بندے ہیں۔ بندہ مالک کے سامنے کیا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک کوئی تیرے آٹے نہیں آسکتا۔ تو عزیز ہے، اپنے ارادوں کو پورا کر سکتا ہے کوئی روک نہیں سکتا اور تو حکمتوں والا ہے۔ تو حضورؐ رات بھر اس آیت کو دہر دہراتے رہے اور خدا سے اُمت کے لئے مغفرت کی طلب فرماتے رہے۔ کہیں سنا کہ جلسہ ہو رہا ہے، کہیں میلہ لگا ہوا ہے، کہیں مجلس میں لوگ جمع ہیں، وہاں پہنچ گئے۔ لوگوں کے گالی گلوچ کی پرواہ نہ کی، پتھروں کی پرواہ نہ کی۔

طائف کا واقعہ طائف کا واقعہ تو معلوم ہے کہ کس کس طریقہ سے اللہ کے رسولؐ نے حق ادا کیا۔ طائف جاتے ہیں جو حجاز کا گرم مقام ہے خاص موسم میں عمانیہ ملک، قوم کے بڑے ہاں جمع ہوتے تھے۔ ایک خادم حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے ایک ایک مجلس میں بیٹھک میں گئے۔ لا الہ الا اللہ کی دعوت پیش کرتے رہے۔ ہر جگہ طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہوئی لوگ مذاق اڑاتے۔ ایک بد بخت عبد یابیل نے تو حد کر دی مذاق کی، اور کہا اپنے پیلے

پکڑوں کو تو دیکھو نبوت کے لئے خدا کو وہ شخص ملا جس کے پاس سواری کے لئے ایک گدھا بھی نہیں، اور وہ پیدل پھرتا ہے۔ شہر کے خنڈے اور ادبائش پیچھے لگا دیئے اور حضورؐ پر پھراؤ کیا کیا گیا۔ مگر وہ کہتے رہے کہ یا ایہا الناس قولوا لا الہ الا اللہ۔ ادھر سے صرف یہی دعوت تھی کہ کوئی معبود نہیں سوائے رب العالمین کے، ادھر سے بوجھاڑ ہوتی حضرت زیدؓ خادم خاص ساتھ ہیں فرماتے ہیں کہ جسم لہو لہان ہو گیا اور بھوتے مبارک خون سے بھر گئے اس حالت میں حضورؐ کو شہر سے نکالا گیا۔ یہاں تک کہ سر کے بل گرا دیا گیا۔ حضرت زیدؓ نے حضورؐ کو اٹھایا، ایک پہاڑی موڑ قرون الشعب تک اٹھا کر لے گئے وہاں ایک باغ تھا، جا کر حضورؐ کو وہاں لٹا دیا۔ حضورؐ کو ناتوانی اور خون نکلنے کی وجہ سے بے ہوشی آگئی۔

صبر و تحمل کے سمندر میں طوفان | حضرت زیدؓ نے پانی وغیرہ ڈال دیا، جسم مبارک دھویا اور آپؐ کو کچھ ہوش آیا، آنکھیں کھولیں تو اپنی بے کسی اور اپنی امت کے ہاتھوں سب کچھ جو حضورؐ پر گزر رہا تھا اس کا خیال آیا اور وہ جو صبر و تحمل کے سمندر تھے، لیکن آج آخر اس سمندر میں طوفان اُہی گیا۔ اور خدائے ذوالجلال کے سامنے صبر و شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ تو حضرت زیدؓ نے اس طوفان کے چپہ قطرے نقل کئے ہیں جو کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ورنہ کیا کچھ حضورؐ نے اللہ سے مناجات کی ہوگی۔ کیا راز و نیاز ہوا ہوگا۔ کیا شکوے اور شکایات ہوئے ہوں گے۔ اس طوفان کے چپہ قطرے حضرت زیدؓ نے نقل کئے ہیں کہ حضورؐ نے ہوش میں آنے کے بعد فرمایا: اللہم البیک اشکو بنی وحمزنی وھوانی علی الناس۔ اے اللہ تو دیکھ رہا ہے میری پرگندہ حالی اور غم، اور یہ سب کچھ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں دھوانی علی الناس۔ میں تو لوگوں پر ہلکا ہو گیا ہوں، انسانوں نے تو مجھے بہت ہلکا سمجھ لیا ہے۔ اور میری ظاہری و باطنی سب کچھ تو جانتا ہے۔

آگے فرمایا: الی من تکفی الی عدو بیتہ جمنی ادا لی صدیق ملکثاً | مہی۔ اے اللہ تو کن لوگوں کو مجھے سپرد کرتا ہے۔ دشمنوں کے سپرد کرتا ہے جو ہر طرف سے مجھ پر هجوم کرنے لگے ہیں یا چاہے اپنے دوستوں کے حوالے کر دے، اب آگے حضورؐ کو خیال آیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے۔ کہ میں ان مصائب اور تکالیف کا شکوہ کرنے لگا ہوں

تو دعا کا رخ بدل دیا اور فرمایا: اعوذ بنور وجهك الكريم الذي اضاءت له السموات والارضين۔ اے اللہ تیرے چہرے کے نور اور جگمگاہٹ کی پناہ مانگتا ہوں وہ چہرہ نور جس سے کائنات قائم اور روشن ہیں۔ میں اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں جس سے ظلمتیں روشنی میں بدل جاتی ہیں۔ تیری مغفرت اور خوشنودی ہی میں میری عافیت ہے، کہیں تیرا غضب مجھ پر نہ ٹوٹے، و لك العتبى حتى ترضى، اے اللہ مجھے تو منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہوگا۔ میں اسی طرح پہاڑوں میں، صحراؤں میں، جنگلوں میں تیری آواز پہنچاتا رہوں گا۔ اسی طرح گالی گلوچ اور اسی طرح پتھر کھا کھا کر تیرا پیغام پہنچاتا رہوں گا۔ میرا تیرے اوپر کوئی احسان نہیں، تیرا ہی مجھ پر کرم ہے کہ مجھے اس کام کے لئے چن لیا۔

اب یہ طوفان ذرا ختم کیا تو حضرت جبرائیل نمودار ہوئے اور فرمایا کہ سن لیا سن لیا تیرے رب نے۔ وہ تیری نگہبانی کر رہا ہے۔ جنہوں نے تجھے رد کر دیا وہ بھی اس کی نگاہوں سے مخفی تھے، تیری فریاد نے پوری کائنات کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس ان پہاڑی لوگوں کے لئے پہاڑوں کا فرشتہ بھیج دیا ہے۔ قد بعث الیك ملک الجبال۔ کہ دنیا کے پہاڑ اس کے ایک اشارے پر اٹھتے ہیں۔ اور آبادیوں کو ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں۔ اب یہ طائف کے بڑے بڑے پہاڑ جن کے درمیان یہ بستی محصور ہے یہ فرشتہ تیرے ایک اشارہ پر اٹھا کر اس بستی پر الٹ سکتا ہے۔ پہاڑوں کے فرشتے نے خود آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا یا محمد: ذلک لك: اے محمد یہ سب تیرے اختیار میں ہے، جیسے مرضی ہو تعمیل ہوگی۔ گویا اشارہ تھا کہ اے محبوب تو نے شکوہ کیا کہ میں ہلکا ہو گیا ہوں مگر تو تو ساری کائنات پر بھاری ہے۔ اگر کوئی چیز بھاری ہوگی تو منوں سے منوں سے تو لی جائے گی مگر آپ تو پہاڑوں کے وزن سے بھی بڑھ کر ہیں۔ آپ تو ہمالیہ پر بھی بھاری ہیں۔ یہ سارے پہاڑ اب آپ کے ایک اشارہ پر اٹھائے جا سکتے ہیں تو آپ کیسے ہلکے ہو سکتے ہیں۔ آپ تو اتنے بھاری ہیں کہ یہ پوری کائنات اور زمین و آسمان بھی آپ کے وزن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ بڑے بڑے ایٹم بم وہ کام نہیں کر سکتے جو تیرے ایک اشارہ سے انجام پاسکتے ہیں۔ اگر تیری مرضی ہو تو یہ ساری آبادی اور زمین تھس تھس کر کے رکھ دی جائے۔ حضور نے پہاڑ

کے فرشتے کے جواب میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی **اللہم اھد قومی فآثمہم لا یعلمون**۔ اے اللہ یہ نادان ہیں۔ نادانی کی وجہ سے میری عظمت اور حقیقت سے بے خبر ہیں نادانی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں مایوس نہیں ہوں کہ ان لوگوں کی پشتوں اور نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو صرف اللہ رب العالمین کی عبادت کریں۔ بدر میں چند ساتھی ہیں تو حضورؐ رو کر گڑگڑاتے ہیں کہ اے اللہ یہ مٹھی بھر جماعت بھی اگر آج مٹ گئی تو کس ناز سے حضورؐ نے فرمایا کہ **لن تعبدن** اے رب پھر قیامت تک تیری پرستش نہیں کی جائے گی معلوم تھا کہ نبی آخر الزمان ہوں، میرے بعد کوئی نبی، کوئی صحابہؓ، کوئی جماعت، کوئی امت تو آئے گی نہیں، اب اگر بدر میں یہ مختصر جماعت بھی ختم ہو گئی تو پھر عبادت کرنے والا کون آئے گا۔ بہر حال حضورؐ نے کیسے کیسے انداز میں امت دعوت و اجابت کا حق پورا کیا۔ اس کا تو کوئی حد و حساب نہیں۔

حجۃ الوداع میں امت کا اقرار و اعتراف | حجۃ الوداع میں آپؐ نے اپنے آخری خطبہ میں امت سے بھی اس بات پر گواہی دلوائی، ایک لاکھ سے اوپر صحابہؓ سے دریافت کیا۔ اہل بلغت کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا یا نہیں؟ فریضہ نبوت ادا کر دیا یا نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ادیت الامانة تو نے امانت ادا فرمادی۔ ووفیت العهد۔ اور خدا سے کیا گیا عہد پورا کر دکھایا۔ تو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے فرمایا **اللہم اشہد انکلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: اے اللہ ان لوگوں کی گواہی پر گواہ ہو** جاپہ سب میرے حق میں گواہی دیتے ہیں۔

شہادت حق اتنی جرأت اور شرح صدر سے فرمائی کہ خود فخر کے طور پر کہا کہ اے اللہ گواہ ہو جا کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکا۔ تو جو حق تھا حضورؐ پر انسانوں کا اسے بھی پورا فرمایا حیوانات کا بھی اور فرشتوں کا بھی، اور جنات کا حق بھی متعین کر دیا اور انسانوں کے مختلف طبقات کے یا بھی حقوق بھی واضح کر دیئے۔

شان رحمۃ للعالمین | اور یہ تو الگ موضوع ہے **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** کہ وہ رحمت

ہیں۔ تو صرف انسانوں کے لئے نہیں، صرف جنات کے لئے نہیں بلکہ عالمین کے لئے اور خدا کے سوا کل مخلوقات یعنی ماسوائے اللہ کو عالمین کہتے ہیں، آسمانوں کی کائنات، زمین کی کائنات، چاند اور سورج کی کائنات، فرشتوں کی کائنات، حیوانات چرند اور پرند کی کائنات یہ سب الگ الگ عالم ہیں۔ اور قرآن کہتا ہے کہ یہ رسول ان تمام کائنات کے لئے نبی رحمت ہیں۔ اب رحمت کیا چیز ہوتی ہے۔ رحمت، جیسے ہمارے لئے ہوا ہے، ہم ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے مچھلیوں کے لئے پانی ہے۔ مچھلی پانی میں ہے تو رحمت ہے اسے پانی سے نکال دو تو رحمت ختم۔

الغرض رحمت اتنی قیمتی چیز ہے جسے کائنات کا ہر ذرہ محتاج ہے۔ اس لئے اللہ
رحمن و رحیم کی رحمت وسیع ہے وسعت رحمتی کل شیء۔ وسعت کل شیء رحمة و علماً
تو حضورؐ کی ذات بھی کائنات کے لئے ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی اور دیگر جانداروں
کے لئے ہوا۔ جس کے بغیر کائنات کی بقا ناممکن ہے۔

ہر طبقہ کے حقوق کا تعین | احادیث اور فقہ پڑھیں تو آپ کو گائے اور بیل کا حتی جانوروں کا حق۔ ایک ایک حق تفصیل سے ملے گا۔ فرشتوں کے بھی حقوق، جنات کے بھی حقوق سے وغیرہ کتب بھرا ہوا ہے۔ پھر مردوں کے حقوق الگ، عورتوں کے الگ، بچوں کے الگ، بوڑھوں اور یریفوں کے الگ۔ کون سا طبقہ ہے انسانوں کا جس کا حق متعین نہ ہو چکا ہو۔ اس سے پہلے بنی نوع انسانیت کس ظلم اور جہالت میں مبتلا تھی کہ ہر شخص صرف اپنے کو انسان سمجھ رہا تھا۔ دوسروں کو نہیں۔ ہر ایک نے الگ الگ خدائیاں قائم کر رکھی تھیں۔ کہیں رنگ کے نام پر تفاوت کہیں قوم کے نام پر امتیازات، کہیں زبان کے نام پر بھگڑے۔

منشور انسانیت | حضور نے اپنے آخری خطبہ میں بھی جو منشور ہے انسانیت کا سب چیزیں ایک بار پھر واضح کر دیں۔ فرمایا کلکم بنو آدم و آدم من تراب اے بنی نوع انسان تم آدم آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ اب جب کہ انسانوں کی سرشت مٹی سے ہے کوئی سونے پاندی اور میرے جواہرات سے نہیں بننا اس کے خمیر میں یہ چیزیں شامل تھیں۔ تو انسانیت کی سرشت کے لحاظ سے سب برابر ہو گئے۔ تو اب یہ امتیازات کہاں

سے آگئے۔ اگر کوئی یورپ کا ہے یا امریکہ کا، افریقہ کا ہے یا ایشیا کا، سب کی نوع ایک ہے اور سب اس میں برابر۔

رنگ و نسل کے جھگڑے اور فرمایا لا فضل لعربی علی عجمی اب نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ آج جو قومیت کی لعنت پوری دنیا پر مسلط ہے۔ اور مسلمان بھی اس بت کی پوجا کرنے لگے ہیں حضورؐ نے اس خطبہ میں اس بت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اور آج جو سیاہ و سفید کے جھگڑے ہیں، کالے گورے کے امتیازات ہیں تو حضورؐ نے اس کو بھی ختم کر اتے ہوئے فرمایا ولا للاسود علی الاحمر ولا للابیض علی الاسود۔ کالے پر گورے کو کوئی فضیلت حاصل نہیں نہ کالے کو گورے پر۔ آج بڑے فخر سے امریکہ والے دعویٰ کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ علمبردار بنتی پھرتی ہے کہ ہم نے بنیادی انسانی حقوق دنیا کو دیئے، تو غلط کہتے ہیں۔ حضورؐ نے چودہ سو سال پہلے اس سے اعلیٰ و اکمل ترین بنیادی حقوق انسانوں کو عطا فرمائے یورپ والوں نے جھوٹ کہا انہوں نے عمل نہیں کیا۔ آج بھی امریکہ میں سفید نام اور سیاہ نام کے جھگڑے چل رہے ہیں وہاں کالوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ ان کے چڑھنے کی لفٹ تک الگ ہیں۔ ہسپتال اور سکول بھی الگ ہیں۔ گاڑیاں اور گاڑیوں کے راستے الگ ہیں۔ آئے دن کالے اور گورے پر فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اور حضورؐ کے ہاں ایک کالا تھا۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور حضورؐ نے فرمایا کہ گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔ تو عملاً بلالؓ کو کتنا بڑا مقام دیا؟ ایک رات صبح اٹھ کر فرمایا اے بلالؓ تو کون سا عمل کرتا ہے کہ میں نے تجھے خواب میں جنت میں دیکھا کہ تو مجھ سے آگے آگے جا رہا ہے۔ میں تیرے جو تنوں کی آہٹ سن رہا تھا۔ گو وہ سبقت خادم خاص کی سبقت تھی جو مخدوم سے آگے آگے جاتا ہے۔ تو اس قریب خاص کی انہیں بشارت دی گئی۔ اس کالے کو قریش کے سردار حضرت سیدنا عمر فاروقؓ جن کے نام سے قیصر و کسریٰ لڑتے تھے۔ انہیں حضرت عمرؓ خائب کرتے تو یا سیدنا کہتے اے ہمارے سردار۔ تو صہیب کو بلال کو عمار کو، نادر کو، اور صدیق عثمان غنی اور حیدر کوار کے ساتھ ایک صفت میں کھڑا کر دیا۔ یہ امتیازات عملاً مٹا کر دیئے۔

مساوات مگر کون سی؟ قانون کی بات آئی، آئین اور سیاست کی بات آئی تو فرمایا کہ اس میں

جی مساوات انسانی ہے۔ یعنی انسانی مساوات، معاشرتی مساوات، قانونی مساوات۔ آج بھی ہم مساوات کے نعرے سن رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مساوات یہی ہے کہ ایک کا مال چھین کر دوسروں کو دے دو دوسرے کا تیسرے کو دے دو۔ یہ معیشت کی مساوات، جبر و ظلم، غصب و نہب کی مساوات، مال و دولت کی مساوات اسلام میں نہیں باقی ساری مساوات تھیں آج ساری انسانی مساوات ختم ہو گئیں اور ایک مادی مساوات کا نعرہ باقی رہ گیا۔ انسانی قدروں کی مساوات فنا ہو گئیں، معاشرتی مساوات ختم ہو گئی۔

حضورؐ کی معاشرتی مساوات اپنی کریمؐ راستہ میں چلتے پھرتے ہیں۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ کبھی ہم سے آگے ہیں کبھی برا کبھی پیچھے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ بٹو بچو کے نعرے ہوں گے اور آگے ہی ہیں گے کوئی خاص مسند نہیں نشست کے لئے۔ جہاں جگہ مل گئی وہیں بیٹھ گئے۔ سفیریں کام کاج کاؤٹ آیا ساتھیوں کے ہاتھ بٹانے لگے، برابر کام بانٹ دیا خود بھی حصہ رکھا۔ تو نشست و برخاست، چال ڈھال میں کہیں بھی فضیلت اور برتری نہیں کہ میں حاکم ہوں، باقی محکوم۔

حضرت انسؓ جان نثار خادم ہیں فرماتے ہیں کہ دس سال میں حضورؐ کی خدمت میں رہا ہوں ان دس سال میں بھی حضورؐ علیہ السلام نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ کیوں ایسا کیا۔ ما قال لی فی شیء لم فعلت۔ کچھ غلطی ہو گئی کام میں گڑ بڑ ہو گئی، مگر حضورؐ نے کیوں تک نہیں کہا۔

قانونی مساوات اور جہاں خدا کے حکم قائم کرنے، حدود قائم کرنے کا موقع آتا ہے تو فرماتے ہیں: اقيموا حد ودا الله، على القريب والبعيد۔ اے لوگو! اللہ کا حکم ہے جو حد ہے اسے اپنے پر اسے سب پر لاگو کرنا ہے۔ ایک عورت فاطمہ نامی بنی مخزوم سے ہے، جو ایک زور آور قبیلہ تھا، اس نے چوری کی اب خدا کا حکم تھا کہ چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے بنی مخزوم کو یہ بات بڑی ناگوار گزری کہ ہم شرفاء ہیں اور اتنے بڑے خاندان کی ایک خاتون کا ہاتھ کاٹنا تو بڑے عار کی بات ہو گی۔ سب پریشان تھے۔ سفارش کئے لئے کسی کو ڈھونڈنے لگے کہ حضورؐ سے سفارش کرے کسی کو اتنی جرأت کہاں کہ حضورؐ سے سفارش کر سکے۔

حضرت اسامہؓ جو خادم خاص حضرت زیدؓ کے صاحبزادے ہیں۔ جس سے محبت اولاد کی طرح ہے تو سب نے حضرت اسامہؓ سے سفارش کروانا چاہی، ان کے پاس جا کر منت سماجت کی، راضی کیا۔ حضرت اسامہؓ نے سفارش کی مگر ان کی بات سنتے ہی حضورؐ کا چہرہ انور ٹرخ ہو گیا اور فرمایا: **اِنِّیْ حَدِّیْ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ**۔ کیا اب خدا کی حدود میں، قوانین میں اور عدالت کے فیصلوں میں بھی سفارشیں ہونے لگیں۔ حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ کچھ لوگ بھی اسی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ اپنوں کو بچاتے تھے اور صرف غریب اور ضعیف پر حدود قائم کرتے تھے، کسی شان و شوکت والے، خاندان اور قبیلے والے کو جرم کرنے پر معاف کر دیا جاتا تھا اور تاریخی جملہ تو آگے ارشاد فرمایا کہ: **وَاللّٰہُ لَوَاقُ فَاطِمَۃَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لِقَطْعَتِیْ دَہَا**۔ یہ تو فاطمہ بنتی محروم ہے۔ اگر معاذ اللہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری صاحبزادی میری تخت جگہ سے بھی غلطی سرزد ہو جاتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ تو بہر حال حضورؐ نے امت کے حقوق پورے فرمادیئے، کوئی کسر نہیں بھڑی، اب ہم پر بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟

حضورؐ کا اولین حق امت پر | تو امت پر حضورؐ کا کیا حق ہے؟ ایک تو یہ کہ امت حضورؐ سے محبت کرے۔ **جَدُّ بَاتِیْ مَحَبَّتٍ وَالْہَادِیْ شِیْخُ اَوْ قَلْبِیْ تَعْلُقُ**۔ اور حضورؐ سے جو محبت ہوگی وہ ساری کائنات سے بڑھ کر ہونی چاہیئے، **نُوَدُّ اَپَّیْ نَے فرمایا کہ: لَا یُوْمِنُ اِمَّا کُمْ** حتیٰ اکون امت الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ جب تک اپنے والدین سے اپنی اولاد سے ساری بنی نوع انسان سے بڑھ کر مجھے محبوب نہیں سمجھے گا۔ تو وہ مؤمن نہیں کہلا سکے گا۔ پھر یہی نہیں بلکہ اپنے خواہشات اپنی تمناؤں اپنی امیدوں اپنے خیالات کے بارے میں کیا کرے گا؟ ایک صحابیؓ نے آکر کہا یا رسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے۔ فرمایا سوچ لو یہ معمولی بات نہیں ہے، پھر کہا مجھے آپ سے محبت ہے تو فرمایا: **دَعِ نَفْسَکَ ثُمَّ تَعَالَ** کہ نفس کو خواہشات کو اپنے سے الگ کر دے پھر دعویٰ محبت کر کے آ، اپنی ناجائز خواہشات، نفسانی تمناؤں کی قربانی دینی ہوگی۔ اور محبت حقیقی تو وہ ہے کہ جس کے ساتھ خود بخود اطاعت آجائے۔

دوسرا حق | تو حضور کا دوسرا حق اطاعت ہے۔ دعویٰ تو محبت کا سب کو ہے۔ مگر محبت تب صحیح ہوگی کہ اس کے ساتھ اطاعت ہو، ایک شخص کہتا ہے کہ میں تو ہر وقت روتا بیٹتا ہوں آپ کے عشق میں نرپتا اور مرتا ہوں مگر کسی کام میں آپ کی اطاعت اور تابعداری نہ کرے آپ کی کوئی ادا اور طرہ اور طریقہ اس کو پسند نہ آئے کوئی سنت اس کو محبوب نہ ہو تو آپ کہیں گے کہ یہ تو مذاق کرتا ہے۔ تو محبت صرف نہ دینے پینے کی محبت جس میں اطاعت نہ ہو نجات نہیں دے سکتی۔ آپ کو معلوم ہے حضرت ابو طالب کو کتنی محبت تھی آپ کے ساتھ مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تھی اور ایمان نہ لانے والوں میں سب سے بڑے عاشق حضورؐ کے چچا ابو طالب تھے، بچپن سے پالا پوسا، گود میں لیا، کاندھوں پر اٹھایا، کتنی مشقتیں آپ کی وجہ سے حضرت ابو طالب نے بھیلیں، ساری عمر دشمنوں سے مقابلے کئے آپ کی خاطر تین سال تک شعب ابی طالب میں گرفتار رہے عشق تھا محبت تھی، خدمت کی بھتیجے کی، مگر کیا ابو طالب کو ایسی محبت سے نجات مل گئی؟ نہیں حضورؐ نے وفات کے وقت بھی کہا کہ چپکے سے میرے کان میں لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ تو اللہ کے ہاں میرے لئے شفاعت کا راستہ کھل جائے گا۔ کہا جانتا ہوں کہ تو سچا ہے، تیرے ساتھ محبت بھی ہے لیکن یہ ابو جہل، ابو لہب یہ بڑے سرغنہ جو جمع ہیں وہ نہیں گے کہ بڑھاؤر گیا موت کے وقت، تو جہالت آڑے آگئی کہ موت کی سختیوں سے ڈر کر باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ اس لئے ایمان نہ لائے، محبت کتنی تھی مگر ایمان میں حضورؐ کی پیروی نہ ہوئی۔ تو مسلم شریف میں ہے کہ ابو طالب کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی عشق و محبت کی وجہ سے خدا نے اتنی لاج رکھ دی تھی کہ آپ نے فرمایا کہ ابو طالب کا سارا جسم آگ سے بچا ہوا ہے لیکن جوتوں کے جو تسمے ہیں وہ جہنم کی آگ کے ہیں۔ جو دنیا کی آگ سے ہزار گنا زیادہ ہے ایک ذرہ بھی جہنم کی آگ کا اگر دنیا میں آجائے تو ساری دنیا بھسم ہو جائے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ صرف جوتوں کے تسموں کی وجہ سے بھی ابو طالب کا دماغ کھول رہا ہے۔ قیام تو بہر حال جہنم میں ہے۔ ایمان نہ لا کر نری محبت سے نجات نہ ہو سکی۔ گو جہنم میں آپ کو اسے کلاس دی گئی۔ مگر ٹھکانا جہنم رہا۔ تو جس محبت میں اطاعت اور تابعداری نہ ہوگی وہ کافی

نہیں ہوگی۔

محبت کا معیار محبت کا معیار یہ ہے کہ حضورؐ کی ادائیں ہمیں پسند ہیں یا ناپسند حضورؐ کی بھی تو ادائیں تھیں، چلنے میں، پھرنے میں، کھانے پینے میں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں حضورؐ کا بھی کوئی طریقہ تھا۔ وہ ادائیں محبوب ہیں یا نہیں؟

اگر ان طریقوں سے اور اداؤں سے محبت نہیں نصرت ہے تو معلوم ہوا کہ زبانی محبت ہے حقیقی نہیں، ورنہ محبوب کی ہر ادا خود بخود انسان اپنا تلہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کتنے۔۔۔ بڑے بڑے بزرگ تھے جو ہر قدم رکھنے میں، لباس پہننے میں، کھانے پینے میں دیکھتے تھے کہ حضورؐ کی سنت کی مخالفت نہ ہو جائے۔ ایک بزرگ کو ترا تانا اہتمام تھا کہ ایک دفعہ غلطی موزہ پہلے بائیں پاؤں میں پہن لیا۔ تو رسول اللہؐ کے عاشق تھے غلطی ہو گئی کہ حضورؐ کی ادا پہلے دائیں پاؤں میں پہننے کی تھی تو انہیں اتنا دکھ ہوا کہ تقریباً ۳۶ من گندم اس نادانستہ غلطی کی سزا میں بطور کفارہ ادا کر دیا۔ اپنے اوپر جرمانہ لگایا۔ ایک اور عالم محمد بن اہلم نے ساری زندگی تربوز نہ کھایا۔ کتنا میٹھا لذیذ پھل ہے۔ حلال چیز ہے مگر انہوں نے اس لئے نہ کھایا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضورؐ نے کھایا تو سہی مگر کس طرح کھایا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھایا یا کیسے؟ کتابوں سے ان کو کیفیت معلوم نہ ہو سکی تو اب سوچتے تھے کہ اگر تربوز کھاؤں اور حضورؐ کا طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نادانستہ مخالفت نہ کر بیٹھوں۔ یہ ادائیں تھیں ان لوگوں کی، وہ حلال خواہشات اور تمناؤں سے بھی دستبردار ہو جاتے کہ کہیں حضورؐ کی سنت کی مخالفت نہ ہو جائے۔ حضرت شبلیؒ معروف صوفی اور بزرگ گزرے ہیں، حالت نزع میں ہیں کمزور اور بیمار ہیں، نحیف و نزار ہیں نماز کا وقت آگیا، شبلیؒ نے فرمایا کہ مجھے وضو کر دیا جائے ساتھیوں نے بڑی تکالیف سے آپ کو وضو کرایا، سکرات موت طاری تھے۔ پھر بعد میں خیال آیا کہ مجھ سے تو خلل رہ گیا خلل ایک سنت ہے۔ تو دکھ ہوا کہ مجھے خلل کیوں نہیں کرایا گیا اب دوبارہ وضو کراؤ۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں بیمار ہیں، حرکت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ بڑی مشکلات سے ایک دفعہ وضو کر دیا ہے۔ مگر کہا کہ فحہ پر جب سکرات موت طاری ہیں تو ہو سکتا ہے کہ غمقرب میں حضورؐ کے پاس چلا جاؤں

اور اب جب اپنے محبوب سے ملوں گا تو یہ نہیں چاہتا کہ ایسے وضو سے چلا جاؤں جس میں آپ کی کوئی سنت چھوٹی ہوئی ہو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ بغیر خلل کے وضو پر اکتفا کروں جتنا بچہ دوبارہ بڑی تکلیف سے حضرت شبلیؒ کو وضو کرایا گیا۔ خلل کرایا گیا اور اس کے بعد شبلیؒ کی روح پر واز کر گئی۔

دی کس طرح سے جان تر تیغ داغ لے لب پرستم اور نظربارہ کی طرف یہ کیسے لوگ تھے کہ تہ تیغ بھی محبوب کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے تھے کہ محبوب کی ایک ایک حرکت اور جنبش ابرو پر اپنی حالت بدل دیتے تھے۔

صحابہ کاذبہ اطاعت | یہ محبت کی خاصیت ہے کہ جہاں حقیقی محبت آجائے تو اطاعت و تسلیم کس لئے فوج کی پولیس کی، تانوں اور عدالت کی ضرورت نہیں ہوتی جب ایک آواز گونجی، مدینہ کی گلیوں میں کہ: یا ایہا الذین امنوا اتّما الخمر والمیسر والانسباب والازلام رصب من عمل الشیطن فاجتنبوا لعلکم ترحمون۔ اے مومنو! یہ شراب، یہ بھڑا اور قمار یہ سب غلط اور شیطانی کام ہیں۔ پس اسے چھوڑ دو، اس طرح اللہ کی رحمت کے برابر بن جاؤ گے۔

آیت مسلمانوں کے کان میں پڑتی ہے اور وہ لوگ جو صدیوں سے شراب پیتے چلے آ رہے تھے معاشرے میں شراب بھجی بسی گئی مگر منادی حضرت علیؓ مدینہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے اعلان کرتے ہیں تو جس کے کان میں آواز آئی وہیں اس کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ گر پڑا حکم آیا کہ شراب حرام ہے۔ تو جس نے ہونٹ میں شراب لی ہے تو یہ نہیں کہ چلے یہ گھونٹ تو نگل لوں۔ بلکہ اسے اسی وقت تھوک دیا۔ ہم تو مٹکے بھی اذان سنتے سنتے پورا کر لیتے کہ چلو ابھی تو اذان اور اعلان ختم نہیں ہوا۔ ان کے گلے میں بے اختیار شراب اٹک کر رہ گئی اسے تھوک بیٹھے، مدینہ کی گلیاں شراب کے ٹوٹے ہوئے برتنوں سے بھر گئیں، نالیوں میں شراب بہنے لگی۔ اس واقعہ سے پرنسپل ٹوائس بی جیسے متعصب دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور کہا کہ اسلام کے صرف اس ایک واقعہ کا بھی جواب نہیں۔ تحریم خمر جیسے واقعہ جیسا ضبط و نظم اور ڈسپلن کا نمونہ کوئی اور امت پیش نہیں کر سکتی۔ عورتیں رستے میں چلتے ہوئے جاس ہی ہیں بازاروں میں

گلیوں میں کہ حجاب اور پردے کی آیت ابھی نہیں اتری تھی اس دوران آیت اتری حجاب کا حکم آیا تو جو عورت یہاں تھی وہیں سر پہ دوپٹہ ڈال دیا منہ چھپا دیا۔ اور استخوان میں جو عورت یہاں تھی آیت سنتے ہی وہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی یا دیوار وغیرہ کی آڑ میں چھپ گئی کہ اب ایک قدم بھی بے ججائی میں آگے نہ اٹھا سکیں۔

یہ حجاب کا واقعہ یہ تحریم خمر کا واقعہ یہ سب حقیقی محبت کے ساتھ سچی اطاعت کی نظیریں ہیں۔ بہر حال وقت کم ہے اس لئے حضور اقدسؐ کے ان دو حقوق پر ہی اکتفا کرتا ہوں ایک محبت حقیقی دوسرا اطاعت جو محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

حضور کی اصل یاد

اس وقت دنیا کے مسلمان عید میلاد النبیؐ منا رہے ہیں، اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی نبوت و رسالت کا کوئی بھی واضح یا مبہم دعوے تسلیم کرنے کے لئے ہم قطعاً تیار نہیں ہیں جیسا کہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے، تو اسی طرح ہم خود بخود قیامت تک حضورؐ کی تعلیمات مقدسہ اور سیرت مطہرہ کی اہمیت اور ضرورت پر بھی ٹھہر سکتے ہیں حضورؐ کے بعد ہر مدعی نبوت کذاب اور دجال ہے تو اس سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ آج کی ظلمت دنیا کی روشنی اور ہدایت بھی حضور اقدسؐ کے قول و عمل اور اخلاق و کردار سے ہی ہو سکتی ہے، جسے ہم سیرت کا نام دیتے ہیں۔ مگر کیا یہ حق صرف دو چار دن کے جلسے جلوسوں، چراغاں اور آرائشی دروازوں سے ادا ہو جاتا ہے، افسوس کہ عمل اور کردار سے عاری قوموں کی طرح مسلمان بھی صرف ان ظاہری اور رسمی رسومات میں اپنے لئے سامان تسکین ڈھونڈ رہے ہیں حضورؐ کی اصل یاد تو یہی تھی کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ ہر عمل اور ہر سانس سیرت کا عملی نمونہ بن جاتا۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہزار بار ہم اپنی آبادیوں کی ہر اینٹ کو چراغاں سے روشن کیوں نہ کر دیں ہمارے قلوب سیاہ اور عمل و کردار کی دنیا بڑھی رہے گی۔

سیرت کی ضرورت اور اہمیت کبھی اتنی نہ تھی | اس وقت جبکہ جاہلیت کا عصریت عالمی پیمانہ پر پوری انسانیت کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے، دنیا تباہی کے دہانہ پر کھڑی ہے۔ انسانی قدیں پامال ہو کر اس کی جگہ حیوانی اقدار لے رہی ہیں۔ پوری انسانیت خدا فراموشی، وحشت اور بربریت کے ہنچے میں ہے، اور نتیجہ بھی عالمی پیمانہ پر ظلم و استبداد، بے چینی اور اضطراب کی صورت میں ہمارے سامنے آ رہا ہے، ایسے وقت میں حضورؐ انورؐ کی سیرت مطہرہ معلوم کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ بن کر دعوت دینے، الغرض اسے چاند کی روشنی، سورج کی تپش، دریاؤں کی سخاوت اور ہواؤں کی روانی سے زیادہ عام کرنے

کی جتنی ضرورت ہے۔ اس سے قبل تاریخ کے کسی دور میں بھی اتنی نہ رہی ہوگی ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی یہ دنیا حضورؐ کی روشن اور بے داغ زندگی بر لحاظ سے کامل اور جامع اسوۂ حسنہ اور فطرت سے ہمکنار تعلیمات ہی کے ذریعہ روشنیوں سے جگمگا سکتی ہے۔ ہمارے مرض کا علاج سیرتِ نبویؐ میں ہے اور ہماری دین و دنیا کی سرخروئی کا راز حضورؐ کی اتباع اور پیروی سے وابستہ ہے۔ اگر ہمیں امن و سلامتی سے مالا مال حیاتِ جاوداں درکار ہے تو آئیے نئے و گولہ، نئے عزم اور نئے جوشِ ایمانی سے سرشار ہو کر اس رحمتِ کائناتِ علیہ السلام کی طرف پلٹ جائیں جس نے غبارِ راہ کو فروغ و ادنیٰ سینا عطا فرمایا، مظلوم و مقہور انسانیت کو ہم دوشِ ثریا کر دیا۔ اور مخلوق کی بندگی اور پرستش جیسی ذلتوں سے اٹھا کر ایک خالقِ حقیقی کی بندگی کے طریقے بتلادیئے، اور ہمارے لئے حق و باطل کے درمیان ایک ایسی سرحد کھڑی کر دی جسے قیامت تک کوئی دجال اور کذاب پھاند نہیں سکے گا۔

بھٹو برسانِ خویش را کہ دینِ بہار است اگر بہ آوند رسیدی تمام بولہبی است
حق و صداقت کے اس آخری پیغمبر، ابدی صداقتوں کے امین، کائنات کی آبرو اور عالم کی جان پر
لاکھ لاکھ صلوة و سلام ہو

محمدؐ عربی کہ آبروئے ہر دوسراست
کسے کہ خاک درت نیست خاک بر سر او

اخلاقی اور معاشرتی بحران

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر صدر پاکستان جناب محمد یحییٰ خان کا پیغام مملکتِ پاکستان کی نظریاتی اساس کے لحاظ سے ملک کی تعمیر اور تشکیل جدید کے لئے روشنی کا مینار اور واضح ترین ”لیگل فریم ورک“ کا کام دے سکتا ہے۔ اب ضرورت ایسے مومنانہ اقدامات کی ہے جو ملک کے ہر شعبہ میں اس پیغام کی روح کو لئے ہوئے فوری طور پر نافذ العمل کئے جاسکیں۔ قول اور پیغام و عطف و تبلیغ کی حد تک کوئی بھی رہنما اصول نہ تو کبھی معاشرہ میں انقلاب برپا کر سکا ہے اور نہ اس سے کوئی قوم پیش آمدہ حوادث اور بحرانوں سے نکل سکی ہے۔ صدر

پاکستان نے اپنے موثر اور جامع پیغام میں فرمایا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ اسی لئے کیا تھا کہ وہ اپنی مملکت میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

کمہ دار کا حجامہ | صدر صاحب نے آگے چل کر کہا کہ ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹونا چاہیے کہ اسلام کے جن ارفع و اعلیٰ اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ہم نے اپنے لئے علیحدہ وطن حاصل کیا تھا انفرادی یا اجتماعی طور پر ہم نے ان اصولوں کا کس حد تک احترام کیا ہے۔ صدر محترم نے حسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت و انصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک ایسا نظام عطا کیا جس نے انسانوں کو علاقائی، جغرافیائی اور نسل و قادیاریوں کے تنگ دائرے سے نجات دلا دی۔ آئیے! ہم متحد و متفق ہو کر اس نظام پر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان کریں۔

صدر محترم کے ان پاکیزہ جذبات اور احساسات سے بظاہر بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا قوم کی بیماری کی صحیح تشخیص کر لی گئی ہے۔ اور ذاتی اطلاعات کی حد تک اقتدار کے اونچے ایوانوں میں بھی آج کل یہ تاثر بجا طور پر عام ہے کہ ملک کی سالمیت اور بقا اور ہماری باہمی اتحاد اور یگانگت کی اگر کوئی صورت رہ گئی ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام اور حضور خاتم النبیین کا لایا ہوا لائحہ عمل ہے۔ جذبات، احساسات اور زبانی حد تک یہ انقلاب بھی الحمد للہ نہایت خوش آئند ہے۔ قدرت کی اتنی عظیم ابتلاء اور آزمائش کے باوجود بھی یہ احساس اور شعور اگر پیدا نہ ہو سکا تو ہم کسی طرح بھی زندہ اور باشعور قوم کہلانے کے مستحق نہ رہیں گے۔ اب ضرورت صرف یہ رہ گئی ہے کہ :-

نسخہ شفہ کے ورد کی نہیں استعمال کی ضرورت | صدر محترم کی قیادت میں پوری حکومت جرات مٹوانہ اور جذبہ ایسانی سے کام لے کر ملک کے ہر شعبہ میں تعلیمات نبوی کی روشنی میں انقلابی اصلاحی اقدامات نافذ فرما دیں، ورنہ یہ بات ناقابل فہم اور نہایت افسوسناک ہوگی کہ مریض جان بلب ہو، مرض جانگسل ہو، مرض کی تشخیص ہو چکی ہو۔ علاج کے لئے قوت و وسائل

اور اسباب سب کچھ موجود ہوں مگر نسخہ شفا کے استعمال کی بجائے اس کے رد پر اکتفا کیا جائے اور مریض جان توڑ دے۔ اس وقت پوری قوم کو اجتماعی طور پر گھن گک چوکا ہے اور برسرِ اقتدار طبقہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت و حاکمیت کے وسیع اختیارات دیئے ہیں اگر یہ طبقہ چاہے تو ان وسیع اختیارات سے کام لے کر قومی زندگی کے ہر شعبہ میں دور رس نتائج اور یرکات کی حامل تبدیلیاں لاسکتا ہے۔ اگر کسی علاقہ یا خطہ کی حفاظت یا کسی ملک و ملی مفاد پر مبنی احکامات آرڈیننس کی شکل میں نافذ ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ پورے ملک اور قوم کی بقاء اور حفاظت کے لئے ایسے اقدامات میں پس و پیش کیا جاسکے۔ اگر ”جمہوریت“ غداروں کو تحفظ نہیں دے سکتی تو کیا وجہ ہے کہ اس جمہوریت کے نام پر ہم کسی گروہ کو نظریہ پاکستان — اسلام اور اسلامی حاکمیت کو مجروح کرنے یا اسے پس منظر میں ڈالنے کی اجازت دیں۔ تو پھر جمہوریت بھی اتنی موہوم جس کے انتظار میں کسی قوم کے عروج و ارتقاء کا بنیادی زمانہ اور اہم صلاحیتیں ہی ضائع ہو جائیں۔

اس وقت اللہ نے اپنے فضل و کرم اور ملک کی مایہ ناز افواج اور مشرقی پاکستان کے غیور محب اسلام باشندوں کی مشترکہ مساعی ہے ہمیں سوچ کر اپنی لغزشوں کی تلافی کرنے کا ایک موقع دے دیا ہے۔ اسے گنونا ہماری قومی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ اس وقت بلاشبہ ملک سیاسی بے یقینی اور بہت حد تک اقتصادی بحران میں مبتلا ہے، ہر طرف سے قومی مسائل ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔

اخلاقی زوال مسلمانوں کا اہم ترین مسئلہ ہے | لیکن سب سے اہم اور نازک مسئلہ جمہوری

قوم کو ہلاکت اور تباہی کی طرف لے جا رہا ہے، وہ اس ملک کے باشندوں کا اخلاقی مسئلہ ہے، اور پورے ملک کو معاشی اور سیاسی دلدل میں پھنسا دینے میں اخلاقی اور معاشرتی مسئلے کا بنیادی حصہ ہے، اجتماعی حیثیت سے قوم کی غالب اکثریت نبی کریم علیہ السلام کی اخلاقی اقدار اور اسلام کے نظام تمدن و معاشرت سے ہٹ چکی ہے۔ نوجوان طبقہ میں اباحیت انار کی اور آزاد روی کا دور دورہ ہے۔

عید میلاد النبیؐ کے نام پر اخلاقی قدروں کی پائمالی | اور اخلاقی قدروں کی پائمالی کی یجرات

یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ انہی رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد النبیؐ کے نام پر جس کی مناسبت سے صدر پاکستان نے مذکورہ بالا پیغام دیا ہے۔ جلسے اور جلوسوں میں وہ سب کچھ کیا گیا جو کسی مسلمان اور جہادار شخص کو نجی سے نجی مجلسوں میں بھی زیب نہیں دیتا۔ میلاد النبیؐ کے جلوسوں میں جنسیت زدہ فحش سفلی، فلمی گانوں کے ریکارڈ منائے گئے۔ شراب پی کر خورتوں کو چھیر ٹرنے کے واقعات، بھنگڑا ناچ، ”ہے جمالو“ کی تان پر غل غپاڑہ اور یہاں تک کہ شب میلاد کے ایک پروگرام کے تحت لاہور کے جہانہ کلب میں اونچے طبقے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا رقص۔ اس صاحب سیرت مطہرؐ کے نام پر جو عصمت و عفت کا علمبردار اور اخلاقِ طیبہ کا پیکر اور حیا و وقار کا صورتِ عظیم بن کر دنیا کو اخلاق کا درس دینے آئے تھے۔

اخلاقِ زوال کے چند بولتے نمونے | ہمارے نوجوان طبقہ کی جرأتِ زندانہ کا یہ عالم کہ آزاد کشمیر سے مخلوط تسلیم پر پابندی کی خبر آئی تو یہ خبر مغرب زدگان پر بجلی بن کر گری۔ جامعہ کراچی نے طلبہ و طالبات کو اتنی سی ہدایت کی کہ وہ آپس میں زیادہ اختلاط نہ رکھیں تو اس پر دو اوپلا شروع ہوئے کہ یہ رجعت پسندی اور فطری آزادی پر پابندی ہے۔ پیٹ کی بجاری ذہنیت نے تو اسے سیاسی سنٹ بنا دیا کہ ایسی پابندیوں سے افلاس کا مسئلہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ اور یہ تو اخلاقِ زوال کے چند بولتے نمونے ہیں۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھئے دن دہاڑے قتل و غارت گری اور بھرے بازاروں میں لڑکیوں کا اغواء، دھوکہ، قریب، سمگلنگ، ملاوٹ اور دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہ آئے گا، اخبارات کے فلمی ضمیمے تو چھوڑیے ہر سنجیدہ اخبار کا آدھا حصہ فلم سے متعلق فحش ترین اشتہارات سے دعوتِ فحاشی دیتا ہوا ملے گا۔ ٹیلی ویژن پر وگراموں نے تو گھر گھر پہنچ کر فلمی خرابیوں کی کسر پوری کر دی ہے۔ ریڈیو سے مروجہ فحش فلمی گانوں اور جنس آلود ڈراموں کی بھرمار ہے۔ سڑک اور بازار فحش تصاویر سائن بورڈوں سے اٹے پڑے ہیں۔ جدھر نگاہ دوڑائیے اور جدھر کان لگائیے عفت اور عصمت اور اخلاق و حیا کے لٹنے اور لٹانے کی

صلائے عام ہے۔ یہ حالات نہ تو یکایک پیدا ہوئے ہیں نہ خود بخود جن تعلیم کا ہوں سے نوجوان پود تربیت پا کر نکل رہی ہے وہاں کی تعلیمی اور تربیتی نظام پر ایک نگاہ دوڑائیے ثانوی اداروں سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ یونیورسٹی تک سب کچھ موجود ہے مگر اسلامی علوم، قرآن و سنت، اخلاق نبوی اور معاشرت اسلامی کی تعلیم کا نام و نشان نہیں ہو کچھ ہے صفر کے برابر ہے، پبلک اور مشنری سکولوں سے جو پود نکل نکل کر ”پپی ازم“ کی گود میں جا رہی ہے آخر اس کی ذمہ دار ہم نا پختہ نوجوان ذہنیت کو کیوں ٹھہرائیں۔

الغرض ان ناگفتہ بہ حالات اور خرابیوں کی اصلاح صرف زبانی اور تحریری بیانات سے ہو سکتی ہے؟ اور کیا اتنی خرابی بسیار کے بعد بھی ہمیں۔۔۔۔۔ اسلامی معاشرت اور کتاب و سنت پر مبنی لائحہ حیات اپنانے میں پس و پیش ہے۔ یا پھر ہمارا مرض لاعلاج ہو چکا ہے اور ہماری محسوس اور بدستنی کا فیصلہ ہو چکا ہے؟

وَإِذَا دَعَا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكَمْ بَيْنَهُمْ — إِلَى قَوْلِهِ — فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمْ اتَّبَعُوا أَم يَتَخَفُونَ إِنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولَهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

(ج ۶ - ش ۹ - جون ۱۹۷۱ء - ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ)

ربیع الاول کی رسومات اور بدعات

ربیع الاول کا مہینہ گزر چکا — وہ مبارک ماہ جس میں فخر کائنات رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بیعت فرما کر خداوندِ عالمین نے اس عالم ہست و بود پر اپنی رحمتوں اور نعمتوں کی تکمیل فرمائی، وہ ذات قدسی صفات جن کے ذریعہ دنیا سے نہ صرف شرک و جہل کا قلع قمع ہوا۔ بلکہ ظاہر پرستی کی تمام انواع، رسومات باطلہ، لہو و لعب اور بدعات و خرافات کی تمام اقسام کی

بیچ گئی بھی کی گئی۔

ذکر رسول اور حیات مستعار کا ہر لمحہ | اس رسول برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حق ہے کہ اس کے نام یواؤں کی زندگی کا ہر لمحہ اس کی عظمت و احترام سے معمور اور دل کی ہر دھڑکن اس کی توقیر و تکریم کی ترجمان ہو کہ امت مرحومہ کی نجات اور فلاح تو صرف اسی کی اتباع پر موقوف ہے۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان کی حیات مستعار کا ہر لمحہ اس کے لئے عید میلاد اور تذکارِ رسول ہے نہ کہ سالِ مہجر کے چند ایام کی دو چار مجلسیں اور غفلیں۔ مگر حدیث و افسوس کہ آج محمد عربیؐ کے عشق و محبت کے دعویدار ”عید میلاد النبیؐ“ پر یہ وقتی اور سطحی ذکر و تذکار بھی کس طرح مناسبت ہے ہیں؟ اس کی کچھ جھلکیاں ہر سال سیرت مقدسہ کے نام پر جلسوں، جلوسوں کی روئیدادوں میں قوم کے سامنے آجاتی ہیں، بازاروں میں شور و غل، فلمی دھنوں اور گانوں کی بھرمار، رسم و رواج کی یلغار اور فسق و فجور کا طوفان، مردوں اور عورتوں کی ہڑبونگ۔

باہر چرائیاں مگر دل کی دنیا تاریک | غرض دلوں کی دنیا سیاہ اور تاریک، عظمت و تقدیس کا شائبہ تک معدوم، مگر گلیاں اور کوچے قمقموں اور جھنڈیلوں سے آراستہ۔۔۔ ہائے ملت محمدیہ کی حرماں نصیبی کہ محمد عربیؐ علیہ السلام (فداہ الثقلین) کے نام پر ٹوٹسٹ ناچ اور مردوں کا عورتوں پر یلغار، نہ فکرِ تنگ و ناموس، نہ احساسِ صوم و صلوٰۃ گویا رسول الثقلین کی یاد نہ ہوئی بلکہ یہود و نصاریٰ کا کرسمس اور عہدِ جاہلیت کا جشن نور و زکریا پوری قوم اس مبارک دن اپنے آپ کو اخلاق و شرافت، وقار و مہمانت، سنت و شریعت کی تمام بندشوں سے آزاد سمجھنے لگی۔ اپنے محسنین کی یاد کا یہ انداز تو مادرِ پدر آزاد فرنگ کا ہے، مسلمانوں کا نہیں۔

محبت یا ہوسناکی | محسن کا ناسا کے عشق و محبت کے دعویدار و کچھ تو ہوش کے ناخن لو بسندانِ عشق کے ساتھ جہانِ شریعت تھا مانا بھی ضروری ہے وہ عشق و محبت تو نرمی ہوسناکی ہے جو محبت، اطاعت اور عظمت سے خالی ہو۔ تمہاری زبانوں پر تو محبوب کا ورد ہے مگر عملاً تمام طور طریقے محبوب کے دشمنوں کے اختیار کر رکھے ہیں تم ان کی تعلیمات اور ہدایات کا ایک ایک حصہ ادھیڑ اور اس کی سنتوں کی بنیادیں ڈھا رہے ہو اور پھر یہ سب کچھ

اس کی یاد منانے کے نام پر۔

صاحب سیرت کی تعلیمات بغاوت | اس عہد شقاوت میں کیا سیرت نام صرف غل غبارہ،

رقص و سرود اور بازاروں کے ہڑ بونگ کا رہ گیا ہے؟ تم میں سے کتنے تھے جنہوں نے سات سات گھنٹے حضور کے نام پر جلوس میں تو گزارے مگر کیا اولین رکن اسلام نماز کا خیال تک بھی ہوا؟ جب کہ عالم نزع میں تمہارے آقا کی ڈوبتی ہوئی روح سے بھی۔ الصلوٰۃ کی صدائیں آرہی تھیں۔ معیلم تو تمہارے آقا کی یہ تھی کہ راہ چلتے نگاہیں نہجی رکھو، اکڑ کر نہ چلو۔ اس نے فرمایا کہ ناخبروں کی طرف نگاہ اٹھانا بھی ضیاع دین و ایمان ہے۔ انہوں نے چاہا کہ تم ایک باوقار اور سنجیدہ امت بن جاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ خواہ نماز جماعت تم سے فوت بھی ہو جائے مگر اس کے لئے اچل کود کر دوڑنا نہیں۔ فرمایا کہ کسی حال میں بھی وقار و سکینت کے رشتے تمہارے ہاتھ سے پھوٹنے نہ پائیں۔ پھر ان کی عظمت و تقدیس کا تو یہ عالم تھا کہ سیدنا فاروق اعظمؓ جیسے صحابہ کی آوازیں آپؐ کی مجلس میں پست ہو جاتیں کہ ان کے رب نے اُن کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنے والوں کو بھی حبیط اعمال (اعمال کی بریادی) کی وعید سنائی تھی تو کیا تمہارا یہ دھوم دھڑکا اور یہ چیخ و پکار تمہارے حبیط اعمال کا موجب نہ بنے گا؟

بدعت کی ہلاکت آفرینیاں | تمہارے رسول اعظمؐ نے تو ہر لمحہ ہمیں بدعت سے روکا کہ

بدعت بنظاہر جتنی بھی دلکش و دلآویز ہو مگر بالآخر یہ لعنت ملت کے لئے زہرِ ہلاکت ہے۔ اور یہ بدعت کی ہلاکت آفرینی ہی تو تھی جس کی تان بالآخر ٹوکسٹ ناچ پر لٹنی ہو کر رہتی ہے۔ اور بدعت ہی ہوگی جو تم سے سیرت رسولؐ کے نام پر آئندہ مسجدوں میں چاچا ناچ اور راک این رول کروا کر رہے گی۔ اب تم نے روضہ اطہر کی شبیہ بنا کر اس کے ساتھ حقیقی مزارِ مبارک کا معاملہ شروع کر دیا ہے۔ اور آئندہ چل کر تم بیت اللہ کی تشریف کا طواف و زیارت بھی کر بیٹھو گے متاع دین و خرد ایسی غارت ہوئی کہ بدعت کی یہ تباہ کاریاں امت کی اکثریت کی نظروں سے اوجھل ہیں اور شیطان نے ہمارے اعمال کو سجا سجا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ وہ بھی کیا وقت تھا کہ حضرت حسن بصریؒ نے ایک بار کوئی بدعت دیکھی تو شدتِ غم کی وجہ سے

کئی دن تک انہیں پیشاب کی بجائے خون آتا رہا۔

عشق رسولؐ کے نام پر سوداگری ہمارے اکابر اور محققین امت کی یہی دوراندیشی اور فراستِ ایمانی تھی کہ انہوں نے میلادِ نبویؐ کے نام پر اس سوداگری کی سختی سے مخالفت کی مگر انہیں ”دشمنِ رسولؐ“ اور ”کنِ القاب سے نواز آگیا۔ مگر آج تم خود سر پکڑ کر بیٹھ گئے ہو کہ اس کا کیا علاج و تدارک ہو؟ خدا کرے ربیع الاول کے ایسے

تلخ واقعات ہمارے دل و دماغ کے لئے تازیانہٴ عبرت بن جائیں۔ اور اگر دلوں میں ایمان کی کوئی چنگاری باقی ہو تو پھر سلگ اُٹھے اور ہمارے اعمال و افعال رسولؐ کی سچی محبت، اطاعت و اتباع کے نور سے جگمگا اٹھیں۔ ورنہ یاد رکھو! بازاروں کے اس ہڑبونگ، چپٹوں اور باجوں کی اس جھنکار گانوں اور نعروں کے ان ہنگاموں سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک خوش تو کیا ہوگی بلکہ بار بار انہیں تمہاری ان مذموم حرکات سے جو روحانی اذیت پہنچ رہی ہے اس کے وبال سے بالآخر ساری کائنات اجڑ جائے گی اور عرش و فرش بھی رزائے گا۔ کیا ان حالات میں ملتِ محمدیؐ کے سنبھلنے کا کوئی امکان ہے؟ کیا ہمارے دلوں کے قفل کبھی ٹوٹ بھی جائیں گے؟ وہ اچھی جو دلوں کے اندھے ہیں لیکن سائنس و حکمت کے نور سے لوگوں کی گئی ہوئی بینائی لوٹا رہے ہیں، مگر ہماری کوتاہ بینی کا یہ عالم ہے کہ دلوں کی تاریکی کے ساتھ ہماری آنکھیں بھی اندھی ہو رہی ہیں۔ اور عشقِ رسولؐ کے نام پر یہ کھلی ہوئی تضحیک اور گستاخیاں ہمیں عظمت و احترام کے مظاہرے دکھائی دیتے ہیں۔

فَانْهَالِ تَعْمَى الْاَبْصَارَ وَتَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِیْ فِی الْقَدْرِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخَوْرِ
بَعْدَ الْخَوْرِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا اِلَیْكَ حَقًّا وَارْفَقْنَا اَتْبَاعُہٗ۔

بین الاقوامی سیرت کانگریس

سہ ماہی سے پاکستان میں ہمدرد فاؤنڈیشن اور وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام سیرت کانگریس منعقد ہو رہی ہے۔ دنیا کے کئی مسلمان ممالک کے مندوبین کے علاوہ یورپ

کے کئی ایک غیر مسلم مستشرقین بھی اس کانگریس میں شرکت کر رہے ہیں۔ اب تک جتنی تقاریر، مقالات اور بیانات سامنے آچکے ہیں، بشمول وزیراعظم پاکستان سب میں اسلام ہی کو ذریعہ کامیابی اور نبی کریم کے راستہ پر چلنے کو فلاح و نجات کا ضامن قرار دیا جا چکا ہے۔ اسلام اور سیرت طیبہ کی اس اٹل اور غیر فانی صداقتوں اور برکتوں سے انکار کی کس کو جال ہے؟ غیر مسلم مستشرقین بھی اپنے مقالات میں اسلام کی خوبیوں کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔

سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا اہتمام بھی قدرت مند حسین کامزادار، لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ دیوی و انروی سرخروٹیوں کی خاص تعلیمات نبویؐ اور انہیں دستوریت اور لائحہ عمل بنانے میں مسلمان ممالک کے لئے آخر کون سی چیز رکاوٹ بنی، ہوئی ہے؟ سیرت کا انگریزوں میں جب برطانیہ کے مشرقی منہجری واٹس نے اسلام اور بغیر اسلام کے بارے میں اپنی بڑی عقیدت کا اظہار کیا تو لبنان کے مفتی اعظم نے ان سے دریافت کیا کہ ان اعترافات کے ہوتے ہوئے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ اسلام قبول کر لیں؟ مشرق نے تو وحدت ادیان اور سارے مذاہب کی تعلیم کی آڑے کر اپنا بیچا چھڑالیا۔ مگر کیا یہی استغہام سارے اسلامی مندوبین اور تمام مسلمان ممالک اور کانگریس کا انعقاد کرنے والے پاکستان کے لئے سوالیہ نشان اور لمحہ فکریہ نہیں ہے؟ لبنان کے مفتی اعظم یا کسی اسلامی ملک کے مندوب نے اپنی مسلمان حکومتوں سے کیوں ایسا سوال نہ کیا کہ جب آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ کو نسخہ نجات بھی سمجھتے ہیں، عقیدت اور محبت کے دعویدار بھی ہیں، آزاد اور بااختیار بھی ہیں تو زندگی کے کسی شعبہ میں بھی آپ کی تعلیمات اور سیرت کی جھلک کیوں نظر نہیں آ رہی؟ ہمارے دستور و سیاست، تمدن و معاشرت، معیشت و اخلاق کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں حضورؐ کے اتباع و اطاعت کو اپنایا گیا ہو۔ کیا سیرت کا فلسفہ صرف تقریبات، پارٹیوں اور جلسوں پر منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ کیا حضورؐ کی تعلیمات سے غیر اللہ کی حاکمیت، خواہشات کی پیروی، یہود و نصاریٰ کی تقلید، اسلامی اقدار خیار و عنف سے بغاوت، خلق خدا پر ظلم و عداوت، نظام عدل و انصاف کی پائالی، ناصحین و ناقدین کی سرکوبی اور استیصال کا کوئی جواز مل سکتا ہے۔

ایمان و عقیدہ کی دنیا میں دینی حقیقت و غیرت کا حصہ کتنا ہے؟ مخالفین سے حضورؐ کا
 برتاؤ کیسا رہا، حضورؐ کے آدابِ حکمرانی کیا تھے۔ تمدن و تہذیب اور معیشت و سیاست
 میں حضور علیہ السلام کن کن ماحولوں پر چلے۔ یہ سب سوالات جذباتِ محبت و عقیدت کے
 ایسے مظاہر اور تقریبات کے موقع پر ابھرنے اور نمایاں ہونے چاہئیں اور سیرت منلے
 والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ کیا عمل سے
 عاری یہ زبانی محبت اور دعوے انہیں شافعِ محشر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے
 سرخروئی بخش سکیں گے۔ مسلمانوں کی اطاعت و عمل سے خالی یہ کھوکھلے نعرے سیاسی
 مقاصد برآدی اور اپنے نفس و ضمیر کی فریب دہی کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں مگر اسلام کے
 نشاۃ ثانیہ اور اصلاح و فلاح امت کا ہرگز نہیں۔ (مارچ ۱۹۷۷ء)

لندن کا اسلامی جشن یا اسلام کے خلاف گھناؤنی سازش

برطانیہ میں منعقد ہونے والے اسلامی جشن یا ثقافتی میلے (۹) کے بارے میں تحسین و ستائش کا طوفان ذرا اٹھ گیا تو پردہ کے پیچھے سے اصل حقائق چھن چھن کر سامنے آنے لگے۔ ۲۵ مئی کے اخبارات میں فتنہ سرخیوں سے خبر آئی کہ ”برطانیہ میں مقیم مسلمانوں نے اس میلے کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور کہا کہ اس میلے سے اسلام کو غلط رنگ میں اور توڑ مروڑ کو ہمیش کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے میلے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصویر ہٹا دیتے اور اسلام کے نام پر رقص و سرود پر پابندی لگا دینے کا بھی مطالبہ کیا کہ نہ یہ باتیں اسلام ہیں اور نہ اسلامی ثقافت میں اس کے لئے کوئی جگہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ اسلام کو مسخ کر کے غلط رنگ میں پیش کرنے کی ایک سازش ہے۔“ اس عام بے چینی اور احتجاج کے علاوہ دیگر عربی اخبارات اور ریپورٹوں کے ذریعہ بھی میلہ کا پس منظر اور محرکات و مقاصد واضح ہوتے جا رہے ہیں۔

اسلام کے تعارف اور تبلیغ کے نام پر منعقد اس جشن میں ناچ گانے کے رنگارنگ پروگرام دکھائے جا رہے ہیں۔ کلاسیکی موسیقی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اسلام کی غلط فہمیاں پیش ہو رہی ہیں۔ تبیم جیسے معروف اسلامی حکم کو وضو کی طرح کلی (مضمضہ) اور پاؤں پر مسح کرتے ہوئے یورپی ٹیلیوژن پر دکھایا گیا۔ الفرض یہ بات اب واضح ہو گئی ہے کہ یورپ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور لوگوں کے جذبہ تجسس کے پیش نظر یورپ نے خود چاہا کہ اسلام کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ابدی روحانی سکون کے متلاشی یورپی اقوام اسے بھی ہوئی و بوس، طاؤس و رباب اور رقص و غناء کا ایک مذہب سمجھ لیں اور اسلام کی اصل تعلیمات اور اصول اس کی نگاہوں سے مستور رہ جائیں۔

اس میلے کے انعقاد کی خبر گرم ہوئی تو ہمارا دل دھڑکا اور یہی تاثر ہوا کہ یہ اسلام کو مسخ کرنے

کی ایک گھناؤنی سازش ہے۔۔۔ اور بھلا اللہ یہ شہرت پورے ملک میں صرف الحق کو حاصل رہا کہ ہم نے برملا فروری اور مارچ کے الحق میں اپنے خدشات کا اظہار ان الفاظ میں کیا اور کارپردازانِ جشن کو ان الفاظ میں متنبہ کیا :-

”کچھ لوگ اسے مغربی دنیا میں اسلام کے بہترین ہمہ گیر تعارف کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مگر ہم اسلام کے بارہ میں مغرب کے معاندانہ اور شرمناک رویہ متشرعین کی لموئل سازشوں اور عملی کاموں میں درپردہ اسلام دشمن منصوبوں اور عزائم کو دیکھتے ہوئے اس فیسٹول کے بارہ میں چوکتا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے (آگے چل کر) ہمیں اتنا خوش فہم بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ گویا راتوں رات اسلام کے بدترین دشمن مغرب اور برطانیہ کو اسلام کی تبلیغ و تعارف کا شوق لگ گیا اور اس کی ابدی صداقتوں کے سامنے گردن نہاد ہو کر یورپ کے دروازے اسلام کے خیر خواہوں کے لئے چوہٹ کھول دیئے نہ ہم اسلام کو ایسا معجون مرکب سمجھتے ہیں جس کے خیر کا قوام نام نہاد آرٹ کلچر، رقص و موسیقی اور تصویر سازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلامی دنیا کے جو اہل خیر اور ارباب علم و فضل اپنی نیک نیتی سے اس پروگرام میں حصہ لے رہے ہیں ان کی ذمہ داری بڑی نازک ہے۔ دنیا کے کروڑوں مسلمان، اہل علم اور اسلامی ادارے اس میلہ پر گہری نگاہ رکھیں۔ یہودیت اور استشرقیات کے ساتھ سانپ کی مانند اپنی کینچیل بدلتی رہتی ہے۔

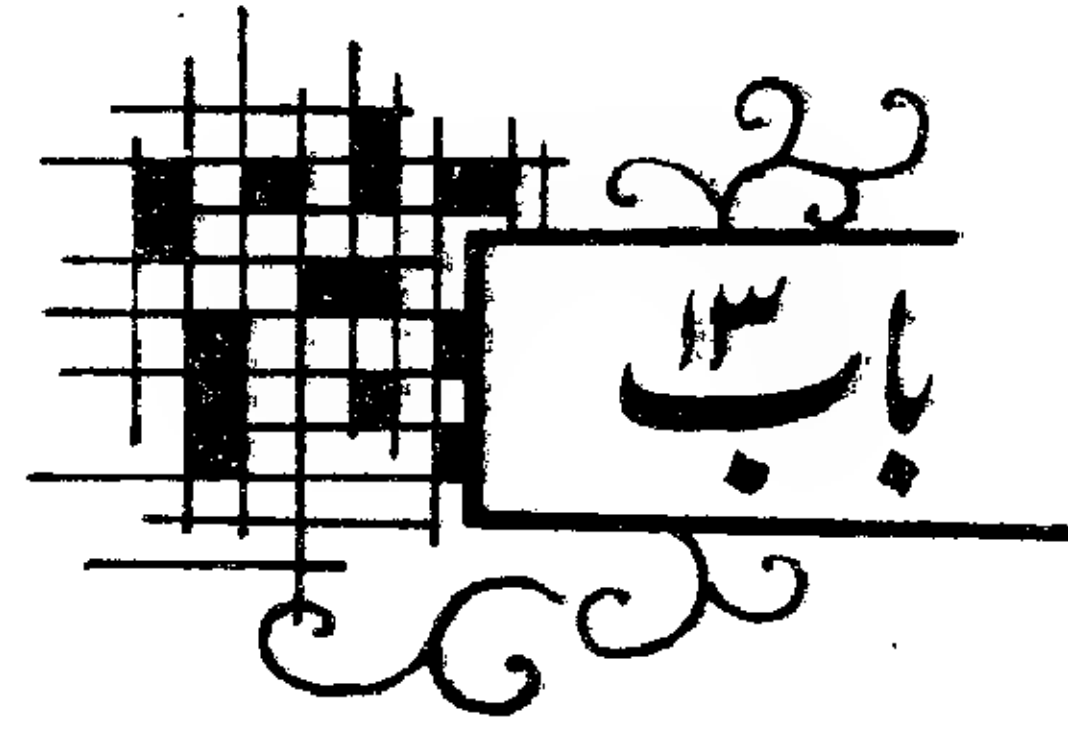
(نقش آغاز، فروری، مارچ ۱۹۷۶ء)

مسلمانوں کا افسوسناک طرز عمل | مگر ہجرت اور افسوس تو مسلمانوں کی اس عام سادہ دلی، خوش فہمی اور ظاہر پرستی کا ہے کہ وہ کہیں بھی اسلام کے نام پر کوئی بھی دعوت، پروگرام اور منصوبہ سنتے ہی خوشی سے ناپچنے کو دے لگتے ہیں، حقیقت بینی، دورانِ لیشی اور غور و فکر، پس و پیش کا جائزہ، ماضی کے تجربات سے سبق، یہ چیزیں مسلمانوں میں ایسے موقعوں پر بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ ایک غیر مسلم تنظیم نے میلے کا ڈھونگ رچایا تو اسلحہ حمالکے کروڑوں کا سرمایہ پیش کر دیا۔ ہمارے بعض سکالر اور علماء و

منفکین ہو ایسی ہر تقریب کے لئے صرف ہوائی ٹکٹ کے منتظر رہتے ہیں اور سال بھر ایسے جشنوں کے بہانے اعلیٰ ہوٹلوں میں قیام اور سفر خرچ وصول کرنا ان کا مشغلہ حیات ہے۔ علم و ثقافت اور اسلام کے نام پر کہیں جہنم سے بھی ہوائی ٹکٹ اور دعوت آ جائے تو مستعد رکاب ہو جائیں گے ان کا خیال ہے کہ اسلام کی تبلیغ و تعارف کے لئے اسلاف کی طرح ہر دیس اور سفر کی مشقتیں اٹھا اٹھا کر صحراؤں کی خاک چھانا ضروری نہیں نہ مومنانہ کردار و عمل اقوام عالم میں اسلامی انقلاب کا ذریعہ بنتا ہے۔ پس کہیں کلیم، کانگریس اور ثقافتی تقریب میں ایک آدھ مقالہ محاسن اسلام پر سننا سنانا ہی کفایت کرتا ہے۔

یہی حال بعض اسلامی تنظیموں اور جماعتوں کا ہے جس میں ہمارے ہاں کی ایک جماعت بھی پیش پیش ہے۔ جو ہر دوپہ گندہ کی کوئی ایسی تقریب ہاتھ سے جانے نہیں دیتی اور عواقب و محرکات سے بے نیاز ہو کر پورے صحافت اور قلم کے لاڈلے کے ساتھ اس کی تائید و تحسین میں شریک ہو جاتی ہے۔ سعودی عرب کی حکومت جو اسلام کے فروغ و اشاعت کے سچے درد کی وجہ سے کہیں بھی موقع ملے عزائے کھول دیتی ہے، اس نے بھی اس فرس کے انقیاد میں بھول کر حصہ لیا، مگر اب حقائق سامنے آنے پر سعودی عرب کے اخبارات اسے "باسم الاسلام رقص و غنا و فساد" اسلام کے نام پر رقص و سرود اور غزائیں قرار دے رہے ہیں! اور مسلمانوں کی عام سادہ لوحی کا نام ان الفاظ میں کر رہے ہیں کہ۔ **هكذا اغفل المسلمون نفح وند فسطحاً باعنداً ما سمع اء خبير عن مهرجان واحتفال باسم الاسلام - رالمدينة - سعودی عرب**

بہر حال یہ انداز فکر اور طرز عمل مسلمانوں کو ہر دو دریں نقصان پہنچانے کا باعث ہوا ہے مگر ہزار تجربوں کے بعد بھی ہمیں تنبیہ نہیں ہوتی۔ کاش! ہم نے سوچا ہوتا کہ اسلام کا اندلی دشمن یورپ اور غیر مسلم تنظیم اسلام پیش کرنے میں کہاں تک انصاف سے کام لے گی؟ اور کاش! ہم سوچیں کہ ہمارے اسلاف نے چین سے لے کر کاشغر تک دنیا کے کفر و ضلال کو سیرت کو کردار، ایمان و یقین، جہاد و عزیمت، ایثار و قربانی کے کن ایٹمی ہتھیاروں سے مخر کر دیا تھا اور انکے تعارف و تبلیغ اسلام کے طریقے کیا تھے۔ **والله يقول الحق وهو يهدي السبيل**۔



اسلامی دستور اور قانون
حدود و تعزیرات، قانون سازی اور تدوین آئین اسلامی
حی
جدوجہد

اسلامی آئین کی تدوین اور نفاذ کا مسئلہ

مرکزی وزیر قانون سٹرابیس ایم ظفر صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ حکومت ”اسلامی تحقیقاتی ادارہ“ (اسلامک انسٹی ٹیوٹ) کے ذریعہ اسلامی قوانین و احکام سے متعلق ایک جامع کتاب مرتب کروا رہی ہے۔ یہ کتاب چار سال کے اندر مکمل ہو کر عدالتوں کی رہنمائی کے لئے استعمال ہو سکے گی۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس جامع اداساسی کتاب میں ”جدید علماء“ کے افکار کو بھی جگہ دی جائے گی۔ ”جہاں تک اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کا سوال ہے، ہم اس کی ہر لحاظ سے تحسین کریں گے۔ کیونکہ پاکستان بجائے خود منزل نہیں بلکہ حصول مقصد (اسلامی نظام اور کتاب و سنت کے نفاذ) کا ذریعہ ہے۔ اور جتنا بھی جلد ہو سکے، اس ملک میں کتاب و سنت کی حکمرانی اور انہی بنیادوں پر اسلامی معاشرہ برپا ہونا چاہیئے لیکن ”اسلامی قانون“ پر مشتمل یہ کتاب اگر اس ”اسلامی تحقیقاتی ادارہ“ کے ذریعہ مدون نہیں کا مشغلہ آج تک دین کے مسلمات سے تلاعب، تمسخر اور اسے مشق تحریف بنانے کے سوا کچھ نہیں رہا تو اسلامیان پاکستان اسے ہرگز قبول نہیں کر سکیں گے۔ ان ”جدید علماء محققین“ کے مشاغل و عزائم کی کچھ جھلکیاں ہم وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس ادارہ کے ”شہرہ آفاق محقق“ ڈاکٹر فضل الرحمن کا اصل روپ بھی اب مسلمانوں سے مخفی نہیں رہا۔ یہ بات بالکل واضح اور قطعی ہے کہ مسلمانوں کو وہ اسلام درکار ہے، جو محمد عربی علیہ السلام سے خلفاء راشدین صحابہ کرام، تابعین، ائمہ اربعہ (ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، مالک) غزالی و رازی اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ کی وساطت سے پہنچا۔ وہ اسلام ہرگز نہیں جو عیسائی اور یہودی منشرقین، شاخت، اسمتہ اور گولڈن لہیر اور ان کے ”شاگردان رشید“ پیش کریں۔ ہم دینہ نور اور مکہ مکرمہ کا اسلام چاہتے ہیں۔ نہ کہ میک گل اور مانٹیاں کی یونیورسٹیوں کا۔ اگر واقعی حکومت اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کا نفاذ چاہتی ہے تو یہ کام ہرگز ایسے اداروں سے نہ ہو سکے جن کے مساعی کا نتیجہ سوائے ضیاع وقت و سرمایہ کے اور کچھ نہیں نکلتا اور جن کی تحقیقات مسلمانوں کی مزید دل شکنی اور نظریہ پاکستان سے انحراف، باہمی تفریق و انتشار اور

پاکستان کی سالمیت کو نقصان کا باعث بن رہی ہیں۔ اگر صاف دلی اور اخلاص سے اسلام کی بالاترزی گوارا اور مطلوب ہے تو اس اسلام کو، اس اسلامی قانون کو میدان میں لائیے جس کی صداقت اور سچائی پر چودہ سو سال سے مسلمانوں کا ایمان ہے۔ نہ وہ اسلام جو بیسویں صدی کے مغرب زدہ ٹیڑھے دماغ اور گمراہ قلوب کی پیداوار ہے۔ اور اگر اس قسم کے اعلانات اور منصوبوں سے محض دفع الوقتی مقصود ہے تو خدا را اسلام کو ماڈرن بنانے اور اس کا اہلیہ بگاڑنے کا یہ شغلہ بند کروا دیجئے۔ ہمیں یقین ہے جس خدا نے اسلام کو تاقیامت پسندیدہ دین قرار دیا وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ دان تتولوا یتبدل قوماً غیثکم ثمر لا یکنوا امثالکم۔ (التوبہ ۳۶)

بحرانوں کا حل۔ اسلامی آئین پر اتفاق کی ضرورت

اس وقت پاکستان کا اہم ترین مسئلہ ”آئین سازی کا مسئلہ“ ہے جس پر تمام مسلمانوں کو سیاسی اور گمراہی نقطہ نظر سے ہٹ کر نگاہ رکھنی چاہیے، بظاہر اسمبلی کا آغاز ہونے والا ہے مگر آئین کے بارے میں کوئی واضح اور غیر مبہم صورت حال اب تک سامنے نہیں آسکی، دو اکثریتی پارٹیوں کے سربراہوں کے درمیان ڈھاکہ میں ہونے والے مذاکرات کو بھی اس لحاظ سے خوش آئند نہیں کہا جاسکتا۔ دوسری طرف اسلام اور نظریہ پاکستان کی دعویٰ پر جماعتیں ہیں جن میں باہمی اتحاد اور مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جب کہ ایک معمولی اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مفاہمت اور یگانگت کا معاملہ فوری توجہ کا مستحق تھا جس انتشار، خلفشار اور باہمی غلط فہمیوں کی وجہ سے محب اسلام طاقتوں کو، فیصد اکثریت کو بھی ستور سبلی میں اقلیت بننا پڑا۔ آج بھی اگر وہ اقلیت بے شمار اکائیوں میں بٹی رہی تو اسلامی آئین کا مسئلہ ایک مذاق بن جائے گا، اور پوری ملت کو اس شامت اعمال کی سزا بھگتنی ہوگی۔

ہمیں اکثریت حاصل کرنے والے زعماء کے اس سکوت مجرمانہ پر لہجی حیرت ہے جو کل تک اقتدار اور کامیابی حاصل کرنے کے خیال سے اپنے دیگر دعوؤں کے ساتھ ساتھ

قرآن و سنت اور اسلامی آئین کی بالادستی کا اعلان بھی کرتے رہے مگر انتخابات کے بعد وہ اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ اگر خدا نخواستہ ان کا ذہن اس معاملہ میں صاف نہیں ہے اور وہ اسلامی آئین کو اپنے خود ساختہ معاشی یا اقتصادی و انتظامی نکات کے لئے ایک رکاوٹ سمجھ کر اس سے گریز کرنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ یہاں کے غیور اور جسور مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت اسلامی آئین کے معاملہ میں اب بھی اُن چند گنہ گنہ چنے علماء حق اور محبت وطن و ملت افراد کی پشت پر ہے جن کی ایک معمولی اقلیت دستور ساز اسمبلی تک پہنچ چکی ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ اکثریتی پارٹیوں کی آئین کے مسئلہ پر مفاہمت اور اتفاق رائے ہو جائے اور اس بد قسمت ملک کا یہ بحرانی دور جلد اظہار ختم ہو جائے۔

لیکن یہ حقیقت مد نظر رہنی چاہیے کہ ایسی کوئی مفاہمت یا گٹھ جوڑ یہاں کی تمام اسلامی قوتوں کے لئے ناقابل قبول ہوگی جس میں پاکستان کی اساس اسلامی آئین کے بنیادی اصول کو بالائے طاق رکھا گیا ہو۔ ایسی قابل قبول مفاہمت اگر ہو سکتی ہے تو علماء اور اسلامی ذہن رکھنے والی ان تمام پارٹیوں کا اعتماد دے کر ہو سکتی ہے جنہیں قوم نے اسلامی آئین کی تمنا لے کر منتخب کیا ہے ہمیں خوشی ہے کہ جمعیت العلماء اسلام بھی قابل اور چیدہ عبید علماء اور قانون دان حضرات کے تعاون سے اپنا ایک مسودہ اسمبلی میں پیش کر رہی ہے مگر اس بارہ میں بھی ہماری مخلصانہ اور نیاز مندانہ گزارش یہی ہے کہ جمعیت کے زعماء بالخصوص قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اس مسودہ کو اسمبلی میں پیش کرنے سے قبل اس کے بارہ میں ملک کے مختلف مکاتب فکر کے علماء اسلامی جماعتوں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش فرمادیں اسی طرح منتخب علماء کی دوسری جماعت جمعیت العلماء پاکستان کے اکابر کا بھی۔ باہمی بحث اور غور و فکر کے بعد ایک ہی مسودہ پر اتفاق رائے ہو جائے۔ اور اسلامی جذبہ سے معمور دیگر منتخب افراد سے

گو موجود اسمبلی ملک کو ایک آئین دے چکی ہے مگر ایک مکمل صحیح اور جامع اسلامی آئین اور اس کے حصول کے لئے اس اتفاق و اتحاد کی ضرورت باقی رہے گی جس کا ذکر اس شذرہ میں کیا گیا تھا۔

بھی اس مسودہ پر مشورہ کر لیا جائے تو ایسا کرنا پوری ملت اور پاکستان کے حق میں بہتر ہوگا۔

اگر خدا نخواستہ اسلامی آئین کے نام سے کئی ایک الگ الگ مسودے پیش کئے گئے اور اسمبلی میں بھی اسی انتشار اور باہمی اختلاف کا مظاہرہ ہوا تو یہ بات نہ صرف پاکستان بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ہمارے ”اسلامی آئین“ کے موقف کو نقصان پہنچائے گی۔

اس وقت انتخابی سیاست اور گوبہی نعروں کا وقت گزر چکا ہے۔ پوری ملت کے لئے آئین اور اسلامی آئین کا مرحلہ درمیش ہے، جس کے بارہ میں دقتی اور جزوی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر پورے ایمانی جذبہ اخلاص اور دلسوزی سے سوچنا اور قدم اٹھانا ہے آج نہ صرف پاکستان کے برائے درد مند شہری کی نگاہیں منتخب ہونے والی پارلیمنٹ پر لگی ہوئی ہیں جس کا دل لا الہ الا اللہ کی آواز پر دھڑکتا ہے بلکہ پوری اسلامی دنیا اس نازک امتحان میں پاکستان کی ملت مسلمہ کی طرف نگاہیں اٹھائے ہوئے ہے۔ - فروری ۱۹۷۱ء

آئین ساز اسمبلی اہل افراد کی ضرورت

جیسا کہ موجودہ حکومت (صدر یحییٰ کا دور) کے واضح اور دو ٹوک اعلانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ آنے والے آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کا اولین مقصد ملک کے لئے دستور تیار کرنا ہے۔ دستور بھی ایسا جو نظریہ پاکستان اسلام کے تحفظ پر مبنی اور خالص اسلامی نظام کی ضمانت دیتا ہو اس مقصد کے حصول کا بے خطر راستہ ایک تو وہ ہے جسے ہم نے کئی ماہ قبل شرح و بسط سے انہی کالموں میں پیش کیا تھا کہ دستور سازی کا مسئلہ مختلف نظریات سے تشکیل پانے والی اسمبلی پر چھوڑنے کی بجائے حکومت برائے مومنانہ سے کام لے کر ایک آرڈیننس کے ذریعہ ایسا دستور نافذ کر دے جو خالص اسلامی دستور ہو۔ اس طرح ملک ان خطرات سے نکل سکتا ہے جس میں وہ گھرا ہوا ہے اگر ون یونٹ کی شیخ بالغ رائے دہی اور مساوی نمائندگی کی بنیاد پر انتخابات کا فیصلہ غیر جمہوری نہیں بلکہ جمہوریت کی پاسداری ہے۔ تو جس ملک کے جمہور کی عظیم اکثریت اول دن سے لے کر اب تک اسلامی آئین اور اسلامی نظام حیات کے لئے تڑپ رہی ہو اسے ایک قطعی اعلان کے ذریعہ اسلامی اور عوامی آئین مہیا کرنا ہرگز غیر جمہوری اقدام نہ ہوگا بلکہ وہ موجودہ حکومت کا ایک ایسا کارنامہ ہوگا جسے رہتی دنیا تک سراہا جائے گا۔

یہ صرف ہماری رائے نہیں بلکہ میت سے رہنماؤں اور لیڈروں نے بھی اس قسم کا مطالبہ کیا۔

اسلامی آئین کی تدوین کے لئے علم اور تقویٰ کے بنیادی شرائط | مگر اب جب کہ آئین سازی کا کام آئین ساز اسمبلی کو سپرد کیا گیا ہے تو اس مقصد کے حصول کی ایک ہی

صورت نظر آتی ہے کہ اسمبلی میں ایسے علماء حق کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھیجا جائے جن کے علمی تجربہ، دینی مقام، دیانت، تقویٰ اور اسوۂ سلف کی پیروی اور راسخ العقیدہ ہونے پر عامۃ المسلمین کا اعتماد ہو۔ ان کا مشغلہ شب و روز قرآن و سنت اور اسلامی علوم کے درس و تدریس اور اشاعت و ترویج ہو اور جو غالب اکثریت میں اسمبلی میں پہنچ کر پاکستان کو ایک ایسا آئین دے سکیں جو تمام بیرونی اثرات سے پاک ہو اور قرآن و سنت ائمہ صحابہؓ و سلف پر مبنی ہو۔ ظاہر ہے کہ جب دنیا کے تمام معاملات کے لئے ہم متعلقہ امور ان ہی لوگوں کو سپرد کرتے ہیں جن میں اس کام کی اہلیت تجربہ اور مہارت موجود ہو۔ میز کرسی بنوانے کے لئے بڑھٹی، مشین کی خرابی کے لئے مستری اور انجنیئر کی تلاش کرتے ہیں۔ برٹش لار کے لئے کسی ایل ایل بی ایڈوکیٹ کو اور اپریشن کے لئے ماہر سے ماہر مہر جن کو دیکھتے ہیں۔ تو اسلامی اصولوں پر مبنی آئین کوئی ایسا مذاق نہیں جس کے لئے نہ تو کوئی اہلیت و صلاحیت ضروری ہو نہ اسلامی اور عربی علوم کی مہارت اور نہ خود ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے معیار کا لحاظ لازمی ہو ہر وہ جماعت جو اسلام اسلام کا نعرہ پکارتی ہے مگر اسمبلی میں ایسے راسخ العقیدہ علماء حق کو غالب اکثریت میں بھیجنے کے لئے تیار نہیں تو ان کا نعرہ محض فریب الحصولِ اقتدار کا ایک ذریعہ ہے۔

آج مسلمانوں کے پاس تمام سیاسی جماعتوں کی اسلامیت جانچنے کی ایک ہی کسوٹی ہے۔ کہ جس اسلام کی وہ دن رات رٹ لگاتے ہیں کیا اس کی خاطر وہ آئین سازی کے لئے خداترس متدین اور مسلمانوں کے قابل احترام علماء حق کو بھیجنے کے لئے تیار ہیں یا پھر وہ اپنی اسلام پسندی کے نعروں کے باوجود اپنی پارٹی، جتہ اور گروہ بندی کی پوجا پاٹ کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو نامزد کر رہے ہیں جنہیں اسلامی علوم کے اسجد سے بھی واقفیت نہیں نہ ان کا عقیدہ اور ایمان اسلامی آئین کے اجراء پر راسخ ہے بلکہ ان کا عمل بھی سرے پاؤں تک اسلامی آئین سے بیزاری اور بغاوت کا کھلا اعلان کر رہا ہے۔ اگر ایسی ہی صورت سامنے آتی ہے تو ظاہر ہے کہ

آئندہ اسمبلی میں بھی اسلام کا وہی حشر ہوگا جو اس سے پہلی اسمبلیوں میں ہوا اور نتیجہ میں وہ خلفشار اور سر پھٹول نمایاں ہوگا جس کا خمیازہ نہایت بھیانک شکل میں پوری قوم کو بھگتنا پڑے گا۔

آئین اسلامی کے لئے علماء کا عملی سیاست میں حقہ | الحمد للہ کہ اسلامی آئین کے مقصدِ عزیز کی خاطر ملک کے دونوں حصوں کے تقریباً ہر خطہ سے ممتاز، جید، خدا ترس علماء اکابر وقت بزرگ اور مشائخ اپنی عزت اور آبرو و سائل و اسباب کی فکر سے بے نیاز ہو کر الیکشن کے اس خارزار اور پُر خطر وادی میں کود پڑے ہیں۔ اور مرکزی اسمبلی کے لئے الیکشن میں حقہ لے رہے ہیں۔ تاکہ اس طرح وہ اس امت پر اتمامِ حجت کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں خود تو مسرور ہو جائیں۔ فریضہ نیابتِ نبوت کی اس ادائیگی کے بعد اب قوم کے لئے کوئی حیل و حجت اور عذر و بہانہ نہیں رہے گا۔ اور نہ آئندہ یہاں کے مسلمان کوئی شکوہ و شکایت کر سکیں گے کہ علماء حق نے براہِ راست قوم کی رہنمائی کے لئے میدانِ سیاست میں کودنے سے دریغ کیا۔ علماء حق کے بس میں یہی ہے۔ آگے فیصلہ قوم پر ہے کہ وہ سیاست کی شعبہ بازیوں میں پھنس کر قدرت کے دیئے ہوئے اس سنہری موقع کو ضائع کرتے ہیں یا پھر سنبھل کر قرآن و سنت کو عملاً نافذ کرانے کے لئے علماء حق کی عظیم اکثریت کو اسمبلی میں پہنچاتے ہیں۔ انہی بڑی تعداد میں علماء کرام و مشائخ کا اپنے دینی، علمی اور روحانی مشاغل اور مصروفیات چھوڑ کر اور گوشہٴ خلوت سے نکل کر انتخابی میدان میں حقہ لینا شاید اس ملک کی تاریخ میں پہلا موقع ہے اگر یہ موقع بھی قوم ضائع کرتی ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس اتمامِ حجت کے بعد آئندہ اس ملک کے قائم رہنے کی کیا صورت ہوگی۔

یہ حضرات علماء کرام اور اکابر وقت مشائخ بارگاہِ اربعی میں یہ تو کہہ سکیں گے کہ ہم نے تو درگزر نہ کی جو ہم سے ہو سکا کیا۔

عام سیاسی حالت، مسلمانوں کی دین سے برکشتگی، سیاست دانوں کی اسلام کے بارہ میں غیر غلطانہ بلکہ منافقانہ روش، پارٹی اور جماعت کے نام پر گروہ بندیوں، باہمی تعصب و تخریب کی بناء پر نہیں کہا جاسکتا کہ علماء حق آئین ساز اسمبلی تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو سکیں گے یا نہیں۔ مگر حصول رضائے الہی، دین حق کے فروغ کے لئے جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد اور دراثت نبوت کی بناء پر فریضہ کی ادائیگی کے لئے تو ایسے لوگ ہر صورت میں اس میدان میں کامیاب اور سرفروز ہوں گے کہ اصل کامیابی تو یہی ہے۔ اگر خدا نخواستہ ظاہری حالات میں کوئی دوسری صورت ہو جاتی ہے تو اس کی ذمہ داری قوم پر ہوگی اور روسیاء ہی بھی اگر ہوگی تو پوری قوم کی اور علماء حق کہہ سکیں گے۔ کہ

سودا قمار عشق میں شیریں سے کو کہیں

بازی اگر چہ سے نہ سکا سر تو کھو سکا

کس رو سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز

اے رد سببہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ہمیں اسلام اور وطن عزیز کے نام پر اور خدا سے حتیٰ و قیوم سے کٹے گئے عہدِ میثاق کے واسطے سے پوری توقع ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں جس پارٹی اور جہت سے بھی تعلق رکھتے ہوں ہر قسم کی گروہ بندی، اقرباء پروری، قبیلہ اور قوم علاقائی اور وطنی یا نظریاتی بندھنوں سے آزاد ہو کر آنے والی مرکزی اسمبلی کے لئے اپنے ووٹ کی امانت اپنے علاقہ کے اُن امیدواروں کے حق میں استعمال کریں گے جو قرآن و سنت کے مستند عالم ہیں۔ دینی فرائض اور وظائف کی ادائیگی ان کا شیوہ ہے۔ عوام کو ان کی رسوخ علمی اور خشیتِ خداوندی پر اعتماد ہے۔ اور خود ان کا یقین بھی صرف اور صرف اسلام پر ہے جو خیر القرون کا اسلام، صحابہ کرام اور تابعینؓ کا ائمہ عظام کا اسلام تھا۔ کتاب و سنت اور قضایائے سلف پر مبنی اسلام

یہی لوگ آئین سازی کے اہل ہیں اور ان لوگوں کا ترتیب دیا ہوا آئین
ہی ملک کی کشتی کو موجود منہجہ ہار سے نکال کر ساحل تک پہنچا سکتا
ہے۔

آئین سازی کے محدود وقت کے پیش نظر علماء کرام پر بھی ایک نازک فہم داری
عائد ہوتی ہے کہ وہ علمی اور سیاسی مشاغل سے کچھ وقت نکال کر اور باہمی رنجشوں
کو بھول کر آئین سازی کے بنیادی خطوط، طریق کار پر بھی ابھی سے غور و فکر شروع فرما
لیں۔ بنیادی اور اصولی چیزوں کا خاکہ تیار کر لیں۔

اسلامی آئین اور علماء کے فرقہ بندی کے افسانے | یہاں تک اسلامی
آئین کا تعلق ہے۔ بحمد اللہ اس کے اصول تو کیا تفصیلات تک میں علماء
کرام کے مکاتب و فکر اور مختلف طبقے متفق ہیں۔ اس بارہ میں اختلاف اور
افتراق کا انسانہ کھڑا کر کے تجدید پسند اور لادین عناصر اسلامی آئین سے قرار
کا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ علماء حق چاہیں تو آپس میں قرار دار، مقاصد اور متفقہ
بائیس نکات پر ابھی سے آئین کے لئے از سر نو تجدید عہد کر سکتے ہیں۔ اور انہی چیزوں کو بنیاد بنا
کر ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸ کے آئینوں سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں جو چیزیں قرآن و سنت کے مطابق
نظر آئیں انہیں لے لیا جائے اور جو بائیں اسلامی اور عوامی اقدار کے منافی یا کسی شخصی یا گروہی اغراض پر
بنی نظر آئیں انہیں چھوڑ دیا جائے اگر ابھی سے اس کام کو زیر غور رکھا گیا اور تیاری شروع
کر لی گئی اور اسمبلی میں جائے والے تمام افراد نے آئین کے حق میں غلصہ نہ اور خیر خواہانہ روش
اختیار کی تو انشاء اللہ ۱۲۰ دن نہیں، دس دن میں ملک کو اسلامی آئین مل سکے گا۔ اور اگر ارکان
کے انتخاب، آئین کی ترتیب و تدوین وغیرہ میں قوم اور اسمبلی اپنی اسی روش پر چلی جو پچھلے ۲۳ سال کا
شیوہ رہا تو ۱۲۰ دن کو کیا ایک سو بیس سال میں بھی یہ قوم کسی پائیدار اور مستحکم اسلامی آئین
اور اس کی برکات سے مالا مال نہیں ہو سکے گی۔ حق تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

۲۸ جون ۱۹۷۱ء کی شام کو پوری قوم صدر یحییٰ صاحب کی تقریر کے لئے گوش برآوانہ تھی، صدر کی تقریر موجودہ حالات میں بہت حد تک جاندار سیاسی تعطل میں ارتعاش پیدا کرنے والی تھی۔ اکثر لیڈروں کا فوری ردِ عمل اظہارِ اطمینان تھا اور اس میں شک نہیں کہ مشروط غیر ملکی امداد کے بارہ میں خود دارانہ رویہ، نظریہ پاکستان اور اسلامی آئین سے وفاداری کا عہد بھارت کے مذموم ارادوں کے سامنے عشقِ نبوی سے مرثیہ ہو کر ٹٹے رہنے کا عزم، بحالیِ جمہوریت و انتقالِ اقتدار کے راستے پر گامزن رہنے کے عہد کی تجدید۔ یہ سب باتیں مراہنے کے قابل تھیں مگر ہمارے خیال میں تقریر کا اہم اور بنیادی حصہ وہی ہے جس کا تعلق آئین کے لئے نئے طریق کار سے ہے۔

قومی زندگی میں آئین کی اہمیت | آئین کسی قوم کی اخلاقی، سماجی، معاشی اور معاشرتی زندگی کا سرچشمہ اور کسی قوم کی تشکیل اور عروج و ارتقاء میں اس کا حقہ ریڑھ کی ہڈی بلکہ روح جیسا ہوتا ہے۔ اس لئے آئین سے متعلق کوئی اقدام پوری قوم کی نظری و فکری قوتوں کا محور ہونا چاہیئے اور آئین کا نام آتے ہی پوری قوم کے دل کی دھڑکن تیز ہونی چاہیئے کہ

عشق است و ہزار بدگمانی

آئین کے موجودہ منصوبے نے ہمارے ان خدشات کو ثابت کر دکھایا کہ قوم کی اکثریت کا موجودہ جمہوری مزاج ایسے نازک ترین کام کا متحمل نہیں نہ تو وہ جذبات اور پُر فریب تصورات سے ہٹ کر صحیح پارلیمنٹ کا انتخاب کر سکتی ہے۔ نہ موجودہ شکل میں منتخب پارلیمنٹ خلوص، اللہیت سے کام لے کر اسلامی تقاضوں اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی اسلامی آئین ملک کو دے سکتی ہے۔

اسلامی آئین کی تشریح اور آئین سازی کو تو پھوڑیئے جس کا حق مخلوق کے خالق نے کسی کو دیا ہی نہیں کہ خلق کے ساتھ امر کا رشتہ بھی اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جدید تقاضوں کے مطابق آئین کی تشریح و تبصیر اور زودین و شخصیں بھی اتنا معمولی کام نہیں جسے ”جمہوریت“ کی پیداوار ایک ایسی پارلیمنٹ کے رحم و کرم پر پھوڑ دیا جائے جس کی اکثریت کی دین سے وفاداری تو کیا ملک و ملت سے ”وفاداری“ کا مسئلہ بھی پوری قوم کے لئے المناک بحران کا سبب بن جائے۔

ایسے حالات میں کسی مسلمان قوم کا خدا ترس اور غیور حکمران اگر کرنا چاہے تو یہی صورت ہے کہ تمام تعصبات اور اختلافات سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بھیجے ہوئے دین اسلام کو جو سراپا عدل و انصاف اور ابدی فلاح و سعادت کا موجودہ دنیا میں واحد کفیل ہے، ایک آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کر دے، موجودہ دور میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ بالآخر اس کی بنیاد پر نائننگ، انتخابات اور اس کے لئے رہنما بنیادی اصول، ملک کی بقا کی خاطر جمہوریت کا تعطل اور بالآخر فوجی آپریشن، معاشی بحران کی وجہ سے کرسی نوٹوں کی تنسیخ کا حکم یہ سب ایسے فیصلے ہیں جو قوم کی پسند و ناپسند کے مرہون نہیں ہوتے بلکہ حالات کا تقاضا اور پوری قوم کے لئے واجب العمل بن جاتے ہیں۔

آئین اور یورپ کا تصور جمہوریت | یہی صورت ہمارے اہم اور بنیادی مسئلہ آئین کی بھی ہے اگر اس کے بارے میں ہمارا طرز عمل یورپی قوم جیسا نہ ہوتا تو اب تک ہماری قومی زندگی کا بہترین حصہ ضائع نہ ہوتا۔ یورپ جو آئین کے معاملہ میں کسی آسمانی مذہب یا اخلاقی اور روحانی قدروں کا پابند نہیں۔ وہ اگر چاہے تو لو لاطت اور زنا کو بھی قانونی شکل دے کر کتابیاں پیٹے، پارلیمنٹ کی خاتون لیڈر کھلے ایوان میں ناجائز حمل سے بھرے پیٹ کو لے کر اعلان کرے کہ اخلاق کا تعلق نجی زندگی سے ہے اس کا تعلق سیاسی زندگی سے کچھ بھی نہیں۔ تو اسے زیب دیتا ہے کہ آئین سازی کا کام انسانوں کے منتخب کسی

ادارہ پر چھوڑ دے۔

تشریح نہیں تشریح | مگر جو قوم مسلمان کہلائے اس کے پاس تو بنا بنایا قانون کتاب و سنت اور اس کے متعلقات کی شکل میں موجود ہے جس پر فیصلہ اور عمل درآمد اسلام کی شرطِ اولین ہے۔ ایسی قوم کو کب جائز ہے کہ خود ”آئین سازی“ کا دعویدار بن کر مغرب کے نقش قدم پر آئین جیسی مقدس آسمانی امانت کو بانہ بچہ ہوئی دھوس بنا دے۔ ہاں معاملہ آئین دانی اور پھر اس کی روشنی میں جدید حوادث و لوازل اور حالات اور تقاضوں کے مطابق قانون سازی کا ہے جس کے لئے اگر قوم چاہتی تو بہتر صلاحیت کے رجال کا منتخب کر کے ملک و ملت کی گاڑی ہلاکت اور بربادی کی دلدل سے نکال دیتی مگر صد حیف کہ وہ موقع بھی ضائع کر دیا گیا اور تیرکان سے نکل چکا ہے اور شاید مجموعی قوم کی غیرت ملی کے جنازہ کو کندھا دینے کے لئے غیر مسلم افراد ہی آگے بڑھنے لگ جائیں۔ یہ مکافاتِ عمل ہے اور قدرت کی طرف سے تازیانہ۔

ایسے حالات میں آئین کے لئے بیٹھی کا تقرر اور نیا طریق کار کافی حد تک غنیمت ہے، بشرطیکہ چند امور کا خاص خیال رکھا جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے نازک اور اجتماعی کام کے لئے صدر محترم کی کوششیں جتنی بھی بے لوث اور فداانہ کیوں نہ ہوں ایک عادلانہ اسلامی آئین کے سلسلہ میں تب بار آور ہو سکتی ہیں کہ آئین کی تدوین و تشکیل کے لئے صحیح اور اہل رجال کا انتخاب کیا جائے۔ کوئی ادارہ ہزار نیک نیتی خلوص اور پاکیزگی مقصد کے باوجود اہل افراد کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ گو ہمیں اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آئین کمیٹی میں کن لوگوں کو لیا گیا ہے؟ مگر اسلامی آئین کے تحفظ و اہمیت کے بارے میں جناب صدر کی بار بار یقین دہانیوں کو دیکھتے ہوئے غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے نہایت احتیاط سے کام لیا ہوگا، اور پچھلے ۳۴ سال کے مختلف آئینی بورڈوں اور کمیشنوں کے برتناک انجام کو نگاہ میں رکھا ہوگا جو اسلام کے بارے میں تمام خیالی اور تجدزدہ دگی کی وجہ سے الحاد و تحریف کی رو میں بہہ کر حکومت اور رعایا کے درمیان نفرت اور بعد کا سبب بنے اور قیمتی سے اسلامی قانون کی سمت قوم کا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کا بنیادی سبب اگر تھا

تو یہی کہ ایسے کمیشنوں کے ارکان کو وہ صلاحیت، استعداد اور اخلاص میسر نہ ہو سکی تھی۔ تو کتاب و سنت کے مطابق آئین سازی کے لئے ضروری تھی، نہ وہ اسلامی شریعت کے مزاج کے واقف تھے نہ اسلام کی معاشرتی اور سماجی حکمتوں پر ان کی نظر تھی اور نہ ان کا کردار و عمل اس پیمانے پر پورا اترتا تھا۔ نتیجتاً وہ قوم کے دینی احساس، گرویدگی اور اسلام سے لگن سے صرف نظر کرتے ہوئے نئے زمانہ کی رو میں بہہ گئے اور اسلام کو ماڈرن شکل میں پیش کرنے میں روشن خیالی اور ترقی کا سمیار سمجھنے لگے۔ فطری طور پر قوم کے باشعور اور دیندار طبقہ نے اسے مسترد کر دیا اور قوم کے اجتماعی معرہ نے ان سب چیزوں کو قے کر دیا۔ پچھلے طویل عرصہ کا یہ تلخ اور طویل تجربہ صدر صاحب کے سامنے ہے۔ اور وہ یقیناً نہیں چاہتے ہوں گے کہ قومی زندگی کے مزید قیمتی لمحات اس سبق اور تجربہ کے دہرانے میں گنوا دیئے جائیں۔

اس احساس اور جذبہ خیر خواہی کی بناء پر چند معروضات آئینی کمیٹی کے انتخاب کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں جن کی رعایت ایک قابل قبول آئین اور ملت کی بقا و سلامتی کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔

(۱) ضروری ہے کہ آئین کمیٹی کے تمام افراد اسلامی آئین کو موجودہ تقاضوں اور نئے مسائل کی روشنی میں مدقون کرنے کی ہر طرح اہلیت رکھتے ہوں اور انہیں اسلامی آئین کی جامعیت، اعتدال اور سراپا عدل و انصاف ہونے کا پختہ یقین ہو۔

(۲) اگر ایک طرف وہ عصر حاضر کے مسائل اور جدید علوم و نظریات پر نظر رکھتے ہوں تو دوسری طرف استدلال اور تشریح و تبصیر کی اسلامی حدود اور نزاکتوں سے بھی آگاہ ہوں۔

(۳) قرآن و سنت اور اسلامی قانون (فقہ اسلامی) پر انہیں نہ صرف مطالعاتی بلکہ تحصیلہ دسترس ہو۔

(۴) عصر حاضر کی عملی اور علمی مشکلات کے حل کے لئے وہ دینی بصیرت، فراست ایمانی،

سلامت فکر، دینی پختگی، ملی غیرت، خدا ترسی، تقویٰ اور جذبہٴ خیرخواہی و حق کو شہی جیسی صفات سے مالا مال ہوں۔

(۵) ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تخریب، عناد، جہل خود غرضی اور خواہشات نفسانی پر مبنی نہ ہو بلکہ اپنے تمام فیصلوں کے لئے اللہ، رسول، صحابہؓ، تابعینؓ، ائمہ فقہ اور تعامل سلف میں سے کوئی قوی بنیاد اور سند موجود ہو۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی افکار و نظریات اور نئے اذموں سے ان کا ذہن مرعوب نہ ہوتا کہ نہ تو وہ اسلام میں تحریف و ترمیم کی جرأت کر سکیں اور نہ وہ اسلام کو ماڈرن بنانے اور خود بدلنے کی بجائے قرآن بدلنے کے جذبہ سے کام کریں۔

(۷) ایک اہم بات یہ کہ ایسے لوگوں کو پاکستان کے نظریاتی پس منظر کا نہ صرف احساس ہو بلکہ انہیں اسلام اور لا الہ الا اللہ کے نام پر مسلمانوں کی ان بے مثال قربانیوں سے جذباتی تعلق ہو جو پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے نام پر دی گئیں۔ اگر ایسے افراد پاکستان کو کسی سماجی یا معاشی اور جغرافیائی مسئلے کا پیداوار سمجھتے ہوں تو وہ ہرگز کوئی مفید آئین نہیں دے سکیں گے۔

(۸) آخری بات یہ کہ تمام ارکان کو اس نازک ترین کام کے تقدس اور عظمت کا نہ صرف لحاظ ہو بلکہ ملک کی صحیح تعمیر اور قوم کی نیا پارہ گانے کے لئے وہ اپنے اندر دیوانہ وار جذبہٴ عشق اور جوش و خروش عمل بھی رکھتے ہوں۔

ہمیں پورا احساس ہے کہ پچھلے دور غلامی نے قدیم و جدید کی جو دوئی پیدا کی ہے، پھر اپنی ستم کاریوں کی وجہ سے قحط الرجال کی جو صورت پیدا ہو چکی ہے کیٹی میں بیک وقت ایسے جامع الصفات افراد کا مہیا ہونا مشکل ہے مگر اس مشکل کو قدیم و جدید دونوں قسم کے موزوں افراد کے حسین امتزاج ہی سے حل کیا جاسکتا ہے۔ جدید ماہرین قانون کے پہلو بہ پہلو اسلامی علوم و فنون کی حامل شخصیتیں اگر اس کام میں شریک کی جائیں تو پوری قوم

کے لئے ایک قابل قبول آئین تیار کیا جاسکتا ہے۔ گاڑی کبھی بھی ایک پہیہ سے نہیں چل سکتی۔ اس معاملہ میں بے احتیاطی ہمیشہ ہماری مشکلات میں اضافے کا سبب بنتی چلی آرہی ہے۔

اسلامی آئین اور دور حاضر کے تقاضے | رہ گئی اسلامی آئین کی تدوین اور اس کے قابل عمل ہونے کی بات تو یہ اب ایک ایسی کھلی حقیقت بن چکی ہے جس سے انکار سوائے عناد، ہٹ دھرمی اور اسلام کے بارہ میں کافرانہ ذہن کا نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علماء نے مختلف پیرایوں میں اسے بارہا ثابت کیا ہے، جسے ہم کسی دوسری فرصت میں بیان کریں گے۔ مغرب کا کوئی تہذیبی اور معاشرتی یا سائنسی و فنی ایجاد و انکشاف اسلام کے ابدی اصولوں کو چیلنج نہیں کر سکتا، خرابی ہوگی تو ان طور طریقوں کی ذاتی ہوگی، جنہیں ہمیں یکسویت چھوڑ دینا ہوگا۔ جائزہ دے دیں کسی ترقی اور استفادہ سے اسلام ہمیں نہیں روکتا۔ اسی طرح اسلامی آئین ہی اس ملک کے واحد ذریعہ نجات و بقا ہوئے پر بھی تازہ حالات نے مہر ثبت کر دیا ہے اس سلسلہ میں اہل ذلیف و الحاد اور بھڑدزدہ افراد کے اٹھائے ہوئے شبہات پر توجہ دینا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے ضرورت پس اللہ کا نام لے کر پورے ایمان و یقین اور مؤمنانہ عزم و ہمت سے کام کرنے کی ہے۔ پھر دیکھئے فلاح و سعادت کا کیسا ابدی نسخہ اکسیر ہمارے ہاتھ آتا ہے اور ہماری تمام مصیبتیں کتنی جلد کافور ہوتی ہیں اور اللہ کی مدد کس کس طرح شریک حال ہوتی ہے۔

تدوین آئین میں پچھلے مفید کام سے استفادہ | آئین کمیٹی کے لئے ضروری ہے کہ تدوین و تشکیل آئین اسلامی کے لئے وہ تمام مفید مواد بھی سامنے رکھے جو پچھلے ۲۳ سال میں اہل حق علماء اور خدا ترس افراد کے بہترین دماغوں نے سفارشات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ قرارداد و مقاصد اور اس دور کی ”تعلیمات اسلامیہ بورڈ“ کی سفارشات، مختلف مکاتیب فکر کے متفقہ ۲۲ نکات تعلیمی اصلاحات کے بارہ میں مختلف رپورٹیں، عائلی رپورٹیں، معاشی اصلاحات کے بارہ میں ہر مکتب فکر کے ۱۸ علماء کی اصلاحات کا خاکہ یہ سب چیزیں آئین

میں بہترین رہنما اصول ثابت ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ علماء کی ان مختلف جماعتوں سے سے بھی اگر آئین کی تدوین و ترتیب کے لئے سفارشات طلب کی جائیں جو موجودہ پارلیمنٹ میں سیٹیں حاصل کر چکی ہیں اور جنہیں اسمبلی میں آئین کے بارہ میں رائے اور مشورے کا موقع دینے کا وعدہ کیا گیا ہے تو آئین سازی کا کام بہت حد تک سہل ہو سکتا ہے۔ جمعیت العلماء اسلام کی مثال ہمارے سامنے ہے جو ملک کے برگزیدہ علماء و مشائخ کی بہت بڑی جماعت ہے۔ اس جماعت کے بہترین ماہرین اور جید علماء کے ایک بورڈ نے اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے ایک آئینی مسودہ تیار کر لیا ہے۔ اگر آئین کمیٹی اس سے بھی استفادہ کرے تو اس جماعت کے منتخب علماء آئندہ اسمبلی میں ترمیم اور اضافہ کی مساعی سے بچ جائیں گے۔

ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ کمیٹی کے صحیح انتخاب اور آئین کی تیاری میں موجودہ حکومت کی دستگیری فرمائے اور قوم موجودہ غیر یقینی بحرانی کیفیت سے نکل کر یقیناً اطمینان اور عزم و عمل کی دولت سے سربشار ہو۔ جولائی ۱۹۷۱ء

مغربی جمہوریت اور آئین سازی

ہمارے ہاں عموماً کچھ سیاست دان اسلام اور نظریہ پاکستان کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ غریب عوام کو ایک تصوراتی جٹ دکھا کر سوشلزم یا اس کے ہم رنگ منہری زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ اول الذکر طبقہ کے گزشتہ طویل کارناموں، اسلام کے بارہ ہیں ان کا خام تصور اور معاندانہ روش کو سامنے رکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعی معنوں میں ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس اور اسلام کی اہمیت اور ضرورت کا شعور پیدا ہوا ہو۔ اور آئندہ اگر وہ کامیاب ہو جائے تو وہی پرانا سبق دہرا کر ملک و ملت کو ایک بار پھر بیجان اور اضطراب سے دوچار نہیں کریں گے۔ بلکہ پوری ایمان داری اور دیانت داری سے کتاب و سنت پر مبنی اسلامی دستور پر

اتفاق کر سکیں گے۔

رہا دوسرا ذہن تو وہ بھی دعوؤں میں جو چاہے کہے اور جس طرح چاہے اپنے لادینی معروں سوشلزم وغیرہ پر اسلام کی مہر لگائیں مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسی ارتیبابی ذہنیت بھی ہرگز ہرگز ملک کو اسلام کا عادلانہ معاشی و معاشرتی نظام دینے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔

نفاق اور فکری کجروی | پہلی ذہنیت نفاق اور دوسری فکری کجروی اور گمراہی کی غماز ہے۔ اور نتیجتاً اسمبلی میں جا کر ان کا اتفاق اگر ہو سکتا ہے تو اسی مغربی تہذیب اور نظام حیات پر جس میں ہوس اور نفس پرستی کی تسکین کا پورا سامان موجود ہے یا پھر کسی سوشلسٹ لائحہ عمل پر اس لئے کہ وہ بھی اخلاقی اور دینی قدروں سے آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ رہا اسلام کا نعرہ تو اس کی اثر پذیری تو اس وقت قائم رہ سکتی ہے جب اسے اس کے مکمل مفہوم اور مصداق میں سے کمر تمام بیرونی اور خارجی اثرات سے قطعی آزاد رکھا جائے۔

اسلام کے لئے جامعیت اور مانعیت دونوں ضروری ہیں | دنیا میں کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت تب موجود ہو سکتی ہے کہ اس چیز کی جامعیت اور مانعیت دونوں کو ملحوظ رکھا جائے اگر ایک شخص کا تصور اسلام کی پوری حقیقت کا احاطہ کئے ہے اور اس کی عملی زندگی اسلام کے تمام تقاضوں کو جامع ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ تصور اور عقیدہ کی حد تک غیر اسلامی نظریات کو بھی ذہن و فکر میں جگہ دیتا ہے تو اس کا اسلام جامع ہے مگر مانع نہیں یا اگر ایک شخص اپنے ذہن و فکر کو بیرونی ازم سے پاک رکھتا ہے مگر خود اسلام یا اس کے کسی جز کے بارے میں اس کا عقیدہ درست نہیں تو اس کا اسلام مانع ہے مگر جامع نہیں تو نہ پہلی صورت میں ہم ایسے شخص کو مسلمان اور اس کے اسلام کو اسلام کہہ سکتے ہیں نہ دوسری صورت میں، ایک شخص اسلام کے تمام بنیادی اصول عقیدہ توحید و رسالت، آخرت وغیرہ پر ایمان لا چکا ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ کسی معاشرتی یا معاشی مسئلہ میں دیگر نظریات پر ایمان رکھتا ہے یا دنیا کے ہر ازم سے اسے نفرت ہے مگر خود اسلام کے بارے میں

اس کا تصور ادھورا ہے تو دونوں صورتوں میں ہم اس کے اسلام کو کامل اور حقیقی اسلام نہیں کہہ سکتے، گاندھی اسلام کی بہت تعریف کیا کرتا تھا مگر وہ مسلمان نہیں تھا اس لئے کہ اس کے لئے مانعیت بھی ضروری تھی۔ مرزا غلام احمد اسلام کا متاد بنا پھر تا تھا مگر وہ بھی مسلمان نہیں تھا، کیونکہ اس کے لئے مانعیت اور جامعیت کی بھی ضرورت تھی اور اسلام کی حقیقت اور ماہیت کے لئے دونوں چیزیں لازمی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے عوام کی غالب اکثریت اسلام کو اس کے مکمل معنوں میں چاہتی ہے اور پچھلے تلخ تجربات نے بہت سے ابن الوقت مذہب بیزار لیڈروں کو بھی اس نعرہ کی اہمیت اور انتخابات کے موقعہ پر اس کی افادیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے مگر کچھ تو علاقائی اور گروہی عصبیت نے اور کچھ بے شمار نظریات اور سیاست دانوں کے سرخ و سفید نعروں کی یلغار اور تصوراتی دنیا کے حسین اور سنہری وعدوں کی کیفیت آفرینی نے عوام کے لئے بہت مشکل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے لئے کسی صحیح مخلص اور ایماندار قیادت کا انتخاب کر سکیں۔ ان حالات میں اگر بظاہر قوم ایک منتخب مجلس آئین بنانے میں کامیاب ہو بھی جاتی ہے تو اتنے گونا گوں اختلافات اور نظریات کیے جوتے ہوئے پارلیمنٹ کو کسی محدود عرصہ میں کسی ایسے آئین پر اتفاق کرنا ناممکن ہی بات معلوم ہوتی ہے جو قوم کے دینی مزاج اور سکری و دینی و معاشی ضرورتوں پر پورا اتر سکتا ہو۔ اور یہی صورت سامنے آتی ہے تو واضح ہے کہ اس کے نتیجہ میں قوم کو پہلے سے زیادہ شدید بحرانی اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور اس کے تلخ نتائج نہایت بھیانک شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو واقعی معنوں میں تن من دھن کی بازی لگا کر خلافت علی منہاج النبوت اور اسلام کا غلبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسا اسلام جو سلف کی تشریح و ترجمانی پر مبنی ہو اور جو کسی بھی خارجی اثرات اور نظریات کا منت پذیر نہ ہو مگر کیا موجودہ صورت حال میں ان کی یہ سعی انتخابی میدان میں بالآخر

بھی ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب نہ صرف پوری ملت کے دینی شعور، ملی احساسات اور جذبہ ایمان و اخلاص کے لئے لمحہ فکریہ ہے، بلکہ یہ سوال خود علماء و محقق کے باہمی افتراق اور انتشار کے لئے بھی ایک تازیانہ ہے اور بظاہر پورے ملک کی غیرت و حمیت کے لئے ایک ایسا چیلنج ہے جسے کیا عوام کیا علماء اور کیا سیاسی قائدین سب اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

مغرب کی پارلیمانی جمہوریت سے اسلامی آئین کی توقع | موقع اور حالات کی نزاکت، لوگوں کے احساس اور برے بھلے کی تمیز کو چھنچھوڑ دیتی ہے اور کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی کے اہل دوچار افراد اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں تو موجودہ مغربی جمہوریت کے دائرہ میں وہ یہ تو کر سکتے ہیں کہ پیش آمدہ مسائل کے بارہ میں اسلام کے نقطہ نظر سے ایوان کو آگاہ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں اور قوم پر اتمام حجت کر دیں۔ مگر اس مغرب کے ملعون جمہوری نظام نے یہ راستہ تو یقیناً مسدود کر لیا ہے۔ کہ کسی معاملہ میں فیصلہ اکثریت کی رائے اور ووٹ پر نہیں بلکہ خیر و بھلائی اور حق پر کیا جاسکے کیا پچھلے دور میں ایسے بے شمار مواقع نہیں آئے کہ ایوان کی اکثریت کسی مخالفت مؤقف اور استدلال کو حق اور قرین صواب سمجھتے ہوئے بھی جماعتی اور شخصی مفاد، گروہی تعصب یا نفس اور خواہشات کی وجہ سے اپنے غلط اور غیر اسلامی موقف پر ڈٹی رہی اور نتیجہ فیصلہ ملک و ملت کے اخلاق، تمدن اور معاشرت کو نقصان پہنچانے والی بات کے حق میں ہوا۔

بلاشبہ سوشلزم کفر پر مبنی ایک نظام حیات ہے مگر مغربی جمہوریت جس شکل میں ہمارے اوپر مسلط ہے اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہمیں صحیح اسلامی نظام حکومت بھی دے سکتی ہے، اس بات سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ہم کمیونزم، سوشلزم یا مغرب کے کسی لادینی نظام سے یہ امید وابستہ کر دیں۔ ہمیں اسلامی دستور العمل چھپا کر دے گا۔

مغربی جمہوریت کے بارہ میں سطحی نقطہ نظر | اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کا فلسفہ حیات

مذہب اور دین سے قطعی ایک متضادم فلسفہ ہے مگر جمہوریت بھی اگرچہ وہ براہ راست اسلام کی تہ مقابل نہ بنے پھر بھی عملاً اور نتیجتاً وہ بھی اسلام کے نفاذ کی راہ میں سد راہ بننے والی چیز ہے۔ ہمیں ہیرت ہوتی ہے کہ بعض ثقہ اور معاملہ فہم سنجیدہ اہل علم اور اصحاب فہم بھی سوشلزم کی بجائے مخالفت کرتے ہوئے جمہوریت کے بارہ میں مغالطہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کا نقطہ نظر یا تو محض سطحی یا پھر وداری کا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو محض ایک طرز حکومت ہے مگر یہ سوال اپنی جگہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا یہ طرز حکومت اسلامی ہے یا کافرانہ؟ مان لیا کہ جمہوریت ایک طرز حکومت ہے مگر کیا مسلمانوں کی زندگی کے متعلق تمام مسائل از قسم معاملات، معاشرت، معاش اور تمدن اس طرز حکومت ہی کی گرفت میں نہیں آئیں گے اور کیا اس طرز حکومت میں یورپ کی طرح صرف ملک اور زمین خدا کی اور حکم بجائے بادشاہ کے عوام کا نہ ہوگا؟

اسلامی نظام حکومت اور جمہوریت: دو متوازی راستے | اسلامی نظام حکومت میں زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اس کی اثر اندازی سے باہر رہ سکے نہ اس میں دین اور سیاست کے خانے الگ الگ ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر کسی طرز حکومت کا غیر اسلامی ہونا پورے نظام زندگی کے کافرانہ ہونے کے لئے کافی ہوگا، اور سوشلزم اور جمہوریت میں کچھ فرق نہیں کیا جاسکے گا۔ اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ یہ بات تو بالکل بے لاگ ہے۔ کہ اسلام میں اصل حاکمیت اور فیصلہ کا حق خدا اور اس کے رسول کو ہے صرف وہی قانون سازی کا حقدار ہے مگر مغرب کے جمہوری نظام میں قانون سازی کا حق صرف عوام اور رعیت کو دیا گیا ہے۔ مگر اسلام پوری ملت کو مل کر بھی شریعت سے متضادم کسی بات پر قانون سازی کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اور نہ وہ منصوص احکام اور قطعی معروفات یا منکرات کی قانونی حیثیت بدلنے پر دو ٹونگ کرنے کا روادار ہے، بخلاف اس کے جمہوریت ایک ووٹ کی اکثریت سے بھی کسی حرام اور قطعی ناجائز بات کے حق میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ اسلام کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات پر اثر انداز ہونے والے کسی مجلس میں نمائندگی کا حق نہیں دیتا، نہ عورتوں کے نازک کامندھوں پر یہ عظیم کام

ڈالنا چاہتا ہے، جب کہ جمہوریت کسی عیسائی اور قادیانی تک کو ملک کے اہم ترین منصب وزارت، صدارت یا عدالت عالیہ کے سب سے بڑے عہدہ چیف جسٹس پر فائز کرانے سے نہیں جھجکتی اور وہ عورتوں تک کو ایوان میں ایک اہم حق دیتی ہے۔ اسی طرح اسلام کسی منصب یا عہدہ کے لئے کسی مسلمان کا از خود اپنے آپ کو پیش کرنے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ جب کہ جمہوریت کی ساری اسی ٹمن چور دیگرے نیست“ پر کھڑی ہے۔ اسلام میں کسی عہدہ کا استحقاق ایک شخص کی ذاتی اہلیت اور صلاحیت پر ہے، اگر اس میں یہ اہلیت نہیں تو عہدہ کے قابل نہیں اور اگر اس میں یہ تمام شرائط موجود ہیں تو وہ اسے ایک مقررہ مدت گزرنے پر بلاوجہ معزول نہیں کرتا، مگر موجودہ جمہوریت معیار استحقاق و دلوں کی اکثریت کو قرار دیتی ہے خواہ وہ اہلیت کے لحاظ سے صفر کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ ایک خاص میعاد گزرنے پر اسے معزول کر دیتی ہے خواہ وہ عدالت اور صلاحیت کے لحاظ سے ہر طرح پورا کیوں نہ ہو۔ اس میں اسلام پوچھتا ہے کہ اگر یہ شخص نا اہل ہے تو اسے حاکم کیوں بنایا گیا اور اگر اہل ہے تو اب اسے معزول کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس صورت میں تو وہ ایک باختیار حاکم نہیں بلکہ بے دست و پا محکوم بن جاتا ہے کہ مقررہ مدت گزرنے پر بلاوجہ اسے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ اسلام حکومت کو ایسا بے دست و پا نہیں بنانا چاہتا، نہ خلافت کی عظیم امانت اتنی ہلکی ہے کہ وہ اسے ملک کے ہر اہل و نا اہل میں سے جس کو چاہے سونپ دے۔

سوشلزم لات ہے تو جمہوریت منات | پھر وہ جمہوریت جو دلوں کی بنیاد پر برطانیہ

میں لواطت اور پاکستان میں زنا با الرضا کو سند جواز فراہم کر سکتی ہے، تعددِ اثار و اج پر پابندی لگاتی اور خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت دے سکتی اور شراب کے پرمٹوں کا کوٹہ مقرر کر سکتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اٹل قانون میراث میں غیر حقدار کو حقدار بنا سکتی ہے۔ ہر شہری کو جو مذہب چاہے اختیار کرنے کی ضمانت دے سکتی ہے ایسی جمہوریت کے اسلامی ہونے کا فتویٰ لگانے والے بزرگ اس بارہ

میں کیا ضمانت دے سکتے ہیں کہ کل یہی اسپیل شراب، جٹوا، سود جیسے قطعی محرکات کے علاوہ ملک کا پورا معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ کسی غیر اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کی جرأت نہ کر سکے گی۔ پس اگر سوشلزم جیسا کہ واقع ہے، ایک کافرانہ نظام ہے تو ایسی جمہوریت کیوں اسلامی طرز حکومت ہے۔ اگر وہ لات ہے تو یہ منات کیوں نہیں؟

اسلامی قانون کی تدوین و تشریح کا حق کس کو ہے | واقعہ یہ ہے کہ اسلام نہ تو کسی صدارتی یا پارلیمنٹری نظام کو یہ حق دیتا ہے اور نہ کسی فسطائیت یا ڈکٹیٹر شپ کو کہ وہ جیسا چاہیں مسلمانوں کے معاشرت، تمدن اور معاشیات سے متعلق کسی مسئلہ میں قانون سازی کریں، نہ وہ کسی منصوص محرکات اور قطعی محرکات یا معروفات پر رائے شماری برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس کی نگاہ میں کسی اسپیل یا مجلس شوریٰ کی حیثیت ایک قانون دان کی ہے قانون سازی کی نہیں۔ یہ قانون دانی معاشرہ کے کسی خاص طبقہ اور کسی فرد یا جماعت کے نام الاٹ نہیں، لیکن جس طرح دنیا کے ہر قانون کے بارہ میں بوسلنے اور رائے دینے کا حق صرف اسی کو دیا جاسکتا ہے جو اُس قانون کی بنیادی زبان اس کے محرکات و عوامل اس کے اسرار اور حکمتوں اور اس کی تمام فنی بیچیدگیوں سے آگاہی رکھتا ہو۔ اگر فرانسیسی زبان کے ابجد سے بھی ناواقف شخص قانون فرانس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ اور انگریزی سے نااہل شخص بٹش لاء کی گتھیاں نہیں سلجھا سکتا۔ کسی ہل جوتنے والے ان پڑھ کاشتکار کی ہم تعزیرات ہند کی تشریح کا حق نہیں دے سکتے۔ تو پھر قرآن و سنت اور اس کے استنباط اور اجتہاد حق بھی ہم ایسی پارلیمنٹ کو نہیں دے سکتے جس کی اکثریت اسلامی اصول شریعت کے مبادیات تو کیا، نفس اسلام کے ابجد سے بھی ناواقف ہو۔ ایسا کرنا خدا کے علیم و حکیم کے آسمانی قانون کے ساتھ ایک ایسا مذاق، موگا جس کی نظیر زمین پر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کے ساتھ کسی بھی مذہب اور قوم میں نہیں مل سکتی۔ قانون دانی کے تمام شرائط اور تقاضوں پر پورا اترنے والے افراد بھی اگر کچھ کر سکتے ہیں تو صرف یہی

کہ کتاب و سنت پر مبنی احکام و قوانین کو زندگی کے مختلف شعبوں پر لاگو کرنے کی صورتیں تجویز کریں۔ حوادث اور نوازل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں پھر ہی تقاضوں کو اسلام کے قالب میں ڈھالیں، نہ یہ کہ خود اسلام کو کھینچ تان کر نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں۔ مگر مغربی جمہوریت ایسا نہیں کرتی بلکہ تمام ارکان اسمبلی کو بے لگام پھوڑ کر ووٹنگ کے نام پر خدا اور رسولؐ کی تشریعی حیثیت کو چیلنج کرتی ہے جبکہ قانون سازی کی حد تک اسلام میں قطعی ڈکٹیٹر شپ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عوام اور رعایا کو اس میں دخل اندازی کا حق نہیں۔

اسلام کا تصور جمہوریت | اسلام میں اگر جمہوریت ہے تو وہ صرف اس معنی میں کہ مسلمانوں کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ قوت حاکمہ بھی خدا اور رسولؐ کے تشریعی اختیار است میں دست اندازی نہیں کر سکتا۔ وہ ہر شہری کو حق دیتا ہے کہ منکرات پر قرآن و سنت کی روشنی میں تنقید اور معروفات کی تلقین کرے۔ کلمہ حق کہنے کا حق ہر جابر و قاہر بادشاہ کے سامنے ہر ادنیٰ رعیت کو حاصل ہے بھلائی کی بات سے کوئی طاقت کسی مسلمان کو نہیں روک سکتی۔ یہ آزاد مٹی رائے اسلام کی خاطر ہے۔ اسلام کے خلاف نہیں۔ ایک ضعیف بڑھیا فاروق اعظمؓ جیسے خلیفہ عادل کو ٹوکنے کی مجاز ہے۔ صدر مملکت ہر بات میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور تمام رعایا کے سامنے جواب دہ ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جمہوریت کے نام پر ہر فرد دین شریعت اخلاق اور تہذیب کے بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

غلط تصور جمہوریت پر مبنی قریب کاریاں | جمہوریت کے اس غلط مغربی تصور کی وجہ سے بعض خود غرض امراء اور بے دین اصحاب قلم نے یہاں تک کہا کہ اسمبلی کا دائرہ اختیار اس حد تک وسیع ہے کہ اسے ”مرکز ملت“ کی حیثیت حاصل ہے، اور رسولؐ کی اطاعت کی طرح اس کے ہر فیصلے کی اطاعت لازمی ہے۔ یہ تصور منکر بن حدیث کے قائل پر ویز اور ایک حد تک ڈاکٹر فضل الرحمان نے عام کیا۔ صدر ایوب نے جو اپنے آمر مطلق ہونے کے لئے شرعی سند بھی ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ نہ صرف اس کا فرمانہ

نظر یہ کی ہو صلہ افزائی کی بلکہ اپنی خود نوشت سوانح میں اس تصور کو بھی عام کرنا چاہا کہ پارلیمنٹ کی آئین سازی کو شریعت کے ایک اہم اور بنیادی اصول "اجماع" کی حیثیت حاصل ہے جس کے بعد اس کے فیصلوں پر عمل ساری امت کے لئے لازمی قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ محض جہالت یا فریب کاری کا ایک کوشش ہے اور تمام فقہائے امت نے اجماع کی جو تعریف کی ہے اور جو اصول اور شرائط اس کے انعقاد کے لئے طے کئے ہیں اس کی ادنیٰ مناسبت بھی پارلیمنٹ کے فیصلوں سے نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو اجماع تمام مسلمانوں کے متنازع ترین اہل علم اور علماء راہبین کا دجوا اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہوں (کتاب و سنت اور قیاس صحیح کی روشنی میں کسی کام پر متفق ہونے کا نام ہو وہ دنیا کے کسی خاص نقطہ کے چند ایسے افراد کے فیصلہ پر کب صادق ہو سکتا ہے جن میں فقہاء اور مجتہدین تو کیا نام کے علماء بھی صرف دو ایک ہوں۔ باقی اکثریت صرف عام مسلمانوں کی نہیں بلکہ غیر مسلم اقلیتی افراد اور خود مسلمانوں میں دین کے بارہ میں معاندانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کی ہو، اور اس کے فیصلے کتاب و سنت کی کسی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی نفی کرنے والے ہوں۔ اپنے دین کے اصول کو اس طرح باز بچہ اطفال بنانے کی مثالیں غیر مسلم اقوام میں بھی کم ہی ملیں گی۔

فقہاء امت کا دستوری اور قانونی سرمایہ ہمارے سامنے فقہاء امت کی قانونی اور آئینی تفصیلات اور نشریات کا ذخیرہ موجود ہے انہوں نے ہر دور کے نازک اور پیچیدہ ترین مسائل پر اصول شریعت کی تطبیق و تنقیح کا ایک بے مثال کارنامہ چھوڑا ہے۔ مگر اس کی حیثیت بھی از خود کسی قانون سازی کی نہیں بلکہ اصول و عمل کی روشنی میں کسی چیز کی جائز یا ناجائز حیثیت ظاہر کر دینے کی ہے، اسلامی فقہ کے تمام مکاتب فکر نے اگر کسی رائے کو کتاب و سنت سے زیادہ قریب پایا تو اسے قبول کر لیا اور جسے ہٹا ہوا سمجھا اسے مسترد کر دیا، خواہ اس کے کہنے والے کتنے زیادہ کیوں نہ ہوتے۔ جب تک کوئی فیصلہ کتاب و سنت اور اس کے منشاء

وعلت پر مبنی نہ ہوتا، ناقابل قبول ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ کی کوفہ والی مجلس قانون کتاب و سنت پر ہوتا۔ کبھی کسی مسئلہ میں صرف وٹنگ اور اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا گیا۔

خطرات اور مشکلات | بہر حال یہ تو ایک تمہیدی بات تھی جو طول پکڑ گئی، آج کی فرصت میں ان خطرات اور مشکلات کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے جو موجود دور جمہوریت میں تشکیل پانے والی کسی اسمبلی کی صورت میں بھی اسلامی آئین سازی کے لئے سدا رہ بن سکتے ہیں۔ اس اسلامی قانون سازی کی حیثیت کیا ہوگی؟ اور اس کے لئے دینی اور علمی اہلیت کا معیار کیا ہوگا؟ وہ کیا صورتیں ہیں جو ارکان اسمبلی کو کتاب و سنت کے دائرہ میں پابند بنا سکتی ہیں؟ اور وہ کونسا با اختیار ادارہ ہوگا جو کسی معاملہ میں نزاع کی صورت میں اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے گا؟ پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ادارہ پچھلے دور کے شراب اور دبا کو حلال کرنے والی ”عبقری شخصیتوں“ سے پاک رکھا جائے گا؟ اور وہ کون سی طاقت ہوگی جو تمام ارکان کو اسلام کی اپنی من مانی تشریح اور ترجمانی سے روک کر انہیں اسلام کے مستطیع اور متوارث مفہوم تسلیم کرنے پر مجبور کرے گی؟ یہ چند سوالات ہیں جو ملک کے تمام اہل علم اور اصحاب فکر کی توجہ کے مستحق ہیں اور اس کے قابل اطمینان جواب پر ہی ملک کو ایک ایسا مکمل اسلامی آئین مہیا ہو سکتا ہے جو اسلام اور عوام کی ضروریات کے تمام تقاضوں کا آئینہ دار ہو۔

مسلمانوں کا باہمی اختلاف و فکر اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا | اسلامی آئین کی بات سن کر کچھ لوگ ایسے موقع پر مختلف فرقوں کی بنیاد پر اسلام کا ایک ناقابل عمل آئین ہونے کا افسانہ کھڑا کر دیتے ہیں اور یہ ان کی سراسر فریب کاری ہوتی ہے۔ دراصل ایسے لوگ باطنی منافقت اور دلوں کے کھوٹ کی وجہ سے اسلام کو بحیثیت دستور العمل کے ایک دین ہی نہیں سمجھتے اور انہی مغالطہ انگیز سچی کام لے کر اللہ اور رسول کریمؐ کی لائی ہوئی شریعت کو اس ملک میں نافذ

ہی نہیں دیکھنا چاہتے۔ ظاہر بات ہے کہ آئین اور دستور کا زیادہ تر تعلق رعایا کی باہمی معاشرت، تمدن اور داخلی و خارجی معاملات سے ہوتا ہے عبادات سے نہیں۔ اور جہاں تک خرید و فروخت، اجارہ، زراعت یا اس قسم کے تمام معاملات کے احکام کا تعلق ہے۔ اس ملک کے تمام اسلامی فرقوں کا اس میں اختلاف نہیں، معاشرتی قوانین نکاح، طلاق، عدت، باہمی حقوق، میراث وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ سود، زنا، شراب، ہوا، سمگلنگ، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ڈکیتی، اغواء، الغرض مال و جان میں دست اندازی کی تمام شکلیں سب کے ہاں ناجائز اور قابل سزا جرائم ہیں۔ جتنی تو کیا کسی شیعہ کو بھی ان امور کی قیاحت میں تاثر نہ ہوگا۔ اخلاق اور معاشرہ کی استواری کے تمام احکام اور ہدایات سے بھی کسی کو اختلاف نہیں، ملک کے انتظامی امور اور ترقیاتی منصوبوں کے بارے میں بھی اسلام کا کوئی مکتب فکر دوسرے سے دست و گریباں نہیں۔ حدود و تعزیرات میں متفق الحیال ہیں۔ بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں ہر مکتب فکر میں ناقابل برداشت ہیں، کوئی بھی فرقہ معاشی ناہمواری یا غیر فطری مساوات کا قائل نہیں جو مغربی سرمایہ داری اور اشتراکیت کا نتیجہ ہوتی ہے اسلام کا ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ اسلام کسی خاص طبقہ کی معاشی خوش حالی کا محافظ نہیں بلکہ وہ غریب و امیر سب کے حقوق اور سب کی بنیادی ضروریات کا کفیل ہے۔ پس وہ کون سی رکاوٹ ہے جو باہمی اختلافات کی وجہ سے اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

مسلمانوں کے مکاتب فکر کے اختلافات کا اصل دائرہ | مختلف مکاتب فکر کے اختلافات کا زیادہ تر ظہور عبادت اور عبادات میں ہوتا ہے، جس کے
 مثالے اور کسی ایک فقہی اور فردی نقطہ نظر پر متفق کرانے کا حق شریعت نے خاص مصلحتوں کی وجہ سے کسی اسلامی اقتدار کو دیا ہی نہیں بلکہ اسے آئین کے دائرہ سے باہر چھوڑا گیا ہے۔ مناسبات یا امین کہنا جہر ہے یا خفیہ، رنج بدین

ہے یا نہیں؟ وتر کی رکعات کتنی ہیں؟ حج میں قرآن بہتر ہے یا تمتع؟ سفر میں دور کعت بہتر ہیں یا چار؟ حضور نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں یا بشر؟ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل تھے یا ابو بکرؓ و عمرؓ؟ ائمہ کی تقلید ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کے دیگر مسائل گوان میں سے بعض عقائد کی حد تک بے حد نزاکت اور اہمیت کے حامل کیوں نہ ہوں؟ مگر ان اختلافات سے ملک کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور تمدنی مسائل میں قرآن و سنت کی بالادستی ہرگز ہرگز متاثر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر کچھ لوگ اسلام کے صریح محرمات شراب، جوا، زنا، سود وغیرہ کو حلال ٹھہرانے لگیں، حدود اور تعزیرات کو ظلم اور وحشت سمجھنے لگیں۔ اخلاقی آوارگی بے حیائی اور فحاشی کو ترقی اور کامیابی قرار دینے لگیں تو ایسے لوگوں کی مخالفت کا اعتبار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ایسے لوگ اسلام یا اس کے کسی فرقے میں داخل کب رہ جاتے ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کل ہم اس ملک کے عیسائی، یہودی، ہندو اور نادانی اقلیتوں کی موجودگی کو سرے سے سیکور آئین کے لئے وجہ جواز بنا دیں، ایسا کرنا یقیناً اس ملک کے بنیادی مقاصد سے غداری کرنا ہوگی۔

اسلامی آئین کی چند ضروری شرائط

آئینی کمیٹی کے مسودہ پر غور و خوض کرنے اور آئین کو آخری شکل دینے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو چکا ہے۔ آئینی مسودہ کی تفصیلات^۱ چونکہ تا دم تحریر ہمارے سامنے نہیں آ سکیں اس لئے اس پر رائے زنی کا موقع تو نہیں ہے، البتہ پچھلے دنوں حزب اقتدار و حزب اختلاف کے رہنماؤں کے درمیان جو آئینی سمجھوتہ ہوئی ہے اور کمیٹی نے مسودہ میں اس کی بنیادی باتوں کو مد نظر رکھا، اس کی اسلامی اور جمہوری حیثیت پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے، مگر آج کی فرصت میں اس کی جمہوری خامیوں کو نہیں بلکہ صرف اسلامی حیثیت پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ مستقل آئین کے سلسلہ میں اس کو نہ صرف اراکین اسمبلی بلکہ تمام مسلمان ملحوظ رکھ کر آئین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکیں۔ آئینی سمجھوتہ میں یہ بات بڑی حد تک خوش آئند سمجھی گئی ہے کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ ملک کے قوانین قرآن و سنت کے مطابق ہوں گے۔ صدر مملکت کے لئے مسلمان ہونے کا اور ایک حد تک اس کی تعریف کرتے ہوئے، اقرار لازمی ہوگا۔ اس طرح کی بعض دوسری باتیں جنہیں آئین کے اسلامی ہونے کا ضامن سمجھا گیا ہے، بجا طور پر حسین و تائید کی مستحق ہیں۔ مگر پچھلے دساتیر کی طرح یہاں بھی چند ایسی بنیادی خامیاں دانستہ رکھی گئی ہیں کہ یہ باتیں محض فریب نظر بن کر رہ گئی ہیں۔ اور پورے آئین کو یکسر اسلامیت کی روح سے بیگانہ کر دیا گیا ہے۔ اور محض ایک خوشنما عنوان کے پردہ میں اسلامی قوانین و حقوق کا بڑی طرح مذاق اڑایا گیا ہے۔ اس طرح ہم دستور میں اسلام، خدا اور رسول، قرآن و سنت اور

^۱ بعد میں یہ تفصیلات سامنے آئیں اور آئین منظور بھی ہو گیا مگر اس مضمون کی اہمیت اور افادیت منظور شدہ آئین کے بارے میں اسی طرح برقرار ہے۔

اسلامی اصول کے غرض ذکر سے سادہ لوح مسلمانوں کو مطمئن کر سکیں گے، مگر مقصد کسی طرح حاصل نہیں ہو سکے گا۔

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ اگر مذکورہ سب باتیں دستور کے دیباچہ یعنی ”مملکت کی پالیسی طے کرنے کے رہنما اصول“ میں رکھی گئی ہیں، تو ان کی کوئی قانونی پوزیشن باقی نہیں رہ سکتی۔ یہ حقہ قانون کا وہ حقہ ہے جس کی خلاف ورزی کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ اور کسی بڑے سے بڑے غیر اسلامی قانون کو اسلامی قانون کا نام دے کر آپ ملک میں باسانی نافذ کر سکیں گے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ان تمام باتوں کو قانون سازی کے بنیادی ابواب اور طریق کار والے حصہ میں درج کیا جائے تاکہ کسی بھی خلاف ورزی کو عدالت میں چیلنج کیا جاسکے۔

۲۔ بظاہر پارلیمانی نظام میں صرف قومی اسمبلی قوانین کو آخری شکل دیتی ہے، اس صورت میں یہ ضمانت دینا لازمی ہے کہ کسی وقت اسمبلی اکثریت کے بل پر اسلامی احکامات و تعلیمات کے خلاف کوئی فیصلہ کر دے تو اس کی اصلاح کے متبادل راستے کھلے ہوں مثلاً ہر مسلمان ٹہری کو یہ حق حاصل ہو کہ اسمبلی کی کسی غیر اسلامی قانون سازی کو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں چیلنج کر سکے، بغیر اس کے اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کے غرض ایک رسمی اعلان سے کوئی چیز اسلامی نہیں ہو سکتی۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جب بنیادی حقوق کی حق تلفی کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے تو مذہب اور اسلام کے خلاف کسی قانون سازی پر مروجہ صرف ہر مسلمان کی سب سے بڑی حق تلفی بلکہ کروڑوں مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی ہے، ہر عدالت کا دروازہ کھلا رہنا اور بھی ضروری ہے۔

۳۔ آئین میں صدر یا گورنروں کو قانون سازی سے پیشتر انتظامی و غیر انتظامی آرڈیننسوں میں بھی اس بات کا پابند کرنا ضروری ہے کہ کوئی حکم یا فرمان کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، تاکہ قانون سازی سے پہلے غیر اسلامی آرڈیننس نافذ نہ ہونے کی گنجائش نہ رہے۔

۴۔ آئین میں قانون سازی کو کتاب و سنت کا پابند بنانے کے لئے صرف منفی پہلو کافی نہیں بلکہ مثبت طور پر یہ بھی وضاحت ہو کہ ساری قانون سازی کتاب و سنت کے مطابق ہوگی۔

غیر مسلم اور کلیدی مناصب ۵۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس طرح صدر کے لئے مسلمان ہونا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس طرح ان تمام کلیدی مناصب کو بھی اس شرط کا پابند کر دیا جائے، جو کسی نہ کسی صورت اسلامی مملکت اور مسلمانوں کے مفادات، نظم و نسق اور حل و عقد پر اثر انداز ہوتے ہوں یا کسی بھی طرح تنفیذ احکام اور ولایت عامہ یا ولایت خاصہ کے دائرے میں آتے ہوں کیونکہ اسلام میں کسی بھی غیر مسلم کو ولایت، قضاء اور تنفیذ احکام جیسے امور میں مسلمانوں پر بالادستی نہیں دی گئی لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلًا۔ ہمیں کسی کمیونسٹ ملک میں ایسی مثال نہیں مل سکے گی جہاں کسی اہم کلیدی منصب پر ایسا شخص فائز ہوا ہو جو کھلے بندوں کمیونزم پر عقیدہ نہ رکھے اور اُسے نشانہ تنقید بنائے نہ کسی سرمایہ دارانہ نظام میں ایسی کوئی نظیر ملتی ہے۔

وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ پارلیمانی نظام میں ان مناصب میں سب سے پہلا نمبر وزارت عظمیٰ کا آتا ہے۔ وزیر اعظم اس نظام میں اختیارات کا اصل سرچشمہ ہوتا ہے اس کا مسلمان ہونا اتہائی ضروری ہے۔ اسی طرح مرکزی وزراء بالخصوص وزیر دفاع، وزیر تعلیم، وزیر قانون وزیر خارجہ کا، کسی اسلامی مملکت کے نظریات اس کی بقا و استحکام اور قیام عدل وغیرہ بنیادی مسائل میں اہم ترین حصہ ہے اس لئے ان کا مسلمان ہونا لازمی ہے۔ ارکان عدلیہ سپیکر ڈپٹی سپیکر الیکشن کشنر، گورنر، صوبائی وزراء اعلیٰ کے عہدوں پر غیر مسلم عیسائی یا مرزائی کو متمکن ہونے کا موقعہ دینا بھی کسی اسلامی سٹیٹ کی بھلائی نہیں۔

جج اور سربراہ فوج اسلامی قانون کے مطابق عدل و انصاف کی نگہداشت اور تنفیذ کرنے والی اہم شخصیت قاضی اور جج کی ہوتی ہے اسلام کسی حال میں کسی غیر مسلم کو اس منصب پر فائز ہونے کا حق نہیں دیتا بلکہ اسلام کی اولین شرط کے ساتھ اسلامی علوم، مآخذ قانون پر اس کی اصل زبان عربی میں عبور کو بھی ضروری سمجھا گیا ہے! و سب سے بڑھ کر

افواج کی سربراہی جیسے کلیدی مناصب جس میں غیر مسلم پر اعتماد کرنا کسی حال میں بھی دانشمندی نہیں کہلا سکتی نہ کسی نظریاتی مملکت میں اپنی تقدیر سے اس طرح کے شرمناک کھیل کھیلنے کو وسیع الظرفی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ایسے آئین میں جس میں اسلام کو سرکاری مذہب تسلیم کر لیا جائے اور وہ کسی سیکولر سٹیٹ کا آئین نہ ہو کسی بھی غیر مسلم کو ایسے تمام مناصب پر فائز ہونے کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے۔ جبکہ کئی افسوسناک نتائج کا بھر بھری ہو چکا ہے۔

غیر مسلم ارکان اسمبلی (۶) نہ صرف یہ کہ اسلام ان تمام مناصب کے لئے ضروری شرط اہلیت ہونا چاہیے، بلکہ اسلام کی نگاہ میں چونکہ کسی غیر مسلم کو قانون سازی کا حق نہیں پہنچتا اس لئے اولاً تو ارکان اسمبلی کے لئے بھی یہ شرط لازمی تھی، مگر ”جمہوریت“ کے خوشنما پردہ میں جب یہ یہ غیر اسلامی رہنمائی جارہا ہے، تو کم از کم غیر مسلم ارکان کو کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کے بارے میں رائے اور ووٹ دینا تو کسی حال میں بھی قرین عقل و قیاس نہیں، مگر یہاں تو طرفہ تماشایہ ہے کہ حلف و فاداری کے وقت غیر مسلم ارکان بھی ”اسلامی نظریہ“ کی حفاظت و اشاعت کا حلف اٹھاتے ہیں، جب کہ خود ان کا عقیدہ اور نظریہ اس حلف کا مذاق اڑاتا ہے۔ اس صورت میں غیر مسلم ارکان کے لئے حلف کی عبارت الگ ہونی چاہیے تاکہ تفاق کی یہ صورت نہ رہے۔

مسلمان کی تعریف (۷) جبکہ مسلمان اور اسلام لازمی طور پر ایک خاص مفہوم اور معنی اپنے اندر رکھتا ہے تو ضروری ہے کہ آئین میں مسلمان کی تعریف بھی شامل ہو۔ اگر ہم ایک لمحہ کے لئے مان بھی لیں کہ علماء اس کی لفظی تعبیر میں متفق نہیں ہو سکے۔ تو کیا آپ ارکان اسمبلی کے ارکان کو الگ الگ کمروں میں بٹھا کر سوشلزم، کمیونزم، مارکسزم یا سیکولرزم کی ایک ایسی تعریف پر متفق ہو سکتے ہیں جس کے الفاظ اور تعبیرات میں ایک لفظ کا فرق نہ ہو یا اگر ایسا

۱۵ اور بعد میں علماء کے مساعی سے یہی تعریف مرزائی غیر مسلم قرار پانا جانے کی بھی بنیاد بنی اور آئین میں شامل کر دی گئی۔

نہیں ہو سکتا تو پھر ان تمام اصطلاحات سے آپ دستبردار کیوں نہیں ہوتے۔ مگر یہاں تو اسلام کے مفہوم اور مراد میں بجز اللہ کسی قسم کا لفظی اختلاف بھی نہیں بلکہ اسمبلی کے پہلے سیشن میں سب مکاتیب فکر اور علماء کی طرف سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ایک متفقہ تعریف پیش کر کے اس اجماع اور اتفاق کا مظاہر ہو کر چکے ہیں۔ اور وہ تعریف نہ صرف اسمبلی بلکہ آئینی کمیٹی کے مذاکرات میں بھی ریکارڈ میں آچکی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اب اتنی لمبے دے کے بعد مسلمان کی ایک حد تک تعریف شامل کرنے پر اتفاق ہو چکا ہے۔ مگر اس میں صرف اللہ کی وحدانیت، حضورؐ کی ختم نبوت اور آخرت کا اقرار کافی نہیں کہ اس طرح مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ نہ تعریف کی جامعیت مانعیت برقرار رکھتی ہے۔ مرزائی تو ابھی سے خوشی مناسبتے ہیں کہ ہم ختم نبوت کے قائل ہیں اور اب تو تانوا اپنے آپ کو مسلم منوانے کا موقع یہ تعریف فراہم کر دے گی۔ کتنی ضروریات دین ہیں جن کا سرعام مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ختم نبوت کی بجائے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حضورؐ کو آخری نبی مان کر آپ کے بعد کسی دوسرے نبی پر ایمان کو کفر و اسلام کا خط امتیاز قرار دیا جائے، نیز عقیدہ آخرت کے علاوہ تمام ضروریات دین از قسم صلوٰۃ و زکوٰۃ، روزہ، حج اور ان کی ضروریات کے متعارف مفہومات پر ایمان لانے کو بھی تعریف کا جز بنادیا جائے اور جنہیں ایک حد تک اسمبلی میں علماء کی پیش کردہ تعریف میں سمودیا گیا ہے۔

بنیادی حقوق کے نام پر ارتداد کی بھٹی (۸) اب تک تمام دساتیر بشمول ۱۹۵۶ء کے آئین کے یہ ایک فیشن چلا آ رہا ہے کہ مغربی اثرات سے بنیادی حقوق کے نام پر آئین کی لفظی اور رسمی اسلامییت پر بھی پھیری پھیری جاتی ہے۔ موجودہ آئین میں یہ گنجائش نہیں رہنی چاہیے۔ مثلاً آج کے بنیادی حقوق بشہری کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ کسی بھی مذہب کی پیروی کرے اس پر عمل کرے یا اس کی تبلیغ کرے؟ اسلام کی نگاہ میں یہ مرتج ارتداد ہے، مسلمان اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد دوسرے دین کو اختیار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی منہاج مقتضائے حدیث ”من بدل دینہ فاقتلوا“ (المحدث) قتل ہے۔ آپ اسے ہزار درجہ تنگ ظرفی سمجھیں مگر قتل مرتد اسلام کا ایک لازمی حکم ہے۔ غیر مذہب کی تبلیغ کی بھی کسی اسلامی سٹیٹ

میں کھلی چھٹی نہیں ہوتی۔ سچی مشنریوں اور مرزائی سرگرمیوں کی شکل میں ازدواج کی تبلیغ کا خمیازہ پوری قوم بھگت رہی ہے۔ اس لئے ایسی دفعہ اگر برقرار رکھتی ہی ہے تو بجائے کسی بھی مذہب کے یہ تصریح کہ ہر شہری کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ”اپنے مذہب کی پیروی کرے“ الخ بنیادی حقوق کو اسلام سے ہم آہنگ ہونا چاہئے | موجودہ بنیادی حقوق میں عموماً بہت

سے حقوق کتاب و سنت سے متصادم ہوتے ہیں۔ اگر آپ آئینیوں کو قانون سازی میں ان حقوق کے تحفظ کا پابند بنادیں گے۔ تو کتاب و سنت کے موافق قانون سازی ناممکن ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسلام غیر مسلموں پر مخصوص ٹیکس لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ حقوق آپ کو ایسا نہیں کرنے دیتے وہ غیر مسلم کو حج یا جسطریت بننے کا حق نہیں دیتا مگر شہریوں کے شخصی قوانین اس کا توڑ پیش کرتی ہیں، شخصی حقوق عورت اور مرد کو ہر حالت میں یکساں رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ حدود اور قصاص جیسے نازک مسائل میں عورت فیصلے دینے کی مجاز نہیں، نہ اسے عدلیہ کا حق بننے کا حق حاصل ہے۔ نہ ایسے مسائل میں اس کی شہادت قانوناً شہادت ہوتی ہے۔

اور جہاں شہادت معتبر ہے وہاں صریح نص قرآنی کی بناء پر دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں۔ اسی طرح مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت بھی جائز نہیں۔ اسی طرح آپ قانون بنائیں گے کہ مخلوط تعلیم نہ ہو، عام جماع اور تعلیم گاہوں، پارکوں میں مرد و زن کا اختلاط نہ ہو مگر عصری بنیادی حقوق کسی شہری کے ساتھ مذہب، نسل، جنس، وطن کے لحاظ سے اس قسم کی پابندی اور قدغن لگانے کے روادار نہیں۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ بے گام بنیادی حقوق اسلامی قانون سازی کا راستہ روکتے ہیں اور غیر اسلامی باتوں کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بنیادی حقوق کے ساتھ یہ تصریح ضروری ہے۔ کہ جہاں تک اسلام اجازت دیتا ہو اور کوئی حق اسلام کے عطا کردہ حقوق کے خلاف نہ ہو۔ شہری کے ایسے تمام حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

اقامت حدود میں مساوات (۱) اسلامی قانون بالخصوص اسلامی حدود میں صدر سے

لے کر ادنیٰ رعایا تک اس کا پابند ہوتا ہے۔ وہ نبی کریم اور خلفاء راشدین تک کو اقامت حدود میں رعایت یا امتیاز برتنے کی اجازت نہیں دیتا اس لئے آئین میں اختیار و اقتدار رکھنے والی

اونچی سے اونچی شخصیت کو بھی یہ گنجائش نہیں دینی چاہیے کہ وہ کسی ثابت شدہ شرعی حد یا شرعی سزا کو منسوخ یا معاف کر دے۔

خلاف اسلام قوانین کے احتساب کے لئے خصوصی بنچ (۱۱) ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قانون کے خلاف کتاب و سنت ہونے کی شکایت پر فیصلہ دینے کیلئے سپریم کورٹ کے ایک خصوصی بنچ کی گنجائش آئین میں رکھی جائے اور بنچ ماہر تجربہ کار، خداترس، متدین، بقبح علماء شریعت پر مشتمل ہونا چاہیے جن کے علم و فضل پر عوام کو اعتماد ہو اور موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق کرنے کے لئے ایک خاص مدت متعین کرتے ہوئے ایک ایسا با اختیار ادارہ بھی قائم کیا جائے جو مذکورہ بلند معیار کے علماء اور جدید قانون کے تجربہ کار ماہرین پر مشتمل ہو۔

۱۲۔ یہ اسلامی آئین کے چند ایک ایسے لازمی خدو خال ہیں، جن کے بغیر نہ تو کوئی آئین اسلامی آئین کہلا سکتا ہے۔ نہ محض خوشنما اور نظر فریب اسلامیت سے اس ملک کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ دستور بھی اس وقت تک ہمارے اصراف کا مداوا نہیں بن سکتا جب تک ہم خلوص، تلہبیت اور ایمانداری کے ساتھ اسے لے کر اپنی مشکلات کے حل کا ذریعہ بنائیں گے۔

ذو الحجہ ۱۳۹۳ھ۔ جنوری ۱۹۷۳ء

بنیادی حقوق اور اسلام

ہمارے آئین کا حصہ دوم بنیادی حقوق سے متعلق ہے انسان کے بنیادی حقوق پر سب سے زیادہ زور اسلام نے دیا ہے، مسلمان تو مسلمان غیر مسلم انسانوں کا تحفظ، غلاموں کے حقوق اور رعایات، یہاں تک کہ حیوانات کے حقوق اور مغادات کے جزئی سے جزئی احکام اسلامی قانون (فقہ اسلامی) میں موجود ہیں۔ اس بارہ میں نہ تو قوم اور وطن کی تمیز ہے، نہ رنگ و نسل اور امیر و غریب کا کوئی امتیاز اور نہ کسی قبائلی عصبیت کے نام پر امتیازات ہیں۔ مگر ہمارے ہاں بشمول ۱۹۵۶ء وغیرہ تمام دساتیر کے بنیادی حقوق کا موجودہ تصور ان مغربی اقوام سے مستعار لیا گیا ہے۔ جو ڈھنڈورہ عالمی انسانی حقوق کا پیٹتے ہیں۔ مگر ان کے انسانی مجد و شرف کی ساری عمارت دطنی، قومی اور دوسرے امتیازات پر ہے۔ امریکہ جو حقوق انسانی کے منشور کا موجد کہلاتا ہے وہاں آئے دن کالے اور گورے، قومی اور غیر قومی ملکی اور اجنبی کے نام سے جو انسانیت سوز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں، کسی پچھنی ہیں؟ فلوریڈا کی ریاست میں نصاب تعلیم تک میں گوروں اور کالوں کا امتیاز رکھا گیا ہے۔ امریکہ میں کسی سیاہ فام کو پیشی عورت یا سفید فام کو پیشی مرد سے نکاح کی اجازت نہیں۔ خواہ اس کے خون میں کسی سیاہ فام کے خون کا ۱/۱۶ حصہ کیوں شامل نہ ہو تقریباً ۱۲۰ سالہ ریاستوں میں ریوں، بسوں، ہسپتالوں، ٹیلیفون کے کمروں یہاں تک کہ عبادت گاہوں تک میں نسل امتیاز برتا جاتا ہے۔ جاپان اور انگلینڈ کے شاہی گھرانوں کے افراد عام انسانوں سے الگ ٹھگ مخلوق سمجھے جاتے ہیں۔ انگلینڈ کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔

بنیادی حقوق اور مغرب کا تصور | دوسری طرف اسلام ہے جس کی نگاہ میں ساری مخلوق خدا کا گھرانہ ہے۔ الخلق عیال اللہ۔ لیکن ہماری نگاہیں اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے مغربی تہذیب سے مستعار بنیادی حقوق کے تصورات پر ٹھہرتی ہیں۔ اور مغربی تہذیب سے مغرب

ہو کر بنیادی حقوق کے نام سے آئین کی بھی کبھی اسلامیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً موجودہ بنیادی حقوق میں جنس (مرد، عورت) اور مذہب کی تیز کر کے بغیر ہر قسم کی ملازمتوں میں مساوات یہاں تک کہ وہ عدالت کا چیف جسٹس بھی بن سکے۔ کلیدی مناصب بھی سنبھال سکے۔ عام مجالس اور مقامات میں داخلہ اور مرد و زن کا اختلاط، تقریر و تحریر کی آزادی کے نام پر اخلاقی اور مذہبی اقدار سے بھی آزادی، ہر شخص جو چاہے مذہب اختیار کرے مسلم اور غیر مسلم (اہل ذمہ) مرد و زن سب کو تمام شعبہ ہائے حیات میں ایک لاکھٹی سے ہانکنا۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں اسلام کے عطا کردہ حقوق کی نقی کرتی ہیں۔ اور آگے چل کر اسلامی قانون کی کئی اہم دفعات اور تقاضوں کے نفاذ کے لئے سیراہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً:-

- (۱) کوئی مسلمان اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔
- (۲) اسلامی مملکت میں ارتداد اور اس کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔
- (۳) غیر مسلموں پر مخصوص ٹیکس ہزیہ لگانے کی گنجائش ہے۔
- (۴) غلامی کے بارہ ہیں مخصوص حالات میں جواز کی گنجائش ہے۔
- (۵) عورت حدود اور قصاص جیسے احکام میں سبج نہیں ہو سکتی۔
- (۶) نہ اس کی فضا کئی ایسے امور میں معتبر ہے۔
- (۷) نہ حدود اور قصاص میں اس کی شہادت معتبر ہے۔
- (۸) نہ وہ کسی اسلامی سٹیٹ کی سربراہ بن سکتی ہے۔
- (۹) نہ کھلے بندوں مردوں کی تفریح گاہوں اور مخلوط اجتماعات میں آجاسکتی ہے۔
- (۱۰) دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔

(۱۱) غیر مسلم اقلیت اور کلیدی مناصب غیر مسلم اور ذمی۔ قاضی اور جج نہیں بن سکتا۔

(۱۲) نہ وہ اسلامی آئین سازی کر لے والے اداروں مقننہ یا دستور ساز اداروں کا رکن بن سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اسمبلی کو اس امر کا پابند بنادیا گیا ہو کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کرے گی۔ اور رائج الوقت قوانین کو کتاب و سنت کے دائرہ میں لائے گی، تو کتاب و سنت کی تشریح، قوانین اسلامی کی ترتیب،

کتاب و سنت کے مطابق کا تعین، اسلامی شرعی ضوابط، فوجداری و دیوانی کی تعمیر کسی مقلد
 تعمیر (مہمل) محض غیر مسلم ارکان کی رائے سے کیے کرائی جاسکتی ہے۔ ایک شخص جب اسلام
 کے اساسی معتقدات و جہد رسالت، شریعت کی صداقتوں کا معترف نہ ہو اسے اسلام
 ان باتوں کی تشریح و تعمیر کا حق کب دے سکتا ہے۔ اور درحقیقت ایسا کرنا غیر مسلم
 اقلیتوں سے زیادتی نہیں عین انصاف ہے۔ وہ اگر انہیں اپنے عقیدے،
 مذہب اور نظریہ کے خلاف قانون سازی کرنے پر مجبور کرتا تو یہ ظلم ہوتا۔
 موجودہ دستور کا مستودہ نہ صرف انہیں یہ حق دیتا ہے، بلکہ حلف و فاداری وغیرہ
 کے رسمی الفاظ میں ان سے اسلامی نظریہ کی بقاء و تحفظ کا حلف دلوں کہ انہیں
 نفاق پر مجبور کرتا ہے۔ اور گویا بالجبر اس ضمیر کشی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ الغرض
 اسلام غیر مسلموں کو تجارتی، انتظامی، صنعتی، اقتصادی وغیرہ امور میں تو شریک کراتا
 ہے۔ مگر آئین اور قانون سازی کا حق کبھی نہیں دیتا۔ جو اجتماعی طور پر تنفیذ
 القول علی الغیر ہے۔

(۱۳) اور جب انہیں کسی انفرادی معاملہ میں انفرادی طور پر مسلمانوں پر ولایت خاصہ
 نہیں دی گئی۔ تو پورے اسلامی سٹیٹ پر ولایت عامہ کب دے سکتا ہے؟
 جو تمام اہم کلیدی مناصب کی شکل میں عدم امتیاز کرتے سے انہیں حاصل ہو
 جاتا ہے۔ اس لئے اسلام ملازمتوں اور انتخابی عہدوں میں بعض حالات میں
 امتیاز ناگزیر سمجھتا ہے، جب کہ موجودہ بنیادی حقوق غیر مسلم اقوام (جو مرتدین
 کو بھی شامل ہے) کو نہ صرف صدارت، وزارت، عدلیہ کی سربراہی، انواع اسلامی
 کی کمان تک عطا کرنے پر بھی تدغین نہیں لگاتے۔

(۱۴) اسلام کی نگاہ میں کلیدی مناصب پر فائز ہونا تو بڑی بات ہے، کسی غیر مسلم
 شہری کی مسلمانوں کے خلاف شہادت بھی مقبہ نہیں۔ اس بارہ میں صاف اصول
 موجود ہیں۔ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْکَافِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۔ خدا نے کافروں کو
 مسلمانوں پر کسی معاملہ میں بالادستی نہیں دی۔ اور ارشاد خداوندی ہے۔

لا تتخذوا البطانة من دونكم لاياء لوتكم خبالا۔

الفرص آئیں سے بنیادی حقوق نہ صرف ان تمام باتوں کی نفی کر رہے ہیں۔ بلکہ دفعہ مک ذیل مل کی تعلیم تو اس حصے کو قرآن و سنت تک پر بالادستی دے رہی ہے۔ کہ کوئی قانون یا کوئی رسم و رواج جو بمنزلہ قانون ہو اس باب میں عطا کردہ حقوق سے تناقض کی حد تک کا عدم ہوگا۔ بہر حال بنیادی حقوق کو اسلامی قانون سازی سے ہمکنار کرنے اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے ارکان اسمبلی کی طرف سے بے شمار ترامیم آئیں۔ مگر حکومتی پارٹی نے اکثریت کے بل بوتے پر مسترد کر دیں۔

دسمبر ۱۹۷۳ء، رجب الاول ۱۳۹۳ھ

اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل

بالآخر صدر نے اسلامی مشاورتی کونسل کے ارکان کا اعلان کر دیا اور کونسل کی تشکیل کی موجودہ ہیئت سے ان رہی سہی توقعات کا بھی خون ہو گیا۔ جو اسلامی نقطہ نظر سے وابستہ تھیں آئین کے باب نہم کا تعلق اسلامی احکام سے تھا جس کا مقصد مزوجہ جملہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق اور آئندہ قہرسم کی قانون سازی کو قرآن و سنت کا پابند بنانا تھا۔ آئین سازی کے موقع پر اسمبلی کے علماء ارکان کی برابر یہ سعی رہی ہے کہ آئین کا یہ حصہ زیادہ سے زیادہ موثر اور آئین کو اسلامی بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ ضمانت مہیا کرنے کے قابل ہو جائے۔ مگر افسوس کہ ان دفعات کی تنفیذ کے لئے عام بنیادی حقوق اور دوسرے قوانین سے ہٹ کر ایک خاص طریق کار وضع کیا گیا کہ اس طرح کسی قانون کی اسلامی حیثیت متعین کرانے کے لئے عدالتی چارہ جوئی نہ کی جاسکے۔ علماء ارکان نے دلائل اور براہین سے ثابت کیا کہ جب عدالت آئین کی دیگر دفعات کے منافی کسی قانون کو کالعدم کرا سکتی ہے تو آخر کسی قانون کی اسلامی حیثیت متعین کرانے سے جو کسی ممان کے لئے تمام حقوق سے بڑھ کر بنیادی حق ہے پارلیمنٹ کی بالادستی برقرار رکھنا کیوں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور بالادستی کے سوال پر صرف اسلامی قانون سازی پر کیوں پھری پھری جاتی ہے بہر حال یہ تمام استدلال اور احتجاج صدا بصر اٹھاتا ہوا۔ اور اسلامی قانون سازی کے لئے اسلامی مشاورتی کونسل والا طریق کار وضع کیا گیا۔ اب چونکہ آئین اور کسی قانون کی اسلامی حیثیت کا سارا دار و مدار مشاورتی کونسل کے ارکان کی اہلیت پر رہ گیا۔ اس لئے علماء ارکان نے کونسل کی ہیئت تشکیل پر نہایت توجہ دی اس کے ارکان کی اہلیت صلاح و تقویٰ علمی و فنی، تجربہ، تدبیر اور خدا ترسی وغیرہ امور کو ملحوظ رکھنے پر خاصہ زور دیا گیا۔ اور ایئر

کی دفعہ ۱۲۸ میں بھی یہ مراحت کی گئی کہ کونسل کے ارکان قرآن و سنت کے نتیجہ اسلامی اصول اور فلسفے کا علم رکھتے ہوں۔ اور کم از کم چار ارکان ایسے علماء ہوں جو کم از کم پندرہ سال تک اسلامی تحقیق یا تدریس کے کام سے وابستہ چلے آ رہے ہوں۔ دستور میں کہا گیا کہ یہ کونسل سات سال میں اسلامی قانون سازی کا کام مکمل کرے گی۔ اور اسے ہر سال ایک رپورٹ مرتب کر کے پیش کرنا ہوگی۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ توقع پیدا ہوگئی تھی کہ اگر یہ کونسل اس اہم کام کی اہل ہو اور اس کام میں مخلص بھی ہو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑا کام ہو سکے گا۔

کونسل کی موجودہ شکل | مگر افسوس کہ کونسل کی موجودہ تشکیل سے ان تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور اس ملک میں اسلام اور اسلامی قانون سازی کی رہی سہی تمنائیں بھی خون ہو گئیں۔ اگر حکومت ملک کو اسلامی ریاست بنانے کے دعوؤں میں مخلص ہوتی تو کونسل کی تشکیل میں اپنے وقتی مفادات اور تحفظات کو دخل نہ دیتی اور اس کے لئے ایسے اہل اور جامع افراد نامزد کئے جاتے جو اس عظیم اور اہم کام کے واقعی معنوں میں اہل ہوتے مگر افسوس کہ سولہ ایک رکن کے جو اسلامی علوم کی درس و تدریس کے پندرہ سالہ تجربہ پر پورا اترتے ہوئے جو عظیم حدیث ادب اور فقہ میں مہارت رکھتے ہیں مگر جنہیں خود بھی فقہ، اصول فقہ یعنی اسلامی قانون سازی کے بنیادی علوم میں مہارت تامہ کا دعوے نہیں، باقی کسی رکن میں آئین کے تقاضے اور فنی مہارت تو کیا علوم اسلامیہ کے الف باء پر بھی وہ پورے نہیں اتر سکتے، اور اس طرح موجودہ کونسل کی حیثیت بھی عوام کی نظروں میں وہی رہ گئی ہے جو ایوب خان کے نامزد کردہ اسلامی مشاورتی کونسل کی تھی۔ اور جس میں عہد اکبری کے ملا مبارک کی وہ ساری اولاد جمع کی گئی تھی جو شہنشاہ و الاتباء کے اشارہ پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا کرتے اور جو قوم کو لاکھوں روپے کے اخراجات کے بدلے قوم کو فکری انتشار و اضطراب کے سوا اور کچھ نہ دے سکی۔ موجودہ آئین میں جب کہ اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ اور اسلامی معاشرہ اسلامی قانون سازی کے دعوے بھی ہیں تو حکومت کو یہ بیٹے کہ

اولیں فرصت میں کونسل کی موجودہ تشکیل پر نظر ثانی کرے اور اس آئین کے تقاضوں کو پورا کرے جسے عوامی حکومت اپنا سب سے بڑا کام قرار دے رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کونسل کی موجودہ شکل پر نہ تو مسلمانوں کے سوا د اعظم کو اعتماد حاصل ہو سکے گا نہ اس کی رائے اسلامی نقطہ نظر سے کسی اعتماد کے قابل ٹھہرے گی۔ (اپریل ۱۹۷۹ء)

شریعت بل کا استرداد

وہ حکومت جو بچھلی تمام حکومتوں سے بڑھ کر اسلام کی خدمت کرنے کی دعویدار ہے اور جس کے بنائے گئے آئین میں اسلام کو ملک کا مملکتی مذہب اور ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا ہے۔ اس حکومت کی باختیار قومی اسمبلی نے اپنے حالیہ اجلاس (اپریل ۱۹۷۹ء) میں تین ایسے بل مسترد کر دیئے جو اس کے نامہ اعمال میں، اعمال خیر ہرگز نہیں کہلا سکیں گے۔ اور آنے والا مؤرخ اسے عوامی دور کے قرطاس ابیض کے سیاہ ترین دھبے قرار دینے پر مجبور ہوگا۔

پہلا اہم ترین بل وہ تھا جو اسمبلی میں موجود حزب اختلاف کے علماء ارکان نے چند دیگر ہمنوا ارکان کے تعاون و اشتراک سے شریعت بل کے نام سے پیش کیا جس کے ذریعہ آئین کی چار دفعات دفعہ ۲، ۳، ۴ اور ۲۴۸ میں ترامیم کرنا تھیں، بالخصوص آئین کی دفعہ ۲ میں جس میں اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دیا جا چکا ہے۔ جن کے ذریعہ چار ایسی شقات شامل کر دانا تھا جس کی رو سے ہر وہ موجودہ قانون جو قرآن و سنت کے خلاف ہو فی الفور ناجائز قرار دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی مملکت اور اس کی صوبائی اور قومی اسمبلیوں، پارلیمنٹ و قاضی اور صوبائی حکومتوں اور دیگر با اختیار اداروں کے لئے یہ ناممکن بنانا تھا، کہ مجوزہ ترامیم منظور ہونے کے بعد وہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون وضع کر سکیں۔ مروجہ اکثر خلاف شریعت قوانین کا مجوزہ بل منظور ہو جانے کی صورت

میں فوری تعطیل اور خلا سے بچنے کے لئے بل میں کہا گیا تھا کہ مقننہ کو اس قاعدے کے اطلاق کو مخصوص شعبوں میں زیادہ سے زیادہ ایک سال کی مدت تک ملتوی کرنے کا اختیار دیا جائے۔ قومی اسمبلی نے تو ایک عرصہ تک اس بل کو زیر بحث لائے جانے سے مختلف طریقوں سے پہلو تہی کرنے کی سعی کی، مگر بالآخر جب ۳۰ اپریل کو شریعت بل ایوان کے سامنے رکھا گیا تو ایوان کی اکثریت نے اسے مسترد کر دیا۔

وفاقی وزیر قانون نے اس موقع پر ایک ایسی کونسل (اسلامی مشاورتی کونسل) کا سہارا لیا جو آئین کی منظوری سے لے کر اب تک متنازعہ غیر مؤثر اور اسلامی نظام کو اس ملک میں تعویق اور التواء میں ڈالتے رہنے کا ایک سر و خانہ بنی ہوئی ہے۔ اور ساتھ ہی قوم کو یہ بشارت عظمیٰ بھی دی گئی ہے کہ ۱۹۸۰ء تک تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق کر دیئے جائیں گے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلامی مشاورتی کونسل کی حقیقت | پاکستان کے موجودہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ میں اگرچہ یہ ضمانت دی گئی ہے کہ مروجہ جملہ قوانین قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالے جائیں گے اور اسلامی احکام کے منافی کوئی قانون وضع نہیں کیا جاسکے گا۔ لیکن یہ ہو گا کیسے، اس کے طریق میں اسلامی مشاورتی کونسل کا ذکر ہے اور اس دفعہ کو بنیادی حقوق اور دیگر اہم قوانین کی طرح عدالتی چارہ جوئی سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ آگے آئین میں ایسی اہم مشاورتی کونسل کو کس بے دردی سے غیر مؤثر اور بے اختیار بنا کر رکھ دیا گیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ:-

(۱) اگر کونسل کی رائے میں کوئی مجوزہ قانون قطعاً غیر اسلامی بھی ہے، تو اسمبلی اس بات کی پابند نہیں کہ وہ کونسل کی سفارشات کی متابعت کرے۔

(۲) اگر کوئی متنازعہ قانون استصواب کے لئے کونسل کے پاس بھیج بھی دیا جائے تو وہ کسی محدود وقت اور میعاد کی پابند نہیں۔

(۳) پھر طرفہ تماشایہ ہے کہ اسمبلی اپنا کوئی ایسا فیصلہ کونسل کے جواب پر موقوف نہیں رکھے گی۔ بلکہ چاہے تو جواب آنے سے پیشتر بھی قانون وضع کر سکتی ہے، اور پھر دوبارہ اس پر کونسل کے غور کرنے کی گنجائش بھی نہیں رکھی گئی۔

(۴) کونسل سے مشورہ لینے یا نہ لینے کو بھی صدر یا گورنر یا اسمبلی کی اکثریت دھولازما سرکاری پارٹی کی ہوگی) پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ حزب اختلاف ہزار بار پیچھے کہتا رہے مسئلہ غیر اسلامی ہے اسے کونسل میں بھیج دیا جائے مگر یہ پیچھے و پکار صد ابھرا ہوگی۔

(۵) پھر سب سے بڑی خامی کونسل کی ہیئت تشکیلی میں یہ رکھی گئی ہے کہ کسی مسئلہ کی اسلامی حیثیت کے بارے میں رائے دینے والی کونسل شریعت سے باخبر جید علماء اور اہل افراد کی تعداد اقلیت میں رکھی گئی۔ جو اگر چاہیں بھی تو غیر علماء ارکان سے اپنا فیصلہ نہ منوا سکیں۔ یہ نمایاں جب آئین سازی کے وقت سامنے آئیں تو علماء حق ارکان اسمبلی نے نہایت موثر تر ایم ان دفعات میں پیش کیں اور بر لحاظ سے اپنی ترامیم کو مدلل اور مبرہن کیا۔ اور صاف کہا گیا کہ اگر حکومت کسی طرح بھی عملاً اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے تیار نہیں تو پھر دکھاوے کے لئے ایسی دفعات کی ضرورت کیا ہے جنہیں آگے طریق کاسے کے لحاظ سے ذبح کر دیا گیا ہے۔

کونسل کی صلاحیت | اس کے بعد جب اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل ہوئی اور ہیئت تشکیلی سامنے آئی تو جس چیز کا کھٹکا تھا وہی سامنے ہو کر آئی کوئی ایسا مستند اور فعال عالم رکن اس کونسل میں شامل نہیں کیا گیا جو زندگی کا ایک کافی عرصہ اسلامی تحقیق و تدبیر میں گزار چکا ہو اور جو مسلمانوں کے ہاں قابل اعتماد راہِ اسخ العقیدہ اور مضبوط کردار کا حامل ہو۔ اس صورت حال پر اسمبلی میں موجود علماء حق نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ کونسل کی اصلاح اور ارکان کی اہلیت کے بارے میں حکومت کو توجہ دلانے کے لئے پارلیمانی آئینی طریقے اختیار کئے گئے، کونسل کی تشکیل کے فوراً بعد رکن قومی اسمبلی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی طرف سے اسمبلی کو اس قرارداد کا نوٹس دیا گیا کہ چونکہ کونسل کی تشکیل کے وقت آئین کی دفعہ ۲۲۸ کی مقتضیات پوری نہیں کی گئی ہیں۔ لہذا اسمبلی یہ مطالبہ کرے کہ کونسل کی دوبارہ تشکیل کی جائے اور اس میں ایسے لوگوں کو شامل کیا جائے جو اسلامی تقاضوں اور اہلیت کے مطابق قانون سازی کے کام میں پارلیمنٹ کی رہنمائی کر سکیں اس قرارداد کا اس وقت سے لے کر اب تک تقریباً ہر اجلاس میں نوٹس دیا جاتا رہا اور اکثر یہ اسمبلی کے ایجنڈے میں بھی تمام اہم اجابین حکومت اور ارکان کے سامنے آتا رہا مگر عملاً اسے زیر بحث

لانے کے بارے میں آج تک وہی سلوک کیا گیا جو ایسی دیگر قرار دادوں، تراجم اور تحریکات کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔ اب بھی آنے والے اجلاس میں دوبارہ اس نوعیت کا نوٹس دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ علماء اور ارکان کا اپنے حد تک سکویت اور دھندلے دایرے عہدہ برآ ہونے کی بات ہے۔ حکومت کا معاملہ اس بارے میں نہایت افسوسناک ہے اور مستقبل قریب میں شریعت خدہی اور اسلامی نظام کی اس ملک میں عملاً اجراء و نفاذ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جس کی خاطر کھڑوں مسلمانوں نے جان و مال ملک و وطن کی قربانیاں دیں اور جن کے سامنے قیام پاکستان کا مقصد صرف اور صرف انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلام اور اس کے تمام مقتضیات کی حکمرانی کا تسبیح نقشہ رکھا گیا تھا۔ اب تک اس عہد و بیثاق کو پس پشت ڈال دینے کے ہولناک نتائج نہ صرف ملک بلکہ پوری دنیا سے دیکھائے اور آئندہ کی غیر خدا کے غیر علیم کو ہے۔

تناقضات : دوسرا بل بھی اسمبلی کے ایک عالم رکن کا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ زنا کے لئے شریعت کے مطابق اسکا وضع کئے جائیں اور اسے پگے میں ہو یا بکوں میں جہاں کہیں بھی، مو قابل دست اندازی پولیس جرم سمجھا جائے اور شرعی طریقہ کے ثبوت کے بعد زانی اور زانیہ کو شریعت کے مطابق سزا دی جائے۔ یہ بل بھی مسترد کر دیا گیا اور پچھلے بل کی طرح حزب اختلاف نے اپنی ناراضگی اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اسمبلی سے واک آؤٹ کیا، زنا جیسی فاحشہ جس کے عقلی و نقلی قیادتوں پر صرف مسلمان نہیں ہر عقل سلیم رکھنے والا مذہب اور معاشرہ متفق ہے۔ اگر حکومت واقعی معاشرہ کی تطہیر چاہتی ہے تو اس بل کو منظور کر کے اپنے خنثیات کا اضافہ کر سکتی تھی۔ مگر افسوس ہم فحاشی کے فروغ کے خلاف تحریک چلانے کی باتیں تو کرتے ہیں مگر ابلاغ عامہ، لٹریچر و صافیت غرض ہر ذریعہ ابلاغ سے اسے پھیلانے میں بھی پیش پیش ہیں، ہم اخلاق و جیا اور پاکیزہ معاشرہ کا وعظ بھی کرتے رہتے ہیں۔ مگر عملاً عورتوں کو پردہ سے نکال کر مخلوط اور عریاں معاشرہ کے علمبردار اور داعی بھی بننا چاہتے ہیں۔

مسلم اور غیر مسلم کا غیر مبہم مفہوم : تیسرا بل اسمبلی کے ایک اور بزرگ عالم نے اس غرض سے پیش کیا تھا کہ آئین میں مسلمان اور غیر مسلم کے مبہم متعین کرنے میں ہوا التباس، ایہام اور الجھاؤ پیدا

ہو سکتا ہے اسے رفع کیا جائے اور غیر مبہم انداز میں واضح کر دیا جائے کہ پاکستان کی آئینی اور قانونی
 اغراض کے لئے کس بنیاد پر کسی شخص کو دائرہ اسلام کے اندر تصور ہونے یا نہ ہونے کا اہل سمجھا
 جائے گا۔ محرک کا مقصد قادیانی اور کچھ غیر مسلم شہریوں کو اس تبلیغ اور فریب کاری سے بچانا تھا جو
 وہ آئین میں مذہب کی تبلیغ کی آزادی کی ضمانت دیکھ کر آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح
 ان کو مذہب کی جانب اپنے غلط عقائد منسوب کرنے یا مسخ و محرف کرنے اس کی ہیئت بگاڑنے یا
 تحقیر کرنے اور آزادی تبلیغ کا غلط استعمال کرنے سے روکنا بھی تھا۔ مگر افسوس کہ ایک خاص ثابت
 اور تعمیری ترمیم کا بل بھی اسمبلی میں آنے نہیں دیا گیا اور جواب میں کہا گیا کہ آئین میں قادیانیت اور
 مسلمان کی تعریف کا مسئلہ حل کر دیا گیا ہے۔ اب یہی آئینی تقاضوں کی تکمیل اور اس کے تحت
 قانون سازی کا کام تو اس کے لئے شاید کوئی اور مخلوق آسمان سے اتر کر آئے گی۔ اسلام کے
 دعووں میں ہم کتنے سچے ہیں اور ہم اسلام سے کتنا والہانہ تعلق رکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ
 ان تین بلوں کے شر سے لگایا جاسکتا ہے۔ دوسرا کہ اسلام کی خدمت ہم نے صرف عرسوں اور
 میدان میں شمولیت یا کبھی کبھی کسی مزار پر پھولوں کی چادر چڑھا دینا اور کبھی کوئی کانفرنس اور کانگریس
 کا انعقاد سمجھ لیا ہے۔ اور بس؟

اسلام کا نظام عدل و انصاف

شاہ فیصل کا قصاص

خادم حربین شاہ فیصل کا قاتل اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا۔ قہر الحکم کے سامنے نعرہ ہائے تکبر کی گونج میں قاتل کا سر قلم کر دیا گیا۔

حدود کا مساواتی پہلو اور اس واقعہ نے ایک بار پھر اس تاریخی حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ اسلامی حکومت کی اساس عدل و انصاف ہے اور قیام عدل کی راہ میں کوئی گروہی تعصب، رشتہ اور ثرامت کی بندشیں، حکومت اور سلطنت کی رعایتیں حائل نہیں ہو سکتیں، یہی خداوند حکیم و جبار کے قوانین و احکام کا وہ مساواتی پہلو ہے جو اس دور میں دوسرے ادیان و ملل میں ہمیں نہیں مل سکتا۔ اور جو معاشرہ کی اصلاح اور زندگی کے لئے شیاوی ستون کا کام دیتا ہے۔ و لکن فی القصاص حیوة یا اولی الالباب۔ سعودی عرب کا حکمران خاندان اگر جہالتاً قاتل کے لئے ہزاروں گنجائشیں نکل سکتی تھیں۔ وہ مرحوم شاہ کا بھتیجا اور انکے ایک با اثر بھائی کا لخت جگر تھا۔ خاندانی رشتے رکاوٹ بن سکتے تھے۔ قیام عدل سے ان رشتوں کو ٹھیس پہنچ سکتی تھی۔ مگر بد بخت قاتل کے فاسد اور باطل نظریات کفر و الحاد اور اس کے نہایت سفاکانہ فعل کی وجہ سے سارے خاندان نے اسے اتنا لیس من اہلک اتھ عمل غیر صالح۔ کا مصداق ٹھہرایا اور کسی رورعایت کے بغیر اسے اللہ کے قانون عدل و انصاف کے سپرد کر دیا اور سب بخوشی اللہ کے قانون حدود و تعزیرات کے سامنے سرنگوں ہوئے۔

اقامہ حدود و قصاص میں قانونی مساوات یہ مقام صبر و رضا اور یہ قوت فیصلہ اس سلطنت اور خاندان کو اس نظام حیات اور اس دستور العمل نے دیا جس سے

بڑھ کر جامع اور مکمل نظام کا تصور بھی اس چرخ نیلگوں کے نیچے نہیں کیا جاسکتا نہ اس نظام میں امیر اور غریب کی رعایت ہے نہ قریب اور بےید کی اور نہ جرم و سزا کی دنیا میں اس سے بڑھ کر حکمت و مصلحت اور عدل و انصاف پر مبنی دوسرا کوئی تبادل نظام پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس نظام کو بے کرائے والے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سختی سے یہ تلقین کی کہ ہمیں عدل و انصاف مصلحتوں اور رعایوں کی تندرست ہو جائیں۔ فرمایا: اَیْمَا حُدُودِ اللّٰهِ عَلٰی الْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِی اللّٰهِ لَوْمَةٌ لَا تُمْ رَابِعٌ مَا یُبِیْنُ اَلْمَدِّیْہِ حُدُودِ اٰہِنُوں اور پراپوں پر یکساں جاری کرو کہیں اس راہ میں خوف اور ملامت رکاوٹ نہ بن جائے۔“

بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ | انقلاب فرانس کے ڈھنڈورے پہنچنے والے غیور پیشوا
اور امریکہ کے بنیادی حقوق پر دلچسپی والی نظروں سے مساوات انسانی کے سب سے
بڑے علمبردار نبی رحمت علیہ السلام کا یہ اسوۂ حسنہ مستور ہے کہ انہوں نے اپنی جنگ گوشہ
فاطمہ متول کے بارہ میں فرمایا، واللہ، لوات فاطمۃ بنت محمد سرقت (مادھا اللہ)
لقطعت یدھا (کہ یہ تو بنی مخزوم کی فاطمہ ہے۔ اگر میری فاطمہ سے کبھی چوری سرزد ہو
جاتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا) آج جونگا ہیں انسانی خون سے رنگے ہوئے سرخ افق
میں انسانی عظمتیں تلاش کرتی ہیں اور جو سرخ مٹیوں کو جبر و استبداد اور ظالمانہ امتیازات
کا علاج ٹھہراتی ہیں۔ اسلام کے خلیفہ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا
فرمان خلافت ان کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو جاتا ہے کہ ان انوارِ مکہ عندی الضعیف
حتیٰ اخذ منه الحق وان اضعفکم عندی اقویٰ حتیٰ انفذ لہ الحقی (ابن سعد)
”تم میں سے بڑی سے بڑی قوت والا بھی اس وقت تک میری نگاہوں میں حقیر اور کمزور ہے
جب تک میں مظلوم کا حق اس سے چھین نہ لوں اور کمزور سے کمزور بھی اس کا حق دلانے

۱۷ پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب اور کمیونزم کی باتیں کرنے والے۔

تک میری نگاہوں میں مضبوط اور طاقتور ہے۔“

یہ نظام عدل و انصاف ملک کے ایک سوشل غلام اور معمولی سے معمولی شہری کو سنی دیتا ہے کہ وہ عیفتہ المسلمین کو عدالت کے کھڑے میں کھینچ لائے اس کی نظروں میں حاکم و مملوم رعایا اور راہی قرابت دار اور اجنبی سب یکساں ہیں۔

اس نظام عدل کے برکات | سعودی عرب میں اس نظام کی جھلکیاں موجود ہیں اس نظام اور اس پر ایمان و یقین کی برکت سے قاتل کو سزا ملی اور اس نظام ہی کی برکت سے آج بھی سعودی عرب امن و امان اور پرسکون زندگی کا گہوارہ ہے۔ جب کہ ساری دنیا شرف و فساد، ظلم و جبر، خوف و اضطراب اور وحشت و بربریت سے بھرپوری ہے۔ مگر اسلام کے نظام تعزیرات کی برکت سے جرائم کی سرکوبی کے لئے سعودی عرب میں نہ آئے دن پولیس کے شکروں میں اضافہ کیا جاتا ہے نہ فوج سے سرکوبی کرائی پڑتی ہے۔ اور وہاں کی شرح جرائم ساری دنیا سے کم ہے۔

یورپ کا فلسفہ جرم و سزا | پھر دوسری طرف یورپ جو اپنے فلسفہ جرائم کی بنیاد چوروں، قاتلوں، زانیوں کی ہمدردی اور ظلم و فساد کی وکالت پر رکھتا ہے۔ اور اسے نام نہاد ”انسانیت“ کا نقاب اوڑھاتا ہے وہاں کے اعداء جرائم سے موازنہ کیجئے اور پھر فیصلہ خود کر لیجئے۔ ہمارے ہاں کے روشن خیال ترقی پسندوں کے علی الرغم آج کتنی آوازیں ہیں جو جرم و سزا کی دنیا سے وابستہ اہم شخصیتوں، ہجوں، وکلاء اور پولیس کے اعلیٰ حکام کی طرف سے اٹھ رہی ہیں کہ معاشرہ کی تطہیر اور فساد کی بیخ کنی اگر کرنی ہے تو ہمیں اسلام کے نظام حدود و تعزیرات کو اپنا نا پڑے گا۔ مگر جو عقل و عود کی ساری متاع مغرب کے بازار میں نیلام کر چکے ہوں ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

مغربی تعلیم اور صحبت کے منحوس اثرات | مرحوم شاہ فیصل کا قاتل جاتے جاتے ایسے خیالات کا اظہار کر گیا جو مغربی تعلیم کا ہوں اور غیر ملکی لادینی تربیت کا ہوں پر مٹنے والوں کے لئے بھی لمحہ فکریہ بن سکتے ہیں۔ قاتل یورپ میں رہ کر دماغی تحلیل و تجزیہ برین واشنگ کے ایسے مرحلوں سے گزرا کیا کہ اُسے پوری دنیا میں اسلام ہی نفرت و حقارت کی چیز نظر آنے

لگی اور وہ اس لئے اپنے عظیم چچا کو قتل کر بیٹھا کہ وہ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے کیا اس اسلام دشمنی و بریت اور الحاد تک پہنچانے میں قاتل کی مغربی تعلیم کا ہوں اور دشمنوں کی فحش اور بدکار صحبتوں اور لادینی نظریات کا دخل نہیں جو شہزادہ شاہد اسلام کا بہترین خادم بن سکتا تھا غیروں کی تربیت اور باطل نظریات کے ساتھ چڑھ کر اسلامی تاریخ کا یہ نادر واقعہ بن گیا جو لوگ اپنے ہاتھوں سے اسلام سے بغاوت کی بھٹیاں تعلیم و تربیت کے نام سے تیار کر لیتے ہیں اور پھر اپنی اولاد کو مغربی اور اشتراکی تہذیب کی بھینٹ چڑھا کر انہیں جہنم کا ایندھن بناتے جا رہے ہیں کیا انہیں جو سے گندم کا ثمرہ مل سکتا ہے؟، جو لائی ۱۹۶۵ء

فلسفہ جرم و سزا

ظلم کا شرمناک مظاہرہ | پچھلے دنوں ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں ان نو تجربوں کو بھانسی دے کر کیفر کردار تک پہنچایا گیا، جنہوں نے گزشتہ برس موضع علی پور فرائش کے نو افراد کو ان کی انتہائی بے کسی اور کس مہر سی کے عالم میں نہایت انسانیت سوز طریقے سے دلخراش چیخوں کے دوران زندہ جلادیا تھا، گھر کو مقفل کر کے اس کے ارد گرد پڑول چھڑک کر آگ لگا دی گئی اور اس کے تمام مکینوں نے جن میں چار عورتیں اور ایک بچی بھی تھی، انتہائی بے بسی کے عالم میں تڑپ تڑپ کر جان دی۔ فاضل عدالت کے فیصلہ کے مطابق ان بے کس مظلوم خواتین میں آٹھ ماہ کی حاملہ ایک خاتون بھی شامل تھی جو ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کمرے میں ادھر ادھر دوڑتی رہی اور آخر کار جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا کمرہ بند ہے تو مایوس ہو کر کمرہ کی ایک بلند جگہ سے کود کر گر پڑی اور تڑپ کر جان دے دی۔ بھراگاؤں اس بربریت کے مظاہرہ کو روکنے کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ مجرموں نے تمام انسانی قدروں کو پاٹمال کرتے ہوئے ہنسی خوشی اس صدی کا یہ اندوہناک کھیل کھیلا۔ بھائی بھائی کو اور والد اپنے عکس گوشتے بیٹے کو جلنے دیکھ رہا تھا مگر سب مظلوم اور بے بس تھے۔

بجا طور پر اس صدی کا ایک اہم و ہنک حادثہ اور بدترین سزا کا مستحق جرم ہے، عدالت انہیں مچھانسی سے زیادہ کوئی سزا دینے کی مجاز نہ تھی، ورنہ اسلامی تعزیرات اور حدود کی رو سے انہیں زیادہ عبرتناک سزا بھی دی جاسکتی تھی۔ انہیں تعزیراً زندہ جلایا جاسکتا تھا اور ایسے سنگدل ظالموں کو برسرِ عام سنگسار کیا جاسکتا تھا۔ موجودہ قوانین کے علمبردار اکثر یورپی ممالک تو ایسے بدترین مجرموں کی سزائے موت کے روادار بھی نہ تھے مگر اسلام کا حکم تھا کہ ایسے سنگ انسانیت افراد کو ملک کے اہم شہروں کے چوراہوں پر سولی پر لٹکادیا جاتا، تاکہ اوروں کے لئے یہ سانحہ ایک سبق بن سکتا۔ ویشہد عذابہما طائفۃ من المؤمنین۔

معاشرہ کی بھیانک تصویر اور عبرتناک پہلو | یہ واقعہ اخبارات میں آیا لوگوں نے پڑھا مگر اس میں غور و فکر کے جو بے شمار سوالیہ نشان تھے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے فراموش کر دیا گیا حالانکہ تاریخ، جرم و سزا کے ایسے واقعات عبرت اور وعظمت کے لئے دہرائی رہتی ہے یہ دلدور واقعہ موجودہ مسلم معاشرہ کی ایک انتہائی بھیانک تصویر پیش کر رہا ہے۔ وہ ہمیں بتلا رہا ہے کہ انسان وحشت و بربریت اور ذلت و حیوانیت کے کس مقام تک پہنچ گیا ہے؟ واقعی انسان کتنا قابلِ رحم ہے۔

اندادِ جرائم کا صحیح طریقہ | اچودہ سو سال قبل پوری انسانی سوسائٹی کی ایسی ہی مہیب تصویر حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے سامنے تھی نہ صرف انسان بلکہ انسانی قدروں کا ہر ذرہ اپنے مقام سے ہٹ کر نظامِ عالم کو تہ و بالا کر رہا تھا حضورؐ نے کس حکیمانہ شان سے نقشہ سامنے رکھا اور خرابیوں کی اصلاح شروع کر دی۔ اس وقت ساری خرابی اور بربادی کا علاج معاشی اور اقتصادی مسائل میں سمجھا جا رہا ہے مگر ایسے وحشت آلود اقتات ہمیں ٹھنچھوڑ رہے ہیں کہ یہ افراتفری اور بربادی صرف پیٹ کے مسائل کی پیداوار نہیں اور نہ ہی ایک نسخہ کیمیا رہ گیا ہے، بلکہ اصل مسئلہ اب بھی انسان کو اس کی انسانیت کی طرف لوٹانا ہے، اس کے نفس اور حیوانیت کو سدھارنا ہے اس کی روح اور باطن کا تزکیہ کرنا ہے۔ معاش سے ہزار درجہ اہم چیز اخلاق اور معاشرت کی طرف توجہ دی ہے۔

معاش سے زیادہ اخلاق کا مسئلہ | اور موجودہ ہیجان اور پریشانی بھی معاش سے زیادہ اخلاقی اور معاشرتی و تمدنی مسائل ہی کی پیدا کردہ ہے۔ بگڑی طبیعت اور بُرے اخلاق بھرے بیٹ سے اور بھی بگڑ جاتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں اخلاق اور معاشرت کی طرف کتنی توجہ دی جا رہی ہے؟ عین اس وقت میں کہ مشرقی پاکستان میں بیس لاکھ انسانی آبادی تاریخ کے بدترین طوفان کا قلم تیریں چکی ہے۔ ملک ایک ایسے رسوائے زمانہ فاشہ عورت، شہناز اور اس کے ”دوستوں“ کے پرجوش سے گونج رہا ہے۔ کالج کی نوجوان طالبات اس کی آمد کا سن کر ایک جھلک دیکھنے کے لئے ہانپ رہی ہیں۔ اس کے گھناؤنے کردار کے فیچر تیار کرنا اخبارات کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ اور ایسے دور میں کہ ملک ایک شدید نازک آئینی بحران سے گزر رہا ہے۔

نہ صرف ہوٹلوں میں چوری چھپے یورپ کے طرزِ تحسن کی نمائش کی جا رہی ہے بلکہ تعلیمی اداروں اور کالجوں میں فیشن شو کے نام پر پورے معاشرت کی اخلاقی بربادی کو صدمے عام دی جا رہی ہے۔ (دیکھئے ۲۷، ۲۸ فروری کے اخبارات میں ہوم انٹاکس کالج پشاور کی ایک تقریب کی تفصیلات اور مناظر)

اصلاح کا نبوکی نسخہ | حضور اقدس علیہ السلام نے ہمارے سامنے اصلاح کا ایک عملی نمونہ رکھ دیا تھا۔ انہوں نے انسان کی درندگی کو بندگی اور حیوانیت کو ملکوتیت سے بدل دیا۔ اخلاق سدھر گئے، معاشرہ پاک و صاف ہوا، معاشی مسائل خود بخود حل ہوئے، مواصلات کے جذبہ نے مساوات کی ضرورت ہی نہ چھوڑی، ظلم عدل سے اور وحشت الفت سے بدل گئی۔ حدود اور تعزیر کے ساتھ ساتھ حکم اس سے بھی زیادہ تعلیم، تربیت اور تزکیہ سے کام لیا گیا۔ انصاف اور حق رسانی کا راستہ نہایت سہل بنا دیا گیا، احتساب کی گرفت کڑی رکھی گئی، نتیجتاً معاشرہ تاریخ کا ایک مثالی معاشرہ بن گیا، مگر اب؟ ساری نگاہ زری معاش پر ہے، معاد کا تصور تک نہیں ساری توجہ بازار می سیاست پر ہے۔ اخلاق اور معاشرت کس یلا کا نام ہے؟ تعلیم نام کسب معاش کا وہ گیلیبے اور اخبارات، فلم، ٹیلی ویژن، ریڈیو اور ثقافت ”اخلاقی غدروں“ کے لحاظ سے

”معلیم“ کی رہی بھی کی پوری کر جاتی ہے۔

قصبہ علی پور کا یہ المناک سانحہ ہمیں سبق دے رہا ہے کہ تمہارے اسلاف اور تمہارے آقا اور مقتدا اے اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری دنیا کے ایسے ہی ایک معاشرہ کو کس انداز سے تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا تھا۔ اُس آقا کے نام یسواؤ اور خیر امت ہونے کے دعویدارو تم پوری دنیا کو نہیں تو صرف اپنے چھوٹے سے ملک کی گرتی ہوئی انسانیت کو تھامنے کی کوشش تو کرو جو اسفلۃ السافلین کی طرف لڑھکتی جا رہی ہے۔ علی پور کے مظلوم شہداء کی پاکیزہ ارواح تم سے بھیک مانگتی ہیں امید اس بربریت کے مرتکب ظالم قاتلوں کے روح بھی تمہیں جھنجھوڑ رہے ہیں مارچ ۱۹۷۱ء

حدود و تعزیرات غیروں کی تائید اپنوں کا قرار

اخبارات میں یہ خبر آپ کی نظر سے گزری ہوگی کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر کارنیلیس نے تجویز پیش کی ہے کہ مجرموں کو اسلامی قوانین کے تحت سزائیں دی جائیں انہوں نے کہا کہ اس طرح جرائم کا انسداد بڑی خوبی سے کیا جاسکتا ہے۔ سٹونی میں ٹانوں والوں کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ سعودی عرب میں ان سزائوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہاں معاشرہ پر اس طریق کار کا بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ مسٹر جسٹس کارنیلیس نے کہا کہ مجرموں کو جیل نہ بھیجا جائے بلکہ عارضی طور پر اس طرح کا کارہ بنا دیا جائے کہ وہ جرم کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ آج میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ کسی آدمی کو جسمانی طور پر ناکارہ کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں کا ٹٹا ضروری نہیں رہا اور سائنس کی بدولت معمولی سرجری سے ہاتھ پاؤں بے کار کیا جاسکتا ہے۔

اس کانفرنس میں دولت مشترکہ کے ملکوں کے ایک سو پچاس نمائندے شرکت کر رہے ہیں۔ مسٹر جسٹس کارنیلیس نے سوال کیا کہ کیا اس نظریہ میں عوامی ضمیر کے لئے کوئی سنگین

صدہ مفسر ہے کہ جبروں کو ان کی مجرمانہ حرکات کے بدلہ میں جہمائی اعتبار سے مستقل یا عارضی طور پر ناکارہ کر دیا جائے۔

بارہ شرعی حدود و تعزیرات کی طرف غیر تو غیر اپنے روشن خیالوں اور مغرب زدہ حضرات کی انگلیاں اٹھتی رہتی ہیں۔ حیوانیت اور بھیتیت میں ڈوبے ہوئے مغرب نے شرعی حدود کو وحشت اور بربریت قرار دینے کے لئے اتنا شور مچایا کہ اپنوں میں سے بھی بعض اقامتِ حدود و قطعِ ید۔ رجم وغیرہ کو ظلم قرار دینے لگے۔ دماغِ اللہ مگر کائنات کے اس خالق اور مقننِ عظیم کی بات جوں کی توں رہی جس کی ذات تمام حکمتوں اور دانائیوں کا سرچشمہ اور جس کا علم اور احاطہ لامحدود ہے کہ دیکھو فی القصص ص حیوة یا اولی الیاب۔

کلیسا میں عیسائی قانون دان کا اذان قرآنی حدود کی ضرورت اور افادیت کی یہ تائید اور یہ دعوت کسی مولوی کی طرف سے نہیں دی جا رہی بلکہ ملک کے سب سے بڑے قانون دان اور جرم و سزا کی دنیا کا طویل تجربہ اور مشاہدہ کرنے والے ایک چیف جسٹس اور مغربی تہذیب کے سر و گرم چشیدہ عیسائی، کانریس کی طرف سے ہے۔ اور

حق کی یہ اذان کسی منبر و محراب، خانقاہ یا مدرسہ میں نہیں بلکہ یورپ کے ایک سو پچاس قانون دانوں کی مجلس میں دی گئی ہے۔ غیر دس سے مرعوب ہو کر اسلام اور اسلامی احکام کی ممانعت میں تاویل نہ بلکہ تحریفانہ رویہ اختیار کرنے والوں کے لئے اس میں نصیحت ہے۔

اور یہ خدائی قوانین کی غیر فانی افادیت اور اہدیت کی کھلی دلیل ہے۔

مدت سے فلسفی کی چنیں و چنناں رہی

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہاں رہی

(۴۵)

ظلمتوں میں نور کی کنزیں

اسلام اور قانون سازی — عالم اسلام کے ایمان افزا جھونکے

مصر

عرب جمہوریہ مصر کے نئے دستور کی دفعہ ۱ میں صراحتاً اسلام کو سرکاری مذہب اور شریعت اسلامی کو قانون سازی کا بنیادی مصدر قرار دیا گیا ہے الاسلام دین الدولۃ والشریعة الاسلامیۃ مصدر رئیسی للتشریع۔ اور مصر کے صدر سادات بھی ایسی اصلاحات پیش کر رہے ہیں جن کا مقصد سائنس کے ساتھ مذہب کی بنیادوں پر مملکت کی نئی تعمیر ہے۔ مصری دستور کی یہ مختصر سی دفعہ ہمارے لئے نہایت خوش آئند اور اسلام کے حق میں عالم عرب کے طرز فکر میں اہم تبدیلی کی غمازی کر رہا ہے۔ ہر چند کہ اصل چیز اسلام کا عملاً نفاذ ہے مگر بعض حالات میں چند الفاظ بھی بھاری قدر قیمت کے حامل بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصر اور پورے عالم اسلام کو عملاً اس راہ پر گامزن ہونے کی توفیق دے۔ مسلمانوں کو اگر منزل نجات و فلاح تک پہنچنا ہے تو جلد یا بعد از خرابی بسیار اسی جادہ حق پر گامزن ہونا پڑے گا۔ (اکتوبر ۱۹۷۷ء)

لیبیا

مصر کے بعد لیبیا کی آئین سازی کے بارے میں بھی خوش آئند خبر آئی۔ اعلیٰ انقلابی کونسل نے ملکی قوانین کو اسلامی تعلیمات کے سانچہ میں ڈھالنے کے اہم اقدامات کئے ہیں۔ جس کے لئے وہ پورے عالم اسلام سے تحسین کی مستحق ہے۔ حق تعالیٰ حکومت لیبیا کی صحیح رہنمائی فرمائے۔ پاکستان میں پھر آئین سازی کا مرحلہ درپیش ہے اور یہ واحد ملک ہے

جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ اس لئے اسے پوری اسلامی دنیا میں اسلامی تجربہ گاہ اور معقل کی حیثیت سے اولین مقام حاصل تھا۔ مگر اب شاید اسے تیسرے درجہ میں بھی جگہ مل جائے تو نہ ہے نصیب۔ کاش! ہمارے اربابِ حل و عقدانِ اسلامی ممالک سے نصیحت لیں جو سوشلزم اور قومیت کی ہلاکت خیزیوں سے گزر کر اسلام کے ساحلِ سلامت ہی میں نجات پا رہے ہیں۔ (نمبر ۱۷)

آزاد کشمیر

حکومتِ آزاد کشمیر کے نئے صدر سردار عبدالقیوم خان صاحب نے ریاست میں اسلامی اصلاحات نافذ کرنے کے سلسلہ میں بعض اہم اور بنیادی احکام جاری کئے ہیں اور اس طرح اس گئے گزرے دور میں صالح حکمرانوں کی یاد تازہ کی ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ اور اس عرج کی دیگر ہدایات ایک مثالی اسلامی معاشرہ اور عادلانہ حکومت کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں، بشرطیکہ نہ صرف ان اقدامات پر عمل درآمد کا بھرپور اور موثر احتساب کیا جائے بلکہ تدریجاً حکومت کے ہر شعبہ میں اسلام کی حاکمیت قائم کی جائے، بلاشبہ اگر صدقِ دل اور ایمان داری سے عالمِ اسلام کا کوئی دور افتادہ محضرسا علاقہ بھی اپنے دائرہ میں اسلامی نظامِ حیات قائم کرنے کا بیڑہ اٹھالے تو وہ دینی و دنیوی سعادتوں کے لحاظ سے پوری دنیا کے لئے ایک نمونہ بن سکتا ہے۔ ہمارے اسلاف اس مقصد کے لئے قدم جانے کی خاطر ایک بالشتِ زمین بھی کافی سمجھتے تھے، لیکن اب جب کہ ایمان و یقین احساسِ خودی اور فکر و نظر کی آزادی عنقا ہوتی جا رہی ہے، ہفتِ اقلیم بھی ہاتھ آجائے مگر ہماری خود فراموشیوں کی وجہ سے کسی اسلامی مملکت کی خوابِ شرمندہ تعبیر ہونی مشکل معلوم ہو رہی ہے۔

— ان حالات میں حکومتِ آزاد کشمیر کا یہ اقدام جتنا بھی ہے ہم اسے غنیمت سمجھ کر تمام مسلمانوں کی طرف سے تحسین و تبریک کا مستحق سمجھتے ہیں۔ (نئی سلسلہ)

ترکی کی اسلامی کروٹ

سعودی عرب کے ایک مشہور روزنامہ اخبار البلاد کے ۲۰ ذی الحجہ کا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ پہلے صفحہ پر صدر ترکیہ جناب جودت سونائی کا ایک ایمان افروز پیغام ہے جو انہوں نے عید الاضحیٰ اور حج کی مناسبت سے اپنے عوام کو دیا ہے۔ مصطفیٰ کمال کی مسند پر بیٹھے ہوئے رئیس ترکیہ کے پیغام کے لفظ لفظ سے ایمان و یقین جھلک رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا حالات کا تقاضا ہے کہ ہم تمام غیر اسلامی نظریات اور باطل تحریکات کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔ صرف دین اسلام دین وحدت ہے۔ امت اسلامیہ کا دستور صرف قرآن کریم ہے۔ حالات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم سب قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لیں۔ انہوں نے ملت ترکیہ سے کہا کہ ترکی قوم خدا کے فضل سے اسلام کی سچی دعوت کی پوری طرح حفاظت کرنے کی اہل ہے۔ ایک دوسری خبر سے معلوم ہوا کہ اس دفعہ حج کے موقع پر حجاجوں کی سب سے بڑی تعداد ترکی قوم کی تھی جو تقریباً ۵۴ ہزار کی تعداد میں یقین و ایمان کی دولت اور ولولہ ایمانی سے سرشار ہو کر اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے آئے ایمان و یقین کی یہ روح پرور خبریں اس ترکی بارہ میں ہیں جہاں کے ”زعیم انقلاب“ مصطفیٰ کمال نے اسلام اور اس کے مظاہرات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مٹایا۔ نشاۃ ثانیہ، انقلاب، ترکی اور یورپی اقوام کی ہمسری کے شوق میں عربی زبان بولنے پر لوگوں کی زبانیں کھینچی گئیں۔ مساجد کو عجائب خانوں اور خالقاہوں کو اصطبل میں تبدیل کیا گیا۔ اذان، نماز، تلاوت قرآن ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ فولادی عزم والے ترکوں کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے کی خاطر ہیٹ اور ٹیکون پہنانے کے جذبہ میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا گیا مگر اسلام کی جو چنگاری ترکوں کی طرف اور خمیر میں چھپی تھی نہ بجھنی تھی نہ بجھ سکی۔ نور خدا پھونکوں سے نہ بجھایا جاسکا۔ دین حنیف کے چراغ اندر ہی اندر جلتے اور کفر کی حرکات کا مذاق اڑاتے رہے اور آج پھر یہ قوت اتنی ہی تیزی سے ابھر رہی ہے جس سختی سے اسے دیا گیا تھا۔ باطل کی ظلمتیں بالآخر جھپٹ جاتی ہیں۔ ایمان کے

شعلے بالآخر چھٹ جاتی ہیں۔ ایمان کے شعلے الحاد کو حسد و خاشاک کی طرح بھک سے اڑا دیتے ہیں اور باطل کی تمام کوششیں اور منصوبے خاک میں مل جائیں۔ یہ اس دین کی خاصیت ہے جو سچائی اور صداقت کا آخری پیغام اور فطرت اسلامی کا کامل اور مکمل جواب ہے۔ ترکیب کی تاریخ میں دنیا بھر کے اہل ذلیل و الحاد کو عبرت نصیحت اور اہل دعوت و ارشاد کے لئے حوصلہ مندی جوش اور ولولہ کا کافی سامان ہے۔

قذافی کی مؤمتانہ باتیں

”مجھے جو فخرت اور سطفت نماز اور تلاوت قرآن میں حاصل ہوتا ہے اور کسی عمل میں حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ جل جلالہ کا نام زبان پر آتے ہی قلب ایک عجیب سا سکون پاتا ہے۔۔۔۔۔“

یہ کسی زاہد و عارف اور اصطلاحی صوفی اور متقشف بزرگ کی بات نہیں۔ لیبیا کے مرد آہن اسلام کے بطل جلیل کرنل معمر القذافی کی گفتگو ہے۔ جو انہوں نے لندن کے سنڈے ٹائمز کے نمائندہ خصوصی فلپ نارمن کے اس سوال کے جواب میں فرمائی کہ آپ کے تفریحی مشاغل کیا ہیں۔ وہ قذافی جو سرزمین طرابلس میں شیخ احمد بن منوچی کے خوابوں کی تعبیر ہیں۔ جن سے عالم اسلام کی امیدیں وابستہ ہیں جو عربوں کو اسرائیل ناسور سے نجات دلانا چاہتے ہیں جو فقیرانہ زندگی گزارتے ہیں۔ جنہوں نے ملت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنی ہر عیش و راحت قربان کر دی ہے۔ جن کا اوڑھنا بچھونا قرآن کی تلاوت اور اس کی اشاعت اور تعلیم ہے۔ وہ قذافی جنہیں بقول ان کے ایک رفیق کے ”عظمت اسلام کا خبط ہے“۔ کاشش! کہ عالم اسلام کو چند ایک اور خطی مل جائیں۔ کاشش! کہ لیبیا کی چھوٹی سی آبادی جو ۴۰ لاکھ سے متجاوز نہیں کا ہر فرد قذافی بن جائے تو مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کچھ سہارا مل سکے۔

اسلام ان اور جہاد | اسی قذافی نے مذکورہ کافر انٹرویو نگار کو یہ بھی کہا: ”قسوان

حکمتوں کا منبع اور مرکز ہے۔ وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہر ہدایت دیتا ہے۔ وہ محض انجیل کی طرح تمہیں ہے جس میں شروع سے آخر تک امن کی ہدایت ہے۔ قرآن جہاں امن و آشتی کا درس دیتا ہے وہاں ضرورت محسوس ہونے پر اپنے دفاع کے لئے تشدد کی بھی صفات صاف اجازت دیتا ہے۔ یہ فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ہمیں کہاں امن و آشتی کا ہاتھ بڑھانا اور کہاں تشدد کا مقابلہ تشدد سے کرنا ہے۔“

قذافی اس سوال کا جواب دے رہے تھے کہ اللہ کی رحمتی اور رحمانی صفت کے ساتھ ساتھ جنگ و جدال کے کیا معنی؟ قذافی ایمان و یقین سے معمور ہیں۔ مغربی پروپیگنڈہ میں آکر ارتیابی و ہنیت کے مریض نہیں کہ اسلام کی تفسیر میں تاویل اور معذرت کا انداز اختیار کریں۔ انہوں نے جہاد کی حقیقت سمجھائی اور جری انداز میں کہا:

”ہم جب آزادی کی جنگ لڑتے ہیں تو صرف عربوں اور مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ساری نوع انسان کے لئے سمجھ کر جہاد کرتے ہیں خدا تعالیٰ کا کلام قرآن حکیم سب کے لئے ایک سا پیغام اور ایک سی ہدایت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں اور دوسری کتاب میں امتیاز ہی کیا ہو سکتا تھا؟ یہود کے لئے قورات یا عیسائیوں کے لئے انجیل تھی۔ مگر قرآن کریم ساری نوع انسانی کے لئے نازل ہوا ہے۔“

مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی اور فلسطین کی واپسی کے بارے میں اس سرائیوی حکمران نے کہا:

”جی ہاں ہم ماضی کو واپس لاسکتے ہیں اور لا کر رہیں گے۔ ہم ماضی کی یاد تازہ کریں گے فلسطینیوں کو اپنے وطن میں واپس جانا اور یہودیوں کو کہیں ابد سر چھپانا۔“

یہ ایک جھلک ہے اس مردِ مومن کے عزائم کی جس کے دم سے عربوں
میں ایک نیا ولولہ اور تازگی پیدا ہو رہی ہے اور جو ایسے مومنانہ جذبات اور
عزائم کی وجہ سے آج دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنتا جا
رہا ہے۔

کاش! ہمیں بھی کوئی قذافی میسر ہو جاتا جو اپنے جوش اور غیرتِ ایمانی سے نئی
زندگی اور نئے جوش سے مرثا را کر دیتا۔

(جلد ۸، شمارہ ۷۱، رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ، اکتوبر ۲۰۱۹ء)

۱۵۔ انسوس کہ ”محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے نام سے علم بنانے میں تعاون کرنے کی خبروں سے
جناب قذافی کے ساتھ مسلمانوں کے قلبی تعلق کو کافی دھچکا لگا بنظر اس کی وجہ بھی قذافی کی سیمابی اور جذبہ باقی
طبیعت ہے کہ ان کے زعم میں ایسا تعاون شاید تشہیر و خدمتِ اسلام کا موجب ہو گا گو ان کا یہ خیال
کسی لحاظ سے مستحسن نہیں۔

سمرحد میں جمعیت کی حکومت

اب جب کہ سمرحد میں اس اتحاد کی رو سے جمعیت العلماء اسلام کو وزارت سازی کا موقع مل رہا ہے، تو ملک کے تمام مخلص دیندار اور دین کے دعویدار افراد اور جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے گرد بے جا شکوک و شبہات کا احصار کھینچنے کی بجائے اسے اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور مثالی معاشرہ کا پیش خیمہ سمجھ کر اس کی کامیابی کے لئے دست بردار ہوں۔ کیا عجب یہ شمال مغربی سرحدی علاقوں میں دینی اقدار کے فروغ اور فواحش و منکرات کے ازالہ کا ذریعہ بن جائے۔ اور جو زمین سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے خونِ شہادت سے لالہ زار بنی وہ آج سیدین شہیدین کے خوابوں کی تعبیر اور شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی کے سپنوں کی آماجگاہ بن جائے۔ ہذا تاویلِ بڑی ہی قد جعلہا ربی حقاً۔

صدیوں بعد کسی خطہ میں علماء حق کا برسرِ اقتدار آنا بخشنی مسرت کی بات ہے حالات اور زمانہ کے لحاظ سے اتنی ہی نازک ترین آزمائش بھی ہے۔ ہمیں اخلاقِ معاشرت، تمدن، معیشت، تعلیم ہر میدان میں بتدریج تبدیلیاں لانا ہیں۔ اس کی صورت اور طریق کار کیا ہو۔؟ الہم فاللہم کے مطابق کون سی باتیں اولین اور کون سی چیزیں ثانوی اہمیت کی حامل ہوں گی اور ہمیں دینی اصلاحات کے سلسلہ میں دین سے عمومی گریز کی فضا میں بین الملکتی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح اسلامی نظامِ حکومت کو اپنانا ہوگا۔؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل جمعیت العلماء اسلام کے اکابر اور خاص طور پر اس کے اولوالعزم اور مدبر قائد مولانا مفتی محمود صاحب کے سامنے ہیں۔ اسلامی خلافتِ راشدہ کی آرزو اگر صرف جمعیت کی نہیں بلکہ تمام درمند مسلمانوں اور جماعتوں کا مرکزِ تہمتا ہے تو آئیے سب بڑھ کر اس حسین تصور کو جامعہ حقیقت پہناتے ہیں جمعیت العلماء اسلام کا ہاتھ ٹٹائیں

اور اپنی تمام خداداد قوت اور وسائل سے اس کی پشت پناہی کریں۔ اس طرح اللہ کی رحمتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ اس مرحلہ پر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے محبوب قارئین کو بھی اس دعا میں شریک کرادوں۔ معزز قارئین آئیے سب بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر خلوص دل سے دعا کریں کہ بارِ الہِ مدتوں بعد جب تو نے اپنے بندوں کی ایک جماعت کو ایک مختصر سے خطہ میں اس نعمت سے نوازا کہ وہ وہاں تیرے دینِ کامل بالائے کرسیوں تو اب انہیں توفیق بھی عطا فرما کہ وہ اس پُرخطر اور سنگلاخ وادی سے سرخرو ہو کر کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔ یہاں کے چتے چتے میں منکرات اور برائیوں کی بجائے نیکی اور بھلائی کا دور دورہ ہو۔ اگر تو نے یہ نازک ذمہ داری جمعیتہ العلماء اسلام کے کاندھوں پر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اب ہر طرح ان کی دستگیری بھی فرما اور ان لاکھوں اسلام کے نام لیوا شہداء کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر جو صدیوں سے خلافتِ راشدہ کا نمونہ اور اسلامی معاشرہ دیکھنے کو ترس رہی ہیں۔ (اپریل ۱۹۸۷ء)

صوبہ سرحد میں جمعیتہ العلماء اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کے باہمی تعاون سے جمعیتہ کی وزارت قائم ہو چکی ہے اور جمعیتہ العلماء اسلام کے قائم مولانا مفتی محمود صاحب وزارتِ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہو چکے ہیں۔ مفتی صاحب اولوالعزم لیڈر ہوتے کے ساتھ ساتھ جید عالمِ فقہ اور عالمِ باعمل ہیں۔ سیاسی بصیرت اور تدبیر تحمل اور بردباری ان کی معروف صفات ہیں۔ علما، حق کو حکومت اور قیادت کی توفیق پیشتر ہونے پر ہم حضرت مفتی صاحب کو مبارک باد بلکہ دلی دعائیں پیش کرتے ہیں کہ اس نازک اور عظیم آزمائش پر حق تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائے اور وہ اپنے رفقاء کار کے ساتھ مل کر یہاں ایک ایسا مثالی معاشرہ اور خوشحال

صوبہ تعمیر کر سکیں جو پورے ملک کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ثابت ہو۔ اگر اس مرحلہ پر ہماری یہ کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں، اور ہم نامساعد حالات اور طرح طرح کی مشکلات اور رکاوٹوں کو سرخروئی کے ساتھ پار کر سکیں تو اس طرح پورے ملک میں دینی قیادت اور اسلامی نظام حکومت کے فروغ کی راہ ہموار ہو سکے گی۔ حضرت مفتی صاحب نے حلف وفاداری اٹھانے کے بعد امام الخجائٹ شراب پر مکمل پابندی کا اعلان کر دیا اور دیوانی و قہوداری قوانین کو کتاب و سنت کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ایک بورڈ کا بھی۔ اور معاشرہ کی مکمل تطہیر کے عزائم بھی ظاہر فرمائے۔ یہ ایک رقت انگیز منظر تھا جو صدیوں بعد اس چرخ کہن کو دیکھنا نصیب، بٹوا کتنی آنکھیں اس موقع پر فرط مسرت سے آبدیدہ ہو گئیں اور ملک کے کونے کونے میں اسلامی درد سے لبریز کتنے دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ واقعی مسرتوں کا مقام ہے — خزاں رسیدہ گلشن محمدی میں بہار آنے کے تصور سے بھی تو مسلمان کے تن مردہ میں جان آجاتی ہے۔ پھر کیا عجب ان سنگلاخ پہاڑیوں اور خشک دبے آب صحراؤں میں چمنستان اسلام کی شادابیاں لوٹ آئیں اور دین محمدی کی خشک کھیتیاں سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء جان نثار کے خون کی طرح لالہ زار بن جائیں۔ آئیے بارگاہ ایزدی میں گڑ گڑا کر سرحد میں جمعیت العلماء اسلام کی حکومت کی کامیابی، مضبوطی، استحکام، جادہ حق پر صبر و ثبات اور توفیق ایزدی کے لئے دعا کریں کہ یہ آزمائش مسرتوں اور خوشیوں کے ساتھ ساتھ مشکلات اور خطرات سے بھی لبریز ہے۔ (مٹی سٹم)

باب

فرد اور معاشرہ کی اصلاح

اصلاح معاشرہ کے جدید عطائی طریقے

معاشرہ کی اصلاح، ترقی اور خوشحالی کے لئے کیا کچھ ہے، جو نہیں ہو رہا، یہ ترقیاتی منصوبے اور طویل الذیل سکیمیں، گونا گوں تحریکیں، طویل البعد و پلاننگ، اقتصادی اور مادی میدان میں مسلسل جدوجہد اور تنگ و دو معاشرہ کی مادی ترقیات اور فائیت ہی کی خاطر ہو رہا ہے۔ مگر معاشرہ ہے کہ اصلاح کی بجائے فساد میں ترقی کرتا جا رہا ہے۔ معاشرتی خرابیاں، خود غرضی، لالچ، رشوت، اقربا پروری، بے حیائی، لذت اندوزی، مادہ پرستی اور جلب منفعت کی خاطر بڑے سے بڑے قومی اور اجتماعی حقوق کی پامالی اس فساد کی واضح علامت ہیں اور حقیقت اجتماعی معاشرہ انفرادی اور شخصی زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں، پس اگر آپ کسی انسانی جسم پر جھوڑے پھنسیاں یا ظاہری فساد دیکھ کر اندرونی خرابی اور فاسد مواد کا تعین کر لیتے ہیں۔ تو علاج کا صحیح اور دانشمندانہ طریقہ یہی ہوتا ہے کہ بیرونی مرہم پٹی اور عارضی اصلاح کی بجائے اندرونی مادہ فاسد کے ازالہ کی تدابیر اختیار کریں کہ جب تک جڑ سے خرابی کا ازالہ نہیں ہوگا جسم رستا اور مڑتا رہے گا اور داخلی فساد اور خرابی رفتہ رفتہ سارے جسم کو ختم کر کے جھوڑے کی عطائی اور ناتجربہ کار طبیب صرف وقتی تدابیر پر اکتفا کریں گے۔ مگر ہوشیار نبض شناس حاذق اطباء کی نظر خرابی کے اصل سرچشمہ کو پکڑ لیتی ہے۔

بستر مرگ پر دم توڑنے والا جسدِ ملی | یہی حال ہمارے موجودہ معاشرے کا ہے، جو

نہ صرف فساد کی پیٹ میں ہے، بلکہ اول تا آخر جسدِ ملی کو خرابیوں کا روگ کھوکھلا کرتا جا رہا ہے معاشرہ کے کسی طبقہ اور زندگی کے کسی شعبہ میں دیکھیں آپ کو ایک عام بیماری نظر آئے گی۔ لوٹ کھسوٹ کا منظر ہے، ہوس زریں جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہے۔ مادہ پرستی پوری قوم کا شغل ہے۔ ذرا سی منفعت دنیوی کے لئے حیا و شرم کی ساری حدود بالائے طاق رکھ کر ہر فرد

اغراض اور ذاتی منافع کے درپے ہے، ہنگامہ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، تجارت کا شعار ہے، شہرت ستانی، اقربا پروری اور بددیانتی سرکاری حکام اور سرکاری محکمے کا شیوہ۔ ملازم اور مزدور صرف حقوق کا رونا روتے ہیں۔ فرائض کا احساس تو پوری قوم کو نہیں، ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ جن کو دولت میسر ہے وہ عیش کوشتی اور ہوس رانی کے چکر میں مبتلا ہیں جو غریب ہے وہ اپنے علاوہ ہر انسان کو بغض و عناد اور نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ عرض پورا معاشرہ احساس و شعور کی ہر خلش، ضمیر و ادراک کی ہر قید و بندش سے آزاد ہو کر ایک عام و بانی بیماری کی لپیٹ میں ہے۔ اور جسم کے یہ بھوڑے پھنسیاں حیرت انگیز طور پر بڑھنے والی داخل خرابیوں کا اعلان کر رہی ہیں۔

اصلاح اور علاج کے عطائی طریقے | مگر یہاں بھی اصلاح و تشخیص اور علاج کی وہی صورتیں اختیار کی جا رہی ہیں، جو بڑے ہوئے جسم کے بارہ میں عطائی اور ظاہرین طبیعوں کا طریقہ ہے، اس طرح اندرونی مادہ کو کچھ مہلت کچھ سکون تو مل جاتا ہے جس طرح اسپرو سے ہوتا ہے۔ مگر دوسرے وقت میں اندر ہی اندر سڑتا ہوا مادہ مزید شدت اور قوت سے ظاہر ہو کر پورے جسم کو ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے۔

کیا اس کا سبب طبقاتی تفاوت ہے | اس بگاڑ اور بربادی کو دیکھ کر کچھ عطائی لوگوں نے طبقاتی تفاوت اور اقتصادی ناہمواری کو اس کا سبب قرار دیا کہ غریبی ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے، ہر شخص کو بقدر ضرورت وافر دولت اور برابر کا حصہ مل جائے تو خرابی ختم ہو سکے گی۔ اس کے لئے مساوات، سوشلزم اور کیا سنہری نام تجویز کر کے نسخہ شفاء مرتب کیا گیا۔ مگر جہاں دولت کی فراوانی تھی وہاں اخلاقی خرابیوں اور بربادیوں کا زیادہ دور دورہ دیکھا گیا، جو جتنا غریب تھا دولت اور عہدہ و منصب کے لحاظ سے دوسرا اس سے جتنا اونچا تھا شہرت ستانی اور اخلاقی بددیانتیوں میں وہ اتنا ہی اس سے بڑھ کر نکلا، سپاہی اور کلرک ایک روپیہ کا راشی تھا، تو سینکڑوں پانے والے افسر اور حاکم سینکڑوں اور ہزاروں کے راشی ہوئے، سو روپیہ پانے والے میں سو خرابیاں ہیں تو ہزار اور لاکھوں پانے والوں میں اتنی ہی تعداد میں اخلاقی بیماریاں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار حاکم آج سب سے بڑھ کر بے حیائی، فحاشی اور مادہ پرستی

کی پسیٹ میں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ غربت اور افلاس کا ازالہ بذاتِ خود کتنا اہم اور ضروری ہے، کیوں نہ ہو معاشرہ کی اصلاح، فساد کے ازالہ، سوسائٹی کی خرابیوں کا علاج ہرگز نہیں اس دوائے معاشرہ کے بعض افراد کو اور بگاڑ دیا تو پوری قوم کی اجتماعی زندگی اس سے کب شفا یاب ہو سکتی ہے۔ ۹۔

قانون کا آہنی شکنجہ بھی علاج نہیں | کچھ لوگوں نے معاشرہ کے علاج کی خاطر قانون کا سہارا لیا مگر قانون کا ڈنڈا جتنا بھی سخت ہوتا گیا اور حکومت و سلطنت کے شکنجہ میں معاشرہ جتنا بھی جکڑتا گیا اندرونی فاسد مادہ اتنا ہی شدت اور قوت سے دوسرے راستے نکالتا رہا۔ امریکہ نے کچھ عرصہ قبل شراب پر پابندی لگائی تو لوگوں نے سائیکل کے ٹیوب ٹائر سے خم خانوں اور پیمانیوں کا کام لیا۔ خفیہ بھٹیوں کی تعداد سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ گئی اور قانون کا احترام اسی طرح خاک میں ملتا رہا۔ اس لئے کہ نرے قانون اور حکومت کے آہنی شکنجہ سے اندرونی فاسد مادہ پر پلا سٹر تو ہو سکتا ہے مگر برسوں کے سڑتے ہوئے مواد کو اُبلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور سماجی بگاڑ اندر ہی اندر نقطہ عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے چوروں کو دیکھا ہو گا کہ برسوں کی قید اور سزاؤں کے بعد ان کا پہلا کام وہی ہوتا ہے جس کی پاداش میں وہ اب تک تکالیف شاقہ برداشت کر رہے تھے۔ جو اباز مقام کی عادت قانون کے ڈنڈے سے کبھی نہیں بدلی، ایک ہنگر بھی حوالات کی وجہ سے عادت بد نہیں بدلتا۔ اور ایک راشی یا اُجرتی قاتل دوچار ہزار جرمانہ دے کر اپنا دل پسند طریقہ نہیں چھوڑتا۔ الغرض اس شکنجہ سے انسان۔ اُتھر فخلو قات۔ محض ایک سرکش گھوڑے کی طرح تو ہو جاتا ہے کہ جب تک سزا اور عقوبت کی رسیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ قابو میں ہے، ذرا سی باگ ڈھیلی ہوئی تو وہ تھریر اور سرکش گھوڑا ہی رہا۔ ہمارے ہاں بھی یہ انسانی طور طریقے تشخص و علاج کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ اصل علاج سے پوری قوم غافل ہے۔ اندرونی فساد کے ازالہ کے لئے تحریکیں چل رہی ہیں۔ یہ صفائی کا ہفتہ ہے، یہ ہفتہ شجر کاری ہے۔ وہ ٹی بی کے خلاف جہاد ہے۔ یہ ریڈ کراس کے میلے ہیں یہ ٹریفک کا ہفتہ منایا جا رہا ہے، یہ سنگٹنگ اور بلاوٹ کے خلاف تحریک گرم ہے۔ سب کچھ ہو رہا ہے مگر کسی شعبہ حیثیات میں اچھائی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے کہ علاج کی تشخص ہی

خلط ہے۔

اصلاح معاشرہ کیلئے اندرونی انقلاب کی ضرورت | مگر مسلمانوں کی نگاہ میں جو سب سے بڑھ کر دانا و بصیر حکیم تھا جس کی صداقت و مہارت اور فراست باطنی، دور رس، اور حقیقت بینی کی تاریخ نے ہر دور میں شہادت دی، یعنی حکیم دانا نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام صلیق و مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جو عقل و تجربہ اور فہم و خرد کے مطابق تھا، یعنی قسا دکی اندرونی خرابیوں کو پکڑا کہ جب تک انسانی معاشرہ میں اندر سے انقلاب پیدا نہیں ہوگا۔ دل کی حالت درست نہ ہوگی، ضمیر و احساس بیدار نہ ہوگا، اچھے اور بُرے کی تمیز پیدا نہ ہوگی، تقویٰ اور خشیت کی لہریں نہیں اٹھیں گی۔ جسم انسانی کے پھوڑے پھنسی اور بنماداغ نہ تو دولت سے زائل ہوں گے نہ غربت اس کا ملاوا ہوگا نہ قانون سے اصلاح ہو سکے گی نہ حکومت کے ڈنڈے سے۔ یہ انقلاب دل کا انقلاب تھا کہ باہر کا سب کچھ اس کے تابع ہے، وہ اصل ہے اور جسم اس کا سایہ۔ اور جب اصل قابو میں آجائے گا۔ تو سایہ خود بخود ہاتھ میں ہوگا۔ پھر نہ قانون کی ضرورت ہوگی نہ نظام حکومت کے آہنی شکنجوں کی کہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ۔

دل کی دنیا بدلنے کے نتائج | جب دلوں کی دنیا بدل گئی تو منادی کی ایک پکار سے گھروں کے اندر بیوں تک آئے ہوئے شراب کے جام توڑ دیئے گئے، لبوں کے اندر نئے گلگوں کے گھونٹ حلق کے اس پار اٹک کر رہ گئے اور شراب کی وہ ٹی پلید ہوئی کہ مدینہ کی گلیاں اس سے بھر گئیں، سب جام و سبو باہر پھینک دیئے گئے۔ حجاب کی آیت سنی گئی تو جو بھی عفت مآب خاتون یہاں سے گزر ہی تھی وہیں سکڑا کر کسی اڑ میں بیٹھ گئی۔ اور جب تک لباس سائر نہیں ملا وہاں سے قدم نہیں اٹھ سکے۔ اگر رات کے سیاہ پردوں میں بھی انسانی کمزوری کی وجہ سے کوئی جرم سرزد ہوا تو جب تک اس کی حد جو رحم و رستگاری کیوں نہ ہوتی، اپنے اوپر جاری نہ کروائی لمحہ بھر چین نہیں ملا۔ وہ مانع جیسے رجال باصفا ہوتے یا غامد جیسے خواتین قانات جن کی احساس ندامت کسی پوری وادی کے لئے بخشش آفرین کا موجب ہو سکتی، وہ عبداللہ بن رواحہ جیسے سراپا دیانت حاکم اور افسر ہو جاتے، کہ

ہزاروں لاکھوں کی رشوت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتے۔

نسخہ شفاء یک نخت فراموش | غرض یہ اس امت کا آزمایا ہوا نسخہ ہے جس کی صداقت پر صدیاں گزر گئیں۔ آج پھر معاشرہ کے لئے اس نسخہ کی ضرورت ہے۔ مگر کیا اس پورے ملک میں اصلاح اخلاق، تعمیر اخلاق، تہذیب نفس، تزکیہ قلوب کی بھی کوئی تحریک اٹھی ہے۔ کسی پارٹی نے اسے اپنا منشور بنایا ہے؟ کوئی ہفتہ اس کا منایا گیا ہے؟ کسی لیڈر کا یہ بھی اور حنا بچھونا بنا ہے؟ وہ قوم جو روٹی کپڑے اور مکان سے زیادہ تعمیر انسانیت، تہذیب نفس کی محتاج ہے۔ افسوس کہ کوئی حکیم اسے شعار بنا کر نہیں اٹھتا کہ دلوں کو بیدار کر دے، اسے خوفِ آخرت اور ایمان باللہ سے مالا مال کر دے، انسانی انکار کو محاسبہ آخرت سے مربوط کر دے اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی اہمیت انسانی اقدار کی قدر و قیمت اور ضمیر و شعور کی آگاہی اور بیداری کی ضرورت سے قوم کو آگاہ کر دے۔ ستمبر ۱۹۷۲ء

عالم اسلام کی معاشرتی اور اخلاقی قدریں

مملکتِ عزیزِ پاکستان کی آزادی کو پچیس برس گزر گئے، ملک کی اصلاح و ترقی کے لئے مختلف تحریکیں اٹھیں، کئی انقلابات آئے، منصوبے بنے، تحقیقاتی کمیشن قائم ہوئے تجاویز پیش ہوئیں، بلند بانگ دعوؤں اور منشوروں کا ایک طومار مرتب ہوتا چلا گیا، مگر اس ساری کدو کاوش کا نتیجہ ”کوہِ کندن وہ کاہِ برآوردن“ ہی ظاہر ہوا، ہجران بڑھتا گیا۔ تباہی نے ہمیں چاروں طرف سے آگھیرا، اور ملک اصلاح و ترقی کی بجائے فساد اور منزل کی طرف لڑھکنے لگا۔ اب جب کہ نئی حکومت نئے ہوش اور دلولہ سے قیادت سنبھال کر ملک کی از سر نو تعمیر کا عزم دہراتی ہے تو ہمیں اس سارے لاپائیل اور لاماصل جدوجہد اور کوششوں کو نگاہ میں رکھ کر اصلاح و تعمیر کا کام نئی بنیادوں پر شروع کرنا چاہیئے ورنہ نتیجہ وہی ضیاع وقت اور بربادی ظاہر ہوگا۔ کہ جب تک بیماری اور خرابی کی تشخیص نہ ہو سکے۔ اصلاح اور علاج کی ساری تدابیر ناکام ہوتی ہیں، اس وقت تئی تعمیر کے لئے جو بنیادی حیثیت کا مسئلہ

ہے وہ ہے ملک کی اصلاحی اور اخلاقی بنیاد پر تعمیر نو جب تک بنیاد درست نہ ہوگی ساری عمارت تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، ہماری معیشت، سیاست، اقتصادیات اور تمام سماجی مسائل اگر حل ہو سکتے ہیں تو اس صورت میں کہ ملک اور معاشرہ کی اخلاقی قدروں اور معاشرتی امور پر بنیادی توجہ دی جائے ورنہ بغیر اس کے ہمارے تمام منصوبے ناکام سے ناکام تر ثابت ہوں گے۔ معاشی اور زرعی اصلاحات، صنعتی ترقی اور معیار زندگی میں بلندی کے لئے ہماری تنگ و دو کے باوجود ملک میں جس پیمانہ پر رشوت خوری دولت ستانی، اقرباء نوازی، وغیرہ اندوزی، غبن، بددیانتی، فرائض میں کوتاہی، جبرائے گرانفروشی، خود غرضی اور موس رانی بڑھ رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی نہ تھی۔ حکومت کے اعلیٰ سے ادنیٰ تمام محکموں میں ان برائیوں کا دور دورہ سب کو محسوس ہو سکتا ہے۔ اجتماعی حقوق اور جذبہ حب الوطنی کا احساس اتنا مفقود ہے کہ اپنی حقیر اور فانی لذت یا مادی فوائد اور چند روزہ اقتدار کی خاطر ملت کے بڑے بڑے مفاد کو غدارمی کی بھینٹ چڑھا کر معمول کی بات ہو گئی ہے۔ ملک و وطن کی ذمہ داریوں کا احساس صفر ہے۔ ان خرابیوں میں عوام بھی حکام سے پیچھے نہیں ہیں، بے حیائی، فحاشی، زنا، چوری، اغوا اور دہشت، سنگین قومی و ملی امور میں غبن اور خود برد کا حال ڈھکا چھپا نہیں۔

اخلاقی اور اصلاحی انقلاب کی ضرورت اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے ہر تحریک چلائی مگر قومی اور وسیع پیمانہ پر کبھی تو حیرت نہ ہوئی تو اخلاقی و اصلاحی انقلاب کی طرف نہ ہوئی اس کی وجہ یہی ہے کہ جب ارباب اقتدار خرابیوں کے جس دلدل میں خود پھنسے ہوئے تو ہوئی وہیں اور لذت اندوزی کے اس کیچڑ سے وہ عوام کو کب نکالنا چاہیں گے۔ پھر جن لوگوں کے ہاتھوں زمام کار رہتی ہے انہیں یا تو خراب حالات نے اتفاقاً لیڈر بنایا ہوتا ہے۔ یا پھر ان کی فکری اٹھان چند روزہ سیاسی دھندوں کے مروج ہوتی ہے یا پھر ان تعلیمی اداروں کی جہاں سب کچھ ہوتا ہے مگر اخلاق، ضمیر، شعور و ادراک اور نفس کی تربیت و تہذیب کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہمارے رہنما قوم کی دینی اخلاقی اور سماجی تربیت و تعمیر جیسے کٹھن خشک و بے مزہ کام کے جھیلوں میں پڑ کر اپنی زندگی کی رنگینیاں بدمزہ کرنا چاہتے ہیں رہے انسان کرام

تو دفتری نظم و نسق اور سرخ فیتہ والے نظام کے جزئیات اور کاغذی کاروائیوں کے گردش اور پھر عیش ورفاہیت میں بدست حالت انہیں اتنے اہم مسئلہ پر سوچنے کب دیتی ہے۔ قوم میں جب تک اخلاقی احساس اور اجتماعی شعور بیدار نہ ہو۔ خدا شناسی اور خدا ترسی اور خالصہ عزت کا احساس نہ ہو، فرائض اور حقوق کا ادراک نہ ہو۔ رضا کارانہ کام، ایثار، خلوص، ادائیگی حقوق و امانات کی تڑپ نہ ہو تو ہمارا ہر معیشتی، اقتصادی اور سیاسی منصوبہ نہ صرف ناکام بلکہ مزید تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ بنتا رہے گا۔ پہلے قوم کی بحیثیت مسلمان اور دیانتدار شہری کی تربیت کیجئے اس کے لئے وسیع اور کھٹوس دور رس بنیادوں پر تحریک چلائیں۔ ایک اخلاقی اور وجدانی انقلاب برپا کیجئے۔ اس کے بعد صنعتی ترقی زرعی اصلاحات اور ملک کی تعمیر نو کے لئے آپ کی معمولی کوششیں بھی بہت بڑے ثمرات ظاہر کریں گی۔

ملک کی تعمیر نو میں دین سے گریز کا نتیجہ | ہمیں افسوس ہے کہ پارٹی کے صدر دزدان فقار علی بھٹو نے اقتدار سے قبل تین بنیادوں پر انتخابی پروگرام پیش کیا تھا۔ اس نے اس عرصہ میں معاشی نظام کے لئے سوشلزم، سیاست کے لئے جمہوریت کی طرف برائے نام سہی کچھ تو قدم اٹھایا یا بہلانے کی کوشش کی۔ مگر اسلام جسے اپنا دین کہا گیا تھا کامل بے اعتنائی کے ساتھ پس پشت ڈال دیا گیا اور اب تک اسے دین کی حیثیت سے ناظر نے بے اسلامی خطوط پر معاشرہ کی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ ملک کی تعمیر نو میں اصلاحی و اخلاقی اقدامات کی طرف کوئی توجہ ہوئی، نتیجہ یہی کہ گاڑی ہلاکت کی اسی پٹری پر جا رہی ہے اصلاحات کے باوجود معاشرہ میں اضطراب اور بے چینی روز افزوں ہے۔ مزدوروں اور ملازمین کی عفریت بوتل سے نکل چکا ہے ”سیاسی زلزلہ“ بے اعتماد ہیں عوام اقتصادی اور معاشی لحاظ سے دبے جا رہے ہیں۔ امن اور اتحاد کی فضا ختم ہوتی جا رہی ہے۔ محبت اور الفت کے رشتے نفرت اور عداوت سے بدل رہے ہیں۔ پھر کیا اب بھی فطرت کے ردِ عمل اور قانون انتقام سے ہم غافل رہیں گے؟

الہٰذا راتے چہرہ دستان سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اس وقت جبکہ محرم سے سال نو کا آغاز ہو رہا ہے، ہم نہایت خلوص سے نئی حکومت

کی توجہ وقت کے اس اہم ترین مسئلہ - اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی طرف مبذول
کراتے ہیں۔

من انچہ شرط بلاغ است باتومی گویم
توخواہ از سختم پند گیرخواہ ملال

اُم الخبائث کی فراوانی

۱۵ مئی کو صوبائی وزیر آبکاری نے صوبائی اسمبلی کو بتایا کہ پچھلے ایک سال میں مغربی پاکستان کے بڑے ہوٹلوں میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پچھتر ہزار نو سو اکتیس گیلن شراب استعمال کی گئی۔ وزیر آبکاری نے فرمایا کہ صرف لاہور کے سات ہوٹلوں میں ہر ماہ اوسطاً اٹھارہ سو پچانوے گیلن شراب استعمال ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کراچی، حیدرآباد، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ کے چالیس ہوٹلوں کو شراب استعمال کرنے کے پرمٹ دیئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ بعض ملٹی و بھوات کے سوا تمام مسلمانوں پر شراب نوشی پر پہلے ہی پابندی ہے۔ یہ اعداد و شمار ایک اسلامی جمہوریہ کہلانے والی سرزمین کے ہیں۔ کسی اور جرائم اور فواحش کے نہیں بلکہ خرابیوں کی جڑ شراب جیسی اُم الخبائث کی افراط اور فراوانی کا یہ عالم ہے۔ پھر یہ تو صرف چند ہوٹلوں کی ایک جھلک ہے۔ کلبوں، کاک ٹیل پارٹیوں، تفریحی تقریبات، نجی محفلوں اور عوامی محفلوں اور جلوتوں کا اندازہ خود نگلیے اور پھر جب نتیجہ میں ملک میں لا قانونیت، غنڈہ گردی اور بد امنی کا دور دورہ ہو تو غنڈہ آرٹینس کے دامن فریب میں پناہ ڈھونڈیے، یاد رکھئے جب تک فساد اور خرابی کے شجرہ نجیشہ کی جڑوں کو اتنی فیاضی سے سیراب کیا جائے گا۔ غدار شاخوں کی تراش و تراش سے اصلاح نہیں بلکہ اس کے برگ و بار میں اور بھی ترقی ہوگی۔ اس خبر کا یہ پہلو بھی لمحہ فکریہ ہے کہ اگر مذکورہ اعداد کے مطابق شراب پینے والے سب کے سب مریض ہیں یا پھر سب کے سب غیر مسلم تو پھر اس ملک میں مسلمان اور صحیح منہ انسان کا وجود کہاں سے ملے گا۔ اس کے

علاوہ آخر وہ کون سا مرض ہے جس کا علاج اسلام شراب جیسی ام الخبائث چیز سے کرانا چاہتا ہے جو بچائے خود ایک مہلک بیماری ہے۔ اور پھر یہ پرمٹ اور لائسنس کس بلا کا نام ہے؟ اپنے مشاہدہ میں تو پی آئی اے کی ایک تازہ مثال ہے کہ موت کے سایہ میں خوفِ آخرت سے عاری ”مسلمان“ جام پر جام لٹھکتے رہے ہوئی نازنینوں کو کسی پرمٹ کا نہیں بلکہ ایک اشارہ ابرو کا انتظار رہا اور پھر ان مسلمانوں کے مر ڈوبنے کے لئے یہی کافی تھا کہ غیر ملکی مسافروں کے نام پر استعمال ہونے والی یہ شراب کسی بھی غیر مسلم نے طلب نہیں کی بلکہ یہ لوگ تو ان حریصانہ اور لالچائی طبیعت والے ہوس مے نوشی میں مدہوش ”گالے مسلمان شراب خوروں“ کو طنز و استہزاء کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ - جون ۱۹۶۸ء

قتل و جہل کا دور دورہ

صحیح بخاری میں شفیق بن سلمہ سے روایت ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بین یدى الساعة ایامًا یُنزل فیہا الجہل ویرفع فیہا العلم ویکثر فیہا القتل قیامت سے پہلے ایسے دن آئیں گے کہ جہالت عام ہو جائے گی علم اٹھا لیا جائے گا۔ اور ہرج یعنی قتل بڑھ جائے گا۔ اس حدیث کی روشنی میں اپنے زمانہ کا جائزہ لو دیگر پیشگوئیوں کی طرح اس بات میں بھی خبر صادق کی صداقت کفلک الصبح (پو پھٹنے کی طرح) روشن ہو کر ثابت ہو رہی ہے۔ کسی ایک اخبار کو اٹھا کر دیکھئے اس کا دو تہائی حصہ اغوا، قتل، جھگڑا، فساد، آبروریزی اور اقدام قتل سے متعلق خبروں پر مشتمل ہو گا۔ اور اگر اتنی فرصت بھی نہ ہو تو صوبائی اسمبلی کے پارلیمانی سیکرٹری برائے محکمہ داخلہ کے ان تازہ اعداد کو پڑھ لیجئے جو انہوں نے وقفہ سوالات کے دوران بتلائے انہوں نے کہا ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء کے مختصر عرصہ میں صرف مغربی پاکستان میں سولہ ہزار قتل ہوئے، بالفاظ دیگر اس مدت میں ۳۲ ہزار خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ

ملہ کراچی سے ڈھاکہ جانے ہوئے ملک کے چوٹی کے سیاسی لیڈر اور وفود کے کئی افراد کو اس حال میں دیکھا۔

ایک لاکھ بچے یتیم، کئی ہزار عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ ہزاروں والدین کی آنکھوں کی روشنی بجھ گئی اور ہزاروں بچوں کی تعلیم اور معاش کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ تو صرف وہ قتل ہیں جو حکومت کے علم میں آئے اور ان پر باقاعدہ مقدمات قائم ہوئے۔ اس طرح ارشادِ نبویؐ کے پہلے قتلہ وال علم اور کثرتِ جہل کو دیکھئے تو کیا اس سے قبل بھی کہیں ایسا موقع آیا تھا کہ علماء حق کا مصرف پورن فارم سکولش یا مرتبہ جات کے کارخانے سنبھالنا رہ گیا ہو اور علم و تحقیق کی باگ ایسے ہاتھوں میں دی گئی ہو جن کا باطن تو کیا ظاہری اطوار و عادات بھی علم کیلئے تنگ و عار کی حیثیت رکھتے ہوں۔

(ج ۳ - ش ۹ - دیع الاول ۱۳۸۸ھ جون ۱۹۶۸ء)

صیامِ رمضان

اخلاقی اور روحانی اصلاح کا ایک قرآنی نسخہ

رحمتِ خداوندی کا موسم بہار ”شہرِ رمضان المبارک“ ملتِ محمدیہ کے سروں پر سایہ فگن ہے۔ اس وقت ہم اس کے وداعی دور (عشرہ اخیرہ) سے گزر رہے ہیں۔ جسے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہنم سے نجات ”عشق من النار“ کا مرحلہ قرار دیا۔ نامناسب نہ ہو گا اگر رمضان کے روح پرور اور سبق آموز پہلوؤں پر ایک اچھتی نگاہ ڈال دی جائے۔

رمضان کیا ہے۔ ہ انوار و برکات الہی کے فیضان کا مہینہ۔ تجلیاتِ ربانی کا مظہر۔ رحمتِ بائے داسعہ کا ظہور اور نعمتِ بائے متوالیہ کا ابر نیسان۔ رمضان، رحیم و کریم کی رحمتوں کا وہ نقطہ عروج ہے جو اپنے جلو میں بے چین و مضطرب انسانیت کے لئے قرآن کریم جیسا نسخہ شفاء اور اکسیرِ بدایت لایا۔ اور اس طرح ماہِ رمضان ہی وہ مقدس زمانہ ٹھہرا جس میں رب العالمین نے اسلام جیسی بیش بہا نعمت سے اپنی ۔ اور نواہیس کی تکمیل فرمائی۔ رمضان مومنین کے پڑ مردہ دلوں کے لئے حیاتِ نو کا پیغام اور مقررین کے لئے جلاء و نکھار کا مہینہ ہے جس میں ذکر و فکر اور بندگی و طاعت کی محفلوں میں تازگی اور فسق و فجور کے ظلمت کدو میں ویرانی آجاتی ہے۔ ایمان و تقویٰ کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، اور ظلم و معصیت کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں۔ ماہِ صیام ابلیس کی بندش و رسوائی اور پراگندہ حال شکستہ خاطر مومنین کی سرفرازی اور سرخروئی کا مہینہ ہے۔ رمضان حدیثِ یاد کے ورد و تکرار اور رات کی تنہائیوں میں محبوب و مطلوب سے مناجات اور سرگوشیوں کا عہدِ وصال ہے۔ رمضان جس کی آخری شب میں رب کریم اپنی آغوشِ رحمت پوری کائنات۔ پوری انسانیت۔ اپنے رب سے ٹوٹی ہوئی انسانیت کے لئے وا کر دیتا ہے۔ اور اپنے مالکِ حقیقی سے برگشتہ بندوں کو جو دو بخشش کی صلائے عام

ہوتی ہے۔ الامن مستغفرنا غفرلہ الامن مسترزقنا رزقہ الامن مبتلى
 فاعافيه الاخذ الاخذ (الحديث) ہے کوئی بخشش کا طلب گار کہ میں اسے
 بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس پر خزانہ غیب سے رزق کے دروازے
 کھول دوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے جسے میں نعمتِ غایت سے نواز دوں۔
 پھر اس کے افطار کا وقت۔ سبحان اللہ۔ وہ تو جمالِ محبوب کے دید و مشاہدہ
 اور اس کے قرب و ندرت کا وہ مقام معراج ہے کہ فراق و ہجر کے ستر ہزار حجاب
 بیچ سے ہٹ جاتے ہیں۔ گونا گوں مسترتوں اور نقار رب کے لمحات۔
 للصائم قسۃ حیات فی حۃ عند فطرہ و فرحۃ عند لقاء ربہ (الحديث) روزہ دار
 کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک وقتِ افطار کی خوشی اور ایک اپنے رب کی زیارت
 اور وصال کی مسترت۔ غرض رمضان کی ہر رات شبِ وصال اور ہر دن یومِ مشاہدہ
 جمال ہے۔ ع

ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

پھر اس میں ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی بھی آجاتی ہے، جو عظمت و مرتبت
 کے لحاظ سے ہزار مہینوں کے برابر ہے جس میں یکبارگی قرآن نازل ہوا جو الروح
 الامین اور ملائکہ رحمت و سلام کے نزول کی رات ہے، جس میں ساری کائنات ذوالجلال
 والکبریا و معبود کی عظمتوں کے سامنے جھک کر اس کی تسبیح و تہجد میں ڈوب جاتی ہے۔
 مگر ایک عاشقِ زار کیست وصال اور لذتِ ہوائے جمال میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ
 وہ اس ہزار ماہ والی رات کو ایک رات بلکہ ایک لمحہ سمجھنے لگتا ہے۔ کانت لہم یلبثوا
 الا ساعة من نهار۔ اور صبح صادق کے وقت پکار اٹھتا ہے کہ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور ما عرناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک لا اھی ثناء

علیک انت کما اثبت علی نفسك۔ کا نغمہ عجز و قصور اس کی زبان پر ہوتا ہے۔

انا انزلناه في ليلة القدر وما ادراك ما ليلة القدر ليلة القدر خير من الف شهر
تنزل الملائكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر سلام هي حتى مطلع الفجر —
پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ آتشِ قرب اور سوزِ دروں سے بے تاب ہو کر
رضائے مولیٰ کا طلبگار بندہ گھر بار خویش و اقارب سب کچھ چھوڑ کر اسی کے در پر ڈیرہ جما
دیتا ہے اور جب تک رضا وصال کا ہلالِ عید چمک نہ جائے یہ بھی آستانہ یار کی چوکھٹ نہیں
چھوڑتا۔ سوز و ساز، امید و بیم، درد و تڑپ، اضطراب و التجار اور تعلیلِ طعام کے بعد قطعِ کام و
منام اور ترکِ تعلقات کے اس چلتے کو ہم اعتکاف سے یاد کرتے ہیں۔ پھر وہ رمضان ہی کے
ساعاتِ کیمیا اثر ہیں جن کی تاثیر سے ہماری حقیر سی نیکی، عملِ قلیل اور بضاعۃ مزہاجہ، اخلاصِ احتساب
کی آمیزش سے جبلِ آحد جتنا مقام پالیتی ہے۔ ہمارے نوافلِ فرض اور فرضِ شتر فرض کے برابر
ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ اجر و ثواب خود بارگاہِ ایزدی سے براہِ راست ملتا ہے۔ الا انقصوم
فانتهی وانا اجزی بہ کہ اس کی یہ بھوک و پیاس، یہ پژمردگی، یہ ربودگی صرف اسی کے لئے
تو ہے اور اسی ہی کے علم میں ہے کسی غیر کی رضا مندی، ریا اور شہرت کا اس میں شائبہ بھی نہیں۔
پھر اس شہرِ مسعود کے یہ برکات و انوار وقتی نہیں بلکہ ایک مسلمان کی ساری زندگی اس کی بدولت
ایمان و احسان کے سانچہ میں ڈھل سکتی ہے۔ بشرطیکہ رمضان کے فضائل و برکات و ایمانِ آفرین
نتائج نگاہوں کے سامنے رہیں اور صوم کی یہ عبادت ہر قسم کے سکرات و فواحش، قولِ زور
بہبودہ مجالس، غیبت اور گالی گلوچ، ریا و عجبِ غرض تمام بُرے افعال کی آلائش سے
پاک رہے کہ جب حلال چیز سے پرہیز ہے تو حرام کی گنجائش کہاں ہے؟ اور اگر یہ عملِ ایمان و
احسان سے خالی اور ذنوب و آثام سے محفوظ نہیں۔ تو یہ تو زری بھوک و پیاس ہے جس سے
اللہ تعالیٰ کوئی سروکار نہیں رکھتا رہنماری، اور کتنے صائمِ انہار و قائمِ اللیل ہیں کہ جن کے پلے بجز
پیاس اور مفت کی بگائی کے اور کچھ نہیں پڑتا (الدائم) روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے
کا نام نہیں بلکہ تمام بہبودہ اور بیجائی کی باتوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے (الحديث) روزہ
تو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچانے والی ایک ڈھال ہے، جب تک روزہ دار اس کو بھوٹ
اور غیبت سے چھید نہ ڈالے۔ (نسائی وغیرہ) یہ مہینہ سراپا وعظ و نصیحت ہے اور اس کا ہر پہلو

صد ہا نصیحتوں سے بریز رہے۔ یہ مہینہ صبر کی تلقین کرتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہم نے لڑاؤ نہ ہوات کو ترک کر دیا۔ اس طرح مومن کی ساری زندگی منکرات و فواحش اور منہیات سے صبر و گریز کی آئینہ دار ہوگی۔ یہ مہینہ ہمیں جہاد سکھاتا ہے کہ نفس تو وعدہ و اکبر اور اس کا مقابلہ جہاد اکبر ہے۔ اور جب مسلمانوں نے روزہ سے نفس پر فتح پانے کا ملکہ حاصل کر لیا تو وعدہ و اصرار کافر و مشرک کی شکست تو آسان بات ہے۔ یہ مہینہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس دلا کر باہمی ہمدردی، ایثار و اتفاق اور غریب پروری کا سبق دیتا ہے۔ اس لحاظ سے حضورؐ نے اسے شہرِ مواساة کہا یعنی غنوارگی کا مہینہ۔ ”جو خدا کے کسی بندہ پر آسائش لائے، اسے کھانا کھلائے یا صرف دودھ کی لسی یا کھجور کے دانہ اور پانی کے گھونٹ سے افطار ہی کرادے تو اس کی آگ کی مستحق گردن جہنم سے نجات پالے گی۔ اور اسے جنت کا پروانہ مل جائے گا۔ جس روزہ دار نے کسی بندہ خدا کو کر یا غریب کا بوجھ بٹکا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی گردن سے گناہوں کا بوجھ اتار دے گا“ (الحديث عن سلمان الفارسی) غرض یہ شہرِ رمضان کیا ہے؟ سراسر پانور و رحمت، سراسر خیر و برکت، تہذیب نفس، تنقیح اخلاق، اصلاح اعمال، مجاہدہ و ریاضت کا مہینہ اور ملکوتی صفات کو حیوانی عادات پر غالب کرنے اور جلاء باطن اور تزکیہ روح کا موسم بہار۔ کتابِ مبین ”قرآن کریم“ کے پیش کردہ نصاب و نظام کی عملی ٹریننگ کے ایام۔ تاکہ تم میں قرآنی زندگی پیدا ہو۔ یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبکم لعلکم تتقون۔

شہرِ اذلہ رحمۃً ———— وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ ———— وَأَخْرَجَ عَتَقَ مِنَ النَّارِ

واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل

رج ۲- ش ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ - جنوری ۲۰۱۶ء

اصلاح معاشرہ میں روزہ اور جہاد کا مقام

رمضان المبارک کا مہینہ اپنی پوری رحمتوں اور عظمتوں سے ملت اسلامیہ پر سایہ نگیں ہے۔ اس شہر عظیم کی برکات کے کیا کہنے جس میں قرآن اتارا گیا۔ اور جس کے اہتمام و استقبال میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر فرط اشتیاق سے والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ قرب حق اور وصال مولیٰ کے وہ پاکیزہ شب و روز جن کی تنگ لہروں سے روح و ایمان کی کھیتی لہلہا اٹھتی ہے۔ اور جن کے عبادات و مجاہدات سے نہ صرف مہینہ بھر کے لئے نفس ظلم اور شیطانی طاقتیں مہور و مغلوب ہو جاتی ہیں۔ بلکہ خوش بخت افراد کا بھی جمع شدہ ذخیرہ عبادات سال بھر تک ذخیرہ توفیق و برکت کا کام دیتا رہتا ہے۔ اور اس کی طاعتوں اور مغفرتوں کا فیض سال بھر تک چلتا رہتا ہے۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں ایک طرف انسانی رہنمائی و ہدایت کا نسخہ شفاء قرآن مجید کی شکل میں اتارا گیا۔ تو دوسری طرف ضروری تھا کہ ساتھ ہی ساتھ اس ”کتاب مبین“ پر عمل کرنے کی تربیت کا اہتمام بھی ہو اور اللہ کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب، خواہشات نفسانی کے مغلوب کرنے اور ملکوتی جواہر کو ابھارنے اور نکھارنے کی صلاحیت اور طور طریقے بھی عملاً سکھائے جائیں جس کا بہترین مظاہرہ روزہ ہی کے ذریعہ کیا جاسکتا تھا کہ جب ارشادِ بانی کی تعمیل میں حلال اور پاکیزہ نعمتوں اور کھانے پینے سے اجتناب اور احتراز کی طاقت پیدا ہو جائے گی تو ناممکن ہوگا کہ ملت محمدی کا ایک پیروا اور عبدیتِ خلاوندی کا ایک دعویٰ دار اپنی زندگی میں اس کی مرضی اور مشاہد کے خلاف کوئی کام کر بیٹھے۔ یہی ربط اور تعلق ہے رمضان اور قرآن کا۔ قرآن کریم ایک مؤمنانہ سیرت و کردار کے لئے جن خطوط و اقدار کی تعلیم دیتا ہے۔ اس تعلیم کے سیکھنے اور پڑھنے پڑھانے، اس کا عملی تجربہ اور ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے جو تعلیمی ملت مقرر کی گئی وہ یہی ماہ رمضان ہے۔ اطاعت و پرہیزگاری کو اپنا کر خواہشات و مہوات کی تمام

طاقتوں کو موٹائی کے نام پر قربان کرنا۔ روزے کا یہی پاکیزہ مقصد ہے، جسے قرآن میں تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ”اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح پھیلی امتوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو“ (البقرہ) وہی تقویٰ جو بقول علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اور جس کی حقیقت سیدنا عمر بن الخطابؓ کی روایت ذیل سے سمجھی جاسکتی ہے:-

عن عمر بن الخطابؓ انہ سأل ابی بن کعب عن التقوی فقال له اما سکت طریقاذا شویک؟ قال بلی قال فما علمت؟ قال شمرت واجتهدت قال ذلک التقوی (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۷)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کما نہیں نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ایسے راستے سے نہیں گزرے ہیں جہاں کلٹے دار جھاڑیاں ہوں آپ نے کہا ہاں گزرا ہوں۔ انہوں نے پوچھا پھر اس وقت آپ نے کیا کیا۔ فرمایا میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے اور اس سے بیچنا ہوا گزر گیا انہوں نے کہا اس کا نام تقویٰ ہے۔

پسے اگر ہم نے ان پیام میں کھانے پینے کے ساتھ ساتھ تمام غلط باتیں بھی ترک کر دیں۔ منکرات و فواحش سے کلی احتراز کر لیا جھوٹ، ہراس کاری، گالی گلوچ، غیبت، بھڑائی، قول زور لہو و لعب اور نظربد وغیرہ کو خیر باد کہہ کر اپنی تمام توانائیاں خدا کے سپرد کر دیں تو ہم نے روزے کا مقصد اور تقویٰ کی زندگی پالی۔ اور اگر گناہ و معصیت کا بازار گرم رکھا۔ کلچر و ثقافت کے نام پر فحاشی ابد بے حیائی کا کاروبار چلتا رہا۔ دفاع و رپلیٹ فنڈ کے نام پر رقص و سرود کی محافل منعقد ہوتی رہیں۔ اور ہماری صحافت و ثقافت، ہمارے ممتاز اخبارات و جرائد چند ٹکوں کی خاطر فحش تصاویر، برہنہ اشتہارات اور راگ رنگ کے حیا سوز مناظر کی غلاظتیں مسلم گھرانوں اور مومن معاشرے میں برابر پھیلاتے رہے۔ جیسا کہ جنگ کے فوراً بعد دوبارہ ہوا، یہاں تک کہ ملک کے اہم اخبارات اشاعت و فحش کے دور میں غلاظت کے پلندے اور چلتے پھرتے قحبہ خانے بن کر رہ گئے۔ اور ایک مسلمان تو کیا کوئی غیرتی انسان ان اخبارات کو اپنے گھر میں داخل کرنے میں شرم و عار محسوس کرے گا۔ ہمارے سینما گھر بدستور شیطانی تعلیم کا ہیں بن کر قوم کے

اخلاق و شرافت کو غارت کرتے رہے۔ ہر بازار اور گلی میں رمضان ہی کے نام پر پردہ کی اوٹ میں روزہ کی تذلیل و توہین ہوتی رہی تو ایسی قوم حقیقتاً روزہ دار اور متقی نہیں اور نہ یہ طور طریقے ایک مجاہد قوم کے ہیں۔ زبان سے سائم (روزہ دار) اور مجاہد، روزہ اور جہاد کا دعوے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر عمل اسلام و اطاعت کے لئے ایک کھلا چیلنج؛ سچ کہا حضورؐ نے، ”کتنے روزے دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا اور کچھ نہیں ملتا“ خدا کی جائزگی ہوئی چیزوں سے روزہ رکھ کر خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اس کا افطار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔؟

جہاد کے بعد روزہ — اللہ اکبر — اگر روزہ کی عظمت و حقیقت کو جان کر اس کے مقصد و مقہوم کو اپنا لیا جائے تو اسی ایک مہینہ کو جہاد اور فتح و کامرانی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور ہر بالغ روزہ دار اُسے چل کر ملت پاکستانیہ کا عظیم سپاہی اور باطل کے لئے خدائی تلوار بن سکتا ہے۔ کہ جب روزہ دار حق کی راہ میں کھانا پینا چھوڑ سکتا ہے، لذت و آرام، عیش و راحت کے تمام تقاضوں کو خدا کی راہ میں پائمال کر سکتا ہے، سردیوں کی طویل راتوں کی میٹھی نیند کو قیام لیل، تلاوت قرآن اور نوافل و عبادات کی خاطر قربان کر سکتا ہے۔ اور دین کی خاطر اپنے تمام مشاغل و معمولات میں ہر قسم کی تبدیلی کے لئے آمادہ ہے۔ تو کیا ایسا شخص ضرورت کے وقت کلمہ حق کی اعلاء اپنے دین و ملک کی حفاظت اور باطل کے استیصال کی خاطر دشمن کے سامنے سینہ سپر نہیں ہو سکے گا۔ اور جب مسلمان روزہ کے ذریعہ اپنے داخلی دشمن ”نفس“ پر قابو پا لیتا ہے۔ تو کیا وہ خارجی دشمن کی سرکوبی نہیں کر سکے گا؟ یقیناً کرے گا۔ کیونکہ اپنی اندرونی خواہشات اور ہوائے نفس کو دبا دینا کٹھن اور مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں روزہ کو صبر (صبر کا مہینہ) اور بیرونی دشمن کے مقابلہ میں زبان و مال کی قربانی کو جہاد اصغر اور نفس و خواہش کی بیچ کٹی کو جہاد اکبر سے تعبیر کیا گیا۔ اور جب حضورِ اقدسؐ اکسبہا سے واپس ہوئے تو فرمایا: جعنا من الجہاد الا صغر، الی الجہاد الا کبر، ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے، اس لئے کہ محاذ جنگ میں خارجی و بیرونی دشمنوں سے لڑائی خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو مگر ایک وقتی اور عارضی چیز ہوتی ہے۔ لیکن نفس و شیطان کا مقابلہ

باری زندگی کا دائمی اور ہمہ وقتی عمل ہے اور اس سے عہدہ برآ ہوتا جو شے لانے سے کم نہیں اور جب اندر کی دنیا سنو رہائے گی اور دشمن نفس کو کھیل دیا جائے گا تو بیرونی دشمن آنکھ اٹھانے کی جرات بھی نہ کر سکے گا۔ جب ایک مسلمان اس ملکوتی اور روحانی اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان میں اترے گا اور کفر و باطل کو لٹکارے گا تو حیوانی اور شیطانی صفت بہیمیت اور درندگی سے بھرپور ظالم اور کافر قومیں لرزہ بر اندام اٹھیں گی۔ یہی وہ عظیم حکمتیں ہیں جو اسلام کے اس اہم رکن ”صیام رمضان“ سے وابستہ ہیں۔ اور جن کی فضیلت کے ذمہ اور انہوں نے خود حضور اقدسؐ کی زبان حق توحان سے گونج لکھے۔ اور ایک مستقل خطبہ آخر رمضان میں ارشاد فرمایا۔ جسے بیہقی نے حضرت سلمان فارسیؓ سے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:-

”اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ گستر ہوا ہے۔ ایک برکت والا

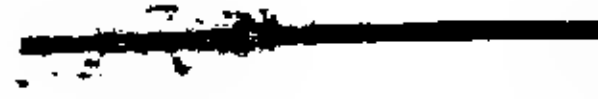
مہینہ، وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اس میں روزے فرض کئے ہیں۔ اور قیام لیل (تراویح) نفل رکھی ہیں جس نے

اس مہینہ میں کوئی بھی نیکی کی وہ ایسا ہے کہ کسی شخص نے سوائے رمضان کے

بقیہ سال میں کوئی فریضہ ادا کیا اور جس نے اس ماہ میں فرض عبادت کی تو گویا

اس نے غیر رمضان میں ستر فریضے ادا کئے۔“



تعمیر معاشرہ میں حیا کا مقام

اسلامی معاشرہ کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ ان میں اہم ترین مقام حیا کا ہے یہاں تک کہ صنوبر نے حیا کو ادھا ایمان اور ایک روایت میں پورا ایمان قرار دیا ہے (الحیاء ایمان کلہ) اسلام ہرگز کسی ایسی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتا جس کی زد اس بنیادی نقطہ حیا پر پڑتی ہو۔ مسلمان قوم جب تک حیا کے زیور سے آراستہ رہے گی۔ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ان روایات و اقدار پر قائم رہے گی جو اسے اپنے دین سے اپنے پیغمبر سے ورثہ میں ملی ہیں اور پورا معاشرہ اطمینان و ترقی کے خطوط پر رواں دواں رہے گا لیکن اگر حیا اور محبت کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی پڑ گئی مسلمانوں میں بغیرت، حمیت، عصمت اور پاکبازی کی بجائے بے حیائی اور شہوانی جذبات سرایت کر گئے تو سمجھئے کہ اب پورا معاشرہ ذلت و بربادی کے انتہاء گڑھے میں جانے لگا ہے اور لازمی طور پر اس کا نتیجہ اسلامی ورثہ کی ضیاع، قومی شعور کے فقدان، معرودہ سے نفرت اور منکرات و فواحش کی محبت، غرض ایک ایک ملی و قومی متاع گرامیہ سے محرومی اور بربادی کی شکل میں سامنے آنے لگے گا۔ پوری قوم اباحت اور لذتیت بلکہ حیوانیت اور شیطنیت کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ نہ قومی کیر بکٹر کا پاس رہے گا اور نہ اسلام کے امتیازی اوصاف کا لحاظ منکرات اور فواحش، مبنی ہوس کی تسکین کے لئے شر و فساد، ضیاع حقوق اور بربادی محبت و عصمت کا میدان گرم اور پورا معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ آج ہمارے ملک کی اکثریت ان فلک ناسخ کا سامنا کر رہی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تہذیب و ثقافت، آرٹ و کلچر یہاں تک کہ تعلیم و تربیت کے نام سے بے حیائی کی گرم بازاری ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے ہیں یا ثقافتی مرکز، نجی مجالس میں یا استقبالی تقریبات اخباری صحافت ہے یا قومی اجتماعات، اشاعت فاششہ کی دوڑ میں ایک دوسرے آگے بڑھ رہے ہیں اور قوم کی غالب اکثریت ہے کہ اس نام نہاد تہذیب و تمدن کی چمک و دک، لذتیت اور نفس پرستی کے اس سیلاب میں غرق ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی اہم شعبہ نہیں جس پر مرد و زن کے بے محابا اختلاط، رقص و سرود، ناچ گانے اور راگ رنگ کی صورت میں بے حیائی

کالتسلط نہ ہو چکا ہو اور جس کے نتیجے میں ان تمام اخلاقی روایات اور ملی احساسات کا خون نہ کیا جا رہا ہو جو ایک مسلمان قوم کی ترقی اور بقا کے لئے بڑھکھکی ہڈی سے زیادہ اہم ہے۔ اسلام کے اس عظیم ورثہ اور قومی ملی احساسات سے غفلت اور بے پرواہی کی انسوٹاک مثال پچھلے دنوں صدر یوشاچی کے استقبال کے وقت مسلمان لڑکیوں کا سڑکوں پر بے پردہ رقص و سرود اور ناچ گانوں کی شکل میں سامنے آئی جس نے ایک طرف ہمارے ملی تقدس کو داغدار کیا تو دوسری طرف یہ تلخ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ ہماری تعلیم گاہوں میں نئی پود کو کس ڈگر پر تیار کیا جا رہا ہے۔ ایک عظیم ہمسایہ ملک کے عظیم صدر اور نازک ترین اوقات میں مدد دینے والی "خلیفہ قوم" کے اس معزز نمائندہ کی پذیرائی جتنی بھی گرم ہوتی، خلوص اور محبت سے ہوتی ہے اور دیدہ و دل بھی فرش راہ کر دیئے جاتے تو ہمیں خوشی ہوتی کہ ہم دیوالیہ چین اور سکندری کی طرح ان دو ستارہ روابط کے استحکام کے خواہاں ہیں لیکن ایک باشعور اور حساس قوم زمانہ کے ساتھ چلتے ہوئے بھی کبھی اپنے اس اصول اور کردار میں غفلت نہیں برتنی جس پر اس کی انفرادیت کا مدار ہوتا ہے۔ خود عظیم چینی قوم ایک نظریہ کی دعویدار ہے۔ وہ کمیونزم پر ایمان رکھتی ہے اور اپنے اصول و نظریات پر اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اس کی نظروں میں سوویٹ یونین (جہاں یہ مذہب پھلا بھولا) تک کی کمیونزم سے وفاداری مشکوک ہے اور چاہتی ہے کہ روسی عوام بھی ان اصول و نظریات پر شدت سے گامزن رہیں جو اس کے شیخین کارل مارکس اور لینن نے ان کے لئے متعین کئے۔ چینی قوم کی اپنے نظریہ اور اختیار کردہ ازم کے بارہ میں یہی شدت اور مضبوطی ہے جس نے آج چین کو دنیا کی سیاست میں ایک اہم مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہمارے ہمسایہ میں بھارت ہے جہاں کی اقدار عہد و پیمان کی پاسداری عدل و انصاف کی رعایت غرض اخلاق و شرافت کے تمام اصولوں سے عاری نہی مگر جب ان کی وزیراعظم مس اندرا گاندھی کو واشنگٹن کی ایک مجلس میں تاپچنے کو کہا گیا تو اس نے ایک اجنبی قوم کے سامنے اپنے قومی وقار کی پاسداری کرتے ہوئے یہ خواہش رد کر دی اور کہا کہ میرے ملک کے عوام اسے پسند نہیں کریں گے۔

غرض ہمارا ملی اور قومی وقار تہذیبی ورثہ اور کردار کی بلندی تب محفوظ رہ سکتی ہے کہ ہم ملکی اور قومی مفادات کے لئے ہر قسم کی پالیسی اپنانے میں آزاد رہیں، جس سے چاہیں دوستی کے دشتے استوار

نہیں۔ اس طرح ہم دیگر اقوام پر اپنے کردار کی پختگی اور قومی عظمت کی دھاک بٹھاسکیں گے اور اگر وقتی جذبات کے لاوے میں یہ قوم اسی طرح بہتی رہی تو خدا نخواستہ خطرہ ہے کہ قانون عروج و زوال "کالافانی رد عمل پور می قوم کو خس و خاشاک کی طرح بہانہ لے جائے اور کہیں اشاعت فاحشہ" کا وبال عذاب عظیم کی صورت میں نمودار نہ ہو۔ والذین یحیون ان تیشع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب عظیم فی الدنیا والآخرۃ۔

حیا اور عفت کا ایک مظاہرہ

حیا اور عفت کا کتنا شاندار نمونہ ہے۔ جس کا مظاہرہ دنیا کے سامنے عالمی جہیں محمد علی کلے نے یورپ کے ظلمت کدہ میں کیا۔ جہاں ایمان و اخلاق، حیا و عفت نام کی کوئی شے موجود ہی نہیں۔ وہاں دنیا کے سب سے بڑے مُکّہ باز محمد علی نے اپنی خوب صورت بیوی کو اس مینیا پر طلاق دی۔ کہ اس کی بیوی موجودہ دور کا چست اور نیم برہنہ لباس پہنتی ہے۔ اور فطری حُسن و جمال کے مقابلہ میں غارہ، سرخی اور مصنوعی پلکوں کے ذریعہ اپنے حُسن کے مظاہرے کرتی پھرتی ہے جب کہ اسلام ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک مسلمان بیوی کا شعار تو حیا و پاکدامنی ہے۔ وہ جب مجبوراً باہر نکلتی بھی ہے تو شرم و حیا کے مارے نگاہ نیچے رکھتی اور دب دب کر چلتی ہے۔ یہ نہیں کہ مال روڈ، شاہراہوں اور مجالس و محافل، کلیوں اور تھیٹروں میں تھرک تھرک کر اور شگ ہو ہو کر شرافت و اخلاق کی مٹی پلید کرتی رہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے تو ایسے باریک لباس پہننے پر بھی اسے لعنت کا مستحق قرار دیا ہے جس سے نظریں پار ہوں یا جس سے حُسن و جمال کی نمائش ہوتی ہو۔ اسلام اسے گھر کی زینت، اولاد کی پرورش کرنے والی معصوم ماں اور دولق خانہ بنانا چاہتا ہے۔ گھر وہ نئی تہذیب سے مرعوب ہو کر عظمت و عزت، عصمت و عفت کے پاکیزہ آگینے توڑ دیتی ہے۔ اور چند روزہ آزادی و مسرت کے نام پر بالآخر غلاظت و تعش کا ایک چھتھڑا بن کر رہ جاتی ہے جس کے مسموم اثرات سے موجودہ اور آنے والی

تسلیم برابر متاثر ہوتی چلی جاتی ہیں۔
جسمانی قوت کے ساتھ اخلاقی جرأت | محمد علی کلمے نے فحاشی اور بے حیائی کے گریہ یورپ
 میں بیٹھ کر اپنی مطلقہ کو ہزار ہا ڈالر سالانہ ادا کرتے، کا بار گراں اٹھا کر اپنی بیوی سے چھٹکارا لیا۔
 اور بقول ایک معاصر اپنی جسمانی قوت جیسا زبردست مظاہرہ اس نے دنیا کے سامنے
 کیا اور سر بلند رہا۔ ویسا ہی زبردست مظاہرہ کردار و اصول کی نجنگی کا بھی اس نے کیا۔ اور
 دنیا کو بتا دیا کہ

نعمت کو نہیں کا رشتہ ہے قربانی کے ساتھ
 کاش! تہذیب فمیشین کے دلدادہ روایتی اور موروثی مسلمان اس ”نومسلم“ کے
 کیریکٹر سے اثر لیں۔ اور نمائش حسن و زیبائش پر مرٹنے والی عورتیں شرم و آبرو، حیاء و عفت
 کے زیور سے آراستہ ہوں۔

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

اصلاح معاش سے نہیں بلکہ معاد سے | ایک خبر ہے کہ ”مغربی پاکستان کے صرف ایک شہر
 لاہور میں ایک ماہ کے اندر پولیس کے علم میں بارہ ہزار جرائم آئے“ پولیس کی نگاہ احتساب سے
 بچنے والے جرائم تو یقیناً لاکھوں سے کم نہ ہونگے۔ یہ ایک سیاہ تصویر ہے اس معاشرے کی جو بہت
 تیزی سے تصور آخرت سے آزاد اور خشیت خداوندی اور ایمان کی دولت سے محروم ہوتا جا رہا
 ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں نہ تو ایمانی اوصاف کو ابھارنے، بھلائیوں کی تلقین اور برائیوں سے
 روکنے کا خاطر خواہ انتظام ہو اور نہ معاشرہ کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کے لئے اسلامی
 حدود و تعزیرات کا قیام و اہتمام، قانون شکنی، جرائم، طغیانی اور باجیت کا دور دورہ کیسے نہ ہو؟
 محمد علی کلمے .. مربک کے بیک مسلم تحریک کے بانی ایجاہ سے تعلق رکھتا ہے مگر اپنی نسبت اسلام کی طرف
 کرتا ہے اور غیر مسلم اقوام بھی اسے ایک مسلمان حیثیت سے دیکھتی ہیں یہاں سے صحیح اسلام کی ہدایت دے۔ ”س“

مخلوط کلیوں، عربیائی، ثقافتی تقریبات، بینماؤں، تھیٹروں اور چلتے پھرتے قحبہ خانوں جیسی فسق
کی بنیادوں پر صالح معاشرہ کب استوار ہو سکتا ہے؟

ظلمتکدوں سے روشنی کی چمک | ان ظلمتوں میں اونچے ایوانوں سے روشنی کی چمک
اگر نمودار ہوئی تو ہمارے قابل احترام سابق چیف جسٹس کارنیلس کے بیانات کی شکل میں،
جو عیسائی ہو کر کبھی حدود اور تعزیرات اسلام کو معاشرہ کی اصلاح کا واحد ذریعہ قرار دیتے
ہیں۔ اور کبھی اسلامی اقدار کے فروغ کو اس ملک کی تمام مشکلات کا حل، سچی بصیرت اور اسلام
کی سچائیوں کا راسخ یقین اگر نصیب ہوا تو ایک ”کافر“ کو جس کے اندر اسلام کی روح بول
رہی ہے، اپنوں میں سے کتنے ہیں جن کا ظاہر تو مسلمان ہے مگر اسلام کے احکام و حدود
کے بارہ میں ان کا باطن ایمان کی روشنی سے محروم ہے۔

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

مئی ۱۹۶۸ء - صفحہ ۱۳۸۸ھ

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں

حکمرانوں کا حصہ

صدر ایوب سے

ہمارے صدر محترم محمد ایوب خان نے غیر ملکی دورے سے واپسی پر ایک سپاسنامہ کے جواب میں مسلم لیگی کارکنوں پر زور دیا کہ ”وہ خود کو اسلامی معاشرے کے قیام کی جدوجہد کے لئے وقف کر دیں، انہوں نے کہا کہ اسلامی معاشرے میں ذاتی شہرت اور مفاد کے بہت کم مواقع ہوتے ہیں۔ اسلام نے اجتماعی حقوق پر پوری توجہ دی ہے اور ذاتی حقوق کو ملت کے حقوق کا تابع بنا دیا ہے۔“

قول سے نہیں عمل سے اگر ہمارے صدر محترم اس ملک اور معاشرہ کے اسلامی خطوط پر تشکیل و تعمیر کے خواہشمند ہیں تو اس سے بڑھ کر خوشی اور سعادت کی بات کیا ہو گی؟ لیکن کسی معاشرہ کی تشکیل میں خواہش اور قول سے زیادہ حصہ ”عمل“ کا ہوتا ہے۔ انسان کا عمل و کردار اور شخصی زندگی اس کے جذبات اور حقیقی خیالات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اگر ہمارا قول ہمارے عمل سے ہم آہنگ ہے تو وہ لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہوگا اور اگر عمل باتوں سے جوڑ نہ کھائے، اور ہمارے طرز عمل کا ہمارے خیالات اور مقاصد سے تضاد ہو تو یہ ایک ایسی خواہش کا اظہار ہوگا جس کی ترویج خود ہمارے عمل سے ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہم اردوں کو اسے اپنانے کی تلقین یا اردوں سے اس کی امیدہرگز نہیں رکھ سکتے، اس وقت جب کہ ہمارے معزز صدر نے اپنے بیان میں ”اسلامی معاشرہ“ کی وضاحت اور تشریح نہیں کی تو ان کے عمل اور مصروفیتوں کو ”اسلامی معاشرے“ کا معیار اور تفسیر سمجھا جائے گا کہ اس صورت میں بہترین تفسیر ان کا عمل ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اسلامی معاشرہ کے قیام کی تلقین کے دوسرے تیسرے ہی روز قوم اپنے قائد اور رہنما کو اس حال میں دیکھے کہ وہ دیگر زعماء کے جلو میں جشنِ نمبر کے اسٹیڈیم میں ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ تک بی آؤ،

کے ”شاندار“ ثقافتی شو سے محفوظ ہو رہے ہوں، ملک کے متاز فن کاروں اور رقاصاؤں کا ناچ دیکھ رہے ہوں۔ پھر اس ”عمل“ کی شہیر ریڈیو اور اخبارات سے کی جائے، ناچ گانوں کی ان محافل کے نمایاں فوٹو اخبارات میں شائع ہونے لگیں، اہل طاؤس و رباب پر داد و دہش کا یہ عالم ہو کہ ایک ہی غزل گانے پر ملکی یا غیر ملکی مغنیات کو نمایاں کارکردگی کے تمنغے دیئے جانے لگیں۔

عملاً شرابی، قولاً اسلامی معاشرہ | رعیت، اسمبلیوں میں شراب جیسی ام الخیائت چیز کی سات گنا ترقیات پر مشتمل اس قسم کی رپورٹیں پڑھنے لگے کہ ”حکومت نے صوبہ کے ان علاقوں میں جہاں شراب پر پابندی ہے، سات ہزار پانچ سو اکیاون پر مٹ ہو لڈروں کو تین لاکھ چار ہزار سات سو پندرہ یونٹ شراب کی منظوری دی تھی مگر لوگوں نے حکومت کی اس ”قیاضی“ سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اس سے سات گنا زیادہ شراب لٹھائی پھر وہ جب محکمہ ایکسائز اور ٹیکسیشن کے فراہم کردہ ان محتاط اعداد کے بعد اسمبلی میں یہ بھی سنتی ہے کہ ایک اسلامی حکومت نے اس سال صرف لاہور کے لئے ۲۹۵۴ اور حیدرآباد کے لئے ۶۰۶ افراد کو شراب کے پر مٹ جاری کئے۔ تو لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ ”اسلامی معاشرہ“ کی عملی تعبیر و تفسیر یہی ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اسلامی معاشرہ کی حقیقی تصویر ذہنوں سے اوجھل رہ جائے گی اور اس کی مبہم تلقین کا کوئی فائدہ نہ رہے گا۔ دراصل ایک معاشرہ کی تشکیل میں حکمرانوں کا مقام ریڑھ کی ہڈی جیسا ہوتا ہے اور ان کے اعمال و افعال ہی پوری قوم کے لئے آئیڈیل اور معیار بنتے ہیں حکمران اپنی قوم کا اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے۔

منصب حکومت خدا کے نگاہ احتساب میں | اس لحاظ سے کسی قوم کی قیادت اور امامت ایک عظیم منصب اور بہت بڑی عزت ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ خدا کی ایک امانت اور اس کی طرف سے عائد شدہ نازک ترین ذمہ داری بھی ہے۔ خدا کے عظیم و بصیر کی نگاہ احتساب ہر لحظہ اس منصب پر لگی رہتی ہے اور اس کی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر جوابدہ بھی اُسے ہی بننا پڑتا ہے۔

بارون الرشید کو فضیل کی نصیحت | حضرت فضیل بن عیاضؓ نے ایک بار بارون الرشید سے مصافحہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کو محکم کرارنشا فرمایا تھا ”یہ ہاتھ کتنے نرم و نازک ہیں اگر دوزخ کی آگ سے بچ جائیں تو خوب رہے۔“ کہنے والے فضیلؓ تھے اور سننے والے بارون، وہ فضیلؓ کے اس ارشاد سے کانپ اٹھے، خدا نے ذوالجلال و اکرام کی عظمت و سطوت کے تصور سے فراق گئے ان کی آنکھوں سے تھڑی لگ گئی اور بجائے ڈانٹ ڈپٹ کے کچھ اور نصیحت فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ گویا اب نہ تو فضیلؓ ہیں نہ بارون، لیکن اگر آج بھی کہنے والے فضیل بن عیاضؓ اور سننے والے بارون الرشید کا طرز عمل اختیار کریں تو ساری مشکلیں حل ہو سکتی ہیں۔ اور فضیلؓ کی پرسوز نے میں کہا جاسکتا ہے کہ ”اے صدرِ محترم یہ مقام و منصب بہت شان بان والا ہے اگر خدا کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنے تو خوب رہے۔“

اظہار حق، اجتماعی حقوق کا تقاضا | بقول صدرِ والاتبارؒ ”اسلام نے اجتماعی حقوق پر پوری توجہ دی ہے۔“ تو ان حقوق ہی کا تقاضا ہے کہ اہل حق کلمہ حق کہنے سے نہ جھکیں اور ملک کی سب سے بڑی ذمہ دار شخصیت جذ بہ حق کوئی میں نصیحت کا تلخ سے تلخ کلمہ سننے کے لئے نہ صرف مستعد بلکہ بے تاب ہو۔ صدرِ محترم نے ”اسلامی معاشرہ“ کا نام لے کر اپنے آپ کو سخت ترین آزمائش میں ڈال دیا ہے، یہ آزمائش دودھاری تلوار ہے۔ ایک طرف رعایا کی نظر میں ان پر لگی ہیں کہ وہ ”اسلامی معاشرہ“ کی کون سی تصویر ان کے سامنے رکھتے ہیں، جسے قوم بھی اپنائے اور دوسری طرف خدا نے ذوالجلالؑ ان کا محاسبہ کر رہا ہے کہ وہ اپنی نصیحت اور خواہش کو اپنے عمل سے سرمنہ تعبیر بناتے ہیں یا پھر ارشاد باری تعالیٰ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ کا مصداق بنتے ہیں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے اتریں اور مذکورہ وعید کا مستحق نہ بنیں اس امتحان میں کامیابی اکیل ان کی نہیں بلکہ ہم سب کی، پوری قوم اور ملک کی سرفروئی اور کامیابی ہوگی۔ کاشش! دردِ دل سے نکلے ہوئے یہ چند کلمات صدرِ محترم تک پہنچ سکیں اور خدا کی عظمتوں کا شعور، احتساب اور مکافات کا تصور اور منصب کی نزاکت کا خیال ان کی

ذمہ داریوں کا احساس اجاگر کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔

فضیل اور ہارون الرشید کی مجلس | یہ سطور ختم کرتے ہوئے فضیلؒ اور ہارونؒ کی وہ مجلس ایک بار پھر میری نگاہوں کے سامنے پھر گئی ہے جب کہ ہارون رشید ذمہ داریوں کے احساس سے دبے جا رہے تھے کہ ان کے وزیر برہمکی نے حضرت فضیلؒ کو جھڑک کر کہا۔ ”آپ نے تلخ موضوع پر گفتگو پھیل کر خلیفہ کو تو مار ہی ڈالا ہے“ فضیلؒ نے فرمایا ”نہیں بلکہ تم جیسے خوشامدی اور چا پلوس مشیروں نے خلیفہ کی ہلاکت کا سامان فراہم کیا ہے“ خوشامدی اور چا پلوس مشیروں سے میرا ذہن یکا یک اپنے زمانہ کے نام تہاد ”محققین“ اور ”مشیروں“ کی طرف منتقل ہوا اور مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ہمارے صدر محترم کہیں ان لوگوں کے پیش کئے ہوئے ”اسلامی معاشرہ“ کی اس مسخ شدہ تصویر کو حقیقی تصویر نہ سمجھ بیٹھیں جس میں نہ تو شراب حرام ہے، نہ سود اور جوا اور نہ رقص و سرود۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو فضیلؒ کے جوانی ارشاد کی روشنی میں یہ ان لوگوں کی طرف سے نہ صرف صدر محترم بلکہ پوری قوم کی ہلاکت کا سامان ہو گا۔ خدا ہمیں اس روز بد سے محفوظ رکھے۔

یا بھئی خذ الکتاب بقوة
صدیقی سے

ہمارے محترم صدر مملکت جناب محمد یحییٰ خان بار بار اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات کی ضرورت اور اہمیت پر زور دے چکے ہیں کہ اسی میں ملک کی بقا اور اسی میں قوم کا تحفظ ہے مگر تعجب ہے کہ اس بارہ میں جس عمل اقدام اور انقلاب آفرین جوش عمل کی ضرورت ہے اس سے اب تک اعراض برتا گیا ہے۔ اور دینی و اخلاقی پہلو سے ملک اسی ڈگر پر چل رہا ہے جو عہد ایوب کے دورِ عبود کا طفرائے امتیاز رہا۔ بے پردگی، فحاشی زوروں پر ہے۔ اسلامی تعلیمات سے بعد بڑھتا جا رہا ہے۔ کلچر اور ثقافت کے نام پر سب کچھ زور شور سے جاری ہے۔ جمہوریت اور سیاست کے پردہ میں نظریہ پاکستان (اسلام) کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں۔ ”نجمِ دوامیات، دین“ کا علمبردار ادارہ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ)

اور اس کا ترجمان فکر و نظر الحاد و تخریفات کے فروغ میں مصروف ہے، اس کا ایڈیٹر تجدید کے نام پر قدامت کے ایک ایک نشان علماء، ان کے مدارس عربیہ اور ان کے نصاب نظام تعلیم مٹانے کی دعوت دے رہا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ملعون قوانین ابھی تک قوم پر تسلط ہیں جو صدر ایوب نے بار بار رائے عامہ کو ٹھکرا کر فیملی لاز آرڈیننس کے نام سے ایک غیور و جسور مسلم قوم پر مقبوط دیئے ہیں۔ ان قوانین میں مسلمانوں کے پرسنل لاء نکاح، طلاق عدت اور میراث کو منسوخ یا تبدیل کیا گیا ہے، اور اس طرح قرآن و سنت کا مذاق اڑا گیا ہے، صدر یحییٰ خاں صاحب کے دل میں اگر ملک و ملت کی بھلائی اور دینی اقدار کے تحفظ کا جذبہ موجزن ہے، تو چاہیئے کہ اولین فرصت میں ایک آرڈیننس کے ذریعہ ان قوانین کو واپس لے لیا جائے جسے نہ تو عوام کے نمائندہ کسی اسمبلی نے تسلیم کیا نہ خواص امت علماء اسلام نے، پھر کیا وجہ ہے کہ عہد ایوبی کے آئین کے منسوخ ہونے کے باوجود یہ غیر اسلامی قوانین نافذ العمل رہیں، ہمارا ایمان ہے کہ کتاب و سنت میں مداخلت اور ان میں تخریفات کا لازمی نتیجہ خدا کے عذاب کو دعوت دینا ہے، اور جب سے ان قوانین کا منحوس کیا یہ ملک پر پڑا ہے اسی دن سے یہ ملک خدا کی دی ہوئی نعمت عافیت سے محروم ہو چکا ہے اور اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو بہ صراحت و غیر خواہی یہ بھی گزارش کریں کہ اگر واقعی اس ملک کی حقیقی فلاح، سلامتی اور پائدار امن مطلوب ہے تو جلد از جلد عملی شکل میں کتاب و سنت کی فرمانروائی کی کوئی صورت پیدا کی جائے، اس بارہ میں ۲۲ سال سے ہمارے حکمرانوں کا جو طرز عمل رہا ہے اسی نے یہاں سوشلزم اور دیگر لادینی نظریات کے لئے میدان تیار کیا ہے، یہاں تک کہ محض کھوکھلے اسلام کے نعروں کو اب عوام ایک پُر فریب سنہری جال قرار دینے لگے ہیں۔ اور اس طرح ہماری غفلت، ایفلے عہد سے گریز اور مومنانہ قوت فیصلہ کی کمی کی وجہ سے دین کی استخفاف کی ایک صورت پیدا ہو گئی ہے جس کا وبال ہم سب پر پڑے گا۔ اگر ہم سچے دل سے اسلام کو ایک دفعہ بھی یہاں قوت حاکم بن جانے کا موقع نہیں دیتے تو یاد رکھیں کہ ہماری مشکلات نہ تو انتخابات سے حل ہو سکتی ہیں اور نہ سوشلزم یا یورپ سے براہ مکودہ لادینی جمہوری نظام سے۔ صدر صاحب کو خداوند کریم نے

گیارہ کروڑ مسلمان بندوں کی عنان اقتدار سوپ دی ہے، اب ان کی مرضی ہے کہ اس سنہری موقع کو غفلت کی نذر کریں یا اپنے آپ کو اس ارشاد کا مخاطب قرار دیں کہ یا یحییٰ خذ الکتا بقوۃ لے لیجئے اللہ کے دین اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء

نظریاتی سرحدات کی اصل تعمیر

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے نئے سربراہ صدر یحییٰ خاں صاحب نے اپنے بیانات میں بار بار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کے اٹل اصولوں کی حفاظت کو پاکستان کا اساس قرار دیا ہے۔ اس ملک کے نظریاتی سرحدات کی از سر نو نشاندہی فرمانے کے بعد صدر یحییٰ اور ان کے رفقاء کا اصل کام اب یہ ہے کہ وہ عملاً ان سرحدات کی تعمیر و استحکام میں لگ جائیں، تعلیمات نبویہ کو بروئے کار لایا جائے۔ لادینی عناصر غیر اسلامی نظریات اور منکرات سے ملک کی تطہیر کی جائے، عہد رفتہ کی بہت سی خرابیاں عالمی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی، نغم، ٹیلیویشن اور صحافت کے ذریعہ بے حیائی اور فحاشی کے فروغ، مخلوط تقریبات اور سب سے بڑھ کر دینی اور اخلاقی تربیت سے کسیر خالی نظام تعلیم کی شکل میں پورے معاشرہ کو کھوکھلا کر رہی ہیں، نئی حکومت انتظامیہ اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے آئے دن مارشل لا اور ریگولیشن نافذ کر رہی ہے اگرچہ ہے تو تمام غیر شرعی قوانین ناجائز رسم و رواج اور ان مزبح منکرات کو بھی یک لخت روک سکتی ہے، مگر اس کے لئے اہم ضرورت مؤمنانہ جرأت، بلند حوصلہ اور مضبوط قوت عمل کی ہے۔

نمائشی بیانات نہیں مؤمنانہ جرأت | کاغذی سطح پر بیانات سے نظریاتی سرحدات کی حفاظت مشکل ہے تبلیغ و تلقین بجائے خود کتنی بھی اہم اور قابل تعریف کیوں نہ ہو مگر صرف اسی پر اکتفا کرتا بے بسوں کا کام ہے، قوت اور اقتدار رکھنے والے اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں جان بلب مریض کو لمبا چوڑا نسخہ بتلانے کے علاوہ علاج معالجہ اور کڑوی سے کڑوی دوا پلانے کی بھی ضرورت ہے۔ جب مرض معلوم ہے اور دوا بھی ایسی موجود ہے جو اکیسریجات ہے تو آئیے اور مؤمنانہ عزم و ہمت کے ساتھ یہ دوا قوم کے گلے میں اتار

دیکھئے۔ اگر صدر صاحب نے عملاً ایسا کیا تو پوری قوم ان کی اس سیجائی کو یاد رکھے گی، اس ملک کو آئے دن کے عطا کی حکیموں سے بچاتا اور حالتِ نزاع سے نکالتا اگر مفہوم ہے تو دینی اقدار اور تعلیماتِ نبویہؐ ابا گم کرنے کے لئے عملی اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔

علماءِ حق کا ہر حالت میں فریضہ | یہاں ایک اہم اور نازک فریضہ علماءِ حق کا بھی ہے، ان کا مقام اور مرتبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ امر بالمعروف دینی اقدار کے فروغ اور بحالی کے لئے جدوجہد اور منکرات و قبائح پر نفرین سے کسی بھی لحظہ دریغ نہ کریں، مارشل لا ہو یا عوامی حکومت، صدارتی نظام ہو یا پارلیمانی نظام، انہیں ہر حال میں کتاب و سنت کی حاکمیت اور غیر شرعی امور کی قلع قمع کے لئے برسرِ پیکار رہنا ہے۔ اگر حالات کی نزاکت اور وقت سے مصلحت سے ان کے قدم ذرا بھی ڈگمگا جائیں تو ان کی حیثیت وراثتِ نبوت کی تہیں، بلکہ بدترین خلائق ہوگی۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے علماء کرام اپنے فریضہ سے غافل نہیں ہیں لیکن حالات کی نزاکت زیادہ جوش اور ولولہ، انفرادی اور جماعتی سطح پر زیادہ جذبہ عمل اور جانفشانی کا تقاضا کر رہی ہے، اور اصلاح احوال کے لئے سیاسی بنیادوں سے زیادہ خالص دینی و فکری بنیادوں پر کام کی ضرورت ہے۔

جون ۱۹۶۹ء

یاب

عروج و زوال
قانون فتح و شکست

عالم عربی کا المیہ

سقوط بیت المقدس

لا تهنوا ولا تحزنوا وادانتم الاعلون ان كنتم مومنين

اے محمدؐ کنز قیامت برمی آرمی سر ز خاک

سر بر آور زمین قیامت در میان خلق بین

عز لوں اور یہود کی لڑائی جو بظاہر کفر و اسلام کا معرکہ کہلائے گی۔ جن تلخ اودھوں کا نتائج پر
منتج ہوئی حساس طبائع اب تک اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ عز لوں کی ہزیمت، ہمزین
اسلام پر یہود (خذلہم اللہ) کا تسلط، بے پناہ مالی و جانی نقصان اور سب سے بڑھ کر قبلہ
اول بیت المقدس کا سقوط۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ سب کچھ ہوا جو خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

ایہا النفس اجمعی حزناً فان ما تحذرين قد وقع

اسلامی تاریخ کا | اس واقعہ ہائیکہ کے اسباب و عوامل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی
نازک ترین موقعہ | جارہی ہے۔ مگر جذبات کی شدت خیالات کے تشیت اور ہیجان و

اضطراب کے عالم میں مشکل صحیح راستے قائم کی جاسکتی ہے۔ درحقیقت ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں
 فتنہ ارتداد اور تاتاریوں کی بلیغ کے بعد یہ تیسرا نازک موقع ہے جو اسلام کو درپیش ہے اور جس نے
 اسلام کے کروڑوں دعویداروں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ اس کی تلخی صدیوں تک قائم رہے گی
 اور اسے قائم رہنا چاہیے کہ ایسے حوادث قوموں کی بیداری اور نئی کروٹ لینے کے لئے ہی
 قدرت کی طرف سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پھر اسلام جس کی اساس ہی قربانی و ایثار جہادِ میہم اور
 جہدِ مسلسل پر ہے۔ اگر اس کے علمبردار جنہیں اللہ نے اپنی مخلوق پر گواہ (شہداء علی الناس) بنا کر بھیجا
 اپنے امتیازی اوصاف اور ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں تو لازمی ہے کہ قدرت انہیں تازیانہ
 عبرت دے تاکہ یہ اپنے آپ کو پہچان کر نئی توانائیوں سے رزم گاہ ہستی میں کود پڑیں۔ اگر قانونِ
 عروج و زوال کے مطابق ایسا نہ ہو تو کیا اس روئے زمین پر قیامت تک شہادت علی الناس دعوت
 الی اللہ اور دعاغت حق کے لئے کوئی دوسری مخلوق آسمان سے اتر کر آئے گی؟

درس عبرت | پس اگر اس واقعہ فاجعہ کے عوامل و محرکات پر غور و فکر ہماری بیداری اور
 غفلتوں کے تدارک کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ خدا فراموشی اور غیروں پر اعتماد و بھروسہ کی خرابی انا بیت
 الی اللہ اور خدائے حی و قیوم پر اعتماد و توکل سے بدل جاتی ہے اور اس درس عبرت کی وجہ سے ہماری
 صفوں کا انتشار و افتراق ختم ہو کر بنیانِ مہم و احد کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو یہ شکست ہزارہ
 فتح مند یوں اور کامرائیوں کا پیش خمیرہ اور یہ ہزیمت بلاشبہ فتح مبین بن سکتی ہے۔ یا طنہ، فیہ
 الرحمتہ و ظاہرہ من قبلہ العذاب۔

خود احتسابی کی ضرورت | پس اگر اس قیامت صغرا کے نتائج و عوامل پر غور و فکر ہمیں ان
 اسباب تک پہنچاتا ہے جن کا وجود ہمارے اندر ہے باہر سے نہیں اور ان عواملوں کا سرچشمہ
 ہمارے انفرادی اور اجتماعی اعمال اور نا عاقبت اندیشیاں ہیں تو ہمیں غیروں کے شکوہ شکایت،
 بزرعِ فزع، ہنگامہ آرائیوں اور خارجی و مادی اسباب کی نشاندہی اور ایک دوسرے کو قصور وار
 ٹھہرانے کی بجائے اولین فرصت میں اپنی صلاح و اصلاح میں لگ جانا چاہیے۔ مرض کا ازالہ تب
 ممکن ہے کہ پہلے فاسد مادہ اور اندرونی ناسور الگ کر دیا جائے۔ خدائے لم یزل نے ہمیں اسلام
 اور خاتم النبیین کی شکل میں جو نسخہ کیمیا اور اکیسہ شفا عطا فرمائی اس نسخہ سے اپنی خرابیوں کا ازالہ اور

گمزدیوں کا تدارک کر دیں، ورنہ خطرہ ہے کہ ہماری مزید غفلتوں سے ہمارے اجتماعی وجود کو جو گھن لگ چکا ہے وہ پورے جسم کو ہلاک کر کے رکھ دے۔ **ولا تفعل اللہ کذا لک۔**

قانون نصرت خداوندی | پس اے لوگو! جو قیامت تک اپنے آپ کو خدا کے کریم کی نصرت و امداد کے مستحق سمجھتے ہو کیا اللہ نے اپنی نصرت کے استحقاق کے لئے کوئی معیار مقرر نہیں کیا؟ اور کیا ہمارے صرف زبانی دعوؤں سے اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہر حال میں ہمیں فتح و کامیابی سے نوازے؟ حاشا کلا۔ اگر ایسا ہے تو تم نے استحقاق کے لئے غلط پیمانہ قائم کر رکھا ہے۔ کوئی مخلوق اپنی علاقائی، نسلی اور قومی خصوصیتوں یا وطنی اور لسانی خصوصیتوں کی وجہ سے اس کے الطاف و عنایات کی سزاوار نہیں بن سکتی۔ یہ تو سب ہمارے بنائے ہوئے معبودِ باطل ہیں کہ اس نے کوئی دلیل اس کے لئے نہیں تیار کی ان ہی الاسماء سمیتہا انتم و اباءکم ما انزل اللہ بھامن سلطان۔ ان کی دشگیری کا معیار اور نصرت و اعانت کا پیمانہ تو صرف اور صرف ایمان و اسلام ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یشیت اقدامکم۔ اگر تم خدا کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم نہ اکھڑیں گے۔ و کان حقاً علینا نصر المومنین اور ہم پر لازم ہے مومنین کی مدد کرنا۔ **ولن نجد لسنۃ اللہ تبدیلاً۔**

اسباب پر نہیں | یہ "ایمان و اسلام" جس پر ہماری دین و دنیا کی کامرانی **مسبب الاسباب پر ایمان** اور خداوند تعالیٰ کی امداد و معاونت موقوف ہے۔ کیا صرف نام ہیں جنہیں اپنا کر حق تعالیٰ کا مطالبہ پورا ہو جاتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ عبادت ہے اس باطنی کیفیت اور داخلی قوت سے جس کے نتیجے میں تمام کائنات اور مخلوق کی ساری خود ساختہ خدائیاں، بیج نظر آئیں، عالم غیب مشاہدہ میں جائے اور راہ حق میں متاع ہر دو عالم کی قربانی، فدایت اور سرفروشی، کامیابی اور سرفروشی معلوم ہونے لگے۔ اس کی نظر میں فتح و شکست اور عروج و زوال کا دار و مدار آلات و وسائل پر نہ ہو۔ اس کی نگاہ صرف مسبب الاسباب پر رہے اور وہ ایمان اور عقیدہ کی صداقت، مقاصد سے وابستہ نہ شیفگی، مضبوط یقین اور پاکیزہ کردار ہی کو اپنی کامرانیوں کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

ایمانی قوت کے | اس ایمانی کیفیت کا حامل جب اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالتا ہے تو **محر العقول کرشمے** | اسے قدم قدم پر اس باطنی قوت سے ظہور پذیر ایسے محر العقول

کارنامے نظر آتے ہیں کہ ظاہری حالات حرب و ضرب اور مادی شوکت و سطوت سے تہی دامن مٹھی
 پھر جماعت اٹھتی ہے اور طاقت و قوت کے بڑے بڑے فرعونوں کا سارا دبدبہ اور طنطنہ خاک
 میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اس کی تاریخ بدروجنین اور یرموک و تادسیہ معرکہ ہائے خونین سے پٹی پڑی
 ہے۔ تاریخ کا آئینہ اس کے سامنے ان دلق پوش فقراء کو پیش کرتا ہے جن کی ٹھوکروں سے قیصر و
 کسریٰ کا تاج مدینہ کی گلیوں میں پامال ہوتا ہے۔ اور جن کے لازوال ایمان و یقین کی بدولت کسریٰ
 کی ہزار ہا سالہ عظمت و شوکت چند سالوں میں پیوند خاک ہو جاتی ہے۔ اس کی تاریخ ان شاہان
 بے کلمہ کو سامنے لاتی ہے جن کی للہی یلغار سے بحر و بر کانپ اٹھتے ہیں اور جو اپنے ناقابل تسخیر ایمان و
 عزیمت کے سہارے بحر الکابل کے مہلک طوفانوں کو پیر کو جبل الطارق پر توجید کا نشان گاڑ دیتے ہیں۔
 دجلہ و فرات جن کے گھوڑوں کی راہگزر ہیں — وہ فاقہ مست فخر (ربعی بن عامر) یونان و روم کے بھرے
 درباروں میں ایک عجیب شان بے نیازی سے داخل ہوا۔ اپنے نیزے کی ٹوک سے ریشمی قالین کو چھیدتا
 اور گھوڑے پر سوار خمیلیں فرشتوں کو روندتا چلا گیا۔ سپہ سالار افواج کی مسند کے قریب جا کر اترا اور زرتار
 گاؤتیکہ سے اپنی سواری کو باندھا۔ کیا وہ کسی دوسرے گھرانے کا کوئی فرد تھا؟

صلیبی جنگوں میں صلاح الدین | اگر تم کہو کہ یہ تو عہد سعادت کی باتیں ہیں تو کیا تم نے کبھی
 ایوبی کا سرمایہ ایمانی | سوچا کہ یہی بیت المقدس جس کے سقوط پر تم آج گریہ کیاں

ہو اور جس کی دیوار گریہ نے آج پورے عالم اسلام کو دیوار گریہ بنا دیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے
 مجدد اور محافظ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب اسے کافروں سے واگزار کیا تو دنیا کی کتنی
 مادی طاقت ان کی پشت پر تھی؛ اور کتنی اجنبی اقوام سپاہیوں نے بھروسہ کیا تھا؛ اور کیا دشمن نے
 طاقت و قوت جمع کرنے میں کوئی کسر اٹھائی تھی؛ ہرگز نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ روئے زمین کی تمام
 تمام صلیبی قوت عالم اسلام کے اس شہر پر اکٹھی ہو چکی تھی۔ یورپ جو ازل سے اسلام کا بدترین دشمن
 ہے شام کے چھوٹے سے خطے پر امنڈ آیا تھا اور اس کے تمام جنگ آزما بہادر مشہور بادشاہ اور سورما
 قیصر، فریڈرک، ریچرڈ، شیردل، شاہان انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا، فلانڈرز کے ڈیوک اور ناٹ
 سب نے مل کر اپنی آہنی فوجوں کے ساتھ اس خطہ مقدس پر یلغار کی تھی تو کیا صلاح الدینؒ جس نے پورے
 عالم اسلام کی طرف سے حریم اسلام کی حفاظت کا پیڑا اٹھایا تھا فوجی قوت و طاقت میں ان سب سے

بڑھ کر تھا؟ نہیں بلکہ ظاہری محدود اسباب سے زیادہ ہی ایمان کی قوت اور احتساب کی دولت تھی، جس کے بل بوتے پر انہوں نے صلیبیوں کو ایسا غیرت ناک سبق دیا کہ وہ صدیوں تک سر نہیں اٹھا سکے تھے۔

سلطان کی کیفیت ایمانی | وہ جہاد اور سرفروشی کا جذبہ تھا جس نے سلطان کو مجسمہ جہاد اور شعلہ جہاد بنا دیا اور جب تک نثر من باطل کو خاکسترنہ کیا چین سے نہ بیٹھے۔ اسی جذبہ نے سلطان کے اولاد و اعزہ اور وطن و مسکن کو خیر باد کہلوایا اور تپتے ریگستان کی زندگی گوارا کی۔ اسلام کا کھویا ہوا وقار و عظمت جب تک بحال نہ کیا تڑپتے رہے۔ کسی نے ان کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا کہ میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت اس غمزدہ ماں کی مانند ہوتی جس نے اپنے اکوٹے بیٹے کا داغ اٹھایا ہو وہ صفوں کو پھیرتے دوڑتے پھرتے اور وجد میں ڈوب کر ان کی زبان پر ایک ہی دسوز لغزہ ہوتا یا اللہ اسلام، یا اللہ اسلام۔ اے لوگو! اسلام کی مدد کرو۔ (ہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ان کی یہ ساری تنگ و دو قوم و وطن اور رنگ و نسل کے وقار کی بجالی کے لئے تھی؛ نہیں بلکہ اسلام اور صرف اسلام کے لئے۔ اعلاء کلمہ حق اور مظلوم کی داد رسی کے لئے دین محمد کا انتصار ان کا مطلوب اولین و آخرین تھا۔ اس نے ریحی نالہ کما ٹڈر کو اپنے ہاتھ سے یہ کہہ کر تیغ کیا کہ لو میں صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں۔ ہا انا انتقم لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس گستاخ نے مکہ اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ سلطان نے یہ گستاخ زبان کھینچ لی۔ وہ اپنی فتوحات کے لئے خداوند تعالیٰ سے مدد کا طلب گار تھا۔ ان کا پہلا اور آخری سہارا وہی خدا ہے حکم الحاکمین ہوتا۔ شب بھران کی چین نیاز اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتی اور گڑ گڑا کر روتے، یہاں تک کہ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔

عصر حاضر کا | ایک طرف مومنانہ زندگی کے یہ روشن مینار چین کی روشنی ہیں ہمارے اسلاف نے حق کا یول بالاکیا اور دوسری طرف عصر حاضر کی ظلمت اور عالم اسلام کا دینی صفت اور زوال، دنیا طلبی اور خدا فراموشی کا بحران، دینی اعتقادات میں تذبذب، خدا کے وعدوں پر بے ایمانی اور غیرتوں پر پھیر دس، یہود و نصاریٰ کی تقلید اور قدوسی اسلاف کی سیرت سے گریز و فرار فشتان بینہما۔ موازنہ اور احتساب کیجئے۔

اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہے خستہ حال | پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہے کہاں؟

ہمیں اسوۂ حسنہ دیا گیا۔ رسول کریم کے اعمال و کردار کا ہم نے معیار بنایا۔ یورپی تہذیب کو اور پھر ہم
سزا پایا اس حیوانی تمدن میں ڈوبتے چلے گئے، یہاں تک کہ عہد
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

صلیبی اقوام کی تقلید | اور مخیر صادق کا یہ فرمان صادق ہوا۔ لتبعن سلف من قبلکم شبہاً
لشبہ و ذراعاً بذراع حتی تم ضرور پچھلے لوگوں کی قدم بہ قدم پیروی کر دو گے۔ یہاں تک کہ
مودخلوا حُجْرَ ضَبِّ تَبِعْتُوهُمْ قَبِيلَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ الصُّود والنصارى قال فہن؟
(رواہ الشیخان) اگر وہ لوگ سانڈے کے بل میں گھے ہوں تو تم بھی ان کے اتباع میں الیا
کر دو گے، حضورؐ سے پوچھا گیا کہ کیا پچھلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ فرمایا تو اور کون؟
ہماری بود و باش، معاشرت و سیاست سب کچھ ان ہی صلیبی اقوام کے رنگ میں ڈوب گئی
جو ہمارے ملک در وطن اور جان و مال کے دشمن رہے۔ ہمیں درس دیا گیا کہ شرافت و کرامت
کا معیار صرف دین اور تقویٰ ہے اور عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کیلئے
ہے۔ ہم نے عزت و افتخار کا معیار قومیت اور جاہلی غصیت کو بنایا۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ قوم و نسل
کے یہ بت خواہ، عجمی ہوں یا عربی انہیں توڑ دیا جائے۔ ہم نے انہی بتوں کو چوراہوں پر نصب کیا
اور ان کی پوجا کرنے لگے۔ ہمیں بتلایا گیا کہ تمہاری دینی و دنیوی مشکلات کا مداوا صرف اسلام ہی ہے
مگر ہم نے پناہ ڈھونڈی خدا بزار تہذیبوں اور نظریوں، کپٹیل ازم، سوشلزم، مارکسزم، اشتراکیت و
شیوعیت، نیشنلزم، ریشلزم میں۔ کھوکھلے غریب جو کبھی بھی ہم میں خدا داد صلاحیتوں کے ابھارنے کا
جذبہ پیدا نہیں کر سکتے۔ ہمیں تلقین کی گئی کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمان ایک گھر کے افراد
اور ایک قالب کی جان ہوں۔ دلائل تنازع و افتضال و تذبذب رہے۔ آپس میں مت جھگڑو
ورنہ تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ مگر ہم نے اپنی قوت کو ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہوئے اور ہماری ساری توانائی دشمن کی
بجائے باہمی جنگ و جدال پر خرچ ہوتی رہی۔

کافروں کی در یوزہ گری | بجائے اپنی طاقت جمع کرنے کے کار سگدائی لیا اور غیروں کی
جبر سازی کو اپنا شعار بنایا۔ ہمیں یہاں تک دہلی اور بار بار کہا گیا کہ دشمنان حق کبھی تمہارے خیر خواہ نہیں

بن سکتے۔ تمہیں خدا کی مدد اور زور بازو اور وسائل پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ
الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ
دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ
اللَّهِ فِي شَيْءٍ (۳۷-۳۸)

مسلمان کبھی بھی اپنے مسلمان بھائیوں
کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہیں بناتے
اور جس نے ایسا کیا تو پھر خدا کے ساتھ
اس کا کوئی سروکار نہیں۔

اور یہ مقہور و مخدول یہود و نصاریٰ، ان کے باہمی گٹھ جوڑ کو اشارہ کرتے ہوئے، کس قدر شدید و شدید
سنائی۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا
اليهود والنصارى اولياء
بعضہم اولیاء لبعضہم ومن
یتولہم منکم فانه منہم
میں سے ہوگا۔ (۵-۵۴)

نہ صرف کافروں میں بلکہ حق و صداقت کا مذاق اڑانے والے وہ تمام لوگ جو اپنے غنا یا باطنی
خیریت و الحاد اور گمراہی کی وجہ سے دین اور دیتی اقدار کا مذاق اڑاتے ہوں، ہرگز تمہاری
دوستی کے سزاوار نہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا
لذین اتخذوا دینکم هذوا
دلعیبا۔
اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست
نہ بناؤ جو تمہارے دین کے ساتھ
ہنسی اور مذاق کرتے ہیں اور تمہارے دین
کو انہوں نے ایک کھیل بنا لیا ہے۔ (۵-۴۰)

ظاہری اسباب پر گھمنڈ ہمیں خیردار کیا گیا کہ بے خیالات زنی اور اپنی ظاہری کثرت
اور قوت پر گھمنڈ نہ کرو جس کا انجام شکست ہی ہے۔

دیوم حنین اذا عجبکم کثرتکم
فمن تغن عنکم شیاء
اور حنین کے دن جبکہ تمہیں اپنی کثرت
کا گھمنڈ ہونے لگا پس اس کثرت نے

نہیں ذرا بھی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین
تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر
بھاگنے لگے۔

وضاقت علیکم الارض
بحارحیت ثم ولیتم مدبرین

دنیا پرستی اور قربانی سے گریز | ہمیں تعلیم دی گئی کتاب و سنت کی مگر ہم نے اپنی نسلوں کو
ان دونوں سے دور رکھا اور ترقی و کامیابی کا ضامن غیروں کی کافرانہ تعلیم کا ہوں کو سمجھا۔ ہمیں ہمارے
رسولؐ نے واضح ہدایات دیں کہ مسلمان کی نظروں میں دنیا اور ان کی چند روزہ عیش و عشرت کوئی
 وقعت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اہم مقصد رضائے حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر موت کو اتنا محبوب سمجھتا
 ہے جتنا کہ کافر توہین شراب کو۔ مسلمان دنیا کو اکبر ”ہم“ نہیں بناتا۔ وہ موت کو وصال محبوب کا
 ذریعہ اور راہ حق میں شہادت حیات جاودانی کا موجب سمجھتا ہے۔ مگر ہم نے دنیا کی چند روزہ
 لذت کو شئی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ہم دنیا اور مال و دولت کے غلام بن کر رہ گئے۔ ہمارے بچپانوں
 پر پیرس اور لندن کے بازاروں کا شبہ ہونے لگا مگر ہماری مسجدیں ویران ہو گئیں اور وہی کچھ
 ثابت کر دکھایا جس کا منجر صارق و مصدرق کو خدشہ تھا۔

قسم بخدا مجھے تمہارے بارے میں فقر کا
 فکر نہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم پر دنیا پھیلا
 دی جائے اور تم اس پر اس طرح ریچھ
 جاؤ جس طرح اور لوگ اس پر ریچھ گئے
 اور اوروں کی طرح تمہیں بھی ہلاک کر ڈالے

قواللہ ما الفقر احشے علیکم
ولکن احشئ علیکم ان تبسط الدنیا کما بسطت
علی من کان قبلكم فتننا
فسوها کما تفسوها
تہلکم کما اہلکم۔

راہ حق میں صحابہ کرامؓ | اسلاف نے ہمارے سامنے دنیا کی بے وقعتی اور راہ حق
 کا جذبہ سرفروشی میں جذبہ سرفروشی کے یکے کیے مٹونے نہیں رکھے؟۔ یہ
 مجروح فی اللہ عبداللہ بن جحشؓ نہیں، جنہوں نے میدان احد میں کس جذبہ جاسپاری سے دعا کی۔

الہی کل ایسے کافر سے میرا مقابلہ ہو
 جو حملہ و مدافعت میں قوی ہو۔ میرا لڑنا
 تیری راہ میں ہو اور پھر وہ مجھے قتل

اللهم ارزقنی غداً جلاً شديداً
باسئ شديداً حرزہ اقاتلہ
فیك دیقاتلنی فیقتلنی

ثم ياخذني فيجدع
 انفي واذني فاذا القيتك
 قلت يا عبيد الله فيما
 جُدع انفك واذنك
 فاقول فيك وحق
 رسولك فتقول صدقت
 (رحمته للعالمين)

اور جیسا انہوں نے چاہا وہی معاملہ ان کے ساتھ پیش آیا۔۔۔۔۔ یہ عمرو بن عبس صحابی ہیں جن کے پاؤں میں لنگ ہے۔ چاروں جوان بیٹے جہاد میں شریک ہیں، مگر وہ خود بھی شہادت کے لئے بے قرار ہے کہ میں بھی اپنے لنگر سے پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں اور دوسرے صحابی عمیر بن حمام انصاریؓ ہیں جنہوں نے جنت کی وسعتوں کا ذکر سنا تو کھجور کا گچھا دوڑھینکا کہ اتنا عرصہ وصال محبوب میں کیوں رکاوٹ ہے اور میدان میں کو کر شہادت پائی۔ یہ اس بن لقر ہیں کہ حرم پر اسی زخم آئے ہیں۔ موت سے پہلے اہل کفر کی خوشبو محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے نمونہ پیش کیا ان بچوں کا جو بچوں کے بل کھڑے ہو کر جہاد میں شرکت کا پروانہ مانگتے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے بیعت کرتے وقت اپنے گلے پر ہاتھ پھیرا کہ اسے کٹوانے کے لئے تیر سے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ان مایہ ناز خواتین کا جن کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے سب راہ حق میں شہید ہوئے مگر ان کو فکر دامن گیر ہے کہ حضور سرور کائناتؐ کی صحت و عافیت کا۔۔۔۔۔

اسلام نے ہمیں ایڈیا دیا فاروقی اعظم کا جو اپنی ادنیٰ پر غلام کو بٹھائے ہوئے اور کسی نہار بٹھائے ہوئے بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں اور ان کے کپڑوں میں بے شمار پیوند لگے ہوئے ہیں۔ گمہ ہم نے راہ اختیار کی موت سے فرار اور دنیا طلبی کی۔ مادیت کو آخرت پر ترجیح دی اور بزدل و کمزور بن کر دارین کی رسوائی مول لی۔

مخیر صادقؑ نے اسبابِ
شکست سے خیرِ الکیا

پھر کیا اس مخیرِ صادقؑ نے ان خواہیوں کی ہلاکت آفرینی
سے ہمیں آگاہ نہیں کیا۔۔۔ انہوں نے توصیفِ الفاظ

میں فرمایا کہ :-

”قرب ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر پھپھٹ پڑیں، جس طرح کھانے سنے
دستر خوان پر ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔ تمہاری تعداد اس وقت بہت زیادہ
ہوگی مگر تم و لکنکم غشاء کغشاء السبیل سمندر کی جھاگ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی“
ایک موقع پر ارشاد فرمایا :-

و تمقۃ حفالۃ کحفالۃ الشعیر لایبیا لیہم اللہ بالۃ —

یعنی جو کا بھوسہ بن کر رہ جاؤ گے، جس کی خداوند تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہ ہوگی اور ساتھ ہی
یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے
قلوب میں بوجھ پیدا فرما دے گا اور دھوکے کی تفسیر خود رسول کریمؐ نے وہی فرمائی جو آج
ہماری بربادیوں کی جڑ ہے۔ فرمایا :- حب الدنیا دکر اہیتہ الموت یعنی دنیا کی
محبت اور موت کا ڈر —

امت مرحومہ اور اوائے رحمت | ایک بوائے حق و صداقت مسلمان جب ان حالات اور
اسباب پر غور کرے گا تو اس اعتراف پر مجبور ہوگا کہ جو کچھ پیش آیا ہم اس سے زیادہ کے سزاوار
تھے۔ یہ تو اس رحمان و رحیم کی غایت گرم گسری ہے کہ ہمیں اب بھی اتنی مہلت دی گئی ہے کہ
عمل کی ایک وسیع آماجگاہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ایسے اسلاف کی وارث اور ان امانتوں
کی حامل امت کی یہ خود فراموشیاں تو ہمارے صفحہ ہستی سے مٹ جانے کے لئے بھی کافی تھیں
مگر یقین کیجئے اس رحیم آقا نے اپنی رحمتوں کی چادر امت مرحومہ سے ابھی نہیں سمیٹی ہے
ہنوز آل ابر رحمت و درفشالت

اس کا اعلان یہ ہے کہ :-

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم	ہمت نہ ہارو اور نہ اس شکست سے
الاعملون ان کنتم	غمگین و شکستہ خاطر بنو۔ اگر تم بچے مومن
مومنین ان یحکمکم	بن جاؤ تو فتح آخر کار تمہارے لئے ہے
تروح فقد مسّت القوم قدح مثله	اگر تم کو اس لڑائی میں زخم لگے تو

وَتِلْكَ الْآيَاتُ نَدَاءٌ لِّهَآبِیْنَ النَّاسِ دشمن بھی تو زخم کھا چکا ہے اور یہ تو وقت

کے نتائج و عواقب ہیں جو باری باری سب کو ظاہر ہو رہے ہیں۔

یاس و قنوط کفر ہے | خدائے رحیم کی رحمت و لہرت سے مایوسی کفر ہے۔ یاس و قنوط

مسلمان کا شیوہ نہیں۔ اس کی رحمتوں سے ناامیدی اس کی نگاہ میں مبعوض ترین عمل ہے۔ وہ پکار

کہہ رہا ہے : لَا تَقْنُطُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْخُذُ مِنَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ

اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو کہ یہ تو کافروں کا شیوہ ہے۔ ذرا دل کی گہرائیوں سے پوچھو تو لو کہ یہ

کبھی حق و صداقت کفر کی تاریکیوں سے مغلوب ہو سکتی ہے؟ کیا اسلام حبیباً دین فطرت مسخ شدہ

یہودیت اور نصرا نیت سے دب سکے گا؟ کیا قرآن کریم صلیب سے شکست کھائے گا۔ کیا اسلام کی

روشنی رہتی دنیا تک نہیں؟ اور کیا خاکم بدین حضورؐ کی نبوت کا دور ختم ہو چکا؟ اور سب سے بڑھ کر

یہ کہ کیا خدائے حی و قیوم اپنی ہر کوشش اور جابر و ظالم مخلوق کے ہاتھوں لیے پس ہو چکا ہے؟ حاشا و کلا

جبکہ ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو یقین کیجئے کہ حق تعالیٰ نے جس دین کو ساری دنیا کا مجموعہ

بنا کر بھیجا اسے قیامت تک رہنا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا کے لامحدود نذروں میں

یہ شمار وسائل اور قوتیں موجود ہیں۔ اس کی بقا کسی ایک قوم اور کسی ایک خطہ اور علاقہ سے وابستہ

نہیں۔ اگر ایک تلوار اپنا کام پورا کر کے رنگ آلود اور لیے کا رہ ہوئی تو اس کی حفاظت کے لئے

کرڈوں تازہ اور تابدار تلواریں غیب کی نیام سے نمودار ہوں گی۔ اگر ایک قوم نے کوتاہی کی تو وہ

دوسروں کو اس عزت سے سرفراز می بخشے گا۔ اِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَا تَخُوبِ

اور جب تک اس کائنات رنگ و بو کی بقا منظور ہے اسلام اور اسلام کی روشنی بھی قائم رہے گی

ہمارے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ قوموں کے عروج و زوال اور فلسفہ عروج و ارتقاء کی روشنی

میں اس ”المیہ“ سے عبرت لیں۔ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کریں اور نچتہ ایمان اور پاکیزہ کردار۔ نئے

جوش اور ولولہ سے میدان میں اتریں تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور ہم محمدؐ عربی علیہ السلام کا پھر یہ

پھر سے بیت المقدس اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر ہرا سکیں۔ لَا تَقْنُطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ —

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا —

اسباب شکست اور صدر ناصر کا ایمانی تجربہ

صدر ناصر نے حالیہ لڑائی کے بعد انقلاب مصر کی سالگرہ کے موقع پر پہلی بار جو تقریر کی اس میں انہوں نے شکست کے اسباب اور درپردہ محرکات اور آئندہ لائحہ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ایمان افروز حیلے بھی ارشاد فرمائے کہ :-

”ہمیں اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور اگر ہم موثر جدوجہد کریں گے تو خدا ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔ آگے چل کر انہوں نے یہ کہا کہ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ بحران میں ہم اپنے مقاصد پورے کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں یا میرے پاس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک سبق دینا چاہتا تھا جو پہلے ہم نے سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ سبق یہ تھا کہ ہم اپنی خامیوں کو دور کر لیں، گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے وطن کی تعمیر میں لگے رہیں۔ اب ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اگر ہم فتح حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔ جن لوگوں کی نظر برائیوں پر ہی جمتی ہے خدا کرے صدر ناصر کی زندگی کا یہ رخ بھی ان کی نگاہوں میں آسکے۔ بارگاہِ صمدیت میں اخلاص، ایمان اور ندامت و پریشانی کے چند بولی بھی عربوں کی قسمت کا بالناپلٹ سکتے ہیں کہ اس کی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔“

صدر ناصر کے بارے میں عموماً دو قسم کی رائیں قائم ہیں
 میں غیر معتدلانہ رویہ
 اور دونوں غلو، افراط یا تفریط سے خالی نہیں ہیں۔
 جذباتیت، تعصب یا خالی عقیدت کی وجہ سے ہر دور کی انقلابی شخصیتوں کی دو چیزوں کا سامنا کرنا
 پڑا۔ لطف و عناد رکھنے والوں کی تفریط و تنقیص اور عقیدتمندوں کا افراط و اطرار اور حقیقت اس
 لیے اعتدالی میں مستور ہو کر رہی مسلمانوں کے حتی میں دونوں رویوں کی ہلاکت آفرینی کی طرف
 حضرت علیؑ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا۔ ہذاک فی فتنات محبت مفرط و لیعن مفرط

صدر ناصر کے بارہ میں ایک فریق کی پرفورمنس کی کا تو یہ حال ہے کہ وہ تمام حقائق اور واقعات کو نظر انداز کر کے انہیں یہودی دریا مہاج کا ایجنٹ تک کہنے سے نہ جھپکے اور اس طرح روز روشن کورات کہہ کر اس نے حق و صداقت کا منہ پڑھایا اور یہ نہ سوچا کہ دن کورات، ایشکول اور موٹے دایان کوٹروں، ہٹلر کو یہودیوں اور جانسن کو مسلمانوں کا ایجنٹ اور غیر خواہ قرار دینے سے حقائق ہمیں بدلیں گے۔ دوسرے فریق کے حسن ظن اور محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ ناصر کی محبت میں پورے عربوں کی کسی خامی پر تنقید سے بھی ناراض ہوتا ہے۔ وہ عربوں کی شکست کو "ناکامی" کہتے تک کا روادار نہیں۔ حالانکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان قوم کے عروج و زوال اور فتح و شکست پر بحث کرتے ہوئے کسی قوم کے عادات و اطوار کا تحلیل و تجزیہ ناگزیر ہے۔ خود قرآن کریم میں تذکیر بایام اللہ کا ایک مستقل حصہ اسی تذکیر و عبرت کی خاطر لایا گیا ہے۔ جذبات اور تعصب سے ہٹ کر ہر شخص اس حقیقت تک پہنچ سکتا ہے کہ ناصر معصوم نہیں۔ آزادی اور حریت اور مغربی استعمار و استبداد سے گلو خلاصی کی راہ میں ان سے کچھ بے اعتدالیاں بھی ہوئیں۔ وہ اپنوں سے بھی اچھے بڑے، غیروں کو بھی ناراض کیا مگر جہاں تک ان کی سامراجی دشمنی اور مغربی استعمار سے استخلاص کی مساعی کا تعلق ہے وہ بلاشبہ اس صدی میں صدر ناصر کا نمایاں وصف ہے جسے چھپایا نہیں جاسکتا۔ غلط فہمی، الزام تراشی اور سطحیت کی وجہ سے وہ تو یہودیوں کے ایجنٹ نہیں بن سکیں گے البتہ ایسی غیر جانبدارانہ رائے قائم کرنے والے دانشور یا نادانستہ مغربی اور یہودی سامراج کے پت پناہ ثابت ہوں گے۔ ہم صدر ناصر کا دینی اور فطری کوتاہیوں سے برأت نہیں کرتے، مگر اس حقیقت سے انکار ہمارے لئے ممکن نہیں کہ وہ بلاشبہ مغرب و دشمنی، امریکہ اور انگریز کی عداوت میں وقت کے سب سے بڑے بطل جلیل ہیں۔ راستہ انہوں نے غلط یا صحیح ہو یہی اختیار کیا وہ عربوں کے گلے سے سامراجی جوار اتار پھینکنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھائی۔

فتح و شکست تو نصیبوں سے ہے میرے

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

(اگست ۱۹۴۷ء)

منغضوب قوم کا عارضی غلبہ

ہمارے ایک ہندوستانی بزرگ یہود کے عارضی غلبہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کا رشتہ یہود کے کسی درپردہ اور مخفی ایمان و اسلام سے جوڑنے لگے۔ انا اللہ موصوف کی عظمت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم ان کو اس معاملہ میں مجبور سمجھتے ہیں۔ "قادیانیت" کے کفر ہونے میں انہیں اب تک انشراح خاطر نہیں ہوا۔ قرامطہ اور باطنیہ کے عقائد کا "تزکیہ" بھی فرما چکے ہیں۔ یہی کسر یہودیت کو "اسلامیائے" کی سعی نے پوری کر دی۔ یہود اپنے مذہب کے معاملہ میں کتنے بھی پختہ کیوں نہ ہوں مگر یہ غیر اسلام کی بعثت کے وقت ان کا دینی تیقظ اور تصلب بہر حال اس وقت سے نولاکھ درجہ زیادہ ہی ہو گا مگر باطل مذہب کا یہ سہارا انہیں خدا کی طرف سے دائمی ذلت و خسران کے اعلان سے نہ بچا سکا۔ پھر یووائی اور ذلت کی یہ مہر قرآن نے نزول قرآن کے وقت ثبت نہیں کی، بلکہ اس سے ہزار سال قبل کی لگی ہوئی ذلت و مسکنت کی اطلاع دی ہے جبکہ اس دوران دو ایک مرتبہ عارضی غلبہ اور قوت انہیں حاصل ہو چکی تھی۔ مگر نہ تو نبیؐ اور صحابہؓ نے اس آیت کے منافی سمجھا نہ سلف میں سے کسی اور نے۔ اس لئے کہ ڈاکو کے عارضی تسلط اور غلبہ کو عزت اور سرفروئی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ایک طے شدہ اور صاف بات ہے کہ نہ تو محمد عربی علیہ السلام کی رسالت ماننے کے بغیر کوئی ایمان خدا کی بارگاہ میں شرف قبول پاسکتا ہے اور نہ حضور اقدسؐ کی لائی ہوئی شریعت ماننے بغیر کوئی قوم آیت صلی علیہم الذلۃ کے استثنائی دائرہ الاجمل من اللہ میں داخل ہو سکتی ہے۔ خدا کے آخری رسولؐ کی رسالت و شریعت ہی ہے جسے قرآن کریم میں کہیں جمل من اللہ (خدا کی رسی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی عرۃ و ثقل۔ (مضبوط دستہ) سے۔ اس معاملہ میں خدا کا فیصلہ دو لوگ سے ہے کہ —

ومن یبتغ غیر
الاسلام دیناً
فلن یقبل منه،

اب کوئی دوسرا مذہب نہ تو فلاح و سرفروئی
کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ خدا کی
بارگاہ میں وقعت اور قبولیت کا دعویٰ کر
سکتا ہے —

اگر چند روزہ مادی شوکت و غلبہ کے ڈانڈے ایمان و اسلام سے جوڑنا ضروری ہوں تو پھر ہٹلر اور مولینی بلکہ کارل مارکس اور سٹالن کی فتوحات کو کون سے ایمان کا کمرہ قرار دیا جائے جبکہ مولا الذکر حضرات تو عمر بھر خدا کے وجود تک سے بغاوت کا پرچار کرتے رہے۔ ہم اپنے بزرگ سے نیاز مندانه عرض کریں گے کہ وہ اپنی عظیم دینی خدمات اور ثقہ دینی منصب کی خاطر جوش خدمت قرآنی میں جمہور سلف کی راہ سے اس قدر نہ ہٹیں۔ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز ہے۔ اس قسم کی شدید و گزشتہ پلک جھپکنے میں عمر بھر کے حسنات کو ضبط کر دیتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہم سب کو استقامت کی توفیق دے۔ آمین۔ (ذمیرہ)

ایک دینی مسئلہ میں غفلت کا خمیازہ

صیہبی اڑائیوں کے بعد مسلمان حکمرانوں نے جب مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے تحفظ کی ضرورت محسوس کی تو انہوں نے حرم مسجد اقصیٰ کی تفصیل کے باہر چاروں طرف دور دور تک زمینیں دینی مدارس اور معابد پر وقف کر دی تاکہ حرم قدس کا یہ مقدس خطہ خرید و فروخت اور اجانب کے تعزینات اور دمرس سے محفوظ رہے اور اسی طرح ان مسلمان حکام نے فلسطین کی اکثریتوں کو بھی اسلامی امور کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک کہ علاقہ فلسطین کا یہ حصہ مدارس و مساجد کے لئے وقف ہو گیا مگر بعد میں مسلمانوں کی نرمی، کمزوری اور کوتاہ نظری نے ان وقف املاک کی حرمت پر قرار دیکھی اور ان اوقات کو وقف عینی سے وقف بشری میں منتقل کر دیا گیا۔ یعنی ان زمینوں کی خرید و فروخت جائز قرار دی گئی اور ان کا عشر وقف مد میں جمع ہوتا تھا، جس کے نتیجے میں خرید و فروخت کے ذریعہ یہ زمینیں یہود کے ہاتھوں منتقل ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی کمزوری اور دینی احکام میں تہاہل اور غفلت نے مسلمانوں کے ایک مقدس خطہ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا جبکہ ان کے اباؤ نے محض اس کے تحفظ و بقا کے لئے ان زمینوں کو وقف کر دیا تھا اور یہ انجام تھا ایک دینی مسئلہ میں تہاہل اور تحریف کا۔

(ترجمہ از صفحہ الاسلام دمشق۔ بیع الاول ۱۴۸۸ھ)

۵ جون - تجدید عہد کا دن

آج ۵ جون ہے۔ سقوط بیت المقدس کا دن ہے۔ آج یوم غریب اسلام ہے۔ قبتہ الصخرۃ کے رونے اور جامع عمرہ کے ماتم کا دن۔ مسلمانوں کی آبرو لٹ جانے اور اپنی زبوں حالی پر آہ و بکا کا دن مگر ہم مسلمان ہیں۔ ماتم و شئون ہمارا شیوہ نہیں۔ یاس و قنوط ہمارے نزدیک کفر ہے۔ آئیے آج ہم عہد کریں کہ بیت المقدس پر فتح کا علم لہرا کر دم لیں گے۔ مایوسی کی فضا اور غفلت و جمود کے اس کمر کو ہم جہاد کی ہزار سی پگھلا کے چھوئیں گے۔ کفر و استبداد کے قلعہ اتحاد اور گٹھ جوڑ کو ہم اللہ اکبر کے نعروں سے پاش پاش کر دیں گے۔ یہی اس مسئلہ کا حل ہے۔ قرار داد، ایجنڈے، کانفرنس اور تقریریں کسی کی غفلت رفتہ کو کبھی بھی واپس نہیں کر سکیں۔ قبلہ اول ہماری عصمت و آبرو ہے اور عصمت و ناموس لٹانے والی قوم کبھی بھی شوکت و سطوت اور شادمانی کا دن نہیں مناتی۔ تمہاری یہ متاع گم گشتہ آج تمہیں آواز دے رہی ہے۔ مسجد اقصیٰ کے منبر و محراب تمہیں پکار رہے ہیں۔ جامع عمر کے دریچوں میں فاروق اعظم کی روح مضطرب ہے۔ وہ دیکھو صلاح الدین ایوبی ہماری حمیت و غیرت کا ماتم کر رہے ہیں۔ وہ دیکھو صلیبی طاقتیں ایک بار پھر مغربی سامراج کے لباس میں متحد ہو کر ہماری ذات و پستی کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ وہ دیکھو ذلیل و خوار ریحی نالہ کی روح ایک بار پھر ہماری غیرت کو لگا رہی ہے۔ آئیے ہم اپنے رب سے عہد کریں کہ ہم اگلے سال ۵ جون کو شوکت اسلام کا دن منائیں گے اور میرٹ و شادمانی بیت المقدس کی بازیابی ہی سے ہمیں نصیب ہو سکے گی۔

لَا تَقْهَرُوا وَلَا تَخْزُوا وَاَنْتُمْ الْاَعْلٰوَاتُ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ (جون ۱۷)

یہودی عدالت کے شرمناک فیصلے

اسرائیل کی تحقیقاتی عدالت نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے والے مجرم کو "پاگل" قرار دے کر بری کر دیا۔ اسرائیلی عدالت ایسے رسوائے زمانہ فیصلوں کی عادی ہے۔ اب اس نے مجرم روہان کو پاگل نہیں کہا بلکہ حق و انصاف کی علمبردار پوری دنیا کے عقل و دانش کا مذاق اڑا رہی ہے، مگر جس ظالم،

سفاک اور بے حیا عدالت کی یٹج پر حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو سولی چڑھانے کا فیصلہ ہوا ہو وہاں اگر پوری اسلامی اور مذہبی دنیا کو ایسے شدید بھونچال سے دوچار کرنے والے مجرم کو بائبل کی بجائے پوری قوم کا ہیرو بھی قرار دیا جاتا ہے تعجب اور حیرت کی بات نہ ہوتی۔ مگر اس ڈرامہ کو یٹج کرنے والے ججوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ قدرت قیامت تک اس عدالت کی کمرسی پر کبھی نجات نصراور کبھی ہٹلر جیسے ججوں کو بیٹھانے کا اعلان بھی کر چکی ہے۔

وَإِذَا تَذَكَّرْنَا رَبِّكَ لَبِيعْشَ عَلَيْهِمُ الْيَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ لِيَوْمِهِمْ سَوْءُ الْعَذَابِ
(جنوری سنہ)

حرب رمضان

عرب اسرائیل جنگ

آج عرب اسرائیل جنگ کا دسواں دن ہے اور رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ کی سترھویں تاریخ ہمارے سال کے جاں گل صبر کے بعد بالآخر عربوں نے سرکھٹ ہو کر میدان جنگ میں اپنی شجاعت و بہالت کی نئی داتوں سے اسلام کی روشن اور تابندہ تاریخ سے وہ گرد و غبار جھاڑ دی جو سامراجی اور صیہونی سازشوں سے پھیلی جنگ میں اسے ماند کرنے لگی تھی۔ آج کی جنگ اور آج کی تاریخ ہمیں سترھویں کے اس یوم الفرقان (۱۷ رمضان یوم بدر) کی یاد دلانا ہے، حب ہادی النبیؐ اور نذیر و بشیر رسولؐ، امام المجاہدین بنی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسطحی بھر جان نثاروں کے ساتھ قیامت تک اسلام اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا دروازہ کھول کر کفر و شرک کو سترنگوں کر دیا۔ بدر کی یہ فتح آئندہ تمام فتوحات کا سرچشمہ اور قیامت تک خدائے ہی و قیوم کے اعتراف و وحدانیت اور عبادت خالصہ کا ذریعہ بنا۔ اور آج عرب اپنے سرفروش اور جان نثار اسلاف کی طرح اسی شاہراہ جہاد پر گامزن ہیں۔ ہمارے سبب و جان کی ہر متاع عزیزان پر قربان ہو۔ مسلمانوں کے دلوں کی ہر دھڑکن ان کی ہمنوا ہے کہ عرب اپنے لئے نہیں اسلام کی عظمت و رفعت کی بحالی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور انبیاء اکرامؑ کی سرزمین کی بحالی اور بالآخر حرمین الشریفین کا تحفظ و حفاظت صرف عربوں کا نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام نام لیوا یاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچیاں فریضہ ہے۔ مسجد اقصیٰ کے مینار

جھک جھک کر دنیا کے تمام مسلمانوں کو لپکا رہے ہیں۔ قدس کی جامع عظمیٰ مغضوب و ذلیل قوم، یہود کے قدموں سے پائٹالی پر ساری دنیا کے مسلمانوں کی غیرت و حمیت کا ماتم کر رہی ہے۔ صحرائے سینا کی وسعتیں ملت محمدی کے ہر اس فرد میں صلاح الدین ایوبی کو تلاش کر رہی ہیں جو خود کو مسلم اور محمد عربی صلوٰۃ اللہ علیہ کا نلام کہتا ہے۔

عرب مسئلہ اور | اب جبکہ عرب اس دعوت پر لبیک کہہ کر میدان میں کود پڑے ہیں اور وہ عالم اسلام کا فرض حق پر ہیں اور حق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تو کیا مسلمان اور اسلامی مملکتیں صرف چند بیانات دے کر اور زبانی جمع خرچ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو سکتی ہیں اور کہتے ہیں جو زبانی حد تک بھی لبوں کو جنبش نہیں دے رہے جبکہ اہل باطل متفق ہو کر مسلمانوں پر دھاوا بول رہے ہیں۔ امریکہ جو سامراجیت کا علمبردار ظلم و فساد کا سرچشمہ اور انسانی قدروں کی توہین و پائٹالی کا مظہر اتم ہے، کھل کر عالم اسلام کی غیرت و حمیت کو للکار رہا ہے۔ وہی امریکہ جس کی دیروزہ گرمی کو ہم سرمایہ مجدد شرف سمجھتے ہیں اور جس کے چند ٹکڑوں کی وجہ سے ہماری سرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ ہمیں عربوں کی اس جنگ سے عبرت و نصیحت کے صد ہا سبق لینے چاہیں دوست اور دشمن کی پہچان کا سبق، عروج و زوال کا سبق، نئی زندگی، نیا دلولہ اور نئے ایمان و یقین کا سبق، ذلت و شکست کو فتح و کامرانی سے بدلنے کا سبق، اور ذلت و نکت کو حقیقتوں کے زیادہ قریب میں نہ چھپانے کا سبق۔ اگر عربوں نے ۱۹۴۷ء کے خط متارکہ جنگ کے اس پار غصہ شدہ زمینوں کو حقیقتوں سے بدلنے کی کوشش کی ہوتی تو آج فتح و کامرانی، عزت و سرفروزی اور مجدد شرف میں عربوں کا یہ مقام نہ ہوتا۔ بخیر و حضور عربو! آگے بڑھو، وہ دیکھو نصرت خداوندی تمہارے قدم چومنے کے لئے بیتاب ہے۔ الا ان نصر الله قريب

جنگ اور جنگ کے بعد

اسرائیل سے عربوں کا ستہ روزہ مسلسل جہاد ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جس نازک موڑ پر آکر رکا اور اس کے بعد معاہدہ اور افہام و تفہیم کے نام سے جو سلسلہ شروع ہوا عالمی طاقتوں کے مسلم کش رویہ کی بنا پر اس کا کھٹکا پہلے ہی دن سے تھا اور اب یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ مشرق وسطیٰ

انہیں شکست نہیں دے سکے گی۔ یہی ہمارے تمام مصائب کا علاج اور ساری پریشانیوں کا مداوا ہے ورنہ اسباب و وسائل کی جو فراوانی مسلمانوں اور عربوں کے پاس ہے اس کا ہزارواں حصہ بھی اوروں کے پاس نہیں۔

عربوں کی بالادستی | ایک اور بڑی بات اس طرائق سے یہ پیدا ہوئی کہ اس نے عربوں اور مسلمانوں کا وہ احساس کمتری مٹا دیا جو پچھلی جنگ میں شکست کے بعد حوصلوں کی پستی، یقین میں تذبذب، عزائم میں تردد اور دوسری کئی نفسیاتی، نظریاتی اور عملی خرابیوں کا موجب بن رہا تھا۔ یہ زعم باطل اس جنگ میں عربوں نے خاک میں ملا دیا کہ اسرائیل ناقابلِ تسخیر ہے۔ ایک ہی صلے سے عربوں نے یہود کی مکر توڑ دی۔ ان کی دفاعی لائنیں عربوں نے جس رخشاہ کی طرح روند ڈالیں ایک ہی زقند میں جولان کی رکاوٹیں الٹ کر رکھ دیں۔ اور اگر امریکہ اپنے کمرائے کے سپاہیوں اور اسلحہ سے میدان میں نہ آتا تو آج اسرائیل کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ کیا یہ جنگ خدا کی بیان کی ہوئی یہودیوں کی ابدی ذلت و رسوائی اور اس کی استثنائی صورت ”الآجبل من الناس“ کا ایک اور ثبوت نہیں؟

خوشگوار ایمانی تبدیلی | اس جنگ میں ایک دوسری خوشگوار تبدیلی جو محسوس ہوئی وہ عربوں کا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ جوش و خروش سے انابت الی اللہ کا جذبہ تھا۔ خدا کی طرف رجوع اس سے طلب فتح و نصرت، اس کے دین اور نام کی بلندی کا جذبہ اور ولولہ، اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر اظہارِ مذمت اور اصلاح احوال کی سعی۔ یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے فتح و خروج کا بنیادی سرچشمہ ہیں۔ بحمد اللہ اس جنگ میں صبر و ثبات کے ساتھ ذکر اللہ کا غلغلہ رہا اور قنوع و استہمال کا بھی کہ یہ تو شکستگی اور خستہ حالی کا دور ہے۔

فتح مندی اور نیا زمندی | ہمارے اسلاف تو فتح و خروج کی معراج پر سرفراز ہو کر بھی بارگاہِ ایزدی میں عجز و تسلیم کے اظہار اور مظاہرہِ عیدیت میں غفلت نہیں برتتے تھے۔ فتح مکہ اور ایسے ہی بعض عظیم فتوحات کو سب کو معلوم ہی ہیں۔ اس بیت المقدس کو لیجیے جس میں بازیابی کا ہر مسلمان متمنی ہے مگر وہ جو ہماری عظمت رفتہ کی ابرو تھی یعنی سلطان ابوالمظفر الملک الناصر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۵۸۳ھ کی لیلۃ المعراج مطابق ۴ اکتوبر ۱۱۸۷ء کو بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور پوری دنیا کے اتحادی کافروں سے اسے آزاد کرایا تو فاتحانہ مسرتوں کے باوجود خداوند کریم کی بارگاہ

جس خدائے مہی و قیوم نے اسے ویٹ نام میں ذلیل و خوار کیا ہے وہ فلسطین اور عربوں کی سرزمین کو امریکہ اور اس کے تمام سامراجی عزائم کا قبرستان بنا سکتا ہے۔ امریکہ اگر اپنے اس رول پر نظر ثانی نہیں کر سکتا تو مسلمانوں کو جواب اپنے اس ازلی دشمن (بشمول تمام مغربی اقوام) کے بارے میں محتاط ہر بیان چاہیئے۔

روس دوست نما دشمن | اس سلسلہ میں روس کی پالیسی بھی ہرگز قابل تحسین نہیں۔ اور یہ ایک المیہ ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کو جانتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طور پر کسی کافر کے جھبوسے ہمارے لینے پر مجبور ہیں اور اس بنا پر عرب بھی کسی نہ کسی طور پر اپنے اس منافق اور دوست نما فریبی دشمن روس کے دامن کا سہارا لے رہے ہیں، مگر اسرائیل کے معاملہ میں امریکہ اور روس ایک ہیں، یعنی ایک اسلحہ فراہم کرتا رہا تو دوسرا یعنی روس اسلحہ چلانے کی افرادی قوت، روسی یہودیوں سے اسرائیل کی رونق بڑھانے میں پیش پیش رہا۔ اگر جنگ کا دار و مدار فریقین کے اسلحہ سپلائی کرنے پر موقوف نہ ہوتا اور اس دباؤ سے مجبور ہو کر عرب جنگ بندی قبول نہ کرتے اور محض خدائے مہی و قیوم کی نصرت کے بھروسے پر سلامتی کو نسل کی قرارداد کو مسترد کر دیا جاتا تو نتائج بلاشبہ بہتر ظاہر ہوتے۔ بہر حال عرب بلکہ تمام مسلمان جنگ کے میدانوں میں جیتی ہوئی لڑائیاں روس کے ہاتھوں مقاصد اور مصالحت کے ہاتھوں پر ہار جیتتے ہیں اور یہ ایک عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کو دھوکہ، فریب اور سیاسی عیاریوں پر مبنی ”جنگ بندی“ اور ”امن“ کے نام سے جن تباہیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کا متفقہ طور پر الٹا ضروری ہے۔

جنگ کے اچھے نتائج | جنگ کے اچھے نتائج ہیں سب سے بڑی بات عربوں اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ عربوں کے پارہ میں کہا جاتا تھا کہ وہ کبھی متفق نہیں ہو سکتے مگر اس جنگ میں عربوں نے متحد ہو کر ہر قسم کی ہتھ بندیوں اور سیاسی وابستگیوں کو بالائے طاق رکھ کر امریکہ، اسرائیل اور سامراج دشمنی کا فیصلہ کیا۔ شاہ فیصل وغیرہ نے اسی جذبہ اسلامی و قومی کی بنا پر امریکہ اور بالینڈ کو تیل کی سپلائی بند کر دی اور مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں کی ایک ہی آواز بلند ہوئی جو اسرائیل اور سامراج دشمنی عربوں کی حمایت اور ظلم پر احتجاج کی آواز تھی۔ اگر مسلمان اور عرب بھائی اسی جذبہ اتحاد و اخوت سے سرشار رہے تو دنیا کی کوئی طاقت

میں حالات آگے چل کر کیا بیٹھا کھاتے ہیں، مگر اس جنگ سے چند باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو گئیں اور اگر مسلمانوں نے اس سے سبق لیا اور آئندہ اپنی پالیسیوں میں انہیں ملحوظ رکھا تو اس جنگ میں دمی ہوئی قربانیاں رائیگاں نہیں سمجھی جائیں گی۔

امریکہ اور صیہونیت کی سرپرستی | پہلی بات یہ کہ اسلام نے سارے جہاں کا کفر مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہونے کا جو اعلان کیا تھا وہ پچھلے ہر دور کی طرح اب بھی ایک اٹل حقیقت بن کر سامنے آیا۔ صیہونیت کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے امریکہ نے ڈھٹائی اور بے حیائی کا جو شرمناک کردار ادا کیا اس کی روشنی میں عالم اسلام کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ جنگ میں حالت یہ ہو گئی تھی کہ جاننا نہ عرب مجاہد اسرائیل سے نہیں عالمی سامراجیت کے علمبردار امریکہ سے لڑ رہے تھے۔ امریکہ کے صدر سے لے کر یہودی نژاد وزیر خارجہ کسینجر تک نے کھلم کھلا اپنی سامراج نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے یہودیوں کی حمایت کی اور نہ صرف جنگی سطح بلکہ سیاسی اور فلاحی بنیادوں پر بھی اسرائیل کی بھرپور مدد کی گئی۔

— من تو شدم تو من شدمی کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اسرائیل امریکہ کی باہمی گنجویشی اور اظہار تعاون دیکھ کر نہیں کہا جاسکتا کہ امریکہ اسرائیل کا ایجنٹ ہے یا اسرائیل امریکہ کے عزائم خفیہ کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اسرائیل بظاہر امریکہ کا دست نگر ہے مگر لگتا ایسا ہے کہ درحقیقت امریکہ اپنی عالمی قوتوں سمیت مٹھی بھر یہودیوں کی ایک کالونی ہے۔ اپنے طور پر نہ اس کے کچھ اصول ہیں، نہ قوانین نہ ضمیر ہے اور نہ کسی آزاد فیصلہ کا اختیار، امریکہ نہ صرف جنگ میں اسرائیل کا آرڈی ٹنس فیکٹری بن رہا ہے بلکہ بی بی سی کے مطابق وہ اب تک تیس ہزار ٹن سے زائد اسلحہ اسرائیل پہنچا چکا ہے اور اب تو بحری راستے سے بھی اسرائیل کو اسلحہ کی مزید ترسیل جاری ہے۔

ویٹ نام کا داغ غزلوں | امریکہ جو ویٹ نام میں اپنی ساری شان و شوکت اور طنطنہ خاک کے خون سے دھونا | میں ملا چکا ہے، مظلوم اور بے لیس غزلوں پر اپنی گرمی ہوئی ساکھ کی

عمارت اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ درحقیقت نہ صرف عرب دشمنی، اسلام اور مسلم کشی کا علمبردار ہے بلکہ اس کی تاریخ پورے بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی کے عزائم مشوئمہ سے داغدار ہو چکی ہے لیکن اگر وہ ویٹ نام کی شرمناکیاں غزلوں کے خون سے دھونا چاہتا ہے تو اس کی بھول سے۔

میں ان پر عجز و نیاز بندگی اور سپردگی کا عجیب عالم طاری تھا۔

فتح صلاح الدین ایوبی کے | اور چھوڑیئے صلاح الدین کی تو شان ہی نرالی تھی اس
بعد پہلا خطبہ بیت المقدس کے بعد اور گویا ایک صدی کے بعد ہم شعبان کو جو پہلا

جمعہ مسجد اقصیٰ میں سلطان صلاح الدین کی موجودگی میں پڑھا گیا تاریخ میں ہے کہ گویا وہ دن یوم مشہود تھا۔
اس تاریخی جمعہ میں خطیب وقت قاضی محی الدین محمد بن زکی الدین علی القرشی نے جو خطبہ دیا اور اب
جس پر ہماری محفلتوں اور خود فراموشیوں نے غفلت و لسان کی تہہ برتہ غلاف پڑھا دیئے ہیں آئیے
تاریخ کے سید سے نکال کر اس پر ایک نگاہ ڈالیں۔

الحمد لله معذ الاسلام نبوة | ساری تالش اپنی مدد سے اسلام کو
ومذل الشرک بقهره ومصروف | عزت دینے والی ذات کے لئے ہے
الامور بامره ومدیم النعم | جس نے شرک کو اپنی قوت سے ذلیل
بشکرة ومستدرج الکفار | کیا جو اپنی مرضی سے تمام کاموں میں
بمکرة الذی قدر الایام | تصرف کرتا ہے، جو نعمتوں کو شکر گزار
دولا بعدله وجعل العاقبة | کے بدلے دوام دیتا ہے اور جو اپنی
للمتقین بفضله واثاء علی | تدبیر و حکمت سے کافروں کو ڈھیل
عبادة من ظله واطهر دینہ | بھی جس نے اپنی شان عدل کی بناء
علی الدین کلمہ القاهر فوق | پر اتار چڑھا ڈا اور فتح و زوال کو گردش زمانہ
عبادة فلا یمنافع والظاهر | بنادیا اور بالآخر بہتر انجام اور کامیابی
علی خفیفته فلا ینزع | پاکیا زول کے لئے مقرر کر دی جس نے
والامر بما شأقلا یراجع | اپنے بندوں پر اپنا سایہ کر دیا اور
والحاکم بما یرید فلا یرافع | اپنے دین کو سارے ادیان پر غالب
فاحذروا عباد الله — | کر دیا۔ وہ ساری مخلوق پر غالب ہے
بعد ان شرفکم الله بهذا | کوئی اسے منع نہیں کر سکتا، نہ
الفتح الجلیل والمنح الجلیل | کوئی روک ٹوک کر سکتا ہے۔ پس

وخصکم بنصرة المبين
واعلق ايديكم بحبله المتين
ان تقترفواكبيرا من
مناهيهم وادب تاوعظيها
من معاصيهم فتكولنوا
كالتى نقصت غزلهما من
بعد قوة انكاشا وكالذى
آتيناه آياتنا وانسلخ
منها فاتبعه الشيطان فكان
من الغادين۔

والجهاد الجهاد فهو من
افضل عباداتكم واشرف
عاداتكم انصروا الله ورسوله
احفظوا الله يحفظكم اذكروا الله
يزدكم اشكروا الله يزدكم
وليذكركم خذوا من حسم الدار
وقطع شأفة الاعداء وطهروا
لينة الارض من هذه الانجاس
التي اغضبني الله ورسوله
واقطعوا زروع الكفر واجتثوا
اصوله فقد نادت الايام
بالغارات الاسلامية و
الملة المحمدية الله اكبر

اے اللہ کے بندو ڈرو اور محتاط رہو
جبکہ اللہ نے آپ کو اس فتح میں
انعام عظیم اور اپنی نصرت و مدد سے
نوازا اور دین کی مضبوطی سے تمہارے
ہاتھوں میں بٹھا دی۔ خبردار! اب
اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے
قریب نہ بھٹکنا۔ کہیں ایسا نہ ہو تم
منکرات اور معاصی کے پیچھے پڑ جاؤ
پس اس بڑھیا کی طرح ہو جاؤ گے
جو اپنے کئے کر لئے پر خود پانی
پھیر دیتی ہے۔ یا اس شخص کی طرح
جسے خدا نے واضح نشانیاں دیں مگر
شیطان کے کہنے میں آکر اس نے
سب کچھ نظر انداز کر دیا اور گمراہوں
میں شامل ہو گیا۔

اے مسلمانو! الجہاد، الجہاد، کہ یہی
تمہاری بہترین عبادت اور اعلیٰ ترین
شیوہ حیات ہے۔ تم اللہ کی مدد
کو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ شکر گزار
بن جاؤ۔ وہ اپنی قدر افزائی اور بڑھیا
دے گا اور بیماری کو بڑے نکال دینے کو
اور خدا کی باقی زمین کو بھی کفر و شرک
اور ظلم و فساد کی ان غلاظتوں (کافروں)

فتح الله ونصر غلب الله سے پاک کردو جس نے خدا اور اس
 وقہراذل الله من كفر۔ کے رسول کو ناراض کر دیا۔ کفر کی ساری
 شاخیں کاٹ ڈالو اور اس کی پوری سیخ کنی بھی کر دو کہ زمانہ اسلام اور ملت محمدیہ کا
 ہے اور وقت اسلامی فتح و عروج کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ اللہ
 نے فتح و نصرت دی اور غالب ہوا۔ اور اللہ نے کافروں کو ذلیل و خوار کر دیا۔“

— مشرق وسطیٰ کا جہاد اب بھی جاری ہے اور حبیب تک ارض مقدس کو یہودیوں سے
 پاک نہیں کیا جاتا جاری رہے گا اور حبیب تک بیت المقدس کی بازیابی کی ذمہ داری
 سے اسلامیان عالم اسلام سبکدوش نہیں ہو جاتے بیت المقدس کی فضائیں کسی
 ایسے خطبہ کے لئے ترستی رہیں گی۔

الله اکبر۔ الله اکبر والعزة لله ولرسوله وللمؤمنين

اسرائیلی جارحیت اور اولین فریضہ

مملکت اردن کی سرحدات پر اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں، لوٹ مار، مال و جان کی تباہی اور نہتی
 آبادیوں پر وحشیانہ حملوں نے ایک بار پھر دسے زمین کے تمام مسلمانوں کو اضطراب میں ڈال دیا ہے لیکن
 سوال یہ ہے کہ ہماری وقتی اور ہنگامی جزع فزع اور چند احتجاجی بیانات سے اس درندگی اور
 بربریت کا خاتمہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کا علاج تو صرف یہ ہے کہ محمد عربی علیہ السلام
 کے تمام نام لیا مسلمان آپس میں متحد و متفق ہو کر کفار و اشراک کے مقابلہ میں ایک ”بنیان موصوف“ (سیسہ پلائی
 ہوئی دیوار) کی طرح بن جائیں۔ آج ہم باطل اور سامراج کا قلع قمع یگانگت اور رشتہ اتحاد ہی کے ذریعے
 کر سکتے ہیں جو قومی اور علاقائی بنیادوں پر نہیں بلکہ بین الاقوامی اساس پر استوار ہو۔ ایک ایسی روحانی
 اساس جس کے آگے قوم، وطن، رنگ و نسل کی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کی ایک مغضوب علیہ ذلیل اور
 خوار قوم ”یہود“ کے ہاتھوں ہماری بار بار پٹائی؟ یہ تو قدرت کا ایک نازیبانہ ہے کہ مسلمان بیدار
 ہوں۔ ملت کی خاطر اور محمد عربی علیہ السلام کے ننگ ناموس کی لاج رکھنے کی خاطر ہم میں کچھ شعور

پیدا ہو۔ مگر افسوس ہمارسی خودی اور انا“ اب ایسی فنا ہو چکی ہے کہ سوائے وقتی شعور اور چند روزہ
 وادیلکے ہم آج تک کسی مثبت فیصلہ پر متفق بھی نہ ہو سکے کہ ہم کیا کریں؟ اگر ہماری غفلت اور
 کوتاہی ملکی اور سیاسی خود غرضی اور دھڑے بندیوں کا یہی عالم اور ہمارا شیوہ صرف نالہ و شیون رہا
 تو کفر کا مغربیت اور مغربی استعمار کا دیو اسی شدت سے کبھی اردن کی سرحدات پر حملہ آور ہوگا اور
 کبھی شام کی مقدس سرزمین پر مغربی طاغوت اور استعمار کبھی اپنے پروردہ اژدہ اسرائیل کی شکل
 میں عربوں کے سینے پر لوٹتا رہے گا اور کبھی کفر اور ظلم کا یہ ناسور قبرص اور کشمیر کی شکل میں اسلام اور
 مسلمانوں کے لئے سوہان روح بنا رہے گا۔ فہل من مہد کرب۔

اس لبیط ارض پر لینے والے تمام مسلمان ایک گھرانے کے افراد ہیں۔ وہ گھرانہ جو روحانیت
 اور اسلام کے رشتوں پر کھڑا ہے، اس گھر کے کسی فرد کو تکلیف پہنچنے سے سارے گھرانے کی
 بے چینی ایک واجبی اور طبعی امر ہے۔ خواہ وہ فلسطین میں بستا ہو یا کشمیر میں۔ قبرص میں ہو یا
 اٹھوپریا (ہمیشہ) میں۔ اس لحاظ سے یہود (خذہم اللہ وفتحہم) اور درپردہ ان کے مغربی
 مغربی اقوام کے یہ ظالمانہ حملے صرف اردن و شام پر نہیں بلکہ پورے مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج ہیں۔
 یہ پورے کفر کی بیخاری ہے اسلام پر اور پورے باطل کی لکار ہے حق کے خلاف۔ آج خالد بن ولیدؓ
 اور صلاح الدین ایوبیؓ کی پاکیزہ روہیں بے چین ہیں کہ کوئی اٹھے اور ایک بار پھر اپنی پر سوز لے اور جگر پاش
 لغزوں سے غافل ملت محمدؐ کی گھنچھوڑ کر رکھ دے۔ درد سوز میں ڈوبی ہوئی وہ لکار جس کے ذریعے
 حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک بار گرتی ہوئی فوج کو سنبھالا دیا تھا —

وا محمدؐ — وا محمدؐ . ولا اسلام ولا مسلمین

رباط کی اسلامی کانفرنس

— نوہ اور ماتم کی نہیں عمل اور جہاد کی ضرورت —

رباط میں ۲۶ مسلمان سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی مگر صدیوں بعد ایک خواب فخر مندہ تعمیر ہوتے ہوئے رہ گیا۔ عالم اسلام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں اور سہری امیدوں کے پل باندھے جا رہے تھے۔ ہم مغرب اقصیٰ کے دارالحکومت رباط کے اس اجتماع کو ایک لحاظ سے نیک فال سمجھتے تھے کہ رباط کے مفہوم میں اسلامی سرحدات کی حفاظت، دشمنان اسلام کی سرکوبی، اور جہاد کا تصور شامل ہے، کیا عجب کہ مومنانہ جرات اور اخلاص و قربانی سے بھرپور فیصلوں کی وجہ سے نام کا یہ اشتراک واقعی معنوں میں جہاد اور رباط فی سبیل اللہ اور مسلمانوں کے باہمی ارتباط و تعلق کا موجب بن جاتا۔ کانفرنس کی جو تفصیلات اب تک سامنے آئی ہیں سیاسی تدبیر اور فراست کے گھنٹہ میں حقائق کو دشن کرنے والے خوش فہمیوں کی کیا کیا عملدات کھڑی کریں مگر ہم جیسے سطحی اور جذباتی ذہن والے تو اس بارہ میں کلی مایوس ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ درپردہ کچھ ٹھوس اقدامات اور فیصلے طے پائے ہوں، اگر ایسا ہو تو یہ کانفرنس اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہو سکتی ہے، لیکن اگر اس ساری مجلس آرائی کا مقصد صرف چار طہری طاقتوں سے ارض مقدس کی انخلا کی اپیل کرنا تھا اور بس، تو ہم اسے نہ صرف ناکام کہیں گے بلکہ اسے سقوط بیت المقدس کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا اظہیہ قرار دیں گے۔

اپنی تاریخ پر نظر ڈالئے عالم اسلام کا وہ کونسا مسئلہ ہے جو لمحے وار	اپیل اور قرارداد نہیں
تقریروں اور الفاظ کے گورکھ دھندوں سے حل ہوا اور کوئی مصیبت	صرف تلوار اور جہاد

ہے جو دشمن اور اس کے حریف کانفر طاقتوں سے منت سماجت کی اپیلوں سے ٹل گئی ہو۔ کفر جو سارے کا سارا ملت واحدہ ہے طاقت اور عمل کی زبان سمجھتا ہے مگر اسے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اور ان کے قائد اور حکمران صرف قوال ہیں۔ ان کے ضمیر اور دل و دماغ ان کے نظریاتی اور عملی قوی کو لوپ

کی ذہنی اور سیاسی غلامی نے مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلام، ایمان اور جہاد کے جذبہ سے سوچنے والے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔ ان کے بازو شل ہیں۔ وہ صرف زبان سے تلوار کا کام لینا چاہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ اٹھ سکتے ہیں تو صرف روس اور امریکہ سے بھیک مانگنے کے لئے۔ ان کا دماغ اگر سوچتا ہے تو سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے زاویہ نظر سے، دنیا کی محبت اور موت کی نفرت نے ستر کروڑ مسلمانوں کے اس جم غفیر کو ارشاد نبویؐ غشاء کحشاء السیل (سیلاب کی جھاگ) کا مصداق بنا دیا ہے۔ ان کے یہ شاہانہ کرد فر والے سلاطین اور بادشاہ، طمطراق والے حکام اور صدور میدان سیاست کے شاطر وزراء اور بھاری بھر کم مندوبین کفر کے مقابلے میں کھوکھلے ڈھول ہیں جن کی قلعی اب رباط کانفرنس نے کھول دی ہے۔ انہوں نے اپیل کی تو تلوار سے نہیں۔ کفر و الحاد کے چار بڑے سربراہوں سے اور باہمی امور کو طے کرنے کا اعلان کیا تو کتاب و سنت کی روشنی میں نہیں بلکہ اقوام متحدہ کے منشور کے تحت اور اس طرح ان سب کے ہاتھوں رباط کے چوراہے پر عالم اسلام کی عظمت کا بھانڈا بھوٹ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

رباط کانفرنس اور رباط کے حسین ترین ہوٹل میں ستر کروڑ مسلمانوں کی قسمت کے مالک | جمع تھے۔ ادھر اسرائیل عین اسی موقع پر اسلامی ممالک کی سرحدات پر اپنی جاذبہ کارروائی تیز کر کے ان کی غیرت کو لٹکا رہا تھا اور بالکل اسی موقع پر بھارت کی برہمن صیہونیت کے ہاتھوں احمد آباد کی گلیاں اور چوراسے مظلوم اور بے کس مسلمانوں کے معصوم خون سے لالہ زار بن رہی تھیں۔ اس خون کی فراوانی بلاشبہ ان رنگین مشروبات سے ہزار گنا زیادہ تھی جو رباط کے رائڈنگ ٹیبل پر گردش کرنے والے جام و سنبو میں جھلک رہے تھے۔ ان رنگینیوں میں مدہوش سربراہان عالم اسلام کو خونِ مسلم کی قدر و قیمت کا کیا احساس ہے

تو داغ جگر و اچھٹناسی کہ نہ بود دست
جز از منے گل رنگ بہ دامن تو داغ

اسرائیل کے سانحے ہماری غیرت بیدار نہ ہوئی۔ مسجد اقصیٰ کی آگ سے ہماری قنات نہ جھل سکی تو قدرت کے غلیں ہاتھوں نے ہمیں ایک جگہ پر جمع کر کے ایک اور بھرپور اجتماعی تازیانہ آباد کی شکل میں لگایا۔ ادھر ذلیل یہودیوں کی طنز و تشبیہ سے بھرپور پشتروں کے ذریعہ ہماری دگر

حمیت بھڑکانی جاہی پھر کیا ہم نے باطل سے پیچہ آزمائی کا فیصلہ کیا۔ کفر سے جہاد کرنے کا اعلان کیا۔ ظالم اسرائیل کے پشت بانوں کو لٹکارا۔ ان سے سفارتی اور مادی تعلقات توڑنے کا فیصلہ کیا، ان کی کفن کش اقوام متحدہ سے نکل کر اپنی ایک اقوام متحدہ بنانے کا فیصلہ سوچا پھر سخت سخت الفاظ میں مذمت کی قرارداد پاس کی؛ یہ سب کچھ نہ ہوا۔ نہ جذبہ جہاد بیدار ہوا۔ نہ ہم علاقائی مصالح اور سیاسی مفادات سے دست برداری پر آمادہ ہوئے۔ تو کیا صرف ایک اپیل ہی ہماری تمام سوائیوں کا مداوا بن سکے گا، ہرگز نہیں۔ یاد رکھئے لٹی ہوئی عزت، عصمت اور عظمت رفتہ بھیک سے کبھی بھی واپس نہیں ہو سکی۔ اس کے لئے تو ایمان اور ملی حمیت سے پھر لوہ اور مفادات یا خطرات سے بالاتر ہو کر ایک آخری فیصلہ کی ضرورت تھی۔ اگر رباط میں یہ فیصلہ ہو جاتا تو ہماری قسمت بدل جاتی۔

نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ | مگر دھسترا کہ تمہاری قسمت صرف داویلا اور خونخوارائی رہ گئی ہے تم کبھی فلسطین پر ماتم کرتے ہو تو کبھی کشمیر کی مرثیہ گوئی کبھی مسجد اقصیٰ کی آگ میں جل رہے ہو تو کبھی احمد آباد کے طوفان خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر مر رہے ہو۔ حیف صد حیف اس قوم پر جو فیصلہ کن اور بھرپور عمل سے عاری ہو کر نرمی نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ بن کر رہ جائے۔ رباط کے سر پر ہو! وہ دیکھو فلسطین کے لٹے پٹے مسلمان اور احمد آباد کے آگ اور خون میں جلنے والے تمام مظلوم بھائی غازی صلاح الدین ایوبی کی آواز پر یک زبان ہو کر تمہیں طعنہ دے رہے ہیں۔ کہ ہمیں آپ کی زوردار تقریروں اور پرجوش الفاظ کی نہیں فولادی بازو اور اسلحے کی ضرورت ہے۔ یہ سطور پڑھ کر یاس و قنوط کا الزام دھرنے والو بیشک تم اب کسی دوسری رباط کا نفرنس کا انتظار کر رہے مجھے تو صرف امام مہدی کا انتظار ہے کہ تفاوت اور بد بختی کا یہ مہربان صرف اس مرد مومن کے آہستی ہاتھوں سے ٹوٹ سکتا ہے۔

لبنان کی صورتحال

لبنان میں عارضی جنگ بندی ہو چکی ہے۔ مگر نہیں کہا جاسکتا کہ اونٹ آگے چل کر کس کوٹ بیٹھتا ہے۔ لبنان ۱۰، ۱۹ ماہ سے آتش فشاں بنا ہوا ہے۔ بیس بیس مرتبہ صلح ہوتے ہوئے ٹوٹ گئی اور جب بھی مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوا ایک نئی عارضی صلح وجود میں آئی تبیں لاکھ کی مختصر آبادی والے ملک میں بارہ تیرہ ہزار افراد قتلہ اجل بن چکے ہیں۔ اور بیروت کے عشرت کدوں میں لٹکھائی جانے والی شراب کی مانند لبنان کی گلیاں انسانی خون سے رنگین ہیں۔ مسئلہ کا حل کوئی عارضی صلح نہیں کہ مسلمانوں کو مستقل بنیادوں پر اس ظلم و استبداد کا حل تلاش کرنا ہو گا جس کی چکی میں تقریباً نصف صدی سے لبنان کے مسلمان پس رہے ہیں اور ایک گونہ لبنانی مسلمانوں کو اب تک اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے جو وہ خلافت عثمانیہ کے بارہ میں کر چکے تھے۔ موجودہ بحران وقتی نہیں بلکہ عیسائی دنیا کے ایک طویل المیعاد منظم منصوبے کی کڑیوں کا ظہور ہے۔ ۱۹۱۹ء میں لبنان کے ایک کلیسا میں فرانسیسی زبان میں لکھی ہوئی ایک رازدارانہ تحریر ملی جو فرانس کی عیسائی حکومت کی طرف سے عیسائی زعماء اور کارکنوں کے نام مخفی طور پر تقسیم کی گئی تھی۔ یہ گویا دس نکاتی منشور تھا جس میں طاقت کے تمام ذرائع، تفریحی اور سیاسی انتظامات، فوجی ملازمتوں پر قبضہ، ریڑرو بندرگاہوں کی تعمیر ادبی اور فکری حاذق کنٹرول، سیاسی صورت حال پر گرفت کی تلقین کی گئی تھی۔ اور یہ یقین دہانی بھی کہ دنیا کی تمام عظیم طاقتیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ کہا گیا کہ لبنانی قومیت کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ اس میں بڑی ہوشمندی اور باریک بینی کی ضرورت ہے۔

اس منصوبہ کے تحت ۱۹۳۲ء میں سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے پہلی دفعہ مردم شماری کرائی گئی، مسلمانوں میں خیریت و ہراس پھیلا کر انہیں مردم شماری سے فرار پر مجبور کیا گیا۔ نتیجہ لبنان کی عیسائی اقلیت، اکثریت قرار پا گئی۔ اور مسلمان اکثریت کو کافر اقلیت کے رحم و کرم

پر چھوڑ دیا گیا۔ اور نظام حکومت دستور وغیرہ میں مسلمان ایک محکوم و بے بس قوم ہو کر رہ گئی۔ چالیس برس گزر گئے مگر لبنان کے عیسائی تسلط میں مسلمانوں کی دوبارہ مردم شماری کرانے کا مطالبہ ماننے پر تیار نہ ہو سکے، مسلمان عیسائیوں کے رحم و کرم پر رہے اور اب جب پیمانہ تعمیر لبریز ہو گیا تو طاؤس و رباب بھینک کر شمشیر و سنان اٹھانے پر مجبور ہوئے۔ ادھر سامراجی اقوام تاک میں تھیں کہ کسی طرح اسرائیل کو لبنان میں فوج کشی کا بہانہ مل سکے اور ایک اور اہم عرب علاقہ اسرائیل کے تسلط میں چلا جائے یا کسی عیسائی سٹیٹ کے قیام کی شکل میں یہ مقصد پورا کیا جائے۔ اس جنگ میں عیسائی عرب علانیہ اسرائیل کے آلہ کار بنے رہے اور اس طرح یہود و نصاریٰ نے کھل کر اسلام دشمنی کا ایک بار پھر متحدہ مظاہرہ کیا۔ اسرائیل امریکہ کے نئے ہتھیاروں سے مہیب فوجی طاقت بن چکا ہے۔ اور اس بار وہ عیسائیوں کی مدد سے عربوں سے سرزمین عرب ہی پر زور آزمائی کرنا چاہتا ہے۔ اور لبنان ان کے لئے نہایت بہتر محاذ ہے۔ اس طرح مسئلہ لبنان کے دو فریقوں کا نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کی ملی بھگت اور اسرائیل و امریکہ متحدہ اسلام دشمنی کا ہے۔ الکفر ملۃ واحدة۔ اس جنگ نے عرب قومیت کا بیت لبنان کے چوراہوں میں پاش پاش کر دیا ہے مسئلہ اسلام اور کفر کا نہ ہوتا تو لبنان کے دونوں فریق (مسلمان اور عیسائی) اس حد تک کیسے پہنچتے مسئلہ اسلام اور کفر کا ہے۔ ادھر امریکہ کی صیہونیت نوازی کا یہ عالم ہے کہ جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت سے اسرائیل کو ایک نسل پرست گروہ قرار دیا۔ داوریہ عالمی سطح پر قرآن کریم اور نبی کریم کے ایسے واضح ارشادات پر مبنی صداقت بھی تھا تو اسرائیل سے بھی زیادہ اس فیصلہ پر امریکہ چیخا چلایا یہاں تک کہ قرارداد کے حق میں ووٹ دینے والے ممالک کو امداد بند کرنے کی دھمکیاں بھی دیں اور آج ہی دم تحریر امریکہ نے عدل و انصاف حیا اور شرافت کے تمام تقاضوں کو پائمال کرتے ہوئے سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو ردیٹو کر دیا جس میں آزاد فلسطین ریاست کے قیام کی سفارش کی گئی تھی۔ ان حالات میں لبنان کے مسئلہ پر عالم اسلام کی سرد مہری یا کسی مصالحتی فارموسے پر تیار ہو جانا ملی خود کشی سے کم نہیں ہو گا۔ اب مصالحت نہیں بلکہ لبنان کے مسلمانوں کو ان کے اصل حقوق دلانے کا سوال ہے۔

شام کا کردار اس مسئلہ میں نہایت پامردی کا رہا ہے۔ لیبیا اور مراکش انہی سامراجیوں کو
 نبی کریم علیہ السلام کے سوانح بھرنے (العیاذ باللہ) کی اجازت دے کر ملیں بنوا رہے
 ہیں اور اسے اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ مصر طویل مراقبہ میں ہے۔ شاہ فیصل مرحوم
 جیسی مؤثر فعال اور مؤمن شخصیت نہ خاک ہے۔ اب معلوم نہیں ایسے معاملات
 میں ایک ارب مسلمانوں کا حجم غفیر اور اُن کے سربراہوں کے طویل طویل کانفرنسوں کے
 مؤثر نتائج کس دن سامنے آئیں گے؟ (جنوری ۱۹۷۷ء)

اتحاد عالم اسلام

اسلامی سربراہ کا نفرنس

لاہور کی مسلم سربراہ کا نفرنس ایک ایسا اقدام ہے جس پر موجودہ حکومت ہزار منافقوں کے باوجود بھی لائق تحسین ہے۔ گو کا نفرنس سے عالم اسلام کے حق میں کسی بڑے اور اہم انقلابی فیصلے کی امیدیں وابستہ کرنا قبل از وقت سہی مگر مضمرات محرکات اور پاکیزہ مقاصد کی بناء پر مسلمان سربراہوں کا اتنا بڑا اجتماع بذات خود ایک بڑی کامیابی ہے اس لئے کہ یہ اجتماعیت اور اتحاد ملی کا احساس اجاگر ہونے کی ایک واضح علامت ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک روشن مستقبل کی غمازی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا باہمی ربط و اتحاد اور ملی و فکری یک جہتی ایک ایسی چیز ہے جسے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور بقاء و سالمیت میں ریڑھ کی ہڈی جیسا مقام حاصل رہا ہے۔ قرآن و حدیث اول تا آخر مسلمانوں کو اس اتحاد و اجتماعیت کا سبق اور باہمی افتراق و انتشار تخریب اور انشقاق سے پرہیز کی تلقین سے لبریز ہیں۔ اسلام مشرق و مغرب کے مسلمانوں کو جسد واحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے تعبیر کرتا ہے۔ بنیانِ مرصوص، اسنان المشط اور جسد واحد سب اسی تعلیم اتحاد کی تمثیلات ہیں تمام حکماء اسلام اور نور ایمانی سے سرشار اصحاب بصیرت علماء عارفین اور مؤرخین نے تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور ذلت و ادبار کا سبب اسی اتحاد یا افتراق کو قرار دیا ہے۔

افتراق و انتشار میں دشمنوں کا حقہ دشمنان اسلام نے پہلے ہی دن اس راز کو پایا تھا۔ اور عہد نبویؐ کے بعد افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے سیاسی، فکری، نظری اور علمی میدانوں میں کوئی حربہ ایسا نہ چھوڑا جسے مسلمانوں پر نہ آزمایا گیا جس کی وجہ سے فکری کجروی، نظریاتی گمراہی پر مبنی ہزار ہا فرقوں اور جماعتوں کا ظہور ہوا اور اتحاد و زندہ کفر و شرک، زلیغ و فساد کا کوئی شعبہ نہ تھا، جو آٹے دن مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال اور افتراق و انشقاق میں مزید اضافہ نہ کرتا گیا ہو۔ بالخصوص یہود و نصاریٰ نے اس حربے کو خوب خوب استعمال

کیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ خلافت عثمانیہ کی شکل میں رہی سہی اجتماعیت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی، قوم و وطن اور رنگ و نسل کے نام پر مسلمان لڑائے گئے، خلافت کا شیرازہ بکھرا اور اس کے چھوٹے چھوٹے اضلاع الگ الگ ریاستوں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ نتیجہً مسلمان دنیا کی ایک فاتح سرخورد اور بالادست قوم ہونے کے باوجود اغیار کے در یوزہ گرا اور دشمنوں کے رحم و کرم پر رہنے اور خوشی خوشی طوقِ غلامی پہننے والی قوم بن کر رہ گئے، اور یہ وہ قوم تھی جسے قدرت نے بے پناہ وسائلِ رزق، گونا گوں خزانے، بے حساب معدنیات، زمینی قوتوں، پٹرول، سونا، فولاد تک سے بے تحاشا مالا مال کر دیا تھا۔ افرادی لحاظ سے وہ دنیا کی ایک عظیم قوت تھی، جغرافیائی اتصال و ارتباط کے لحاظ سے بھی چین سے لے کر کاشغرتک وہ بین کے لئے ناف اور دنیا کے لئے دل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر یورپ نے آپس میں لڑا کر ان کے وسائل کو غنیمت، سلطنتوں کو جاگیر اور افراد کو غلام بنالیا وہ ہماری تمام جوہری توانائیوں کو حاصل کرتا اور ہمیں باہمی جنگ و جدال کے نتیجہ میں چار و ناچار اپنے ہی دامن میں پناہ لینے پر مجبور کرنے لگا کہ ہم گرتے پڑتے اسی کے گھر پر دستک دیتے رہیں۔ اس سے اسلحہ کا سوال کریں اور اپنی خام قوتوں سے بنے ہوئے جنگی ہتھیار کو سود و سود دے دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں۔ اور یہ یورپ کا ایک ایسا شیطانی چکر ہے جس میں آزادی کے باوجود آج تک مسلمان پھنسنے ہوئے ہیں۔ ورنہ یورپ میں بالادستی کی کوئی ایسی بات نہ تھی۔ وہ اس صنعتی انقلاب پر فخر نہیں کر سکتا جو انسانوں کو انسانوں سے لڑانے کا ذریعہ اور طبقاتی مسائل پیدا کرنے کا اہم سبب ہے اور جس کی ساری صنعتیں ایشیا اور افریقہ کے خام مواد پر موقوف ہیں اس کی صنعتی اور جنگی بالادستی مسلمانوں کے پٹرول کی مرہون ہے۔

رہ گئی مادی ترقی وہ بالآخر انسانوں کے نہ ختم ہونے والی ہوس و حرص اور خواہش و شہوت کی پریشانی پر مبنی تہذیب و تمدن کا ذریعہ بن گئی، نتیجہً انسان ایک غیر مہذب، غیر فطری چھو پایہ تو بن گیا انسان نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تہذیب و تمدن بھی یورپ کی بالادستی کا نہیں زیر دستی کا ذریعہ بننا چاہیئے تھا۔ لیکن مسلمان اور افریشیائی اقوام پھر بھی زیر دست اور مہرور و مقہور ہے۔ ذلت و ادبار ان کے مقدر کی چیز نہ تھی، لیکن اسی افتراق و انتشار اور

باہمی جنگ و جدال نے انہیں غیروں کا قلمہ تر بنائے رکھا۔ اور یہی وہ اصل بیماری ہے جس کی وجہ سے ہر مسلمان ملک آج بھی کسی نہ کسی سطح پر داخلی اور خارجی بحرانوں میں مبتلا ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کا الٹا سبق تو تازہ ہی ہے۔ صوبے صوبوں سے اور علاقے علاقوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایران اور عراق آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ مصر و یبیا کا اتحاد معرضِ وجود میں آتے آتے رہ جاتا ہے۔ افغانستان اور پاکستان سرد جنگ میں مبتلا رہتے ہیں۔ مسلم اقلیتیں غیر مسلموں کے ہاتھوں پٹ رہی ہیں۔ قبرص جل رہا ہے فلسطین تطہر رہا ہے کشمیر نالہ کنناں ہے، تھائی لینڈ اور فلپائن کے مسلمان سسک رہے ہیں۔ وسط ایشیا کے بچے کچھے اسلامی آثار بھی مرط رہے ہیں۔ بھارت کے کروڑوں مسلمان بے دست و پا ہیں۔ عرب عجم سے بدگمان اور عجم عربوں سے کبیدہ خاطر ہیں۔ ظہر الفساد فی البر والبحر جماعت ایدی الناس۔

اسباب عروج و زوال کا اجتماعی جائزہ | ایسے حالات میں مدتوں بعد اجتماع لاہور

کی شکل میں روشنی کی ایک کرن عالم اسلام کے افق پر نمودار ہوئی تو کتنی مسرتوں، ولولوں اور شادمانیوں کی بات ہوگی۔ بلاشبہ ایسے اجتماعات ہونے چاہئیں اور مسلمانوں کو درپیش موجودہ مسائل کے ساتھ ساتھ ہمیں اجتماعی طور پر اپنے عروج و زوال، فتح و شکست اور ذلت و پستی کے اسباب کا کھوج بھی لگاتے رہنا اور ساتھ ہی خرابی اور بربادی کا مداوا بھی کرنا چاہیئے۔

ارض مقدس | بلاشبہ اس اجتماع میں عربوں کے مسائل کو اولین مقام حاصل

ہونا چاہیئے۔ مٹلی بھر یہودیوں کا اسرائیل استعمار کے بل بوتے جسد اسلام میں ایک خنجر اور ایک رستا ہٹا نا سورا بنا ہے۔ اسرائیل مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی رواداری کسی بھی مصلحت کسی بھی چشم پوشی یا نرم رویہ کا مستحق نہیں بلکہ اس بارہ میں ہمارا اسوہ حضور نبی کریمؐ کی زندگی کا قول اور عمل ہونا چاہیئے کہ ابھی ہتھیار نہیں رکھے تھے کہ خبر اسرائیل کی اطلاع پر یہود کا پوری طرح قلع قمع کرنے کے لئے دوبارہ مستعد ہو گئے۔ اور وفات کے وقت بھی آخری وصیت یہی تھی کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیجئے، کہیں انہیں قدم جمائے گا موقع نہ ملے اور ارشادِ ربانی یہی تھا کہ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

جب تک فتنہ کفر کی پوری پہنچ کئی نہ ہو تمہیں آرام کرنے کا حق نہیں بلکہ تمہیں لڑتے رہنا ہے۔

بیت المقدس کی بازیابی ہمارے دین ہماری غیرت ہماری عظمت رفتہ کی بحالی کی بات ہے۔ اس سے کم کوئی بات قبول کرنا اسلامی سربراہوں کے لئے خودکشی کے مترادف ہونا چاہیئے۔ لیکن ارض مقدس اور فلسطین کے ساتھ ساتھ قبرص و فلپائن اور کشمیر بھی نگاہوں سے مستور نہیں رہنا چاہیئے۔ ساری دنیا کے کافر ملکوں میں مسلم اقلیتیں بشمار مسائل سے دوچار ہیں اور کہیں تو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا، اسلامی زعماء کو اس کا بھی حل تلاش کرنا ہوگا۔

اتحاد کا اصل سرشتہ | اتحاد اور باہمی ارتباط کے لئے ضروری ہے کہ مادی اور ظاہری تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ مشترکہ فوجی بائی کمان، باہمی تجارتی و معاشی تعلقات مشترکہ منڈی، اپنی ایک الگ مسلم جمعیۃ الاقوام، مسلم خبر رساں ایجنسیاں، غیر سودی بنیادوں پر اسلامی بینک کا قیام، یہ اور اس قسم کی ہزاروں چیزیں ہیں جو مسلمانوں کی ترقی و بقا اور سالمیت کے لئے نہایت ضروری ہیں اور اس پر اتحاد و ربط کی بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔ مگر مسلمانوں کے اتحاد کا اصل سرشتہ ان تمام مادی اور ظاہری باتوں سے بڑھ کر جن غیر محسوس اور روحانی چیزوں پر ہے وہ ہے ایمان کی یکجہتی اور اسلام کی راستبازی اور اس سے صحیح اور کامل شکل میں وابستگی یہ روح اور عقیدے کا رشتہ ہے جو ابدی اور لازوال ہے۔ ہمیں اگر صحیح معنوں میں کبھی چوڑا ہے یا جوڑ سکتا ہے تو وہ یہی رشتہ ایمان اسلام اور اتحاد قلب و نظر ہے جس کے مقابلہ میں پوری زمین اور اس کی ساری قوتیں کی حیثیت نہیں رکھتیں۔

اتحاد کے لئے مادی نہیں ربانی اسباب کی ضرورت | جو لوگ اتحاد و فکر و نظر کو مادی چشموں سے دیکھتے اور اسے جسمانی آرٹ و کلچر کے زادیوں سے ناپتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ غلطی پر ہیں۔ الفت و محبت اور اجتماع و ربط کے اسباب مسلمانوں کے اولین عہد سعادت میں بھی مادی نہیں ربانی اور خدائی تھے۔ حضور نبی کریم کو مخاطب کر کے فرمایا

گیا۔ وَالَّتِ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ اِيْمَانٌ و اسلام کو ذریعہ الفت بنا دیا۔ اور آگے صرف زمینی اور مادی قوتیں نہیں بلکہ تمام دما فی الارض کی حقارت بھی کسی طرح واضح کرا دی کہ لو ان الفت دما فی الارض جميعا ما الفت بين قلوبهم۔ مسلمان مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ لا الہ الا اللہ کہنے اور اسلام اور عقیدہ کے اتحاد کے بعد کسی دوسرے کلچرل اور ثقافتی معاہدے کا محتاج نہیں عقیدہ کا استحکام اس اتحاد کو غیر فانی دوام بخشتا ہے۔

اس لئے ایسے اجتماعات اور کانفرنسوں میں اس بنیادی ایمان کی تجدید اسلام کی تعمیل اور اس سے اپنی وابستگی کو غور و فکر کا بنیادی مسئلہ بنانا چاہیے۔

عالم اسلام کی فکری و نظری گہرائیوں کا محاسبہ نظریاتی بنیادوں کی تطہیر و استحکام اس کے لئے قرآن اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے اسلامی تعلیمات کو اپنی تعلیم و تربیت کی پالیسیوں کا محور بنانے پر غور کرنا چاہیے، نوجوان نسل دین سے دور ہوتی اور ان کے دل و دماغ پر اغیار کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسلامی معاشرہ ہر جگہ مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کی زد میں ہے۔ عقائد و نظریات کو ادا م و خرافات شک اور تذبذب کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اسلام کی نظریاتی سرحدات میں دخل اندازی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے کچھ لوگ نئی نیتوں کا علم اٹھا کر پورے عالم اسلام اور دنیا میں ملت مسلمہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے درپے ہیں اور وہ ملت کے اتحاد کے لئے ضرب کاری بنے ہوئے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کے معاش و اقتصاد کا رشتہ اسلام سے توڑنا چاہتا ہے تو کوئی اخلاق و انکار کا، کوئی سیاست کی گاڑی مدینہ طیبہ سے موڑ کر امریکہ اور روس کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے تو کوئی اسلام کا نظام عدل یورپ کی لعنتی جمہوریت کے خراہ پر چڑھا رہا ہے۔

یہ اور اس طرح وہ تمام باتیں جو امت مسلمہ، ابراہیمی ملت کے رشتہ اتحاد "ملت" کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ اسلامی سربراہوں کے غور و فکر کا مرکز نہ بن سکیں تو نہ مسائل ختم ہو سکیں گے نہ بیماری کا علاج ہو سکے گا۔ عالم اسلام کو جلد با بدیر محض اعزاز و اکرام کے طور پر سہی کسی مرکزی شخصیت اور مرکزی لیڈر کے بارہ میں بھی سوچنا پڑے گا۔ جو خلیفہ اور خلافت ختم ہونے سے بیدار ہونے والی خلافت کی کچھ تو تلافی کر سکے اور مسلمانوں کی مرکزیت کا ذریعہ بن سکے۔

عربی زبان کی اشاعت و فروغ اور اسے باہمی اتحاد کا ایک بنیادی ذریعہ قرار دینا بھی وقت کے اہم تقاضوں میں شامل ہے۔ یہ اور اس طرح کی بے شمار چیزیں عالم اسلام کے لئے ایسے باہمی اتحاد کا ذریعہ بن سکتی ہیں جو پائدار، مستحکم اور غیر فانی و لازوال ہو۔

ہماری دعا ہے کہ لاہور کی بین الاقوامی کانفرنس اعلیٰ سے اعلیٰ اور زیادہ سے زیادہ مثبت نتائج کا ذریعہ ثابت ہو اور نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام اس کی برکات سے مالا مال ہو اور خدا سے دشمنوں اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھ کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر دے۔ آمین۔ و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔ (فروری۔ مارچ ۱۹۷۷ء)

علاقائی اور لسانی عفریت

حیدرآباد پر کیا گزری۔ مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں یہ آبرو ہوئے، جل گئے اور لٹ گئے اس سے پہلے ڈھاکہ میں ملکی اور غیر ملکی کے نام پر یہی کچھ ہوا۔ اُن فی ذلک لذكری لمن کان له قلب اذ الحق السمع دھو شہید۔ پاکستان جس نام پر بنا تھا۔ اس کے لئے مہاجرین نے گھر بار اور عزت و عصمت ٹٹائی اور انصار نے سب کچھ نثار کر دیا مگر ۲۲ سال ہیں وہ پھیر سامنے تو کیا آتی پس پڑوہ ڈال دی گئی۔ نتیجتاً وہی ہوا کہ پاکستان خاکم بدہن ریت کا تودہ ثابت ہونے لگا۔ اگر دعوے اور عمل میں تضاد نہ ہوتا اور قول میں سچائی ہوتی تو پاکستان اور اسلام کا ایک عظیم قلعہ ثابت ہوتا۔ اصلہا ثابت و قدرہا فی السماء مگر اب تو اس کی عمارت علی شفا جرف ہا۔ (کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر) دکھائی دیتی ہے کروڑوں مسلمانوں نے ملک و وطن کو خیر باد کہا۔ ادھر کی ہجرت کی اب بنگال انہیں ٹکٹے نہیں دیتا۔ سندھ انہیں مار رہا ہے، سرحد پر بچتوں کا دعوے ہے۔ پنجاب پہلے سے گنجان ہے تو بلوائے پاکستان پر لٹ مرنے والوں کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ کچھ اب تک اس کی پاداش میں حیدرآباد اور گجرات میں جل رہے ہیں اور جوادھراتے اب علاقائی قومی اور لسانی عفریت کی نذر ہو رہے ہیں

اتحاد کا ارضی | قرآن نے تو اتحاد دینا نکتہ کا ایک ہی نسخہ تجویز کیا تھا کہ وہ ہیں اسلام
 نہیں سمائی نسخہ | اردوین کے علاوہ، مگر وہ رسی تو اپنے ہاتھوں سے کٹتی چلی گئی۔ اب روئے
 زمین کی کوئی طاقت، کوئی مادی سہارا، کوئی خوشنما اقتصادی پروگرام اور کوئی دلکش علاقائی اور
 قومی نعرہ اس کی شیرازہ بندی نہیں کر سکتا۔ قرآن نے اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے اس
 حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ *لوانفقت ما فی الدنیا جمیعاً لما آتت بئس قلوبہم*
 کہ اگر تو دنیا کا ہر مادی فریضہ، منصوبہ اور نعرہ کام میں لگا دیتا، تب بھی انہیں بکجا نہ کر سکتا۔ یہ
 تو صرف اللہ نے انہیں (دین اور اسلام) کی رسی سے باہم جکڑ دیا ہے۔ اب جب رسول
 کے بس کی بات نہ تھی کہ دنیا اور اس کے سارے وسائل لے کر بھی اپنی امت کو بکجا کر دیتے
 ہیں جب تک اس کا ذریعہ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو نہ بناتے تو موجودہ دور کے
 علاقائی، اقتصادی اور سیاسی نعرہ بازیوں کا نتیجہ موجودہ ہولناک مثالوں کے سوا اور کیا ظاہر ہو سکتا ہے
 (بھڑی بخش)

مسلمان اپنی مردم شماری میں اوروں کے دستِ نگر

اخبارات میں مسلمانوں کی کل تعداد کے بارے میں پھر بے سرو پا قسم کی خبریں آئی ہیں جن میں
 مسلمانوں کی تعداد کو دنیا کی کل آبادی تین ارب اکتیس کروڑ نوے لاکھ میں سے صرف پچاس کروڑ
 پچوڑ اسی لاکھ چھ ہزار بتلا کر اسے چھٹے نمبر پر دکھایا گیا ہے جبکہ عیسائیوں کی مرکزی ویٹی کن سے
 شائع شدہ ان اعداد و شمار میں عیسائیوں کی تعداد سب سے زیادہ بتلائی گئی۔ یورپی اقوام کے علمی
 اور تحقیقی کام بھی سیاست اور خود غرضی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں
 کی یہ تعداد اصل تعداد سے بہت کم دکھائی گئی ہے۔ جس سے مقصود مسلمانوں کو عددی لحاظ سے
 مغلوب اور احساسِ قوتِ برتری سے محروم کرنا ہے۔ تاکہ یورپ کی برتری اور حقوق کا غلط تصور
 اس کے استعمار و استحصال کی راہ کھولے رکھے۔ کچھ عرصہ قبل ایک مسلمان رہنما امیر شکیب اسلام مرحوم
 نے اپنے حد تک تحقیق کر کے اس عیاری کی قلعی کھولی تھی۔ اور ثابت کیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد
 تقریباً ایک ارب ہے، پھر شائع ہو۔ جدالی خبریں خود بھی متضاد ہوتی ہیں، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

تاشقند کانفرس بحیرہ جنوبی منفقہ ہوئی اور دو ہمسایہ ملکوں کے تعلقات اور امن و سکون کی بحالی کے اعلان پر ختم ہوئی۔ امن و سلامتی اور باہمی صلح وغیرہ سگالی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ پھر مسلمان جس کے دین و کلچر کی بنیادیں ہی امن و سلامتی پر استوار کی گئی ہیں جس کا مذہب امن و سلام کا علمبردار اور ظلم و فساد، تباہی و بربادی کی ظلمات میں سرگرداں انسان کے لئے ابدی سکون و چین پیغامبرین کر آیا۔ تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی کا طغرائے امتیاز ہے کہ اس کے مذہب کا نام اسلام و ایمان (سلامتی اور امن) رکھا گیا اور اس کے پیرو کو مسلم اور مؤمن (سلامتی اور امن دینے والا) کے پیارے ناموں سے پکارا گیا۔ مگر وہ نہ صرف بے چین انسانیت کو اس کی فانی زندگی میں صلح و آشتی کے پرسکون لمحات سے نوازتا ہے بلکہ حقیقی اور غیر فانی زندگی کی دائمی مسرت و شادمانی کا بھی ضامن ہے۔ مسلمانوں کو بدترین دشمن کے بارے میں بھی تعلیم دی گئی ہے کہ

فَاِنْ جَاءَکُمُ السَّلَامُ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَاعْرِضْ عَنْ مَا هُوَ غَرَضٌ
ہو جا اور اللہ پر بھروسہ کئے رکھ تو ظاہر ہے کہ اسلامیات پاکستان کو اس اعلان سے کتنی خوشی ہوگی۔ اور امن و سلامتی عزیز رکھنے کے لئے اس قوم کے جوش اور ولولوں کا کیا عالم ہوگا۔

صلح و امن کا موقعہ محصل مگر امن و سلامتی سے محبت کے باوجود اسلام و ایمان کا علمبردار ایک مومن و مسلم امن و سلامتی، تحمل و رواداری کا پرچم نبی لہراتا ہے۔ کہ اس کے غضب کئے گئے

حقوق واپس کر دیئے جائیں۔ اور اس کے پیدائشی بنیادی حقوق سے نہ کھیدا جائے اور جب تک دنیا کے کسی کو نے میں اس کے عظیم مسلم خاندان کے کسی حقہ کو امن و سلامتی کی نعمت سے محروم کر کے استبداد و غلامی میں جکڑا جائے گا۔ تو ایک مسلمان اللہ کی تلوار بن کر اس

تک پیام میں نہ ہوگا۔ جب تک ملتِ مسلمہ اپنے مجبور و بے کس بھائیوں کو ان کا بیدارشی حق امن و سلامتی، آزادی و حق خود ارادگی نہ دلا دے۔ اس کی نگاہ میں قومی عزت و خودداری اور ملی وقار سب سے مقدم چیز ہے

باب

پاکستان کا سیاسی و آئینی بحران

اسلام کی ایک تجربہ گاہ کفرانِ نعمت کی زد میں

وطنِ عزیزِ مملکتِ اسلامیہ پاکستان آج جن حالات سے دوچار ہے اس کی سنگین نزاکتوں کو سوچتے سوچتے قویٰ ماؤف اور حواس بجا طور پر معطل ہو جاتے ہیں، پاکستان اسلام کے نام پر تمام مادی، وطنی، علاقائی اور جغرافیائی جذبات اور احساسات کو قربان کرنے کی سب سے بڑی مثال تھی اور گزشتہ کئی صدیوں میں اسلام کے نام پر اس کے نام یواؤں کی مالِ جان اور عزت و آبرو کی سب سے بڑی قربانی، ذرا سوچئے تو پچھلے دو سو برس سے ہمارے اسلاف نے غلامی کا بھڑا اتار پھینکنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ یہ آزادی ان لامثال قربانیوں کا صلہ تھی جس کی صبح کے انتظار میں ان گنت ستاروں کا خون ہو چکا تھا۔ مگر اتنی عظیم نعمت کا ہم نے کیا شکریہ ادا کیا؟ ہم نے قدرت کی دی ہوئی اس عظیم نشانِ نعمت کی ہر طرح اور بڑی بے دردی سے ناقدری کی، اخلاق، سیاست، معاشرت، تمدن، معاشیات اور تعلیم و تہذیب وہ کون سا میدان تھا جس پر ہماری شکرگزاری کی پر پھپھائی تک پڑ چکی ہو۔

آزادی کے بعد غلامی | ہم نے آزاد ہوتے ہی منزلِ مقصود سے منہ پھیر لیا اور نتیجہ میں *ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيلہ* کے چور ہے تک پہنچ گئے۔ ہم نے غلامی سے نجات پا کر خدائے حی و قیوم کے بتلائے ہوئے راستوں کو چھوڑا اور بنی اسرائیل کی طرح *اجعل لنا آلہا کما لہم آلہہ* کا نعرہ لگایا اور اپنی آس امریکہ برطانیہ، روس، چین سے لگا بیٹھے۔ اسلامی نظریہ چھوڑ کر باقی ہر لحاظ سے جس ملک کا خمیر اور تانا بانا افراق اور انتشار کی بنیادوں پر اٹھایا گیا تھا، اسے ہم ایمانی رشتوں اور اسلامی بندشوں سے ہی ایک سبسہ پلائی ہوئی دیوار بنا سکتے تھے مگر ہم نے اس ایمانی زنجیر پر کتنی کاری ضربیں لگائیں اور بالآخر یہ ظلم اور ناقدری

فلسفہ عروج و زوال اقوام کے عین مطابق اویلبسکم شیعاً اویذیق بعضکم یا س بعض کی شکل میں سامنے آگئی ۵

گندم از گندم برآید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت — اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ
خداوند کریم کا اعلان ہے کہ شکمہ گزاری مزید انعامات کا سبب بنتی ہے۔ لئن
شخص تم لا زید تکد —

مگر آہ! حرمان نصیبی کہ جو سرزمین اسلام کے لئے ایک تجربہ گاہ — ممل —
اور اقوام عالم کے لئے اس مادیت زدہ دور میں ایک مثالی عادلانہ ریاست بن سکتی تھی
وہ ہماری مقصد فراموشیوں کی وجہ سے آج تماشا گاہِ عبرت بن گئی ہے۔ اور ناشکری کا
وبال سامنے نظر آنے لگا ہے۔ ولئن كفرتم ان عذابی لشدید۔

قرآنی فلسفہ عروج و زوال | لوگ ان حالات کے اسباب اور محرکات ظواہر

میں ڈھونڈتے ہیں، مگر مسلمان کی نگاہ ظاہر سے زیادہ باطن پر رہنی چاہیے —
مسلمان قوم اگر کھوج لگانا چاہے تو قرآن کریم کا فلسفہ عروج و زوال ایک کھلی ہوئی اور
بولتی ہوئی حقیقت اس کے سامنے رکھ دیتی ہے — آزادی کے بعد کیا
فرد اور کیا معاشرہ، کیا رعایا اور کیا حاکم، کیا قوم اور کیا لیڈر، سب کا ضمیر
احساسِ امانت سے عاری ہو گیا اور جس کی زیادہ تر ذمہ داری حکمران طبقے پر ہے
گی۔ الناس علی دین ملوکہم۔

نااہل قیادت | صحیح قیادت جو کبھی مسلمانوں کو میسر تھی وہ مفقود ہو گئی اور

اور دیانت دار قیادت کی جگہ جذباتیت اور بددیانتی نے لے لی۔ پُر فریب نعروں
سے اقتدار کی ہوس رکھنے والوں اور عوام کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والوں
نے خالی میدان پر شجھون مار کر اپنی لیڈری کی دوکان آراستہ کر لی اور قوم کو
اس گھاٹ تک پہنچایا فَاود دھم النار و بسب الردُّ | لَمُؤَدِّدِ قَوْمِ
نے انتخابات میں دونوں حصوں میں جو فیصلہ کیا وہ ایسی قیادت کا ایک ہولناک اور

غیر بیعی رد عمل تھا۔

قیام پاکستان اور بزرگوں کے اندیشے | ہمارے علمی، اخلاقی اور فکری
انکسار امانت، دیانت تدبیر، اخلاص اور عمل سے عاری گھناؤنی تصویر کو دیکھ دیکھ کر
کچھ اللہ والوں نے ایمانی فراست سے موجودہ نقشہ قائم کرنے کی اگر مخالفت کی تھی
تو وہ ایک اسلامی سیاست کی تشکیل کی ہرگز مخالفت نہ تھی۔ بلکہ شاید ان کی عقابانی
نگاہیں ایمان کی روشنی میں ہمارے موجودہ کردار اور اطوار کو بجانب گئی تھیں۔ پھر ان
کے جو اندیشے اور خدشے تھے کیا ایک کفلق الصبح الصادق نہیں ہوئے؟
آج مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ جی ایم صادق کو یہ کہنے کی جرأت ہو رہی ہے کہ
”دوقومی نظریہ ایک فریب تھا۔“ اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں اب جو واقعات
پیش آرہے ہیں وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہم نے بھارت سے اپنی
قسمت وابستہ کر کے انتہائی صحیح فیصلہ کیا تھا۔ کاش! ہمارے پاس عمل کی
دنیا میں آج ایک ایسی قوت ہوتی کہ اتنا تلخ طمانچہ لگانے پر اس کے ہاتھ کاٹ سکتے۔
ہم اس کی زبان نوچ کر دنیا کو سمجھاتے کہ دیکھئے دوقومی نظریہ ایک زندہ جاوید حقیقت
ہے۔ اور ایسی حقیقت کو جھٹلانے والے کتنے عیار ہیں۔ مگر آہ! ہم جواب دیں تو
کیا۔ اور ان حالات تک پہنچانے میں خراج تحسین پیش کریں تو کس کو۔ صحیح
جواب تو تاریخ دے سکے گی کہ دوقومی نظریہ ایک فریب تھا یا حقیقت۔
پاکستان کی حرمت | مگر اب پاکستان بن چکا ہے تو ہم اسے ایک زندہ
جاوید حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے کعبہ و قبلہ کی طرح محترم ہے،
ہم اس کی کسی ایک اینٹ کو بھی اپنی جگہ سے الگ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ برصغیر
کے کروڑوں مسلمانوں کی امیدوں کا آخری سہارا ہے، مسلمانوں کے خون اور

ہڈیوں سے تعمیر کی گئی یہ مسجد مقدس کب تخریب اور بربادی کی روادار بن سکتی ہے ہم مسلمان ہیں، اور ہم پاکستانی ہیں، جو لوگ اس نعمتِ خداوندی کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں خواہ ان کا تعلق مغرب سے ہو یا مشرق سے وہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے قاتل بننا چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کے ہیں اور پاکستان ہمارا۔ اس کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنی ہر متاعِ قربان کرنا ہمارا مذہب اور ہمارا دین ہے۔

سالمیت اور بقا کا راستہ | اور یہ صرف اس لئے کہ یہ کروڑوں مسلمانوں کی پناہ گاہ اور اسلام کی حاکمیت کے نام پر حاصل کی گئی سرزمین ہے اور جب تک یہاں اللہ کی حکمرانی قائم نہیں ہوگی پوری قوم کا اجتماعی ضمیر مردہ رہے گا۔ دنیا کی قومیں ہماری مقصد فراموشی کا مذاق اڑاتی رہیں گی۔ ہم اللہ کے ہاں اپنی مسؤلیت سے عہدہ برا نہیں ہوں گے۔ ہماری مصیبتیں عافیت اور راحت سے نہیں بدلیں گی۔ اگر ہمیں لوٹنے کا تہمت ہے تو ترقی اور افتراق سے اتحاد کی طرف تو اللہ کی اسی رسی کو مضبوطی سے تھام کر ہی اپنی شیرازہ بندی کر سکتے ہیں جسے ختم کر ہم نے پاکستان کو پایا۔ آج اگر اسے بچانا ہے تو اسی سبق کی طرف لوٹ جاؤ۔ پناہ صرف اللہ کے دامن میں مل سکتی ہے۔ آج ہماری حالت علی شفا حضرت مہدی عجلتہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کاش! یہ حالات ہمارے لئے سبق بن سکیں۔ خاتم بدہن اگر ہم نہ بچیں اور ہمارا بھائی شہزادہ بکھر گیا تو پاکستان کی تباہی برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تاریخ کی سب سے بڑھ کر تباہی ثابت ہوگی۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال، مسجدِ اقصیٰ کے سقوط اور فتنہ ستاروں کو سب سے بڑھ کر۔ الیہ۔ اس لئے کہ بظاہر اس کے بعد برصغیر کے تقریباً پینس کروڑ مسلمانوں کو کہیں بھی پناہ گاہ نہ مل سکے گی اور اسلامی دنیا کے نقشہ پر کسی اور اسپین اور روسی ترکستان کے دھندے اور مٹے ہوئے نقوش ابھر آئیں گے۔ لا فعلہا اللہ، ھذا لک۔ اِنَّ اللہَ لَا یَغۡیۡرُ مَا یَقۡوۡمُ حَتّٰی یَغۡیۡرَہَا اِنَّا لَنَفَعُہُم۔ آج پھر قرآن کریم ہم سب کو مشرق اور مغرب کے ہر باشندے کو بابتائیل

کہہ رہا ہے وما اصابکم من مصیبةٍ فَمَا کَسِیتَ اَیْدِیْکُمْ وَاَعْفُوا عَن
 عَثَیْرِ۔ یہ چند بے ربط اور ناتمام درد انگیز نالے ہیں جو آج کی فرصت میں
 پیش قارئین کئے گئے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل و ترسیدم
 کہ تو آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا بِمَا فَعَلْنَا الْمُتَرَفُونَ وَالسَّفَهَاءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا قِتْنَتَاکَ۔
 رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنْ هَٰذَا

الکرب العظیم - دایرہ ۱۹۷۱ء

نقضِ ثبات

جس ارفع و اعلیٰ مقصد کے لئے ہم نے اللہ سے ایک الگ خط مانگا تھا اور جس کے
 لئے اپنے لاکھوں مسلمان بھائیوں کو شہید کرایا۔ ہزاروں عصمتیں لٹوائیں، کروڑوں گھرا جاڑے
 اور تقریباً سات کروڑ مسلمانوں کو ظالم اور سفاک ہندو کے رحم و کرم پر زندہ و زکوٰۃ چھوڑ کر
 پاکستان چلے آئے اور جس کی پاداش میں اب بھی بھارت کی گلیوں کو چوں میں بہنے والا
 خونِ مسلم پانی سے زیادہ فراوان و ارزاں ہے وہ مقصد کوئی جغرافیائی یا وطنی اور معاشی
 ہرگز ہرگز نہ تھا۔ جو لوگ ایسا کہہ رہے ہیں وہ الجڑنے اور لٹنے والے ان عاشقانِ پاکِ طینت
 کے ارواحِ طیبہ کا منہ پڑا رہے ہیں جنہوں نے پاکستان کے مطلب و معنی لا الہ الا اللہ کی خاطر
 اپنا سب کچھ لٹایا۔ اپنی معصوم اولاد تک کو تہ تیغ ہوتے دیکھا۔ بہنوں، بیٹیوں، ماؤں کی
 عصمتوں کے آبلینے ان کے سامنے چور چور ہوتے رہے۔ مگر ان کے پاٹے ثبات
 میں لغزش نہ آئی بلکہ جوش اور دلولے اور تیز ہوتے گئے۔ اس لئے کہ ان کا منزل اور مقصد
 ایک ایسی مملکت کا حصول تھا جہاں حاکمیت صرف خدا اور اس کے رسول کی ہوگی۔ وہاں کی
 معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن اور حاکمیت و سیاست شریعتِ محمدیہ کی ترجمان ہو
 گی وہاں ظلم و استبداد اور استحصاں کا نہیں بلکہ عدالتِ فاردی، سیاستِ صدیقی، استغنا، عثمانی،

اور بد و قناعت مرقوم کا دور دورہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ سرزمین دے دی، جو مقصد نہیں بلکہ حصول مقصد کا وسیلہ تھا۔ مگر ہم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس عظیم ترین نعمت آزادی کو جس بے دردی سے پائمال کرتے ہوئے جس ناشکری کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر فرعون کے ظلم و ستم سے نجات پانے والے اسرائیلیوں کے علاوہ اقوام عالم میں کہیں اور نہیں مل سکے گی۔ انہوں نے گویا سالہ پرستی کی، ہم نے نفس اور خواہشات میں مغلوب ہو کر ان گویا سالہ پرستوں کی ملعون تہذیب و تمدن (تہذیب مغرب) کو اپنا معبود و مقصود بنا لیا۔ اور اس راہ میں تہذیب اسلامی اور اخلاق ایمانی کی ہر رکاوٹ کو سنگ گراں سمجھ کر راستہ سے ہٹانے کی سعی کی، شعائر اللہ کی توہین، اسلامی اقدار سے فرار، منکرات کی تردید، معروفات پر پابندی، اسلام کے نظام عدل و انصاف سے گریز، غرض وہ کون سی بات ہے جو ۲۳ سال کے اس طویل عرصہ میں ہمارے سیاست دانوں اور پیراقتدار ٹولوں کا مشغلہ شب و روز نہیں بنی۔

اتنا طویل عرصہ بہت بڑی مہلت ہے جو خداوند کریم نے اس خود فراموش اور خدا فراموش قوم کو دیا۔ اتنے ہی عرصہ میں اس قوم کے آقا اور مولیٰ نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری دنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ جاہلیت کے اندھیرے عدل کی روشنی میں بدل گئے تھے اور انانیت کو قعر مذلت سے اٹھا کر اوج کمال تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اتنے ہی عرصہ میں انانیت کو خداوند کریم نے کتاب و سنت کی شکل میں شریعت بیضاء کی ایک ایسی دولت دی جو قیامت تک اس کی ہر مصیبت کا مداوا ہر پریشانی کا حل اور ہر مشکل کا جواب بن سکتی ہے۔ یہ نسخہ کیمیا بحیثیت مسلمان اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہونے کے ہمیں بنا بنایا مل گیا۔ ہم چاہتے تو ایک ہی سال میں اس کی روشنی سے اپنے نوزائیدہ حکومت کو اقوام عالم میں ایک بلند ترین مثالی اور معیار ہی نمونہ کے طور پر پیش کر سکتے تھے۔ آج وہ نہ صرف بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے لئے ایک خدائی حصار ثابت ہوتا بلکہ عالم اسلام کے کسی بھی گوشہ

میں ظلم و عدوان کے شکار مسلمان بھائی اسے ظالم اور انسانیت دشمن طاقتوں کے لئے ایک چیلنج سمجھتے۔ وہ نہ صرف یہود کی للکار کا جواب اور قبرص کی مصیبتوں کا علاج ہوتا۔ بلکہ پوری ایشیا کی انسانیت اس کے سہارے سکھ اور چین کا سانس لے سکتی۔ کیا شریعت محمدیہ کے اسی الہامی نسخہ نے اپنی یہ سچائی تاریخ کے مختلف ادوار میں نہیں دکھائی؟

مگر ہم نے کیا کیا؟ ہر دغا باز ظالم اور منافق کے سنہری دعوؤں پر لبیک کہتے رہے اور اسے اقتدار اور آئین کے یام پر بٹھا کر اپنی ذلت اور خود فریبیوں کا تماشا دنیا کو دکھاتے رہے، ہم نے ظالم کو ظلم کا موقع دیا اور اپنے ہاتھوں شریعت محمدیہ آئین اسلامی کے اجراء اور نفاذ کی امیدوں کا ایک ایک چراغ بجھانا چاہا۔ مگر ہمیں اس کی سزا بہت کچھ مل چکی ہے اور قدرت نے ہماری بے سروسامانی پر رحم کھا کر ہمیں بہت بڑی مہلت دی ہے۔ — (اگست سنہ ۱۹۷۰ء)

۱۹۷۰ء کے انتخابات یا نہر طالت

بھلا اللہ ملک میں پہلی دفعہ آزادانہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات مکمل ہوئے۔ اور قومی و صوبائی اسمبلیاں تشکیل پذیر ہوئیں۔ قوم نے جیسے سمجھا اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ انصاف کی حدود کو قائم رکھنے میں موجودہ حکومت کافی حد تک کامیاب رہی، اور اس طرح اس نے پاکستان کی تاریخ میں ایک اچھا نمونہ قائم کر دیا۔

انتخابات اور قوم کے جذباتی عجلانہ فیصلے | قوم کی اکثریت نے جو فیصلہ دیا ہے اس کی بھلائی یا برائی بھی جلد سامنے آجائے گی۔ اس فیصلہ کے محرکات اور اسباب نہایت گہرے اور عمیق تھے، مگر جو راستہ اختیار کیا گیا اس میں شک نہیں کہ قوم کی اکثریت نے اس سلسلہ میں جذباتی پن اور سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے، پریشانی، تذبذب، فکر، انتشار اور مشکلات کے جس چوراسے پر ہم کھڑے تھے خود غرض سیاست دانوں نے

اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور ایک سنہری زندگی کے لشہ میں مخمور کر کے جس طرف چاہا مسلمانوں کو دھکیل دیا۔ حالات اور محرکات ہر لحاظ سے اصلاح طلب تھے، مگر بیماری کا علاج جس نسخہ میں ڈھونڈا گیا ہے اس کی ہلاکت آفرینی بھی جلد آشکارا ہو جائے گی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اس طرح پورے معاشرے پر ایک بھرپور تازیانہ لگایا ہے۔ اور ظاہری سیلاب کے جس فو کی لپیٹ میں مشرقی پاکستان چند دن قبل آچکا تھا انتخابات کی شکل میں ایک روحانی اور فکری سیلاب آیا اور غور و تدبیر اصابت رائے، سنجیدگی اور متانت کے تمام آثار کو بہا کر لے گیا۔ مگر یہ فیصلہ جتنا جذباتی اور عاجلانہ ہے اتنا پریشان کن نہیں کہ حالات سدھرنے سے مایوسی اختیار کی جائے سطحی فیصلے اور جذباتی نعرے بہت جلد اپنی اصلی شکل میں آجا کر، موکر تدارک اور تلافی کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہاں کی اکثریت ہر حال میں اپنی نجات اور کامیابی کا راستہ وہی سمجھ رہی ہے جسے چودہ سو سال قبل نبی امی علیہ السلام نے روشن فرمایا ہے۔

منافقانہ کردار اور قیادت | یہ شکست اس عقیدہ اور نظریہ کی نہیں ہے، جس پر مسلمانوں کے دین اور ملت کی عمارت اٹھائی گئی ہے اور اگر فتح ہے تو اس اختلاف و انتشار کی جسے قوم کے رہنماؤں نے اپنا شیوہ بنائے رکھا، ان کھوکھلے نعروں کا جو عمل سے ہم آہنگ نہ تھے۔ ان منافقانہ دعوؤں کی ہے جس سے کردار جوڑ نہیں کھا رہا تھا، جن لوگوں نے ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں اسلام اور مسلمانوں کو مشقِ ستم بنا بنا کر اس موڑ تک پہنچا دیا تھا، ان کے منہ سے اسلام اور نظریہ پاکستان کے نعرے نہیں بچتے تھے۔ قوم نے اگر انتقام لیا ہے تو ایسی منافقانہ قیادت سے، اور بغاوت کی ہے تو ایسے پیشہ ور سیاست دانوں اور آزمائے ہوئے قائدین سے۔ بے شک قوم کے سامنے اسلام اور یقین کی روشنی بھی رکھی گئی، مگر دوسری طرف ایسے نعرے

نہتے جو نہایت جاذب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے ملتے چڑھانے کی وجہ سے دو آتشہ تاثیر رکھتے تھے حقیقت ایک بار پھر نگاہوں سے چھپ گئی اور قوم ظلم و عدوان کے ایک اندھیرے سے نکل کر نئی تاریکی میں ڈوب گئی۔ تاریکی کے یہ بادل چھٹ سکتے ہیں اور مسلمان بڑی آسانی سے اپنی لیلائے مقصود اسلامی نظام حیات سے ہمکنار ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ اسلامی درد رکھنے والے طبقے اور ملک و ملت کے خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے لیڈر اب بھی کچھ سبق سیکھ لیں اور جن اسباب نے ناکامی کا منہ دکھایا ہے اس کی اصلاح اور تلافی کے لئے اپنی ساری قوتیں مجتمع کر لی جائیں اگر وہ اتحاد و یگانگت، خلوص و ملہیت، ایمان و یقین اور عمل و اخلاص کا ہتھیار لے کر ایک بار پھر میدان میں کود پڑے تو دیکھیں گے کہ پوری ملت ان کی دعوت پر لبیک کہہ رہی ہے۔

انتخابات ۱۹۷۷ء یا نہر طالت اس انتخاب کی حیثیت ایمان و یقین کے لئے ایک نازک ترین آزمائش کی تھی، بہت سے لوگ اور جماعتیں اس سے سرخرو ہو کر نکلیں اور کافی لوگ اس نہر طالت میں ڈگمگا کر پھسل گئے۔

علماء حق کی مخلصانہ کوششیں ہمیں خوشی ہے کہ علماء کرام کی ایک عظیم نمائندہ جماعت اور طائفہ حق جمعیتہ العلماء اسلام اس امتحان میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر مردانہ وار میدان میں کود پڑی اور دعوت حق، اعلاء کلمۃ اللہ اور تواضع بالصبر والحق کا حق ادا کر دیا۔ الیکشن کے مختصر عرصہ میں جمعیتہ العلماء اسلام کے رضا کاروں اور اس سے وابستہ لاکھوں مسلمانوں نے جس بے جگر می، پامردی اور استقامت کے ساتھ دین کی آواز اور اسلامی آئین کی قدر و قیمت و اہمیت ملک کے دور دراز علاقوں تک پہنچائی اس کا عشرِ عشر بھی پاکستان کی طویل زندگی میں نہیں ہو سکا سخت آزمائشوں، مقابلوں اور اپنوں پر اپوں کی ستم کاریوں کا خندہ پیشانی اور صبر و حوصلہ سے سامنا کر کے اپنے مشن کو عوام تک پہنچایا اور اس طرح دنیا و آخرت میں فرض کی ادائیگی اور اللہ کی بارگاہ میں سرخروئی کا سامان کر کے اپنے اکابر کی نیابت کا حق ادا کیا گیا۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

ويفعل الله ما يشاء مگر جس دین کے یہ لوگ متاوتھے اس کے ہادی و رہبر نے نہیں
 سبق سکھایا ہے کہ علماء کلمۃ اللہ کی راہ میں کوئی عمل، کوئی قول اور کوئی محنت ضائع اور
 رائیگاں نہیں جاتی۔ اور الحمد للہ کہ ظاہر لحاظ سے بھی آج جمیعت کے اکابر ناکام نہیں ہیں۔
 بلکہ اسلام کا جھنڈا بلند رکھنے کے لئے بہت سے ممتاز اور اکابر علماء ایوان افتدار
 میں پہنچ کر لا الہ الا اللہ کی اذان کے لئے کمر بستہ ہیں، سارے مسلمانوں کی نگاہیں
 ان پر لگی ہیں اور اس بندھ گئی ہے۔

۱۹۷۱ء کا معرکہ حق و باطل اور ہمارے اکابر [قانون ساز اسمبلی کی اہمیت اور
 حالات کی نزاکت کو دیکھ کر بہت سے ایسے اکابر علماء بھی اس خازنار میدان میں کود
 پڑے جو بظاہر درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، اصلاح و ارشاد کے مشاغل میں سخت
 مصروف اور اس میدان سے کوسوں دور تھے مگر وقت کی آواز تھی کہ جس فریضہ کی ادائیگی
 مسجد و محراب مدرسہ و خانقاہ کے گوشہ عافیت میں ہو رہی ہے۔ اب اس کی ادائیگی
 کے لئے حق و باطل کی رزم گاہ میں بھی کودنا چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ دارالعلوم حقانیہ کے
 مہتمم و شیخ الحدیث، ماہنامہ الحق کے سرپرست حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ
 بھی دیگر اچلہ اکابر کی طرح ضعف اور گونا گوں علمی و دینی مشاغل کے باوجود اکابر کے
 اصرار اور مسلمانوں کے پیہم تقاضوں اور دینی مسئولیت کی بناء پر مجبوراً آئیں ساز
 اسمبلی کے لئے انتخاب میں شامل ہونے پر آمادہ ہوئے۔ حالات جیسے بھی پیش
 آئے اور مقابلہ بیک وقت کئی محاذوں پر جتنا بھی شدید ہوا، مگر اسباب و وسائل کی کمی
 کے باوجود خداوند قدوس نے اپنے دین کی لاج رکھ لی۔ اور محمد اللہ عزوجل حضرت شیخ الحدیث
 صاحب مدظلہ عظیم اکثریت سے کامیاب ہوئے، اس سلسلہ میں مقابلہ جتنا نازک تر ہوتا جا رہا
 تھا حلقہ انتخاب کے غیور مسلمانوں کی اکثریت کا جذبہ ہومانہ، اخلاص و محبت اور ہر قسم
 مادی تعلقات کی قربانی اور ایثار بھی اتنا ہی بڑھتا جا رہا تھا جو یقیناً بارگاہ ایزدی سے
 صد ہزار تبریک و تحسین کا مستحق بنے گا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا محض اللہ کی رضا کے
 لئے اور نہ صرف اسی حلقہ میں بلکہ شمال مغربی سرحدی علاقہ کے اکثر غیور اور دیندار مسلمانوں

نے اسی جذبہ سے ہر تحریک ہر نظریہ اور ہر دلفریب نعرہ کو ٹھکرایا اور علمائے حق کی آواز پر لبیک کہہ کر پورے پاکستان کے مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔

نازک اور محتاط ذمہ داریاں | الحمد للہ کہ جمعیتہ العلماء اسلام کے ان بزرگوں کو خلا نے ایوان اقتدار میں اسلامی آئین کے لئے جدوجہد اور حق کی آواز بلند رکھنے کا ایک زریں موقع عطا فرمایا ہے۔ مگر جس صورت میں قانون ساز اسمبلی تشکیل پذیر ہو گئی ہے اسکے بچتے ہوئے معاملہ نہایت نازک دکھائی دیتا ہے۔ اور ان حضرات کو نہایت حزم و احتیاط، تدبیر اور مؤمنانہ فراست سے قدم اٹھانا اور آئین کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں اور ان کی متحد جماعتوں اور نمائندوں کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ عظیم تر مفاد اسلامی آئین کی خاطر فروعی اور جزوی یا وقتی اختلاف سے بھی درگزر کرنا پڑے گا۔ اسمبلی سے باہر مختلف مکاتب فکر کے علماء اور جماعتوں کو بھی بلا کسی تعصب و تحزب کے ان حضرات کی پشت پناہی کرنا ہو گی۔

توقع ہے کہ جمعیتہ العلماء اسلام کے اکابر، علماء کرام اور دیگر اسلامی جماعتوں کے نمائندوں سے مشورہ کے بعد اسلامی آئین کا جو مسودہ اسمبلی میں پیش کریں گے اسمبلی میں غالب اکثریت حاصل کرنے والی جماعتیں بھی اس مسودہ کی بھرپور حمایت کریں گی۔ ورنہ ان کی اسلامیت اور اسلامی نعروں کی قلعی عوام پر کھل جائے گی۔ اور اگر کوئی ایسا آئین و دستور قوم کے سامنے رکھا گیا جسے اسمبلی میں پہنچنے والے ملک کے ان مقہر جتید اور ممتاز علماء کی تائید حاصل نہ ہو سکی ہو تو مسلمانوں کی اکثریت اسے ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہ کر سکے گی۔ ہم ان تمام اکابر علماء کے اس عظیم ذمہ داری کو نباہنے کے لئے دست بدعا ہیں، اور ملک کے لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ مبارکباد میں شریک ہیں اور بارگاہ ایزدی سے توقع ہیں کہ اسمبلی کی بہت بڑی اکثریت میں اہل حق کی اس مختصر جماعت کو سارے ایوان پر بھاری بنا کر اپنے ارشاد کہ من قلیۃ قلبۃ غلبت فتۃ و عثیرۃ بآذن اللہ کا مصداق بنادیں گے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ (الحق) رضی اللہ عنہما

امتحان اور آزمائش

اس وقت جب کہ بدقسمتی سے وطن عزیز نظریاتی اور فکری انتشار کے ایک چوراہ پر کھڑا ہے، مسئلہ کے انتخابات کا یہ سنہری موقعہ اپنے جلو میں خطرات کا ایک طوفان بھی لئے ہوئے ہے، ان حالات میں ملک و ملت کی کشتی کو منہ بھار سے نکال کر اور تلامذہ طوفانوں سے بچا کر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی ایک نازک ترین ذمہ داری ہے جسے ملک کے تمام ارباب سیاست معاملہ فہم قائدین، ذی شعور عوام بالخصوص عظمت اسلام کے علمبردار علماء اور اسلام کے نام لیوا تمام مسلمانوں کو نباہنا ہے۔ نائنویہ حکومت کے قیام تک کا یہ عرصہ ان تمام لوگوں کے اخلاص، تدبیر، سیاسی شعور اور ملی و دینی جذبات کے لئے امتحان اور آزمائش کا وقفہ ہے۔ ایسا وقفہ جو قوموں کی تاریخ میں بار بار نہیں آیا کرتا۔ ملک و ملت کی بھلائی کا واقعی معنوں میں ہمیں کتنا فکر ہے؟ عوام کے بنیادی مسائل، ان کے دکھ درد، افلاس، بیماری اور دیگر بنیادی حقوق کا ہمیں کتنا احساس ہے؟ اور سب سے بڑھ کر اس ملک میں دین کے علاوہ اللہ کے احکام و فرامین کی سر بلندی اور اجراء کا ہمیں کتنا درد ہے؟ اور ہمارے سیاسی و ملی بلند بانگ دعوے کس حد تک حقیقت سے ہمکنار ہیں؟ اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو پچھلے بائیس سال سے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن چکی ہیں، اس انتخابی عرصہ میں ان کا واضح اور دو ٹوک جواب دنیا کے سامنے رکھنا ہے اور ان سوالات کے جواب پر ہمارے مستقبل کی تعمیر یا تخریب کا دار و مدار ہے۔

آج قوم کی اکثریت اس درد سے گراہ رہی ہے کہ اس ملک کے قیام کا بنیادی

نظریہ مجرد ہو رہا ہے، پاکستان کی سالمیت، نظریہ پاکستان کا تحفظ اور معاشی عدل و انصاف کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، قوم و ملت کی ایک ایک بیماری اور خرابی کو یہ کہہ کر اس کے لئے نسخہ ہائے شفا تجویز ہو رہے۔ مگر اب یہ فہم و تدبیر، ماضی کے تجربات کا شعور اور عاقبت اندیشی اور ملی و سیاسی سوچ بوجھ پر ہے کہ ان نسخوں میں نہ ہر بلا ہل اور تریاق کی تیز کریں، غلط ایثار پیشہ، خیر اندیش سیاست دانوں اور عیار، منافق، ابن الوقت اور جاہ پسند طالع آزمائوں میں فرق کر سکیں۔ نعرے تو ۲۲ سال سے لگ رہے ہیں اور پاکستان سے قبل بھی ہر طرف دلاویز نعروں کا غلغلہ رہا۔ اور اس ملک میں اسلام، جمہوریت، معاشی مساوات کے حصول کے لئے جتنے نعرے لگائے گئے شاید دنیا کے کسی حصہ میں اس قدر آسمان سر پر اٹھایا گیا ہو۔ مگر مقصد برآری کے لئے ان نعروں کا جتنا خون خود ان نعرہ بازوں کے ہاتھوں یہاں ہٹا شاید اس کی نظیر بھی دنیا کے کسی نقطہ میں نہ مل سکے۔ ستنے والے عوام کے حصہ میں اگر کوئی چیز آئی تو صرف ایک آہ ندامت یا سکوت حسرت و یاس یا پھر وہی غفلتِ جبرمانہ جسے شیوہ بنا کر ہم نے اگلے نو وارد نعرہ بازوں کے لئے تازہ میدانِ مکر و فریب آراستہ کیا۔

قومی تعمیر میں پر جوش پیش قدمی اور شرمناک پسپائی | افسوس اس قوم کی غفلت کیشیوں

پر کہ جب اس کے خوابیدہ جذبات تھنچھوڑے گئے تو سالوں کے ظلم و ستم اور مدتوں کے جبر و استبداد کے محلات اس نے ہفتوں اور مہینوں میں پیوندِ خاک کر دیئے ایک وقتی جوش اور ولولہ جب بیدار ہوا تو آگ اور خون کی ندیاں پاٹ کر اسلام کی خاطر اس قوم نے ایک وسیع سلطنت کھڑی کر دی، مگر جب اس کو آباد اور مستحکم کرنے کا وقت آیا تو اس ولولہ ایمانی کا ہزارواں حصہ بھی اس کی صمیم اسلامی تعمیر میں خرچ نہ کر سکا۔ ہم پر جوش نعروں کی پذیرائی میں جتنے پر جوش ثابت ہوئے تھے ان نعروں کی نظر فریبیوں میں کھوکھلی حقیقت اور عمل کے میدان میں اتنے ہی کوتاہ ہمت اور نسبت حوصلہ بن گئے، ہمارے عہدِ زوال و اضمحلال کے سیاہ باب کا عنوان یہی ہے کہ جس جوش اور ولولہ سے ہم میدانِ کارزار میں کودتے ہیں، مقصد سے گریز، فرائض سے غفلت اور ذمہ داریوں سے

فرار میں اس سے بھی زیادہ تیز کام ہو جاتے ہیں۔ ماضی کے تلخ تجربات کو یکسر فراموش کر دینا ہمارا شعار اور مستقبل سے آنکھیں بند کر دینا ہماری جبلت بن چکی ہے۔ اور بظاہر (خدا نخواستہ) اب اپنی تاریخ کا ایک اور سیاہ ورق اس نئے انتخابی عرصہ میں لکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت ہمیں جس صورت حال کا سامنا ہے بحمد اللہ اسلامی فکر و نظر سے سوچنے اور سنجیدہ دل و دماغ رکھنے والی اکثریت کے لئے اس سے نمٹنا مشکل نہیں، نہ نلاج اور کامیابی کا راستہ سیاسی گورکھ دھندوں میں اوجھل ہو سکتا ہے۔

اسلام کے در دشمن سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار | چند باتیں بالکل واضح ہیں کہ ہم سوشلزم کو کفر و الحاد کی سیڑھی اور کمیونزم کو دین اور ایمان کا قطعی نقیض سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے ہم اسے پورے عالم اسلام کے لئے ایک مہلک خطرہ سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی، ترمیمی رواداری یا سیاسی جوڑ توڑ کے روادانہ ہیں بلکہ ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح مغرب کا ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام ہمارے تمام معاشی، اخلاقی اور قومی و ملی بربادیوں کی بڑ ہے اس لئے اس پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہمارا ایمان کا تقاضا ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ اس لادینی نظام کی پشت پناہ مغربی سامراج سامراج کے ہاتھوں گلشن محمدیؐ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ اس نظام کے سب سے بڑے سرغنہ ”امریکہ“ کے ہاتھوں ہماری ارض مقدس فلسطین کی آبرورٹ رہی ہے، مسجد اقصیٰ کے دروہام سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ فاروق اعظمؓ کی مسجد یہود کے نجس قدموں سے پامال ہو رہی ہے، پوری عرب دنیا مصائب اور آلام کی پٹیٹ میں ہے، مگر یہ ذلیل سامراج ”امریکہ“ لیبارہ شکن میزائل فینٹم اور اسکاٹی ہاک طیاروں سے اسرائیل کی سرپرستی کر رہا ہے، حال ہی میں اسرائیلی وزیراعظم گولڈامیر کی پذیرائی کرتے ہوئے صدر نکسن نے ایک ارب ڈالر کا قرضہ دینے کا مزید فیصلہ کیا ہے۔ جب کہ گزشتہ بیس سال کے دوران بیس ارب ڈالر کے قرضے امریکہ سے وصول کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ عرب ممالک کے خلاف اسرائیلی فوج کے نقاب

میں رٹنے والوں کی اکثریت امریکی باشندوں کی ہے جس کی تصدیق یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل نے بھی ۲۴ ستمبر ۱۹۶۹ء کی رپورٹ میں کر دی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ہم مغربی سامراج کے ایک ایک نشان کج مٹانا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ پھر یہ ملک چونکہ خالص اسلام کے نعرے پر بنایا گیا ہے اس کے لئے دس لاکھ سے زائد معصوم جانیں تہ تیغ ہو ہو گئی ہیں۔ کروڑوں افراد بے گھر ہو گئے ہیں اور کروڑوں اب بھی برہمن سامراج کی تلوار کی زد میں ہیں۔ اس لئے اسلام کے خلاف ہر وہ نعرہ جو ملک کے طبقاتی یا نظریاتی تقسیم اور علاقائی، لسانی یا جغرافیائی شیرازہ منتشر کرنے کا ذریعہ بنے ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔

جناح اور اقبال کی اڑ میں لادینیت کا سہارا | جو لوگ اس نعرے سے منہ موڑ کر قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال جیسے انخاص کی اڑ میں سوشلزم یا مغرب کے کسی اور لادینی نظام کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کے روح اور مشن سے بلکہ ان تمام مسلمانوں کی جانوں اور ان کی عصمتوں سے غداری کر رہے ہیں جنہوں نے اپنے خوں سے اس گلشن اسلام کو سنبھالا تھا۔ اگر قیام پاکستان کی دعوت دینے والے اس قسم کے لادینی نعروں کو لے کر اٹھتے ہوتے تو مسلمانوں کا کوئی ایک فرد بھی ان کا ساتھ نہ دیتا اس لئے کہ اکھنڈ بھارت کی شکل میں ایسے لادینی خواب بڑی آسانی سے شرمندہ تعبیر ہو سکتے تھے۔ پھر اگر خدا نخواستہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ محمد علی جناح اور اقبال جیسے لوگ اسلام کا نعرہ محض سیاست اور ڈپلومسی کی خاطر لگاتے تھے، اور ان کا واقعی مقصد اس ملک میں سوشلزم یا کسی مغربی نظام حکومت کا قیام تھا، تب بھی کوئی مسلمان اپنے ان قائدین کے کسی لادینی نظریہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا، ایسی صورت میں وہ کروڑوں مسلمانوں کے جذبات اخلاقی اور دین کے خاطر دی گئی قربانیوں کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے لادینی نظریات کو ہزار بار ٹھکرا دیں گے کہ مسلمان قوم کے نزدیک اصل مقام کتاب و سنت کا ہے کسی کے شخصی نظریات کا نہیں، اصل معیار اللہ اور

اس کے رسولؐ کا ہے، اشخاص اور اعظم رجال نہیں، جو لوگ بار بار قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے لوگوں کو گھسیٹنا چاہتے ہیں، وہ درحقیقت ان کے بدخواہ ہیں۔ اور وہ قوم کے دلوں میں ان کی عظمت اور عقیدت ختم کرنے کے درپے ہیں، انہیں اسلام اور اسلامی اقدار سے نفرت ہے مگر منافقت کی وجہ سے اپنے عزائم کا شکار بڑے لوگوں کی آڑ میں کھیلنا چاہتے ہیں، نظریہ پاکستان کا مطلب ان کے نزدیک ملاؤں کی حکومت ہے اور ”ملا یا نہ نظام“ میں انہیں اپنی عیاشیوں اور ستم کاریوں کی موت دکھائی دیتی ہے۔

صحیح فیصلہ کی ضرورت | ہمیں ملک کے تمام مسلمانوں، تمام ارباب سیاست بالخصوص علماء کرام اور مشائخ عظام سے صرف ایک ہی گزارش کرنی ہے کہ اگر واقعی ہمیں اسلام عزیز اور اسلام کا عادلانہ نظام حکومت اور پاکیزہ معاشرت محبوب ہے اور آپ انسان کی اخلاقی، معاشرتی بدحالی اور معاشی حقوق کی پامالی مزید برداشت نہیں کر سکتے اور آپ اس ملک میں خلافت راشدہ کے نہج پر ایک مثالی حکومت دیکھنا چاہتے ہیں جس میں نہ جبر و استحصاں ہو نہ ظالمانہ تسلط اور استبداد اور نہ رعایا کی حق تلفی ہو، نہ حیوانی خواہشات اور بے دینی کا دور دورہ، تو اس اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے یکم جنوری سے ۵ اکتوبر (عرصہ انتخابات) کی ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لمحہ کو اپنے علم و دانش اور فہم و شعور کے لئے ایک آزمائش اور چیلنج سمجھیں۔ مریض جان بلب ہے، گزرنے والی ہر گھڑی یا تو اسے موت سے ہمکنار کر دے گی یا پھر اسے نئی زندگی مل جائے گی۔ اب ہمیں اپنی رائے اور اپنا ووٹ استعمال کرتے وقت دیکھنا ہوگا کہ ہمارا پسندیدہ امیدوار قول و عمل اور کردار و اخلاق کے کس معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس کے منشور اس کے نعروں اور اس کی عملی زندگی میں کتنا توافق ہے، وہ اسلام اور ملک و ملت کے درد سے کتنا مرشار ہے؟

عیار سیاست دان اور علماء کی قریب خوردگی | ہمارے قابل قدر علماء کرام کے

کے مختلف گروہوں کو بھی سوچنا ہے کہ وہ اپنے علم و حکمت اور نازک ترین مقام اور منصب کو کس قسم کی سیاست کے بھینٹ چڑھا رہے ہیں، یہاں اسلام پسندی اور غریب پروری کے لبادہ میں بہت سے لٹیرے، علماء کرام کے مقام اور مرتبہ سے فائدہ اٹھا کر سیاسی بلیک میلنگ کا مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ملک کی تاریخ میں علماء ہی ایک ایسا مظلوم یا سادہ لوح طبقہ ہے جو علاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی سر بلندی کے جذبہ میں عیار سیاست دانوں کے ہاتھ کا کھلونا بن رہتا ہے، مگر ان لوگوں کو جب بھی علماء کرام کے علم و فکر کے سہارے ایوان اقتدار تک پہنچنے کا موقع ملا تو اس وقت علماء کو منبر و محراب سے نبھالنے اور نماز و روزہ تک اپنے دائرہ کار کو محدود رکھنے کی نصیحتیں کرنے لگے، ان علماء کے سہارے سیاست اور قیادت کے ایوان تعمیر کئے گئے، مگر جب مقصد حاصل ہوا تو اس ”رجعت پسند ٹوے“ اور ”ملاؤں کی جماعت“ کو اسلام اور خدا کا نام لینے کے جرم میں پابند قید و سلاسل کیا گیا۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک کون سی بھیتی ہے جو علماء حق پر نہیں کسی گئی اور کون سا مذاق ہے جو اسلام کے ساتھ نہیں کیا گیا، اور یہاں ایسا کرنے والے نہرو اور ٹیل نہیں تھے بلکہ اس جرم میں فروغ کے وقت اسلام اور نظریہ پاکستان کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھانے والے پیش پیش تھے۔ ہمارے علماء کو ان نازک ترین لمحات میں اپنی دینی بصیرت سے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ان کی سیاست خالص اللہ کی رضا مندی اور اس کے دین کے لئے مفید ثابت ہو رہی ہے، یا وہ ایک بار پھر نادانستہ طور پر محض چند طالع آزماء، نقاب پوش سیاستدانوں اور پیٹ یا اسلام کے نعرہ لگانے والے دائیں اور بائیں بازو کے ایجنٹوں کا آلہ کار بن رہے ہیں۔ علماء کی تمام جماعتوں کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی سیاسی پارٹی اور جماعت سے تعاون میں دین کے غلبہ اور حاکمیت کا پہلو بھاری ہے، اور ان سے معاہدہ یا سمجھوتہ کرنے میں اسلام کے اجراء کا غالب امکان ہے تو بصد خلوص اس سیاست کا خیر مقدم کرنا چاہیئے، اور اگر اس سیاست بازی کا نادرہ صرف

چند عیار اور ابن الوقت پارٹیوں اور اس کے لیڈروں کو پہنچتا ہے، اور علماء کی حیثیت بالآخر اسی حدِ اوسط کی ہے جسے اب تک لیلائے اقتدار سے ہلکار ہونے کے بعد رائدہ درگاہ چنیز سمجھ کر بیچ سے ہٹا دیا جاتا رہا، تو اس ساری ہنگامہ آرائی اور جدوجہد کا نتیجہ چند وقتی منافع اور اغراض کی تکمیل تو ہو سکتا ہے مگر دین، اسلام اور پورے طبقہ علماء کی عزت و وقار اور فرض منصبی کی ادائیگی کے لحاظ سے صفر ہی رہے گا۔

دین اور مردِ پیر سیاست | دین اور سیاست الگ الگ چیز نہیں مگر موجودہ دور کی سیاست اور دین کی پیوند کاری بڑے دل گردے کا کام ہے۔ سیاست میں اتنا خوب نہیں ہونا چاہیے کہ دینی مزاج اور اسلامی روح ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے، صحیح سیاست انبیاء کا منصب تھا، مگر وہ سیاست آج کے بوڑھو ٹکڑے و فریب اور دغا بازی کی سیاست نہیں تھی، علماء کا مقام وراثتِ نبوت کا ہے، وہ اس دور کے پُر فریب سیاست دانوں کے جانشین اور نقال نہیں ہیں، وہ سیاست میں عمر فاروقؓ اور صدیق اکبرؓ کے وارث ہیں، نہ کہ نکولائی میکیا ولی کی فریب کا رانہ سیاست کے امین۔ حق تعالیٰ اس نازک امتحان میں ہم سب کو جادۂ حق پر قائم رہنے اور حق و باطل کی تمیز کرنے اور ہر حالت میں سیاست کے نہ سندانِ عشق، کے ساتھ مجاہدِ شریعت نبیائے کی توفیق دے۔

دجلد ۷، شمارہ ۷۷۔ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ، جنوری ۱۹۷۰ء

محاسبہ اور اصلاح کی ایک مہلت

راقم الحروف ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو حجاز مقدس روانہ ہوا تو تبدیلی اقتدار کی تحریک زوروں پر تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے شعلوں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، طرح طرح کی خبروں نے تمام مسلمانوں یا بالخصوص پاکستان کے حجاج کو نہایت تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور اس تصور سے دل دھڑکنے لگتا کہ جو ملک لامتناہی قربانیوں کے صدقے اسلام کا بول بالا کرنے کے نام پر حاصل کیا گیا آج وہ ملک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس عالم میں سب دائرین بیت اطرام کے ہاتھ بے اختیار رب البیت کی بارگاہ میں اٹھنے لگتے۔ مواجہۃ الرسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آہ و زاری ہونے لگتی۔ ملتزم اور غلاف کعبہ سے لپٹ لپٹ کر ہر ایک زبان حال سے ملتی تھا کہ یا اللہ برصغیر میں مسلمانوں کے اس حصار کو جو ان کی نااہلیوں کی بدولت آج تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے، ایک بار اور موقع دے، شاید انہیں اپنی کوتاہیوں کا احساس اور غلطیوں کی تلافی کا شعور پیدا ہو جائے اور وہ نئے سرے سے اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو استوار کر سکیں۔

صدر ایوب کا زوال صد ہا عبرتوں کا سامان | اسی اضطراب میں مارچ کے آخر میں یکایک صدر ایوب کے زوال اور فوجی انقلاب کی خبر آئی اور ظاہر ہے کہ ایک مطلق العنان اور خود سر حکمران کا اس انداز میں زوال و سقوط اپنے پہلو میں عبرت و موعظت کے صد ہا دفتر بھی لے کر آیا۔ عادی و نمود جیسی اقوام اور جاہل و قہار حکمران کے عروج و زوال کی صد ہا داستانیں ہمیں دعوت عبرت دے رہی ہیں۔ مگر یہ تازہ اور چشم دید مثال

تو اس بے لاگ حقیقت کی کتنی کھلی شہادت دے رہی ہے کہ ”اے احکم الحاکمین
تو ہی مالک الملک ہے، جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین
لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے، بے شک تو ہر
چیز پر قادر ہے“

انقلاب آیا اور ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق بن کر آیا۔ کہ اب تک ہم اپنے
انتشار اور مصیبتوں کا سرچشمہ جس اقتدار کو سمجھتے رہے، خداوند کریم نے پلک جھپکنے
میں اس کا بوجھ تمہاری گردنوں سے اتار دیا تاکہ تم پر اتمام حجت ہو جائے۔ پس جس
کاسلطہ تمہارے اعمال کی شامت تھی اس سے گلو خلاصی بھی تمہارے لئے ایک
کڑی آزمائش ثابت ہوئی، ایک ایسی آزمائش جس نے ہمارے اخلاق و کردار اور
اجتماعی زندگی کے چھپے ہوئے بہت سے صفات و عیوب، باطنی نظریات اور قوم و ملک
کے ساتھ وفاداری یا غدار ہی کا ایک آئینہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس آئینہ میں ہماری
تصویر کتنی ڈراؤنی ہے؟ ہم نے ایک دوسرے کی عزت و آبرو پر ہاتھ صاف کیا، ہم
نے انسانوں کو زندہ جلایا، ان کا گلا گھونٹا اور خون پسینے سے کمائی ہوئی دولتوں پر
عدل و انصاف کے نام سے غارت گری کا بازار گرم کیا، ملک کا وجود ہی گریہ داب سیاست
میں جھکے ہوئے کھار ہا تھا مگر ہم نے اس وقت بھی ڈیڑھ اینٹ کے جماعتی اغراض اور
مفادات میں لچک پیدا نہ کی، یہ سب چیزیں ہمارے اعمال و کردار اور ہمارے
رو بہ تنزل معاشرہ کا بھیاں تک تصویر پیش کر رہی ہیں۔

غفلت کیشیوں کا ردِ عمل | اور یہ ٹھیک ردِ عمل تھا ان غفلت کیشیوں کا جنہیں
ہم اپنے معاشرہ کا شعار بنانے لگ گئے تھے، وہ معاشرہ جو خوفِ خدا اور تصورِ آخرت
سے غافل ہو چکا ہو ذاتی اغراض اور مفادات سے الگ ہو کر کسی معاملہ پر ہرگز غور نہیں
کر سکتا۔ وہ نظامِ تعلیم جس کا مبلغ علم چند روزہ زندگی کی خوش عیشی رہ گئی ہو، اسلامی تعلیم اور
پیغمبرانہ اخلاق و اعمال کی بھٹک بھی اس میں نہ ہو، ہرگز قوم و ملت کو ایسے کل پرزے
نہیں دے سکتا، جو ملک و ملت کو حقیقی ترقی اور کامیابی سے ہمکنار کر دے۔ ایسے

افراد خواہ ان کا تعلق نظام سے ہو یا رعایا سے، رائے دہندہ ہوں یا سیاستدان، انتظامیہ ہو یا عسکری قوت ہرگز ملک کو کوئی ایسا معتدل اور متوازن نظام نہیں دے سکتے جس میں معاش کے ساتھ معاد اور ذاتی مفاد کے ساتھ پورے معاشرہ کے اخلاق اور معاشی حقوق کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو۔

انقلابات زندگی کے نئے موڑ | ہماری بربادی اور تباہ حالی کی یہ داستان طویل ہے۔ اپنی ذلت و ادبار کی ماتم سرائی کب تک کی جائے، عرض مدعا یہ ہے کہ ۲۵ مارچ کا یہ انقلاب ہماری زندگی کا ایک نیا موڑ ہے جو ہمیں زبانِ حال سے دعوت دے رہا ہے کہ اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کا ۲۲ سال تک مذاق اڑانے والا! یہ محض خدا کی بے حد و حساب رحمت ہے کہ اتنی ستم کاریوں کے باوجود بھی تمہارا وجود قائم رہا ورنہ تم تو اپنے ہاتھوں سے اس ملک و ملت کا شیرازہ بکھیرنے لگے تھے مگر یہ تو صرف اس کی دستگیری ہے کہ تمہیں بار بار موقع دے رہا ہے کہ شاید تم سنبھل جاؤ بلاشبہ ۲۵ مارچ کا دن ہمارے لئے ایک رحمت سے کم نہیں مگر کیا یہ امن و سکون اور الطینان تمہاری پریشانی اور بربادی کا خاتمہ الیاب ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو عاصیہ اعمال کا ایک وقفہ ہے، تاکہ تم سدھر سکو اور اپنے جذبات اور میلانات کا رُخ معاشی جنتوں سے زیادہ دائمی اور حقیقی جنت کی طرف پھیرنے لگ جاؤ، حالات اور قرائن تمہیں پکار پکار کر جھنجھوڑ رہے ہیں کہ اگر تمہیں اس ملک میں چین اور سکون سے رہنا ہے، تمہیں دنیا کے کے ساتھ دین کی بھلائی اور فرد و معاشرہ کی اصلاح مطلوب ہے تو امن و عافیت کی اس فرصت کو غنیمت جان لو، اپنے نظریاتی سرحدات کو از سر نو مضبوط اور درست کرو، قوم کی ذہنی تربیت اور اخلاقی حالت پر اپنے مساعی مرکوز کرو، تاکہ انہیں کھرے اور کھوٹے کی تمیز اور حق و باطل کا امتیاز ہونے لگے، اگر تمہاری عقلیت کیشی کا یہی عالم رہا تو جب بھی اس عارضی نشے کا سکون اتر گیا تو تمہاری زندگی کی ناؤ کو قیامت برقیامت اور ہولناک طوفانوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر تمہیں اسلام اور اسلامی اقدار عزیز ہیں، طبعاتی ناہمواریوں سے نجات مطلوب ہے، خوش حال اور متوازن زندگی اور پاکیزہ نظامِ حیات محبوب ہے، تولد و انشور

اسے علماء کرام، اور اسے سیاست دانوں اب تو اپنی اور قوم کی بگڑی پر رحم کرو، ان کی مشکلات اور پریشانیوں کا صحیح حل ان کے سامنے پیش کر دو۔ قوم کے ماؤف ذہنوں کا نسخہ لندن اور نیویارک کی بجائے مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دو۔ ان کے بے چین دلوں میں پکینگ اور ماسکو کی بجائے مدینہ طیبہ کی محبت جاگزیں کر دو۔ اگر تم نے ان کے ہاتھوں میں قرآن و سنت تھما دیا تو ماؤز سے تنگ کی سرخ کتاب اور کارل مارکس کی کیپیٹل خود بخود ان سے پھوٹ جلائے گی، اگر یہ اسلام کی جنت آفرین زندگی کی جھلکیاں دیکھنے لگیں تو یورپ کی نظر فریب تہذیب پر لعنت بھیجنے لگیں گے۔ یہی سبق ہے حالیہ حالات اور تازہ انقلاب کا، دقت کا تقاضا ہے کہ اگر ہمیں اپنی اور اس ضمن میں اس ملک کی یقیناً منظور ہے تو آئیے تیسے سرے سے اسلام کی طرف لوٹیں، وہ اسلام جو ہماری مصیبتوں کا مداوا اور دائمی مسرت اور فلاح کا پیغام ہے، اگر ہم نے اس فرصت کو بھی نذر غفلت کر دیا اور اپنے حالات درست نہ کئے تو خدا نخواستہ مستقبل میں کفر و الحاد اور دہشت و بربریت کی تازہ دم یلغار ہمارا نام بھی صفحہ ہستی سے مٹا دے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يَغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

۳ مئی ۱۹۶۹ء ————— ۱۵ صفر ۱۳۸۹ھ

ہمہ گیر بحران کے اصل اسباب اور محرکات

بدقسمتی سے اس وقت ملک انتشار اور افراتفری کا شکار ہے، اپنا ہی مال و متاع اپنے ہی ہاتھوں سے بڑی بے دری سے ضائع ہو رہا ہے، ظلم و تشدد بھی اپنوں ہی کا سہنا پڑ رہا ہے، ظاہر بات ہے کہ احتجاج و اضطراب کی یہ ہمہ گیر فضا نہ تو ایک گروہ یا طبقہ کی پیدا کردہ ہے اور نہ یکایک ایسا ہوا ہے بلکہ ملک کے تقریباً تمام طبقے کسی نہ کسی شکل میں اس میں شریک ہیں اور یہ ٹھیک رد عمل ہے اس لیے اعتدالی اور غیر فطری طریقہ کار کا

جس نے حکام اور رعایا سبھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ تاریخ شاہد کہ جب کسی قوم اور ملک کی سرکشی، خدا کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری اور خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان اور باہمی حقوق کی پامالی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو ایک طرف اس پر ظالم حکام اور خدا فراموش اعمال مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو انہیں بڑی تیزی سے دولت و ادبار اور اخلاقی گراؤٹ کی طرف ہانکنے لگتے ہیں، اور دوسری طرف خود رعایا ایک دوسرے کی ایذا رسانی اور آبروریزی میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اذیذ بق بعضکم بائس بعض۔ اور اس طرح اچانک چین و سکون کی زندگی اضطراب، پریشانی اور تعطل میں بدل جاتی ہے۔ ظالم عمال اور فکر آخرت سے غافل رعیت دونوں کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑتی ہے ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

ایسے روح فرسا حالات میں ایک مسلمان کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ محرکات اور اسباب کا کھوج لگاتے ہوئے صرف مادی اور اقتصادی دائرہ میں خرابیوں کی تلاش کرتا پھرے، بلکہ اسے ان اخلاقی، روحانی اور ایمانی اقدار کے فروغ یا تنزل کا بھی جائزہ لینا چاہیئے جن کے تحفظ کے مقدس نام پر یہ نقطہ حاصل کیا تھا اس لحاظ سے اگر آپ سرسری جائزہ بھی لیں گے تو یقیناً مایوس ہوں گے کہ آزادی سے لے کر اب تک نہ صرف یہ کہ قیام مملکت کے محرکات اور دواعی سے صرف نظر کیا گیا، بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس ملک کے اساسی نظریات سے غداروں میں بھی شدت اور تیزی آتی گئی ہے۔ رعایا کو اور باب اقتدار نے فریب دیا ہے حصول اقتدار سے پہلے اسلام کا نام لے لے کر اور اقتدار کے بعد اسے پس پشت ڈال کر قوم سے اس ظالمانہ مذاق پر بائیس سال سے زائد عرصہ گزر چکا، پھر رعایا نے بھی حکام کی تقلید میں اپنے ذوق معصیت اور جذبہ تہذیب فرنگ کی پناہ کبھی ایک نظام میں ڈھونڈنا چاہی ہے کبھی دوسری تحریک اور نظام میں۔ یہاں تک کہ جس دور کو ملکی ترقی و استحکام کا سنہری دور کہا جا رہا ہے۔ اس دور کو اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی بربادی اور اسلام کے گلے پر پھیری پھیرنے کے لحاظ سے

ایک ”بدترین سیاہ دور“ کہا جاسکتا ہے۔ جبراً ت کرنے والوں کی سنگدلی اور
 شقاوت نے حد کر دی کہ خدا کی شانِ تشریفی (قانون سازی) میں مداخلت کرتے
 ہوئے اس کے مقرر کردہ معاشرتی حدود و عائلی قوانین کو آرڈینسوں کے ذریعہ
 منسوخ قرار دیا گیا۔ اس کی شانِ رزاقی کو افزائش و پیدائش کی تحدید کے ذریعہ
 مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی شانِ عدل و انصاف سے آمریت اور
 استبداد کے ذریعہ اس کی مخلوق کو محروم کر دیا گیا، اور حد یہ کہ اس کے قائم کردہ معروفات و
 منکرات کی حدود توڑنے اور اس کے بھیجے ہوئے نظامِ عدل (دینی حقیقت) سے نکل
 کر یورپ کی اباحت زدہ تہذیب کے لئے اسلام کے بنیادی اصول و مسائل پر
 ریسرچ و تحقیق کے نام سے عملِ جراحی شروع کی گئی۔ خود نہ بدلنے کی وجہ سے قرآن
 کے بدلنے کی سرپرستی کی گئی اور یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے آخری نبیؐ کی
 شانِ رسالت اور شانِ ختمِ نبوت کے پرچار اور تحفظ پر پابندی لگادی گئی، مگر
 ناموسِ محمدیؐ کے لٹیروں، سنتِ نبویؐ کے دشمنوں اور تحریف و تجدد کے علمبرداروں
 کو کھلی چھٹی مل گئی، پھر اشاعتِ حق اعلامِ دین اور مدافعتِ اسلام کے لئے خدا
 نے علماء حق کا جو زمرہ منتخب فرمایا اور جس کے ذمہ ہر حالت میں کلمہ حق کہہ کر حق
 نصیحت و خیر خواہی ادا کرنے کا کام لگایا گیا تھا، ان کو مختلف سیکموں اور منصوبوں کے ذریعہ
 اس تنگ اور محدود دائرہ کار سے بھی خارج کرنے کی سعی کی گئی، جیسے نمبر و محراب اور مسجد و خانقاہ
 کا نام دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ نتائج اور عواقب کے لحاظ تاریخ میں عیاری کی یہ بدترین مثال
 ہے کہ خیر خواہی اور اصلاح کے نام پر سیاست کی طرح مذہب کو بھی ”ایڈوکار دیا جائے اور
 جمالیں مذہب میں بھی ”بی ڈی سسٹم“ چلایا جائے۔

یہ ایک دھندلا سا خاکہ ہے ان اسباب و محرکات کا جس کا تعلق قوم کی معاشرتی،
 اخلاقی اور مذہبی زندگی سے ہے جس کی بنیاد پر لاکھوں لاشوں، ہزاروں عصمتوں اور
 کروڑوں مسلمانوں کی پریشانی اور بربادی کی عمارت اٹھائی گئی تھی۔ جہاں تک مادی اور
 اقتصادی سطح یا جمہوری نقطہ نگاہ کا تعلق ہے آج کی فرصت میں ہمیں اس سے سروکار

نہیں، مگر جس ”سنہری دور“ میں دین اور معاشرت، مذہب اور اخلاق کی اس قسم کی ”اصلاحات“ شامل ہوں۔ حیرت ہے کہ ہمارے صدر محترم جناب ایوب خان نے کل دیکم دسمبر ۱۹۶۸ء کی تازہ تقریر میں ان سب کارناموں کا رشتہ اپنے رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی سے جوڑ دیا۔ صدر محترم کا ارشاد ہے کہ ”میں نے ہر حال میں قوم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اور بنیادی مسائل کے حل کے لئے دن رات ایک کر کے اپنے رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی میں کام کیا ہے“ (جنگ ۲ دسمبر) ہو سکتا ہے کہ مادی اور دنیاوی لحاظ سے ملک کے استحکام اور ترقی میں قدرت نے صدر محترم کی دستگیری کی ہو۔ اور بلاشبہ ایک شخص اپنے کارناموں میں مخلص بھی ہو سکتا ہے اور اسے حق ہے کہ اپنی ”اصلاحات“ کو اپنی صوابدید میں حق طلبی کا نتیجہ قرار دے، مگر جہاں تک عائلی قوانین جیسے صریح تحریف قرآن و سنت، خاندانی منصوبہ بندی جیسے کھلے فواحش، ثقافتی طوائف اور جشنوں کی ترقی اور آرٹ و ثقافت کے عروج اور پھر ”ادارہ تحقیقات اسلامیہ“ جیسے اداروں کی شرمناک جسارتوں کا تعلق ہے، ہم ہرگز ہرگز مذہب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتے۔ ایسے اعمال رہائی نہیں بلکہ شیطانی ہوتے ہیں و تعالیٰ اللہ مع ذالک عاذاً لکیرا۔ یہ ہدایت نہیں نفس کا فریب ہوتا ہے ایمان کی روشنی نہیں بلکہ غفلت کا اندھیرا ہوتا ہے جس کی تائید نہ تو خدا کرتا ہے اور نہ اس کا رسولؐ۔ بہر حال جہاں تک ایسے امور کا تعلق ہے اس کے رد عمل میں ملک گیر پریشانی، اضطراب اور برہمی کے ہمہ گیر سلسلہ کار و نما ہونا ایک طبعی امر ہے۔

اپنے ہاتھوں بربادی یہود کا شیوہ | مگر مسلمان جیسی شائستہ اور باوقار قوم کو جذبات کے اظہار میں یہ توڑ پھوڑ اور شروفا، یہ ہڑبوںگ اور پُر امن شہریوں پر یہ سنگباری ہرگز زیب نہیں دیتی جس کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر بار برباد کرنے کو یہود کا شیوہ قرار دیا ہے۔ یخسرون بیوتہم باید یھمد اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں اور کسی قوم کا یہاں تک پہنچنا انتہائی حالات کا غماز ہوتا ہے جس سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے، بے شک مسلمان اپنے

حقوق، اپنی اقدار و روایات کے لئے لڑتا ہے۔ ایک مسلمان بڑھیا امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک سکتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرر کردہ اپنی حدود اور عقل کے دائرہ میں رہ کر کسی بے گناہ شہری کی عزت و دولت کو گزند نہ پہنچنے پائے مسلمان کا حق کیا، بلکہ اس کا تو فریضہ ہے کہ ظلم و استبداد اور بدی کو محسوس کرے تو اسے مٹائے مگر یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات اور مومنانہ شان مجرد نہ ہونے پائے۔ مگر موجودہ حالات میں شکوہ کیا جائے تو کس سے؟ جس قوم کی اسلامی تربیت، دینی تعلیم اور جس معاشرہ کی اخلاقی اور علمی نگہداشت کو تہذیب مغرب کی دیوی پر نثار کیا جا چکا ہو۔

نوجوان نسل کی عالمی بیماری اور علاج | جس قوم نے مستقبل کی پونجی — بچوں اور نوجوانوں — کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے چھین کر لارڈ میکالے کی گود میں ڈال دیا ہو جس کے دل و دماغ کی پرورش صرف برکے اور کھلے کے فلسفہ اور مغرب کی خدا فراموش تعلیمات اور شیکسپیر کے ڈراموں سے جاری ہو ایسے معاشرہ، ایسی قوم اور ایسی رعایا سے مار پڑنے کے وقت اخلاق و اعتدال کی حدود قائم نہ رکھ سکے، نہ شکوہ سنجی کب جائز ہے؟ معدہ اوسادہ کے گرد گردش کرنے والی ایمان اور عقیدہ آخرت سے غارتی تعلیم اور اس کے تمام مظاہر کا نتیجہ اسی ”وبائی اور عالمی مرض“ کی شکل ہی میں ظاہر ہو سکتا ہے، جس کا شکوہ مصر کے وزیر خارجہ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کیا ہے۔

اسلامی علوم اور لارڈ میکالے کے علوم کے اثرات میں تفاوت کی مثال | ہمارا

دعویٰ ہے کہ اگر ہمارا تعلیمی نظام دین اور مذہب سے اننا گورانہ ہوتا تو طالب العلم شائستگی کا دامن ہرگز نہ چھوڑتے۔ مثال میں ہم اپنے مدارس عربیہ پیش کر سکتے ہیں جن کے طلباء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ نہ ہو تو کم بھی نہ ہوگی، اس ملک میں دینی مدارس اور دارالعلوموں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ان ہنگامہ خیز ایام میں بھی بعض مرکزی شہروں میں سینکڑوں ہزاروں طلبہ علوم نبوت حصول تعلیم میں مشغول ہیں یہ وہ مدارس ہیں جنہیں ہمارے

ہاں کا خوشامدی مذہب دشمن تہجد زدہ طبقہ انتشار و اختلاف کے گدھ قرار دیتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہی مدارس کی وجہ سے ملک رو بہ منزل ہے (مگر — غالباً کسی دینی مدرسہ کے طالب العلم کے بارہ میں ایسی خبر سننے میں نہیں آئی ہوگی کہ جس نے نظم و ضبط کو چھوڑ کر شخصی یا ملی اموال و املاک کو نقصان پہنچایا یا ناشائستہ حرکت کی یا بسوں پر پتھر اڑا کیا ہو — اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دینی طبقہ یا اسلامی علوم کے طلبہ اور اہل علم ملکی حالات پر مطمئن ہیں یا انہیں جمہوریت کے لئے کوشاں افراد سے ہمدردی نہیں، حاشا و کلام یہ چیز وفاداری کا ثبوت نہیں۔ وفاداری تو بشرط استواری ہوتی ہے۔ اور علماء دین اہل حق اور ان بوریہ نشین طالب العلموں کی اولین و آخرین وفاداری تو دین رسالت، ناموس رسالت اور اسلامی علوم سے ہے، بلکہ اس وقت مضطرب اور بے چین اگر ہے تو یہی طبقہ ہے کہ اسے غم ہے تو دین کا اور فکر ہے تو ملک کے ایمان و اخلاق کا، اور یہ ایک ایسا غم ہے کہ ووٹ، اقتدار، پارٹی، روٹی اور چینی سے تو ہزار درجہ شدید اور جان لیوا ہے کہ۔ علی

غم غم دین خور کہ غم ہمہ اوست

اور نہ یہ شائستگی اہل حق کے خوف یا بے حیبتی کا ثمرہ ہے بلکہ منکرات پر نقرہ زین اور معروضات کی تبلیغ، باطل پر تنقید اور حق کا فروغ تو علماء حق کا وہ محبوب مشغلہ ہے جس سے اس پورے عرصہ میں کسی خطہ بھی علماء حق نے گریز نہیں کیا۔ بزم ہو یا رزم، خلوت ہو یا جلوت، مسجد ہو یا خانقاہ، منبر ہو یا سٹیج اعلائے حق جیسے اعلیٰ اور افضل جہاد کو علماء ہی نے سنبھالا دیا ہے یہی وہ طبقہ ہے جو لا یخافون فی اللہ، لومة لائم کا مصداق ہے اور اسی طبقہ کی جرأت رندانہ کا نتیجہ ہے کہ باقی اسلامی دنیا کی بہ نسبت اس ملک میں دین اور دینی افتادہ کی گرفت اتنی کمزور نہیں، موسیقی — یہ ایک ضمنی بات تھی — اسلامی تعلیمات اور لارڈ میک لے کے نظام کے اثرات اور اس کے تغاوت کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ کاش عالم اسلام کے ارباب حل و عقد اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے بھی مگر نوجوانوں کی اس عالمی بیماری کے علاج میں دین و

اخلاق کا بھی معقول حصہ شامل کر دیں۔

خوابیوں کا اصل علاج | بہر حال اس وقت قوم انتشار اور بے چینی کے جس نقطہ عروج تک جا پہنچی ہے اس کا علاج اٹکاؤ کا مطالبات یا کسی گروہ کے دو چار مطالبات منظور کرانے میں نہیں، چھوٹے موٹے سوداخوں کو بند لگانے سے سیلاب نہیں رک سکے اور نہ وقتی علاج سے بیماری کی جڑ کٹ سکتی ہے، اگر حزب اقتدار چاہتی ہے کہ اس ملک کی تعمیر و ترقی اور غلصانہ خدمت کی زمام اس کے ہاتھ میں رہے یا حزب اختلاف چاہتی ہے کہ واقعی معنوں میں اس ملک کی پریشانیوں ختم ہوں تو اس کی صورت ایک ہی ہے کہ خوابیوں کا سرچشمہ بند کر دیا جائے اور مرض کی بیج کنی کی جائے، اور وہ اس طرح کہ پلوے خلوص و ایمان اور مومنانہ جرأت کے ساتھ اس ملک کو اس نظریہ کے سپرد کر دیا جائے جس کے نام پر اسے حاصل کیا گیا۔ اور اسی جوش و دلولہ سے ہم زندگی کے تمام شعبوں میں اس دین کی طرف پلٹ جائیں جس تیزی سے ہم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اسی میں حکام کی نجات ہے اور اسی میں رعایا کی ورنہ یقین جانیئے کہ اس ملک کو نہ تو آئے دن کے انقلابات سے عافیت مل سکتی ہے نہ موجودہ اقتدار کے ذریعہ اور نہ اس حزب اختلاف سے جس کے اکثر زعماء کی خدا فراموشیوں نے ہی ملک کو اس روز بد تک پہنچایا اور نہ ہماری مصیبتوں کا مداوا سوشلزم میں ہے، نہ سرمایہ داری میں نہ چین اور روس ہمیں بچا سکتا ہے اور نہ امریکہ اور برطانیہ ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس ملک مرض کا علاج صرف انہی ہاتھوں میں ہے جنہیں خداوند کریم نے اپنا ہاتھ قرار دیا، اور جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور جس کی نافرمانی خدا سے سرکشی ہے، وہ ذات قدسی صفات جنہیں ہم محمد عربی (صلوٰۃ اللہ علیہ) کے پیار سے نام سے پکارتے ہیں۔

وَمَا رَمِيتَ إِذْ رَمِيتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمٰی — ان الذین یشاءونک انما یشاءون
 اللہ، ومن اطاع اللہ سول فقد اطاع اللہ۔ — ستمبر ۱۹۶۸ء

سقوطِ ڈھاکہ سے سات دن قبل

پاکستان، تاریخ کے نازک ترین آزمائش سے دوچار ہے۔ ہر لمحہ تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال قوائے غور و فکر کو کسی ایک نکتہ پر ٹھہرنے نہیں دیتی اور قلم لصبہ شرمندگی اپنے قارئین سے اعترافِ عجز پر مجبور ہے۔ لکھا جائے تو کیا اور کہنے کو کیا رہ گیا ہے۔ چوبیس سال سے لکھنے والوں نے کیا نہیں لکھا اور کہنے والوں نے کونسی کسر اٹھائی؟ علم و حکمت کی تہات رہی۔ وعظ و نصیحت کی فراوانی رہی۔ ایک سے ایک بڑھ کر مقامِ عبرت نمودار ہوتا گیا۔ اسباب و محرکات کی نشاندہی بھی ہوتی رہی اور نتائج و عواقب پر بھی برابر تنبیہ قدرت کی منتِ ابدی رہی اور آیاتِ ربانی نے کب مسلمانوں کو خوابِ غفلت میں مخمور رہنے دیا۔ (سردھم آیاتِ شافی الاقان و فی النفسہم۔

الجہاد والجہاد | اب وقت باتوں کا نہیں عمل کا ہے اور عمل بھی کونسا؟ جہاد الجہاد۔ الجہاد۔ کہ مومن کی بقا و عمل سے ہے۔ مومن کا حصارِ جہاد، مومن کی سلاحِ قتال ہے۔ اور یہ صرف مجاہدیت کی صورت میں نہیں بلکہ جب تک کفر کی ایک بھی نشانی قائم ہے۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كَلِمَةً بَلَدًا — مومن گرفتار و کردار سے قول و عمل سے، ظاہر و باطن سے ہر لمحہ اور ہر لحظہ ایک غازی اور مجاہدین کو نمودار ہوتا ہے یہ جہاد نفس سے ہے۔ خواہشات سے ہے۔ معاشرہ سے ہے۔ ارد گرد کی برائیوں سے اور بالآخر دنیا بھر کی طاغوتی طاقتوں سے ہے۔

اب ہم پر جہادِ پیہم اور جہادِ مسل کی گھڑی آچکی ہے۔ قدرت نے ہمیں جھنجھوڑ دیا ہے۔ اگر اب بھی ہم اٹھ کھڑے ہوئے تو ہمارا شعار، ہمارا نعرہ، ہماری لگن اور ہمارا فیصلہ ایک ہی ہوتا چاہیے کہ فتح مکمل فتح، دشمن کی شکست مکمل شکست۔ حق کی سر بلندی اور باطل کی سرکوبی یا پھر موت، ہر فرد کی موت۔ گیارہ کروڑ پاکستانیوں کی موت، یعنی شہادت کی موت۔ ایک حیاتِ جاودانی جس پر کروڑوں سال کی زندگی نثار ہو۔ — بلاشبہ ہمیں ایک عیار اور بدترین ذلیل دشمن ہندو سے واسطہ پڑا ہے

جس کی پشت پر مکار اور فریبی سوشل سامراج روس بھی ہے۔ یہودی صیہونیت بھی اس کی سازشوں میں شریک ہے اور عالم اسلام کا ازلی دشمن برطانوی استعمار بھی نہایت بے حیائی سے اسے سہارا دے رہا ہے۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر ہم مومن کہلانے والے واقعی مومن بن جائیں تو پھر فتح و کامرانی کا اٹل وعدہ ہمارے لئے ہے اور یکن گنبد خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ شفقت ہمارے ہی اوپر ہے۔

یاس و تقویٰ نہیں | پھر غم اور مایوسی کیوں؟ سارے سہارے کٹ جائیں تو اضطراب
امید اور عزیمت | اور پریشانی کے ایسے ہی عالم میں مومن کی جبین نیاز اس رب کریم
کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتی ہے جس نے ہمیں محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی سے نوازا ہمیں
پاکستان جیسی مقدس نعمت سے مالا مال کیا۔ اسے خدائے کریم ہم خطا کار اور ہر سرزنش کے سزاوار
ہیں مگر تیرے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ اس برگزیدہ نسبت کی لاج
رکھتے اور ہمیں اقوام عالم میں سرخروئی عطا فرما۔ ہمیں بزدل اور کمینہ صفت مشرکین کے ہاتھوں
ہزیمت کی ذلت سے بچا۔ ہم نے تیری نعمت آزادی کی بے دردی سے بے قدری کی لیکن
آج اس کی حفاظت کے لئے سب کچھ ٹاٹا کر اور سر سے کفن باندھ کر نکلے ہوئے ان غیور اور جسور مجاہدین
کے صدقے سے رحمت کے طلب گار ہیں جو اپنے مقدس خون سے خالد و طارق اور محمد و محمود (رمضان
اللہ علیہم) کے لکھے ہوئے باب کو تازہ کر رہے ہیں۔

ہم مایوس نہیں ہیں کہ تیری رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ تیری یہ نوید فتح اور وعدہ نصرت
ہمیں ہر دم حیات تو بخش رہی ہے کہ دکات حقاً علینا نصر المومنین ہماری پونجی تیری
ذات اور تیری نصرت ہے اور جب یہ دولت ساتھ ہو جائے تو مومن ایک بالشت زمیں پر بھی
قدم جما کر چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا کو کفر و شیطانیت کے تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ
ہماری تاریخ اور ہماری ریت ہے۔ آج ہم پھر اس روایت کو روشن کر کے رہیں گے۔ اللہ اللہ
مومنو! ذرا سنبھلو، وہ دیکھو آواز آرہی ہے :- لا تقنوا ولا تخزنوا انتم الاعلون

ان كنتم مومنین — (دسمبر ۱۹۸۸ء)

سقوطِ مشرقی پاکستان ہزار سالہ عظمتوں کا جنازہ

وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون

وہ دیکھو ڈھاکہ فتح ہو گیا اور سقوطِ مشرقی پاکستان کے ساتھ، اسلام کے لحاظ سے نہیں۔ مگر مسلمانوں کے لحاظ سے دنیا کی عظیم اسلامی مملکت سرنگوں ہو گئی وما تشاؤون الا ان يشاء الله ان الله كان عليماً حكيماً برصغیر پر افقِ مغرب سے طلوع ہونے والا فتح و کامرانی کا روشن ستارہ مشرق کی وادیوں میں ٹوٹ گیا۔ آج ویل کے ساحل پر محمد بن قاسم کا لہرایا ہوا پرچم سرنگوں ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی عظمتوں کا آبجینہ چکنا چور ہو گیا ہے اور سومنات کا جامد اور ساکت بت محمود غزنوی کی ناخلف اولاد پر قہقہے لگا رہا ہے جو گلشنِ محمد بن قاسم سے لے کر اورنگ زیب، سید احمد شہید و محمود الحسن کے خون سے سینچا گیا۔ آج وہ ابڑا ابڑا سا ہے۔ پاکستان ہمارے خوابوں کا آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور اس کا ہر ذرہ ہماری تصویر پر پختہ زن ہے۔ اللہ کی رسی اسلام کو کاٹ کر مشرقِ مغرب کو ملانے کے لئے ہماری تمام تدبیریں نہ صرف ناکامی بلکہ اس شرمناک رسوائی میں اضافہ کا باعث بن گئیں اور آج ملتِ اسلامیہ کے سات کوڑے جگر ماپے ہم سے جدا ہو چکے ہیں

ایہا النفس اجملی جزعا فان ماتخذین قد وقعوا

یاد اے صبر و شکیب نہیں نہ کہ صبر کا مقام ہے۔ نالہ و شیون کا طوفان بپا کیجئے۔ اور اگر ضمیر و احساسِ ندامت ساتھ نہ دے اور غیرت کا پانی خشک ہو جانے سے آنکھیں اشکبار نہیں ہوتیں تو مر جائیے کہ ڈوب مرنے کیلئے اس سے بہتر موقع نہ پاسکو گے۔

بہت سعی کیجئے تو مر رہیے میرے بس اپنا اتنا ہی مقدور ہے
مسلمانوں کا سانحہ مرگ | سقوطِ ڈھاکہ سے ایک ہفتہ قبل جب احساس و شعور کی

سادہ توانائی یا س وقتوں کے سامنے بے بس ہو چلی تھی اور پچھلے نقش آغاز میں قلم اعتراض عجز پر مجبور تھا۔ تو آج جبکہ یہ واقعہ ہائیک اور قیامت کبریٰ ایک حقیقت بن چکا ہے تو کسے تاب ہے کہ برصغیر کے تقریباً ۲۰ کروڑ مسلمانوں کے سانحہ مرگ پر مجلس عزاء برپا کر کے برصغیر میں اپنی ہزار سالہ عظمتوں کی مرثیہ خوانی کر سکے اور کہنے کو رہ کیا گیا ہے۔ یقینی مت قیل هذا کنت نیا منیام نہیں ہے طاقت گفتار اور اگر ہو بھی تو کس امید پر کیئے کہ مدعا کیا ہے

خلافت بغداد کی تباہی کا ماتم کرتے ہوئے مورخ کبیر علامہ ابن اثیر کو کئی سال تردد رہا۔ قلبی کیفیت کو چھپانے سکے اور لکھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنانا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سنائے۔ کاش! میں نہ پیدا ہوتا۔ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا لیسرا ہو جاتا (الکامل ص ۱۴۷ ج ۱۲) مگر آج کی یہ ذلت فاضلہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہماری پوری تاریخ کا ذلیل ترین سانحہ ہے۔

اسلامی تاریخ کا
ذلیل ترین سانحہ | بابل کا جابر بادشاہ بخت نصیر یروشلم سے ایک لاکھ یہودیوں کو قیدی بنا کر لے گیا تھا کہ ان کی ذلت و مسکنت کی انتہا ہو چکی تھی مگر عہد اسلام تو اس مثال سے نا آشنا ہے۔ مسلمان اور شکست مومن اور ہتھیار ڈالتا تو اتنی متضاد چیزیں ہیں جتنا کہ خود اسلام اور کفر، اسلام کی تاریخ میں نہایت شاذ و نادر مثال فتوحات عراق میں صرف ایک جگہ ملتی ہے کہ نہایت مجبوری کی وجہ سے چند لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا جبکہ ساتھیوں نے میدان جیت کر دم لیا۔ پھر بھی اس واقعہ کا اتنا افسوس ناک ہوا کہ جن لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا وہ مدتوں خانہ بدوش پھرتے رہے۔ شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جا کر تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اوصیاء الیٰ فقیہہ میں داخل ہو مگر ان کو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔ (الفارق)

مگر چرخ نیلگوں نے یروشلم کے بعد پہلی مرتبہ ڈھاکہ سے ایک لاکھ قیدیوں کی شکل میں تاریخ کو دہراتے دیکھا۔ پھر کیا یہ ہماری بے مثال ذلت کی شہادت نہیں؟

یہ قدرت کا قانون ہے کہ اس کی دمی

ہوئی نعمتوں کی بے قدری کرنے والوں

کو ذلت اور نامرادی کا سامنا کرنا پڑتا

ہے تاکہ وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے

پھر کیا یہ اسلام کی شکست ہے؟ کیا نفرت خداوندی اب

عصر حاضر کے ظالم اور باطل طاقتوں کا سامنا نہیں کر سکتی؟

کیا حق و باطل کے سامنے سپر انداز ہو چکا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا خدائے حی و

قیوم سومنات کے مردہ اور جامد ستھروں کے سامنے عاجز اور بے بس ہو چکا ہے؟ مہینیں ہزار بار

نہیں۔ اپنی رسوائی اور ناکامی کو اسلام کے سر تھوپنے والو کیا یہ اسلام اور کفر کا مقابلہ تھا۔ اور کیا

آخری مقابلہ ہو چکا ہے؛ کیا بدر و حنین اور یرموک و قادسیہ مسلمانوں کے نہیں ہندوؤں کے مقرر کئے

نہیں تھے؟ بحر الکاہل کی قتلایم موجوں کو چیر کر جبل الطارق پر علم تو حید نصب کرنے والے کوئی

اور تھے۔ کیا پانی پت اور میوہ کے میدان کسی اور کے خون سے لالہ زار بنے تھے؟ کیا برصغیر میں

پھیلے ہوئے شکستہ کھنڈرات کسی اور کے عہد اقبال کی شہادت دے رہے ہیں؟ اور کیا جلال و

جبروت کا سرخسہ خدائے بزرگ و بوتر — بنو دل ہندو کی بے جان مورتیوں سے شکست کھا

سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ حق و باطل کی پوری تاریخ میں ایسی کوئی شہادت نہ پاسکو گے۔ پھر

یہ کیا تھا۔۔۔۔۔؟ یہ شکست قانون مکافات عمل کا ظہور اور شامت اعمال کا نتیجہ تھا۔۔۔

وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون۔ نفرت اور قوت خداوندی لو، ہمیشہ

قائم اور دائم رہنے کے لئے ہے اور کسی کو اس یقین نہ ہو تو پھر اسے چاہیے کہ اوپر کی طرف

ایک رسی تان کر اس کا پھندا بنالے اور اس طرح اپنے گلے میں پھانسی لگا لے۔ من کان

يظن ان لن يتصره الله في الدنيا والآخرة فليمدد بسبب الى السموات لم يقطع فليظن

هل يذہبن کیدک ما لعیظ۔

سنت اللہ کا ظہور | پس یہ اسلام کی شکست نہیں جو ایک ابدی حقیقت اور سرمدی

صدائق ہے۔ بقا اس کی معیت اور فنا اس سے گرتی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو عروج و زوالِ اہم کے

لئے اللہ کے اُٹل قوانین اور سنت اللہ کا ٹھیک ٹھیک ظہور ہے۔ ذرا بھی اپنے شکستہ دل کے ملیہ میں اس المیہ کے اسباب ٹٹو لو گے تو یہ نتائج تعجب خیز نہیں بلکہ سنت اللہ کے عین مطابق معلوم ہونگے۔ ایسا نہ ہوتا تو اس سنت کی تبدیلی سب کو محو حیرت کر دیتی۔ پس یہ رسوائی اسلام کی نہیں۔ نہ اللہ کے مخلص بندوں کی ہے بلکہ اعمال کا رد عمل ہے۔

منافقانہ کردار اور | نفاق اور کھوکھلے نعروں کی شکست قول و عمل کے تضاد اسلام کو لغزہ
کھوکھلے نعروں کی موت | فریب و استحصال بنانے کی شکست ہے۔ یہ عیاری، فحاشی اور
بے حیائی کی شکست ہے۔ یہ اختلاف و انتشار اور اقتدار کے لئے رستہ کشی کا نتیجہ ہے۔ یہ میکاوی
سیاست کی موت ہے کہ فاروقی سیاست تو غالب رہنے کے لئے تھی۔ یہ خود غرضی اور ہوس اقتدار
کا وبال ہے اور گاڑمی ہلاکت اور بربادی کی اپنی اسی منزل میں جا گری ہے جس کی راہ پر ہم نے
اسے ڈال دیا تھا۔

اب ہم لاکھوں تحقیقاتی کمیشن قائم کریں۔ جنگی اور سیاسی اسباب ٹٹولیں۔ ایک دوسرے کو قربانی
کا بھڑانا کر اپنے مجرم ضمیر کی آسودگی کا سامان کریں۔ ہماری عظمت کا قصر رنج پیوند خاک ہو چکا ہے۔ بلند
ہیں ہو سکتا۔ حتیٰٰ غیر مابا الفتنہم لٹی ہوئی آبرو تحقیقاتی کمیشنوں سے واپس نہیں ہو سکتی۔ نہ نفس
اور قوم کو فریب دینے کے لئے اسی سعی لا حاصل کی ضرورت ہے۔

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا | کریدتے ہو جواب رکھتے ہو کیا ہے
اپنی حالت بدلنے کی بجائے ان ابد فریبوں میں پڑنے والو کہیں کلک تقدیر نے یہ کہہ کر لڑپی
قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا حکم تو نہیں دیا کہ

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

بیشک مایوسی کفر اور یاس و قنوط پیغام موت ہے۔ مسلمان مایوس نہیں ہوتا لیکن وہ اسلام جو
مردہ قوموں کے لئے حیات جاودانی کا مژدہ بننا تھا۔ اس پورے عرصہ آدمی میں کبھی اپنا یا گیا؟ اپنا یا
ہوتا تو یہ روز بد کیوں دیکھتے۔ پھر آج امید و بیم کی دنیا بسائی جائے بھی تو کیسے؟ ہمارے پاس رہ کیا گیا۔
ہے۔ چند آنسو، چند حسرتیں اور چند آہیں۔ قوم کا ساز حیات ڈوب چکا ہے اور وہ جسے ہم عالم اسلام
کا حصہ کہتے تھے خود ہمارے ہاتھوں ٹوٹ چکا ہے۔ ہم نے صلاح الدین کی آبرو مسجد اقصیٰ یہودیوں کے

ہاتھوں لٹادی، وسط ایشیا، سمرقند و بخارا میں اپنی سرخ رویوں کا خزانہ اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ اسپین اور
 سسلی میں اپنی متاع عظمت و شوکت تاراج کرنے والو آج ہند میں مجھو غزنوی کی قبائے عزت و افتخار
 بھی تمہارے ہاتھوں تار تار ہو چکی ہے مگر تمہاری عشرت کی اور ہوسا کیوں میں لمحہ بھر کے لئے کوئی تبدیلی
 نہیں آتی۔ تم میں سے کتنے ہیں جنہیں اس مصیبت کبریٰ کا واقعی احساس ہے۔ کتنی آنکھیں خونبار ہو
 چکی ہیں۔ کتنے قلوب فرط غم سے پھٹ چکے ہیں اور کتنے ہیں جو زندگی کی رنگینیوں کو چھوڑ کر دشت و
 صحرا کے ویرانوں کو اپنی آہ و بکا سے آباد کر چکے ہیں اور کتنے ہیں جنہیں اب اس عظیم المیہ سے سبق
 لینا ہے۔ اٹھو دیکھو پورا برصغیر اسلام کا غربت کدہ بن چکا ہے۔ اور اگر تمہارے مقدر میں
 رونا ہی رہ گیا ہے تو اٹھو اور اپنے نالہ و شیون سے عالم افلاک میں تہلکہ مچا دو شاید رب
 السموات والارض کو ہماری پستی اور بے بسی پر ترس آجائے۔ مسلمانو! سقوط ڈھاکہ وقتی ہمارے نہیں
 یہ ہند میں تمہارے اسلاف کی تیرہ سو سالہ عظمتوں اور قربانیوں کا جنازہ ہے۔ اب تمہیں روٹی، کپڑا
 اور مکان کی نہیں کھوئے ہوئے لباس مجدد و شرف کی ضرورت ہے اور اگر اس حال پر خوش ہو تو یاد
 رکھو کہ خدا کی پستی میں اس لباس سے ننگی قوم کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

یہی ہے زندگی تو زندگی سے موت اچھی

کہ انسان عالم النایت پہ بار ہو جائے

جنگ اور جنگ کے بعد

سن ہے شیخ مجیب نے شراب پر پابندی لگادی۔ جولینہ جنگ کے بعد
 جام شراب | اخلاقی میدان میں بھی بازی لے گیا۔ یہی ریاست تو وہاں پارلیمانی نظام
 کا غلبہ ہے اور یہاں مارشل کی مدح سرائیاں اور جو مملکت جام شراب پر لٹادی گئی وہاں شراب کا
 دور دورہ نہ ہو گا تو کہاں سے کس رو سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز

ادھر جنگ لڑ رہے تھے ادھر لاکھوں روپیہ ایک فاحشہ مغنیہ (نام ہمارا)
 طلوس و رباب | ملکہ ترنم کے دوروں پر خرچ ہو رہا تھا اور ۹۴۵ء میں جی تو اسے ہی

تمہہ دیا گیا تھا۔ کاش ہم جانتے کہ تقدیریں شمشیر و ستان سے بنتی ہیں، طاؤس و باب کا ہر ساز و آواز تو کسی قوم کے خبر مرگ کا نقارہ ہوتا ہے۔

ابن علقمی | خلیفہ مستعصم کے شیعہ وزیر ابن علقمی نے کسی شیعہ سنی فساد پر ناراض ہو کر ہلاکو کے ہاتھوں پوری خلافت بغداد تباہ کر ڈالی معلوم نہیں ہمارے دور کے ابن علقمی یحییٰ خان رافضی نے کس کر بلا کے انتقام میں پوری اسلامی مملکت برباد کر ڈالی ہے۔ یا پھر قدرت نے ہمیں ابن علقمی کی تاریخ دہرانے پر خودیہ سزا دی ہے۔

ہوئے کیوں نہ غرق دریا | یحییٰ خان کی رسوائیوں کے چرچے میں کوئی شریف خاتون تو کیا زنان بازار سی بھی اس رسوائے زمانہ کو اپنی گلی میں جگہ نہیں دیتی۔ بے شک عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ ہے۔ اس کی چادر رحمت و درامرک جاتے تو سب کچھ بیچ دکھائی دیتا ہے۔

پاکستانی حکمران کا اثاثہ | پشاور میں یحییٰ خان کے لٹے پٹے گھر میں صرف بارہ روم سلامت رہ گیا ہے۔ یہ بے کسی عظیم اسلامی سلطنت کے امیر المومنین کا اثاثہ اور کچھ شکستہ جام و سبو بھی جو لپٹا نڈگان کے کام آسکیں۔ کچھ ٹوٹی ہوئی مینائیں جو اس ساقی کو رو رہی ہیں جس کی گردش میں کل تک پیمانے نہیں بھرے مینانے ہو کر تے تھے۔

بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ سامان نکلا

منصوبہ بندی | نئی حکومت نے ایک وزارت خاندانی منصوبہ بندی کی بھی بنا رکھی ہے قدرت کی اتنی بڑی منصوبہ بندی کے بعد کہ ہم گیارہ کروڑ کی بجائے پانچ کروڑ رہ گئے کسی اور منصوبہ بندی کی ضرورت رہ گئی ہے اگر ہے تو اسے بھی قدر پر چھوڑ دیجئے اور انتظار کیجئے۔

بعد از مرگ ماتم عزرا | شہنشاہ ایران ہمدانی اشک ثنوی کے لئے تشریف لائے۔ بعد از مرگ اس ماتم عزرائیں شمولیت بھی صدائق تشکر ہے کہ جشن

ایران میں ہماری دار فتگیوں کا صلہ شام غریباں میں شریک ہو کر قبول کیا مگر دل سے رہ رہ کر صدا اٹھتی ہے کہ ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا۔ نہ ماتم عزرا داری کی ضرورت رہتی، نہ بناناہ کو گند دینے کی

یاج

حائلمین علوم نبوت

مقام و ذمه داریاں

علم و عمل، مدارس عربیہ نظام و نصاب تعلیم

امراء اور خلق خدا سے استغناء اور بے نیازی

اسلامی تاریخ کے زریں اوراق میں ہمیں بے شمار بزرگوں کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے دنیا کی متاع فانی کو بیچ دھتیرا ہا اور ارباب دولت و سطوت کی مادی شان و شوکت ایک لحظہ بھی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکی۔ انہوں نے اپنے ان پاکیزہ نفوس کو طمع و لالچ اور ماسوا اللہ کی ہر امید و آس سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ وہ اگرچہ دنیا کے علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور لوگوں کے اقلیم دل و دماغ کے تاجدار تھے مگر ان کے تمام اوصاف کا گوہر آبدار یہی وصف استغناء عن الخلق اور شان بے نیازی رہا۔ انہوں نے ہفت اقلیم و ملک نیمروز کو ایک جوسے بھی ہتیر سمجھ کر متاع الدنیا قلیل کہتے ہوئے ٹھکرایا۔ ہر آن دنیا کی بے ثباتی اور بیچ میرزگی کی حقیقت ان کے قلوب میں راسخ و ثابت ہوئی اور دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ **وَمَا آتَانِي اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ سَجْدٌ لِلْعُتُودِ** کیونکہ ایک مومن کی نگاہ میں رب العالمین کی عظمت و سطوت کے سامنے دنیا کی فانی اور مصنوعی طاقت و قوت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جبکہ یہ سب کچھ چند روزہ متاع اور ڈھلتی چھاؤں ہے اور **وَمَعَندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى**۔ یہاں ان فاضل حق اور صلحائے امت کے چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی تابعی جو اقلیم علم و عمل کے تاجدار تھے۔ ارباب دولت اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام راستوں سے ہٹ کر دور دراز راستوں اور گلیوں کو اختیار کر لیتے کہ لوگوں کی نگاہ سے بچیں۔ ارباب جاہ و سطوت سے اعراض و گریز کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن میرے گھر پر ظفار و سلاطین اور مجالس میں امراء و حکام کے آنے کے عرصے میں اپنے بیٹے کے دفن کرتے تریح دوں گا۔

حضرت امش جلیل القدر تابعی اور اجلہ امت ہیں سے ہیں۔ ساری زندگی زہد و قناعت اور فقر و
 احتیاج میں گزری۔ کبھی بھی ضروریات زندگی سے اطمینان حاصل ہوا مگر بایں ہمہ فقر و غربت، امراء و
 ارباب دولت سے نہ صرف اعراض و بے نیازی کرتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔ امام
 شافعیؒ کہتے ہیں کہ امش کو روٹی تک میسر نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیاء و سلاطین
 سب سے زیادہ حقیر اور فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ فقر و احتیاج کے باوجود جرات و بیباکی کا یہ عالم
 کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام نے کسی ایسے مسئلہ کے بارہ میں ان کو ملکا جس سے صحابہؓ کے ایک
 گروہ پر تنقید مقصود تھی تو انہوں نے شاہی پیغام رسال کے سامنے ہی یہ خط بکری کو کھلا دیا اور کہا کہ
 اس خط کا یہی جواب ہے۔

اسی عہد کے دوسرے یگانہ علم و فضل اور یکتا زہد و تقویٰ تابعی رجاء بن حیوۃ کا بھی یہی
 شیوہ رہا کہ امراء و سلاطین کے ہاں حاضری اور حاضری و دربان کی منت سے ہمیشہ اجتناب کرتے
 اور اگر کسی نے دیر پوچھی تو فرمایا کہ مجھ کو اس رب العالمین کی ذات کافی ہے جس کے لئے میں نے
 ان کو چھوڑا۔ ان کی زندگی کا اہم کارنامہ اور ملت محمدیؐ پر ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ سلیمان بن
 عبدالملک نے انہی کے مشورہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز (مجدد اول) کو خلیفہ نامزد کیا۔ خالوادہ فاروقی
 کے گل سرسید اپنے جد امجد سیدنا عمر فاروق اور اپنے نامور والد حضرت عبداللہ کے سچے جانشین
 حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کا بھی امراء کی داد و دہش سے بے نیازی کا یہی عالم تھا کہ ایک مرتبہ
 جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب حج کرنے آیا اور کعبۃ اللہ میں حضرت سالم بن عبداللہ سے
 درخواست کی کہ اپنی حاجات اور ضروریات بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے
 گھر میں کسی غیر سے مانگوں۔

محبت الہی سے سرشار ان فقراء و زہلوں نے فقر و فاقہ اور شدت بھوک کے باوجود غیر اللہ سے
 طمع و لالچ تو کیا مشتبہ چیزوں تک سے احتراز کیا۔ مولانا گیلانی مرحوم نے خطیب بغدادی کے
 حوالہ سے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارہ میں روایت درج ہے کہ حضرت عمارت محاسبی ایک مرتبہ

ان کے سامنے آئے۔ چہرے سے معلوم ہوا کہ بہت بھوکے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے کھانا تانہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت ہوئی تو اکرام حنیف کے خیال سے حضرت جنیدؒ نے بجائے اپنے گھر، اپنے چچا (جو بہت دولت مند تھے) کے ہاں سے مختلف اقسام کے کھانوں کا سجا ہوا خوان لاکر پیش کر دیا۔ حضرت عارثؒ نے ایک لقمہ لیا اور منہ میں گھماتے رہے لیکن نہ نکل سکے اور حیب کھڑے ہو کر جانے لگے تو دروازہ پر پہنچ کر اس لقمہ کو بھی اگل دیا۔ حضرت جنیدؒ نے دیر پوچھی تو فرمایا بھائی میری ناک مشتبہ کھانے کی بو کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔

اسلاف کی شان بے نیازی

ریاستہائے متحدہ آگرہ و اودھ کے انگریز گورنر نے حضرت شیخ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس ارادہ کی اطلاع پھیلتے پھیلتے حضرت کے قصبہ گنج مراد آباد پہنچی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کو سختی سے کچلا گیا تھا۔ اور انگریز کے دیدہ اور ہیبت سے رعایا ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی۔ ایسے وقت میں ایک انگریز گورنر کی آمد کی خبر سے گنج مراد آباد میں ہلچل مچ جانا لازمی بات تھی۔ گاؤں کی پوری آبادی گورنر کے استقبال وغیرہ کی تیاریوں میں لگ گئی۔ ادھر مریدوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ خانقاہ شیخ میں نہ تو کوئی کرسی ہے نہ ڈیسک۔ جبکہ گورنر بغیر اس کے بیٹھ نہیں سکے گا۔ شیخ جو ابھی تک اس ہنگامہ سے بے خبر یا دلہی میں محو تھے۔ اس تنگ و دو کی وجہ دریافت فرمانے لگے۔ جواب میں کہا گیا کہ ولایت متحدہ کے گورنر حضرت سے ملنے آرہے ہیں۔ اور یہاں اس کے نمایاں شان ایک کرسی تک نہیں۔ شیخ نے اس خبر کو تھیرا اور معمولی سمجھتے ہوئے لوگوں کے اس اہتمام اور دوڑ دھوپ پر سخت ناگواری ظاہر کی۔ اب شیخ نے چاہا کہ ان کو ارباب دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ایک ناقابل فراموش درس دیں اور انہیں یہ بتلا دیں کہ اہل دین کی نظروں میں دنیاوی اقتدار اور شوکت و سطوت ہیچ ہے۔ اور ایک مومن کا دل کبھی ان فانی عظمتوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

شیخ نے اچانک خدام سے دریافت فرمایا کیا یہاں خانقاہ میں پانی کا منہا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں موجود ہے۔ تو فرمایا کہ اسے میرے نزدیک الٹا رکھ دیجئے تاکہ گورنر اس پر بیٹھ سکے۔ خدام حیرت سے خاموش رہے۔ جب گورنر آئے تو محبوب حقیقی کی عظمتوں میں مستغرق شیخ نے عام لوگوں کی طرح دیر تک اس سے باتیں کیں۔ کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ وہ کسی ذی جاہ اور صاحب اقتدار حاکم سے باتیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ نے گورنر کی حکومت پر تنقید کی۔ اور کہا کہ رشوت ستانی اور ظلم تمہاری حکومت میں عام ہو گیا ہے۔ گورنر کے ساتھ اس کی بیوی بھی آئی تھی جو قریب بیٹھی تھی۔ حضرت نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ تم لوگوں میں شرم اور حیا کی کمی ہے۔ گورنر آخر تک سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

دستارِ فضیلت یا کانٹوں کا ڈھیر

دارالعلوم حقانیہ کے جلسہ دستار بندی میں بزرگوں کے ہاتھوں دارالعلوم کے جن فارغ التحصیل فضلاء کی دستار بندی ہو رہی ہے، ہم ان کی خدمت میں دلی مبارک باد اور پُر خلوص جذبات پیش کرتے ہوئے اتنا عرض کریں گے کہ یہ دستارِ فضیلت اگر مقام و منزلت کے لحاظ سے سرخروئی داریں کا تاجِ مرصع ہے، تو ذمہ داری اور تقاضوں کے لحاظ سے اتنی نازک ترین امانت جس کا سنبھالنا پہاڑوں، دیواروں اور آسمانوں کے پس میں نہیں۔ یہ آپ کی مسندِ وراثتِ نبوت اور مقامِ دعوت پر فائز ہونے کی علامت ہے۔ اور آپ کو زندگی کے ہر اجتماعی و انفرادی موڑ پر اس منصب کی لاج رکھنی ہے اور وراثتِ انبیاء کے تقاضوں کو نباہنا ہے۔ یہ ایک داعی اور نذیریہ کا مقام اور بلا خوفِ لومۃ لائم کلمۃ حق کہنے کا منصب ہے۔ اس علم کو مادی اجر و منفعت طمع و حرص، خوف و لالچ اور نفاق و مداہنت کی آلائشوں سے پاک رکھنا ہے۔ پھر اس عہدِ ظلمات نے تو آپ کی ذمہ داریاں اور بھی نازک بنا دی ہیں۔ نبوت، چونکہ

آقاؑے دو جہاں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے
کارِ نبوت یعنی دعوت الی اللہ امر بالمعروف تنفییر منکر۔ احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ امت
کی اس جماعت ہی کو ادا کرنا ہے جسے اس کے پیغمبرؐ نے انبیاء بنی اسرائیل کے
مشابہ ٹھہرایا (علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل) ان تقاضوں کی رو سے یہ دستار صرف
پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا ڈھیر بھی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا تلامذہ کو الوداعی نصیحت | ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ النعمانؒ
نے فارغ ہوئے والے اپنے ممتاز تلامذہ کے اہم مجمع میں الوداعی نصیحت کرتے
ہوئے فرمایا تھا کہ:-

”اللہ کا واسطہ اور علم کا جو حصہ آپکو ملا ہے اس علم کی عظمت و جلال کا حوالہ
دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی قوت
سے بچاتے رہنا۔ آگے چل کر فرمایا۔ امام (مسلمانوں کا حاکم اور امیر)
اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے تو اس امام سے
قریب ترین عالم کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے۔ (موفق ج ۲ ص ۷۷)
حضرت الامام کے ان کلمات میں ہم سب کے لئے مقام نصیحت ہے۔ اب
یہ آنے والے حالات پر ہے کہ اس آزمائش اور امتحان میں کون پورا اترتا ہے۔
(۷۶)

شیخ الازہر کی اہل علم کو نصیحت

دنیاؑے اسلام کی قدیم اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر اور اس کے شیخ۔ شیخ الاعظم
کاہرہ دور میں اسلامی دنیا میں ایک خاص مقام رہا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں جامع ازہر کے
موجودہ شیخ عبدالخلیم محمودؒ نے سرزمین پاکستان کو اپنی آمد کی ثمر بخشی۔ اہل علم مدارس تعلیمی اداروں
اور کئی شہروں کو اپنی زیارت سے نوازا۔ شیخ عبدالخلیم محمودؒ صرف شیخ الازہر کی حیثیت سے
بلکہ اپنے ممتاز علمی مقام اور نمایاں خدمات کی وجہ سے بھی اس دور کی قیمتی شخصیات میں سے

ہیں خوش قسمتی سے راقم الحروف کو بھی اپنے ایک دوستوں کے ساتھ جس دن راولپنڈی سے ان کی روانگی تھی، تقریباً ایک گھنٹہ تک یکسوئی اور تنہائی میں زیارت اور ہمدردی کا شرف حاصل ہوا انہوں نے ازراہ حقیقت نہ صرف زبانی بلکہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر نصائح سے بھی نوازا۔ شیخ کے مقام و عظمت اور اس تحریری نصیحت کی جامعیت اور افادیت کے پیش نظر ہم اپنے قارئین کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ الازہر نے اہل علم کو خاص طور سے مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

النصيحة ان يهب الانسان	نصيحت یہ ہے کہ انسان نبی کریم
نفسه لله تأسياً برسول الله	علیہ السلام کے اقتدار میں اپنے
صلى الله عليه وسلم الذي	آپ کو اللہ کے حوالے کر دے
يقول الله سبحانه وتعالى له-	جنہیں خداوند کریم نے مخاطب کر
قل ان صلواتي ونسكي ومجياي	کے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ
ومماتي لله رب العالمين	میری نماز اور عبادتیں میری زندگی اور
لا شريك له وبذلك امرت	موت صرف اور صرف اللہ رب العالمین کیلئے
وانا اول المسلمين وخاتم الانسان	ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہی مجھے حکم
اذن يجب ان تكون لله واذا	دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے
ما وهب الانسان حياته لله	تسلیم و انقیاد ختم کرنے والا ہوں۔
فيجب عليه ان يشق نفسه	پس اب لازم ہے کہ انسان کی
اسلامياً وذلك بدراسة القراء	زندگی صرف اللہ کے لئے ہو
الكريم والسنة النبوية	اور جب انسان اپنی زندگی خدا
الشريف ومن افضل الكتاب	کو بخش دیتا ہے تو لازم ہے کہ
بعد القران الكريم كتب	اپنے نفس کی اسلامی حیثیت سے
آئمه الحديث مثل صحيح البخاري	اصلاح کرے یہ اصلاح اور
ومسلم وكتاب رياض الصالحين	شائستگی قرآن کریم اور سنت

وڪذا لك كتاب احياء علوم
الدين وكتاب السيرة النبوية
لاين كثير -
نئی کریم سے ہو سکتی ہے۔ اور
قرآن کے بعد سب سے بہتر
کتابیں ائمہ حدیث کی کتابیں ہیں۔
مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف، ریاض الصالحین اور احیاء العلوم
اور ابن کثیر کی سیرت نبویہ۔

واذا ذهب الانسان نفسه
لله فعليه ان يهدي
الافسون الى الله تعالى و
ذلك باله عوده الى التمسك
بالدين و التمسك بالخلق
الصالح -
اور جب انسان سب کچھ خدا کے
سپرد کر دے تو یہ بھی ضروری ہے
کہ اب اوروں کی بھی اللہ کی
طرف رہنمائی کرے۔ یہ کام
دین پر عمل پیرا ہو کر اور اسلام
کے اخلاق و اعمال صالح اپنا
کر ہو سکتا ہے۔
واللہ الموفق۔

عبد العليم محمود شيخ الانهر

شیخ الازہر کے مذکورہ جامع کلمات میں عام مسلمانوں اور اہل علم کے
لئے صواب نصیحتیں ہیں۔ ہم پاکستان میں ان کی آمد کے موقع پر تہ دل سے ان کا
خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور اسلامی دنیا کے لئے جامع ازہر کے زیادہ سے زیادہ
بہتر خدمات کے متمنی ہیں۔ اپریل ۱۹۷۶ء

شاندار علمی ماضی سے رابطہ کی ضرورت

ممتاز مسلمان عالم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حال مقیم بیرس نے دنیا کے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ فقہ حنفی کی اہم ترین شخصیت امام محمد بن الحسن الشیبانی کی بارہ سو بیس برس برپا سہ ماہی سے منائیں۔ جو کہ ۱۳۸۹ میں منائی جا رہی ہے۔ اس موقع پر یونیورسٹی کو نے امام شیبانی کی کتاب سیر کبیر کا فرانسیسی ترجمہ شائع کرنے کا اعلان کیا ہے! امام اعظم کی فقہ کی اشاعت اور اس کی تدوین اور ترتیب میں امام محمد کو بنیادی مقام حاصل ہے اور ان کی مذکورہ کتاب تو عالمی تاریخ میں بین الاقوامی تعلقات اور قوانین پر قدیم ترین کتاب مانی گئی ہے، مسلمانوں کے ایک جلیل القدر فرزند کے علمی کارناموں کی یاد اور ان کی ترویج و اشاعت اور تعارف کی غرض سے مشرق کے مابین عالم ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ اپیل ہر لحاظ سے قابل توجہ ہے، مگر مسلمانوں میں آج کتنے ہیں جنہیں اپنے شاندار ماضی کے ایسے لامثال افراد کے نام تک بھی معلوم ہوں، جن بزرگوں کے علوم و آراء سے استفادہ اور اشاعت کو یورپ بھی اپنے بدترین تنصب کے باوجود ضروری اور قابل فخر سمجھ رہا ہو، آج خود مسلمانوں کو ان پر کتنا اعتماد اور ان کے علوم سے کتنا رابطہ ہے؟ مارچ ۱۹۶۸ء

مسلمانوں کے عروج و زوال میں علما کا کردار

عربوں کے حالیہ ”الہیہ“ سے یہ حقیقت ایک بار پھر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ سرخروئی اور کامیابی کے لئے مسلمان قوم کا ایمان محکم، اعمال صالح سے آراستگی، دینی روح اور اسلامی جذبات سے سرشاری، دینی ورثہ اور اسلامی روایات سے والہانہ فلاحیت، اعلیٰ حق اور دین کے لئے مرٹنے کا بے نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی طبقہ یا علاقہ ان اعلیٰ مؤمنانہ صفات اور خصوصیات سے محروم ہو جائے تو ناممکن ہے کہ صرف مادی اسباب و وسائل، ظاہری شان و شوکت، آلات حرب و ضرب اور عددی قوت و کثرت اُسے اُس دولت اور ”خِذْلان“ سے بچا سکے جسے صریح اہفاقہ میں خلو و کفیم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے: ”ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان ینخذکم من ذالذی ینصرکم من بعدہ“۔ مگر یاد رہے کہ مسلمانوں کا ان ایمانی اوصاف سے اتھاف تب ممکن ہے کہ اپنے روحانی سرچشمہ اور اسلامی تعلیمات، کتاب و سنت اور اسوۂ رسول و صحابہؓ سے ان کا رشتہ اور تعلق بہت گہرا اور مستحکم ہو۔ اس تعلق کے قیام و استحکام کی سب سے بڑی ذمہ داری علوم اور تعلیمات اسلام کی نمائندگی کرنے والے اس طبقہ پر عائد ہوتی ہے جسے ”علماء کرام“ اور راہنمایان دین و شریعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جن کا مقام و منصب ایک سلم معاشرہ میں دینی امامت و سیادت اور ولایت و نیابت نبوت کا ہے۔ ایمان و ہدایت کے یہ سرچشمے اگر متحرک، پُر جوش، باعزم ہوں گے تو ملت کی سوکھی کھیتیوں کی آبیاری ہو سکے گی۔ اور اسلامی اقدار و روایات کی روشنی میں تاریک دل منور ہو سکیں گے۔ ضروری ہے کہ وہ خود ان علوم ربانی اور ہدایات نبوی کا عملی نمونہ ہوں۔ اور عظیم ایمان و یقین اور عمل صالح بن کر قوم کے سامنے آئیں، ان کا وجود اسوۂ نبوی اور سیرت صحابہؓ کا زندہ اور چلتا پھرتا پیکر ہو۔ وہ حرص و لالچ، طمع و خوف کی تمام آلائشوں سے پاک ہوں، دنیا کی فانی لذت اور عیش و عشرت کی چمک و مک سے

ان کی آنکھیں خیر نہ ہوں، دنیا کی بڑی سے بڑی قوت و سطوت اور وعدہ و وعید سے ان کے قدم جادہ حق سے نہ ڈگمگائیں۔ وہ بغیر کسی امیدِ نفع اور بجاہِ طلبی کے بلا خوف و لومۃ لائم، اجرِ آخرت، خوشنودی مولا اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر شہانہ روز اپنے فرائض منصبی ادا کئے جائیں اور راہِ حق میں ان کی پرواز ہر قسم کی مادی اور دنیاوی ”بندشوں“ سے آزاد رہے۔

علماء اور معاشرہ کی تشکیل | ”وائٹین انبیاء“ کا اتنا اونچا اور کامل معیار جب معاشرے کے سامنے آئے گا۔ تو لازماً ان کی ”گرفت“ ملک و ملت پر مضبوط اور لاسخ ہوتی چلے گی۔ ان کی عقیدت اور گردیدگی کی جڑیں قوم کے قلوب سے اور شاخیں آسمانوں سے پار ہوں گی اور اس ”کٹر ملائیت“ اور ”مذہبی اجارہ داری“ کے صدقے قوم کی اکثریت اس دینِ فطرت اور صبغۃ اللہ میں رنگ جھانے گی جسے آپ ”کٹر ملائیت“، ”ذقیانوسی“ اور جمعیت پسندی سے پکارتے ہیں۔ عرب عوام کے سامنے عرصہ سے اس ملائیت کے نورانی اور عرفانی نمونے نہیں آ رہے تھے، وہاں کے علماء کی اکثریت نے عوام کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ حرص و انا اور عہدہ و منصب نے ان کے ضمیر اور قوتِ ایمانی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یا پھر وہ قوت و طاقت، عہدہ و منصب کی پُر فریب سنہری زنجیروں میں پا بہرِ سلاسل ہوئے۔ وہ خود رسول اللہ کے اُسوۂ حسنہ کو چھوڑ بیٹھے اور یہود و نصاریٰ کے تمدن میں ڈوب گئے۔ متبر و محراب میں اقتدار کی دست اندازیوں سے کلمہ حق اور اعلیٰ اقدار کی اشاعت کے راستے مسدود ہو گئے۔ تو لازماً مسلم معاشرہ پر ان کی گرفت کمزور پڑ گئی اور پورا معاشرہ مادیت اور نام تھاؤں کے قعرِ مذلت میں گرتا چلا گیا، قومی خود داری، دینی احساس و شعور، جہاد اور جان نثاری کے جذبات سرد پڑ گئے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگی۔ اور صرف سائنس اور ٹیکنالوجی اور عصری علوم اور نظریات سے کام نہ چل سکا۔

علماء اور ملائیت کے دشمن تجدید پسند | ”تجدید پسندوں“ اور ”روشن خیالوں“ کا وہ طبقہ جو اس ملک میں ”علماء اور ملائیت“ کی کمر توڑنے کے درپے ہے۔ اور اپنی

اس مذہبی انارکی اور ”مذہبی گرفت“ سے آزادی کے لئے وہ آئے دن مصر، عراق، ترکیہ اور لبنان ^{لبنان} اور ایران کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ یہاں بھی وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں جو مصر و شام میں دہرائی گئی۔ اور اس سے پہلے اندلس و البانیہ میں یا سمرقند و بخارا اور وسط ایشیا کے دیگر اسلامی حصوں میں۔ کیا ان ممالک میں اسلام کا زوال اپنے وقت کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے انتہائی عروج کے زمانہ میں شروع نہیں ہوا۔ مادی قوت اور دنیاوی ترقی کے منتہائے کمال کے وقت ”ملائییت“ کی گرفت ان ممالک میں ڈھیلی پڑ گئی اور نتیجہ سب کے سامنے ہے اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ ”انہوں نے ملائی نظام کی کمزوری تھی اور ملائییت سے بچھا چھڑانے لگے تھے“

ملائییت اور سائنسی ترقی | جن ممالک نام لیکر آپ ملائییت اور اسخ العقیدہ اسلام کو یہاں گردن زدنی قرار دے رہے ہیں کیا ان میں سے بہت سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم سے آگے نہ تھے؟ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ سائنسی لحاظ سے کمزور تھے تو ”ملائییت“ نے ہمیں کب سائنسی ترقیات سے روکا؟ کہ سارا الزام سب سے بڑھ چلا جائے ”اسلام“ کی وہ کونسی بنیادی تعلیم ہے اور اعظم و اکابر اسلام کی وہ کونسی شخصیت ہے جو اس طویل تاریخ میں سائنسی اور حری ترقیات میں رکاوٹ بنی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے مراد اگر مادی ترقیات اور ملک کی حفاظت و بقا اور دشمن کی ممانعت کی خاطر جنگی استعداد بڑھانا ہے تو وہ اسلام علیہ جس نے دشمن کے خلاف تیاری، اعدا و استعداد کو کسی حال سے مشروط اور کسی مقلد سے محدود نہیں کیا۔ اس نے اساسی ارکان نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کیلئے تعدد و زمان کی حدود و قیود مقرر کیں۔ مگر یہ کہہ کر جہاد اور جنگی تیاریوں کیلئے ہمہ وقتی اور ہر ملکی جدوجہد کرنے کا حکم دیا کہ داعی و الھم ما استطعتم اس کیلئے کوئی حدود و قیود نہیں اور جتنا بھی آپکا بس چلے دشمن کے مقابلہ میں تیاری کرو۔ یہ استطاعت اپنے اندر لا محدود مفہوم رکھتی ہے۔ ہاں اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کے تکرار عصری تقاضوں اور زمانے کی رفتار کے دروازے کے ساتھ ساتھ اسلام کے ترجمانی کی نصیحت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا امتیاز ختم کر دیا جائے۔ اور اسلام کو سود، قمار، شراب، بے پردگی، فحاشی میں رکاوٹ نہ بنایا جائے۔ نام نہاد اقتصادی اور معاشی ترقیوں کی خاطر نہ تو نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ پر وقت ضائع کیا جائے ورنہ ان اصطلاحات پر زور دیا جائے بلکہ انکی روح کو کافی سمجھا جائے عصر حاضر کے ہر لادینی ازم اور تحریک کے ساتھ اسلام کا بیوند لگا یا جائے اسلام کے تعبیرات اور اساسی اصول پر نہ اڑا جائے۔ تو یقیناً جلیبے کہ ایسا کرنا صرف ملائییت ہیں اسلام اور ”اسلامیت“ ہے۔ تمہریت اور صدیقیت ہے۔ یہ ملائی نظام نہیں فاروقی نظام ہے۔ یہ ملازم نہیں عثمان و علی اور تمام صحابہ کا ازم ہے۔ پھر آپ کو کس کر ”ملائییت“ کی بجائے ”اسلامیت“ کا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔ اگست ۱۹۷۶ء

مقام دعوت و عزیمت

صفر کے پہلے ہفتہ میں لاہور میں جمعیتہ العلماء اسلام کی عظیم الشان کانفرنس ہوئی، ملک بھر کے ممتاز علماء کی شمولیت، دینی و ملکی معاملات کے ہر گوشہ پر جامع اور ہمہ گیر انداز میں مصلحتانہ سوچ و بچار، دینی احساسات اور جذبات کا نہایت پُر امن اور باوقار طریقہ سے مظاہرہ، اور نظم و نسق کے لحاظ سے بجا طور پر یہ اجتماع ایک مثالی اجتماع تھا، مجموعی طور پر اس اجتماع سے خوابیدہ جذبات بیدار ہوئے، دل لے تازہ ہو گئے اور یاس و قنوط کے باؤل چھٹ گئے دینی افق پر آوازہ حق کا لے آفتاب و ماہتاب جس شان بان سے طلوع ہوا اس کی چمکا چوند سے اہل ہونہی و الحاد کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دینی زوال و اندراس کا خواب دیکھنے والے حواس باقمہ ہو گئے۔ اور اسلامی تاریخ کی یہ روشن حقیقت ایک بار پھر آشکارا ہو گئی کہ ارباب عزیمت اور حق پرست علماء کے پایہ ثبات کو نازک سے نازک حالات بھی جاوہ حق سے نہیں ڈگمگا سکتے اور نہ حالات کی نامساعدت انہیں فریضہ اعلیٰ حق کی ادائیگی سے روک سکتی ہے۔

علماء حق اور اسلاف کی وراثت | علماء حق ان اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے ہر دور میں اسلام کا نشان بلند و بالا رکھا شاہ ولی اور شاہ عبدالعزیز کے علوم و افکار کی ترجمان سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی قربانیوں کی امین مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی کے عزم اور ولولہ جہاد کی محافظ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن، بطل جلیل شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا محمد علی جوہر کی وراثت اور عظمتوں کی حامل جماعت بھی اگر دین کی حفاظت و اشاعت اور تحریک اسلام کی حراست و مدافعت میں غفلت برتنے لگے تو چہستان دعوت و عزیمت کی رونق اور بہار کیسے قائم رہے؟ جبکہ حسب بشارت نبویہ قیامت تک دعوت و عزیمت کے اس گمشدہ محمدی کوسد بہارا اور سرسبز و شاداب رہنا ہے۔ لا تنزل من امتی امة قائمة

بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَخِرُّ هَمٌّ مِنْ خَدِّهِمْ وَلَا مِنْ خَالِفِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ مِيرِ امْتِ مِیں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ملامت اور مخالفت کرنے والوں سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے اور یہ لوگ اسی حالت میں ہوں۔ اس رواں دواں اور سدا جوان دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے ہر کٹھن گھڑی میں خدائے حق قیوم نے بصیرت صدیقی، حیثیت فاروقی، تحمل عثمانی اور فراست حیدری سے سرشار ارباب عزیمت، ائمہ رشد و ہدایت اور دارثانِ علوم نبوت علماء حق کی دستگیری فرما کر انہیں توفیق دی ہے کہ بقولِ خبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم ان کا شیوہ سحیات اور مقصدِ زندگانی یہی رہ گیا ہے کہ یتفون عنہ ردین اللہ (تحریف الغالین دانت حال المبطلیں و تاویل الجاہلیں)۔ اپنی بدعت کی احداث و تحریف اور اہل باطل و معاصی جہل کی تاویل و تبلیہ سے دینِ خداوندی کی مدافعت کریں۔ ہم علماء کرام گے ان روح پرور مظاہراتِ دعوت و عزیمت پر خداوندِ قدوس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں اور دعا ہے کہ خداوندِ قدوس اس اجتماع کے اثرات کو دیر پا بنا کر ان مساعی کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ملک و ملت کی حقیقی فلاح و سرخروئی کا ذریعہ بنا دے اور اہل حق کو مزید جوش و ولولہ اور پائدار جدوجہد، نظم و ضبط اور بہترین صلاحیتوں سے نوازے۔

دہون ۱۹۶۸ء

علماء قوم کو ورطہ حیرت سے نکالیں

ملک کے ہمہ گیر انقلاب نے اب تقسیم ہند سے قبل ہنگاموں جیسا سماں پیدا کر دیا ہے لاہور میں جمعیت العلماء اسلام کے زعماء کے ساتھ سنگدلانہ اور دشمنانہ سلوک اس بخوانی جدوجہد اور اقتدار کے تشدد کی ایک انتہائی مثال ہے۔ جمعیت کے محترم رہنما اور ہم سب کے خدو خدوہ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کے ساتھ جو تک آمیز سلوک ہوا وہ جتنا افسوسناک ہے علماء حق کی سرخروئی، مقاصد میں کامیابی اور فریضہٴ اعلا کلمۃ اللہ سے عہدہ برائی کے لحاظ سے اتنا ہی خوش آئند اور قابلِ صد فخر و مسرت ہے۔ حق کی شمع علماء حق کے خون سے روشن چلی آرہی ہے۔ روشنی کے

جس قبیل کو احیاء سنت کی خاطر امام احمد بن حنبلؒ نے رمضان کے مہینے میں تازیانے کھا کھا کر اپنے پاکیزہ خون سے فروزاں کیا۔ ہمارے اکابر نے رمضان کے وداعی جمعہ کو شہیر اسلام حضرت لاہوریؒ کی مسجد شہیر لوالہ گیٹ میں اس سنت حنبلی کو تازہ کیا۔ یہی ابوحنیفہؒ کا اسوہ ہے، اور یہی مالک بن انسؒ کا طریقہ۔ ان سب کی ایک ہی بات تھی کہ قرآن و سنت سے کوئی دلیل پیش کر دو تو ہم مان لیں۔ پھر اس سرزمین میں اسلام کا نشان تو ہمارے صاحب دعوت و عزیمت اکابر ہی کی مجاہدانہ قربانیوں سے بلند و بالا ہے۔ پھر کب ممکن ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اور شہداء اے بالاکوٹ کی عظمتوں کے حامل اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبندی کے صفات و کمالات کی امین اور بطل اسلام مجاہد اعظم مولانا حسین احمد مدنیؒ کی حمیت دینی کی وارث جماعت اعداء کلمۃ اللہ کے لئے سرفروشانہ جہد و جہد میں کسی سے پیچھے رہے۔ علماء حق کا قافلہ انہی قربانیوں کا زاریہ ہے کہ رواں دواں ہے۔ اور اس راہ کی صوبیتیں ان کی گرمی رفتار کے لئے تازیانے ہیں۔ ہمارے سرفروشانے اور پنجاب ہے کہ جمعیتہ العلماء نے پچھلے سال لاہور کے جمعیتہ کانفرنس کے ذریعہ جن جموں اور تعلق کو توڑا تھا۔ اب لاہور کے حالیہ المیہ نے اس ساری فضا کو جمعیتہ کے علم بھری کے زیرِ بین کر دیا ہے۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں جمعیت العلماء اسلام مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔ وہاں کے اکابر نے ازراہ شفقت و حوصلہ افزائی اس کم سواد طالب علم کو بھی اس میں شرکت کرنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر جب کہ ملکی حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں۔ اور نئے نئے اعلانات مختلف نظریات اور طرح طرح کی بولیوں کی وجہ سے قوم کے سامنے مستقیل کے لئے کوئی واضح اور قابل اطمینان لائحہ عمل نہیں آ سکا۔ ہمیں کانفرنس میں شامل ہونے والے اکابر علماء حق سے قوی توقع ہے۔ کہ وہ ہر جوڑ کر موجودہ اور آئندہ حالات کے بارہ میں کسی ایسے نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں جو ملک و ملت کی سلامتی، اسلام کی حفاظت اور نظریہ پاکستان کے تحفظ اور وحدت و سالمیت ہر لحاظ سے تسلی بخش اور قابل اطمینان ہو۔ ورنہ ملک کی موجودہ حالت تو شامت اعمال کی وجہ سے ”نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن“ کی مصداق ہے۔ موجودہ

اقتدار اور نظام کو تو جانے دیجئے کہ اسی نے تو ملک کو یہ روزِ بد دکھایا مگر کیا حزب اختلاف کے متضاد دعاوی اور متضاد نظریات اور مختلف عزائم اور افکار کے سایہ میں اس ملک کو عافیت نصیب ہو سکے گی؟ اس ورطہٴ ہیرت سے قوم کو نکالنا ان ہی علماء حق کا فریضہ ہے جنہیں علم اور تجربہ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے باطنی فراست اور ربانی بصیرت سے نوازا ہے۔ ورنہ ہم جیسے عایموں کی نظروں میں تو اس وقت پورے پاکستان کی حالت اس وادیِ تیبہ جیسی ہے جس میں نعمتِ آزادی کی نگاتا ناشکری اور نواہیسِ خداوندی کی بیقدری کرتے پر خداوند تعالیٰ نے اسرائیلیوں کو حیران و سرگردان پھنسا دیا تھا۔ بائیس سال تک پوری قوم حاکم اور رعایا نے جو کچھ کیا اگر اس کے ردِ عمل میں یہ موجودہ حالات رونما نہ ہوتے تو سنت اللہ کے خلاف اور موجبِ ہیرت ہوتا۔ ہماری دعا ہے کہ علماء حق اور مخلص درمندان ملک و ملت میدان میں آکر مایوسی کو یقین و اطمینان میں بدل دیں۔

علماء حق کا مخاطبہ ایمان و عمر و میت

جون کے آخری ہفتہ لاہور میں جمعیتہ العلماء اسلام کے زیر اہتمام آئین شریعت کانفرنس کا اتنے عظیم اور منظم پہیہ نے پر انعقاد اس ملک کی علمی و دینی تاریخ میں ایک مثالِ واقعہ ہے اور جمعیتہ العلماء اسلام کے اکابر بجا طور پر اسلامی قوت و شوکت کے اس شاندار مظاہرہ پر تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔ مجلسِ والی شہید گمری میں اتنے بڑے پہیہ پر ملک کے دور دراز گوشوں سے دین کے طلبکاروں اور اسلام کے مجاہدوں کا آئین شریعت کے نام پر لبیک کہنا اور بے مروت سامانی کے عالم میں اس ہوش، عزم، اخلاص اور نظم و ضبط کے ساتھ لاہور میں جمع ہونا اس ملک کے دینی مستقبل کے لئے تائیدِ غیبی سے کم نہیں۔ بے شک اس کانفرنس اور اس کے جلوس نے اس ملک میں علماء کی قوت کا سکہ بٹھا دیا ہے اور یہ حقیقت ایک بار پھر ابھر کر سامنے آگئی ہے کہ یہاں کے عوام پاکستان میں اسلامی نظام کے سوا کوئی آئین، نظریہ اور کوئی ازم قبول نہیں کر سکیں گے، علماء، ائمہ، خطباء اور عام مسلمانوں کی عظیم طاقت ہر اس شخص کے لئے ایک للکار ہے

جو اس ملک میں کسی غیر اسلامی نظام کے قوانین دیکھ رہا ہے۔ یہ ایک چیلنج ہے اُن
اغراض پسندوں کے لئے جو آج سیاست کی خاطر اپنے کفر یہ عزائم پر اسلام کا خول چڑھانا
چاہتے ہیں۔ باطل کی ان تمام قوتوں کو جلد یا بدیر وسائل اور اسباب سے یکسر محروم
مگر اللہ کے ہاں پسندیدہ اور محبوب طبقہ ”علماء کرام“ اور متلاشیانِ شریعت کا سامنا
کرنا پڑے گا۔ جن کی ظاہری یا باطنی تمام سازشیں اس ملک میں شریعت محمدیؐ کے پروان
نہ چڑھ سکنے کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ اس کافرنس سے چند باتوں میں تو پورے ملک
کے مسلمانوں کی ترجمانی کی ایک تو آئین شریعت کی ترجمانی اور دوسری بات یہ کہ مغربی سامراج
عالم اسلام کا اولین و بدترین دشمن ہے اور ہماری تمام داخلی و خارجی پریشانیوں کا بنیادی
سبب مسلمانوں کا ابدی و اندلی دشمن یورپ ہے۔ تیسری حقیقت یہ سلسلے آئی کہ
پاکستان کا کوئی بھی عالم انشاء اللہ سوشلزم، کمیونزم یا کسی دوسرے لادینی نظام کی لعنت
ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکے گا۔ اور آج اگر وہ ایک محاذ پر مصروف جنگ ہے تو
کل اس سے زیادہ مقابلہ دوسرے محاذوں پر بھی ہونے والا ہے۔ امید ہے آئین
شریعت چاہنے والے موجودہ کامیابی پر قناعت کرنے کی بجائے اپنی جدوجہد کو تیز تر
رکھیں گے۔ کثرت پر عجب سے بچنا چاہیے دیوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم
میں ہمارے لئے سبق ہے۔ اس طاقت اور قوت کو اور منظم اور مستحکم کرنا چاہیے شریعت اسلامیہ
کے مطالبہ کی اس وسعت و گہرائی کا یہ تاثر اور بھی گہرا ہونا چاہیے اور دینی و علمی شیرازوں کو بھی
مجمع کرنے کی فکر رہنی چاہیے جب تک کہ آخری منزل تک رسائی نہ ہو۔

ولتکون کلمۃ اللہ ہی العلیاء۔ جولائی ۱۹۷۶ء

ڈھاکہ میں جمعیتہ العلماء اسلام مشرقی پاکستان نے ایک کھلے اجلاس کی شکل میں نئی دست
ہمہ گیری اور قوت کا مظاہرہ بھی کیا جو وہاں کے علماء حق کو حالات کی نزاکت اور تنظیم کی ضرورت
محسوس ہو جانے کے لحاظ سے لائقِ تحسین ہے۔ اس ناپیروز کا تاثر ملک کے اس حصہ کے
بارہ میں یہی ہے کہ دین سے محبت اور والہانہ تعلق کے لحاظ سے وہاں کے باشندے

بہت آگے ہیں۔ آئے دن اس کی مثالیں سنتے اور دیکھتے میں آتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک ادنیٰ نمونہ ڈھاکہ کے قریب ٹونگی میں ہونے والے تبلیغی جماعت کے اجتماع کی شکل میں بھی میرے سامنے آیا کہ ۵، ۶ لاکھ مسلمانوں کا مجمع ایک ویرانے میں گھربار چھوڑ کر جمع ہے اور ان کا اڑھنا بچھونا صرف اور صرف دین کی دل سوزی اور فکر مندی ہے، یہ ایک مثالی اجتماع تھا، اس کے مقابلہ میں لادینی عناصر کی قوت بہت کم ہے، مگر پھر بھی سیاست کی ترجمانی کرنے والے کئی یا جزوی طور پر دین سے بہت دور ہیں اور میدان خالی ہونے کی وجہ سے سیاست پر لادینی عناصر کا غلبہ ہے اور خدا اور تصور آخرت سے باغی کرنے والے لٹریچر کو بھی فروغ کا موقع مل رہا ہے۔ پس اس مہلک مرض کا اگر کوئی علاج ہے تو یہی کہ وہاں کے علماء حق زیادہ سے زیادہ بوش عمل، اخلاص، تنظیم اور قوت ایمانی سے میدان میں کود پڑیں، سادہ دل اور مخلص عوام کو دین کی اخلاقی اور معاشی قدروں سے روشناس کرائیں اور دین کی جامعیت اور اعتدال کے مقابلہ میں موجودہ خالص مادی نظاموں کی بے اعتدالی اور بے مائیگی ثابت کر دیں، انہیں زندگی کی صیغہ کامیابی کا راستہ دکھائیں اس کے لئے مستحکم تنظیم، سیاسی تدبیر کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے لادینی نظاموں سے پوری واقفیت اور گہری نظر بھی ضروری ہے۔ اگر علماء حق نے اس نہج پر کام کو تیز کر دیا تو سیاسی قیادت خود بخود دیندار طبقہ کے ہاتھ آجائے گی اور اس کا رخ بے دینی کی طرف نہیں موڑا جاسکے گا۔ وہاں کی سرزمین علماء حق کے لحاظ سے بہت زرخیز ہے، پھر جس مٹی کی سیرابی بطل اسلام مولانا حسین احمد مدنی جیسے سربراہ دعوت و عزیمت بزرگوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہو۔ اگر وہاں بھی علماء وجود اور تعطل کا شکار ہوئے اور قیادت لادینی نظریات کے علمبردار سیاست دانوں کے ہاتھ میں گئی تو یہ نہ صرف ان علماء کے حق میں بلکہ وہاں کے لئے دینی سیاسی معاشی اور اخلاقی و ملکی لحاظ سے بھی بدترین المیہ ثابت ہوگا۔ (ذریعہ ۶۹)

بحریم عشق تو امانی کشند

پچھلے ماہ اس ملک کے دینی اور علمی حلقوں، اسلام لیو عناصر اور جمہوریت پسند عوام نے اعتماد اور جذبات کو ان اقدامات سے شدید صدمہ پہنچا جو ملک کے کئی حصوں

میں ممتاز علماء و مشائخ کی پے در پے پابندی اور نظر بندی کی شکل میں رونما ہوئے۔ خاص طور سے بعض شہروں میں جمعیت العلماء اسلام کے کئی زعماء کو دور افتادہ دیہات میں نظر بند اور ایک مشہور عالم دین کو بلا کسی نوٹس و اظہارِ وجہ کے ضلع بدر کر کے اپنے گاؤں میں پابجولان کرنا، اس کے علاوہ دیگر بعض مرکزی مساجد کے خطباء کو سیاسی اغراض کی بناء پر بیک جنبشِ قلم معزول کرنا، ایسے واقعات ہیں جو ایک اسلامی جمہوری ملک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہیں۔ اور نہ ان اقدامات کو منصفانہ کہا جا سکتا ہے۔

جرم یا فرض منصبی | اگر ان علماء کا جرم ”اصلاحِ معاشرہ“ کے جذبہ سے ملک و ملت کو اخلاقی تباہی اور قومی روایات کی بریادی سے روکنا اور ان منکرات و فواحش پر سرزنش کرنا ہے، جس نے آج یورپ اور تہذیبِ مغرب کی ذہنی غلامی میں گرفتار ممالک کو خودکشی کے چوراہے پر لا کھڑا کیا ہے تو اس جرم پر لاکھوں دفائیں نثار کی جا سکتی ہیں۔ ملت کی حقیقی فلاح اور ملک کی سالمیت اور استحکام کی خاطر علماء حق کا اولین فریضہ ہے کہ وہ منکرات پر گرفت کرتے رہیں، اور معروف و سچائی کے راستے دکھاتے رہیں کہ یہی ان کا منصب ہے اور یہی مقام، اگر وہ کسی لمحہ بھی اس فریضہ ناموسِ دینِ محمدی کی حفاظت اور مدافعت میں سستی کر بیٹھیں اور خوف و لالچ یا کسی لومہ لائیم کی وجہ سے کلمہ حق اور دعوت الی اللہ سے غفلت برزیں تو سب ارشادِ نبویؐ شیطانِ اخیس (گونگا شیطان) بن کر اس وعید کے مستحق ہوں گے کہ جس نے حق چھپایا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن جہنم کی آگ کا لگام ڈال دیا دیا جائے گا (الْجَمُّ بِلْجَامٍ مِنَ النَّارِ) وراثتِ نبوت کے حامل طبقہ کا اگر خراب و منبر سے بھی قوم کو اشاعتِ فاحشہ سے روکنا گناہ ہے۔ تو پھر سلطنت و حکومت کے ایوانوں سے کبھی کبھار علماء کو اصلاحِ معاشرہ کے لئے میدان میں آنے کی دعوت کیوں دی جاتی ہے؟ آخر یہ اصلاحِ معاشرہ ان کے نزدیک کس بلا کا نام ہے؟ پھر اگر واقعی ان سے کوئی ایسا ناقابلِ عفو جرم سرزد ہوتا ہے۔ جو ملک کی غداری اور بدخواہی کے مترادف ہو تو اس کے ثبوت کے لئے عدالت اور عدلیہ کو کیوں بروئے کار نہیں لایا جاتا؟ کیا اس ملک میں غنڈوں اور

دیگر علاج دشمن عناصر پر بھی بلا کسی فردِ جرم اور ثبوت و اثبات کے ایسے فیصلے نافذ کئے جلتے ہیں؟ اور اگر ان حضراتِ علماء کا جرم کلمہ حق اور اصلاحِ معاشرہ کے علاوہ کوئی اور ہے۔ جس سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچتا ہے تو اسے عدالتوں کے ذریعہ ثابت کیجئے اور پھر جو چاہیں انہیں قرار واقعیٰ مرزا دیجئے اور اگر ایسا نہیں تو پھر ملتِ مسلمہ کے ان حقیقی تیر خواہوں پر اعتماد کیجئے اور انہیں موقع دیجئے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اس ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کا فریقہ ادا کرتے رہیں۔ جس کے لئے وہ آپ سے کوئی اجر مانگتے ہیں اور نہ داد و ستائش کے طلبگار ہیں۔ جون ۱۹۴۴ء

علماء حق کا قابل تقلید اقام

پچھلے دنوں ملتان میں جمعیتہ العلماء اسلام کے ممتاز علماء اور دیگر کئی جماعتوں کے ممتاز اور امن پسند شہریوں کو صرف اس جرم کی پاداش میں جیل جانا پڑا کہ وہ ”جشنِ ملتان“ میں نمونے والے غیر شرعی اخلاق سوز تقریبات رقص و سرود، راگ و رنگ کے پروگراموں پر احتجاج کر رہے تھے۔ آج جب کہ ہمارا ملک شدید قسم کے معاشی، سماجی اور اخلاقی مسائل سے دوچار ہے۔ خارجی استحکام اور بچاؤ کے لئے ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے، عوام کو زندگی کی بنیادی ضروریات بآسانی میسر نہیں، سو رہی ہیں۔ ایسے حالات میں اس قسم کے جشنوں کا انعقاد ہی سرے سے محلِ بحث ہے کہ ایک ترقی پذیر قوم اس ”عیاشی“ کی متحمل کہاں تک ہو سکتی ہے؟ مگر حضراتِ علماء حق کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ اس جشن سے وہ ایمان سوز غیر شرعی پروگرام حذف کر دیئے جائیں جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دن بدن رو بہ زوال ہوتا جا رہا ہے۔ غنڈہ گردی، بے حیائی، بد امنی کا فروغ ہو رہا ہے۔ شرفاء کی عزت و ناموس اور پاک بازوں کی عفت و عصمت سماج دشمن عناصر کے ہاتھوں دن دھاڑے لٹ رہا ہے۔ اور جس کے انسداد و استیصال کے لئے نہ صرف علماء بلکہ خود گونا

مغربی پاکستان بھی متفقہ اور پریشان ہیں۔ ہم بلورے جذبہ خیر خواہی سے
 ارباب اقتدار سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اصلاح معاشرہ کے لئے جدوجہد کرنا
 اور ملک کو اخلاقی زوال اور سماجی بربادی سے بچانے کی کوشش قابل دست اندازی
 جرم ہے۔؟ اور کیا یہ اصلاحی کوششیں ملک سے غداری کی مترادف ہیں؟ اور کیا ایسے
 نازک حالات میں ہم سے ہمارا ملک دوچار ہے، رقص و سرود کی محفلیں منانا ملک کی
 خیر خواہی ہے؟ ان حضرات کی گرفتاری پر عام مسلمانوں کا اظہار افسوس اور غم بالکل
 بجا ہے۔ پھر جب کہ ہماری معلومات کی مطابق ان حضرات نے گرفتاری تک اپنے
 مطالبہ کے لئے کوئی غیر قانونی قدم نہیں اٹھایا تھا، نہ دفعہ ۱۴۲ کی خلاف ورزی کی گئی
 تھی، نہ کوئی ایجنسیشن کرایا گیا تھا اور نہ کوئی عام جلسہ — تو انتظامیہ کے اس اقدام
 کو کوئی جواز نہیں ملتا۔ دسمبر ۱۹۷۷ء

زوالِ علم اور تحقیرِ علماء کی ایک کربناک تصویر

پچھلے دنوں ایک رہگذر کو سوء اتفاق سے ایک ایسی مجلس کا مشاہدہ ہوا جس میں معمولی مادی
 منصب پر فائز دین اور علم سے تہی دامن ایک انسان اپنے زیر اثر اہل علم و ارباب دین کے
 ایک گروہ کو مشوروں اور نصائح کے عنوان سے ایسا ڈانٹ رہا تھا، جیسے سکول کے بچوں کو
 ڈرا یا دھمکایا جا رہا ہو۔ اس کے کلام میں وعدہ بھی تھا وعید بھی۔ خوف بھی تھا اور لالچ بھی۔
 انداز بیان نہایت جارحانہ، دل آزار اور طرزِ خطاب رغبت کا غماز نہ دین کے سامنے
 دنیا کی یکھن گرج سننے والا کانپ اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں تو ابو جعفر، منصور اور ابن ہبیرہ
 کے سامنے امام ابو حنیفہؒ اور طاؤس بن سنان اور دیگر علماء حق کا کردار تھا۔ مگر واویلا
 اس مجلس میں تو کسی صاحبِ بیتہ و دستار کو جنبش تک نہ ہوتی وہ اگر چاہتے تو کم از کم نرمی
 اور ملاطفت سے اُسے اہل علم سے خطاب کے آداب اور سلیقوں کی طرف متوجہ کر سکتے
 تھے، مگر افسوس کہ ردِ عمل میں صحیح فرمایا، بجا فرمایا اور بے شک بے شک کی آوازیں کانوں

سے ٹکرائیں یلیننی مت قبل ہذا اوکنت نسیاً منسیاً ہر چند کہ یہ مادی مصالح میں جڑے ہوئے بے کسوں کی ایک اقل قلیل جماعت تھی۔ پھر ان میں بھی ایسا ہی حرارت سے سرشار دو ایک حضرات موجود تھے۔ اور اہل صدق و صفا اور ارباب عزیمت علماء سے ملک کا گوشہ گوشہ پٹا پڑا تھا۔ مگر علم کی اس تحقیر اور مبر و محراب کی اس تہذیل سے دل پر ہو چوٹ لگی اس کا مداوا کن الفاظ میں کیا جائے۔ اس مجلس نے زوالِ علم اور اندلسِ دین کی ایک کریناک تصویر دیکھنے والے کے سامنے رکھ دی ہے اور اس مستقبل کی تصویر سے بھی کپتے ہوئے خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ جب کہ علم و شیخت، منبر و محراب، خانقاہ و مدرسہ اور دین و شریعت کے حامل افراد وسیع پیمانے پر اس صورتِ حال سے دوچار ہوں گے۔ اس وقت علماء حق اور جرأت ایماذ کی کیا بی کی تلافی کی کیا شکل ہوگی؟ کہ۔ نے خوب کہا کہ علماء حق زمین کا نمک ہیں۔ جس کی نمکینی کلمہ حق کہنے اور دین کو ہر چیز پر مقدم رکھنے میں ہے۔ لیکن اگر نمک اپنی خاصیت کھو بیٹھے تو پھر کون سی چیز ہے جو اسے نمکین بنادے۔ اگر کسی میں اس کریناک منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں تو اسے یہ بات ہر وقت مستحضر رکھنی چاہیے کہ علم خدا کی صفت ہے اور عالم اس کا مظہر، اس علم کا تقاضا ہے کہ اسے اونچا رکھا جائے۔ خدا کی صفت ہر حال میں بالادستی کی مستحق ہے، دار و رسن ہو یا تلوار کی دھار، خدا کے وصفِ خصوصی کو ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اس علم کے حامل جو لوگ اس کی آبرور نہ رکھ سکیں تو ان کے لئے بہتر ہے کہ عالمانہ بھیس چھوڑ کر چار اور بھنگی بننا قبول کر لیں۔ ملک و ملت سے نصیح و خیر خواہی کا معاملہ آپ کا فریضہ ہے۔ اگر کوئی تمہاری رہنمائی طلب کرے تو بصدِ خلوص بھرپور تعاون کریں۔ لیکن اگر معاملہ غلام اور خادم جیسا ہو تو یہ آپ کی اپنی تحقیر نہ ہوگی بلکہ علم اور دین کی آبروریزی ہوگی۔ علماء دین تو آئمہ صدق و عزیمت امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے جانشین ہوتے ہیں۔ دربارِ اکبری کے ابوالفضل اور فیضی اور دربارِ عباسی کے قاضی ابوالخیری وہب بن وہب کے نقش قدم پر چلنے والے نائبِ رسولؐ نہیں بلکہ اس دھرتی پر خدا کی پھٹکار ہیں۔ شعبان ۱۳۸۷ھ، اکتوبر ۱۹۶۷ء

علماء اور ضابطہ اخلاق

کافی دنوں سے ایک نئے ضابطہ اخلاق کا ذکر اخبارات کی زبیت بنا ہوا ہے۔ یہ ضابطہ اخلاق کس کے لئے ہے۔؟ پوروں کے لئے، ڈاکوؤں کے لئے، غداروں کے لئے، فحاشی اور بداخلاقی کے مراکز اور علمبرداروں کے لئے؟ نہیں بلکہ علماء امت کے لئے۔ پہلے اخبارات کے لئے ضابطہ اخلاق تھا، پھر فلموں کا ضابطہ اخلاق بنا۔ اور اب امت کے اس گروہ کے لئے ضابطہ اخلاق جس کا مقام خود ہر دور میں معلم اخلاق اور مربی امت کا رہا جہیں اس نبیؐ کی وراثت کا منصب نشین کہا جاتا تھا، جن کے فریقہ اساس میں تعلیم کتاب، تہذیب نفوس اور تربیت اخلاق شامل تھا۔ اسلامی تاریخ کے عہد زوال میں جابر اور فاسق حکمران اور سلاطین بھی اس طبقہ سے واقعی نہ تھے سیاست سبھی رہنمائی، غیر خواہی اور نصیحت کے طلب گار ہوتے اور اپنے شہزادوں سے ان معلمین اخلاق کے جھوٹے سیدھے کرواتے۔ اب امت کے یہ آتالیق، یہ استاذ، یہ رہنما، یہ وارثین انبیاءؑ میرنگی روزگار کے ہاتھوں اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان معلمین اخلاق کو سرکاری اہتمام میں تعلیم اخلاق کی ضرورت محسوس کی گئی اور اب عوامی حکومت نے چاہا کہ عوام کو علماء کی ”بداخلاقوں“ سے نجات دے دی جائے۔ محترم وزیر مذہبی امور کی سرکردگی میں علماء (؟) کی ایک اتحاد کمیٹی نے علماء کے لئے ضابطہ اخلاق کی منظوری دے دی ہے۔

تقریب بین المذاہب کوئی مشینی کام نہیں | اس ضابطہ کا مقصد جو بتایا گیا ہے۔ اس کا

خلاصہ مختصر الفاظ میں — تقریب بین المذاہب — ہے یعنی مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات کو رد کرنا، یکجہتی کو فروغ دینا۔ اصل مقصد یعنی مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور یکانگت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اور اصل مقصد پر ہم اگلی فرصت میں انشاء اللہ تفسیر و گفتگو کریں گے۔ مگر اس وقت صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ مذاہب اور فرقوں میں مفاہمت

کوئی مشینی عمل نہیں۔ نہ اسے آئینی سہوڑوں اور قانونی اوزار سے حاصل کیا جاسکتا ہے اس کا تعلق خارجی سے زیادہ اندرونی عوامل سے ہے۔ یعنی نظریہ سے، دل سے، عقیدہ سے اور ضمیر و ایمان سے، ایسی کوئی بھی کوشش جتنی بھی مخلصانہ کیوں نہ ہو اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک مفاہمت کی عمارت کو اس کی فطری بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے اور مفاہمت کے فطری اور بنیادی راستوں کو جنہیں قرآن مجید اور پھر نبی کریم علیہ السلام نے اپنے گرامی ناموں میں تعالوا الی کلمۃ سواہ بیننا و بینکم میں اشارہ فرمایا، چھوڑ کر اور راستے اختیار کرنا بجائے خیر کے شر میں اضافہ کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس فرصت میں اس مقصد مفاہمت کی تفصیلات میں گئے بغیر ہم صرف ان خدشات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ضابطہ اخلاق اور اس کی قانونی جکڑ بندیاں کیا صرف اس مقصد تک محدود رہ سکیں گی۔؟ آئلے وہاں کی شان ختم نبوت، حجیت حدیث کا دفاع اور دکالت کیا اس ضابطہ کی زد میں نہیں آئیں گے۔ غیر اسلامی اور غیر محمدی ازموں کا نقد و محاسبہ اس ضابطہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا فاسق سے فاسق اور ظالم سے ظالم کسی بھی حکومت وقت پر تنقید ”اطاعت اولوالامر“ کی دفعہ کی تفسیر مانی نہیں ہوگی۔

ضابطہ اخلاق کا مقصد علماء سوء بنانا ہم اس ضابطہ اخلاق کو ترتیب دینے والے شیعوہ ادرستی مسلمانوں کی نمائندگی کے دعویدار ارکان کے اخلاق و سیرت کو جب دیکھتے ہیں تو بجا طور پر ہمیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طرح اب اس ضابطہ کے ذریعہ وہ تقسیم ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ علماء سوء اور علماء حق کے درمیان چلی آ رہی ہے۔ اور اس طرح وہ چاہتے کہ دور حاضر کے ابوالفضل اور فیضی قسم کے مولویوں کو پورے اطمینان اور کچھتی سے حکومت کے ہر اچھے بُرے اقدام پر احسنت و صداقت کے نعرہ لائے تحسین بلند کرنے کی کھل آزادی مل سکے اور کوئی روکنے ٹوکنے کی ”بداخلاقی“ کہہ ہی نہ سکے کیا ہماری حکومت اب علماء کو اس ضابطہ اخلاق کا پابند بنانا چاہتی ہے۔ جس کا نمونہ کمیٹی کے شیعہ ادرستی نمائندگی کرنے والے مؤثر ارکان نے اپنے ”اسوۂ حسنہ“ سے دین کے بارہ میں پیش

کر رہے ہیں۔ یعنی ہر حکومت پر ایمان و خیر کا سودا بیچنا، ہر حکومت سے عہدوں، مناصب اور پرمٹوں کا فائدہ لینا۔ محبت جاہ و مال میں ہر ممکنہ و غیر ممکن کی تیز ختم کر دینا۔ ضرورت ہو تو اکیڑوں کے ساتھ بھی تصاویر کھینچا دینا، یہودیوں کی تجارتی فرموں کے انعامی بانڈوں کی قرعہ بازی بھی کر لینا اور اپنے ”مقدس“ ہاتھوں سے ہندوؤں کو عمرہ کے ٹکٹ بخما دیتا یا شیعوں کا وہ رسوائے زمانہ نصیر الاجتہادی جس نے بڑی ڈھٹائی سے ٹیلیویشن پر یہاں کی ۹۵٪ آبادی کے محبوب اور مقتدار جماعت صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع اور تبرا بازی کی اور اس طرح پاکستان کی سب سے بڑی بے حیائی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اب یہ لوگ مسلمانوں اور شیعوں کے نمائندہ بن کر علماء کے لئے ضابطہ اخلاق بنائیں گے؟ فاعتبر ولیا اولی الاصباء۔

(ج ۱۰ صفحہ ۳۳۷)

نظام دعوت و تعلیم کو موثر بنانے کی ضرورت

اس میں شک نہیں کہ ہمارا موجودہ نظام دعوت و اصلاح امت ارباب فکر و دانش اور اصحاب بصیرت کی نہایت گہری سوچ و بچار کا مستحق ہے۔ بلاشبہ اب تک دینی اقدار اور اسلامی روایات کی جڑیں بڑھتی رہیں بہ نسبت دیگر اسلامی ممالک کے کچھ گہری اور مضبوط رہیں۔ مگر یہ بات رسمی انجمنوں، اداروں اور جماعتوں یا تنظیموں سے زیادہ اصحاب دعوت و عزیمت کے سوز و دروں، جذبات اخلاص و قوت اور جوش و عمل، پاکیزگی و کردار کی منت پذیر رہی اس وقت اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے رسمی طور طریقوں کی نہایت فراوانی ہے۔ لٹریچر کا سلسلہ پورے عالم اسلام میں اتنا کبھی نہیں رہا، جتنا اب ہے۔ صرف عرب ممالک سے آئے دن نکلنے والی مطبوعات وہاں کے پڑھنے والوں سے زیادہ اہل اہل کہ دنیا میں پھیل رہے ہیں۔ صحائف اور مجلات کی بہتات ہے، ایک سے ایک بڑھ کر خطیب اور واعظ زورِ خطابت دکھا رہے ہیں۔ دینی مدارس اتنے کبھی نہ تھے جتنے آج ہیں۔ جماعتوں اور تنظیموں کا دور دورہ ہے، گلی گلی اصلاحی اداروں اور سماجی انجمنوں سے آباد ہے۔ زبانی حد تک داعی سے لے کر رعیت سب اسلام کی حمد و ستائش میں رطب اللسان ہیں۔ تحقیق اور لیسرچ کے طویل الذیل منصوبوں کی بھی کمی نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اس تمام جہاد و جہد کے اثرات کچھ نہ کچھ ظاہر بھی ہو رہے ہیں اور اپنی جگہ ہر چیز کی افادیت قائم ہے۔ مگر ان تمام مظاہر اصلاح اور رسوم دعوت کے باوجود نتائج نہایت بھیانک شکل میں آ رہے ہیں، خرابی، بھلائی پر اور بدی، نیکی پر غالب آتی جا رہی ہے۔ معاشرہ کی گاڑی عقائد، اخلاق اور آداب معاشرت کے لحاظ سے منزل مقصود کو گم کر چکی ہے اور ہماری یہ تمام کدو کاوش مادیات اور بے دینی کے طوفان کے سامنے تنکوں کا ڈھیر ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے

لازمی طور پر یہ تمام امور امت کے ہر چیدہ دماغ اور دل بیدار کے لئے سوچنے کے ہیں۔ خرابیوں کا سرچشمہ کیا ہے؟ اگر اسے متعین کیا جائے اور پھر دعوتی کام کو اس کے مطابق مرتب کر لیا جائے تو کام کے نتائج ایسے نہ ہوں۔

اگر بغیر غائر مطالعہ کیا جائے تو ہمارے تمام تعلیمی، دعوتی اور تبلیغی کام ضعیف و اضمحلال کی طرف جا رہے ہیں۔ ان سب چیزوں پر کسی ایک فرصت میں نہ تو بحث کی جا سکتی ہے، اور نہ ایک کم سودا کی تنگی داماں اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔ افادیت، اہمیت، اور امت پر پھپھی چند صدیوں میں نہایت گہرے اور دور رس اثرات چھوڑنے کے لحاظ سے خالص اللہ کے توکل پر چلنے والے دینی مدارس پہلے نمبر پر آتے ہیں۔

دینی مدارس کی موجودہ حالت اور چند اہم سوالات | اس لحاظ سے اس کی موجودہ حالت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں معاصر ابلاغ کراچی نے تازہ ادارہ میں اپنے نگارشات قلمبند کرتے ہوئے بجا طور پر بڑے اہم سوالات اٹھائے ہیں۔ چونکہ ہمارا تعلق بھی ایک دینی مدرسہ سے ہے اور ان تاثرات کو ہم اپنے دل کی ترجمانی سمجھتے ہیں۔ اس لئے اپنے حلقہ قارئین کے اصحاب فکر و بصیرت و خواہ ان کا تعلق قدیم سے ہے یا جدید (اور خاص طور سے ارباب مدارس عربیہ کی توجہ بھی ان سوالات کی طرف مبذول کراتے ہوئے ایک اہم دینی ضرورت پر اظہار خیال کی دعوت دیتے ہیں۔

(۱) ”ایک عام تاثر یہ ہے کہ ہماری موجودہ دینی درس گاہوں سے مؤثر علمی و دینی شخصیتوں کی تیاری تقریباً بند ہو رہی ہے۔ جناب کی نظر میں اس کے اسباب کیا ہیں؟

(۲) موجودہ دینی مدارس کو دوبارہ مردم خیز اور امت کے لئے زیادہ نفع بخش بنانے کے لئے کون سے اقدامات آپ کی نظر میں ضروری ہیں؟

(۳) محسوس ہے کہ ہماری دینی درس گاہوں میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ براہ کرم نشاندہی فرمادیں کہ آپ کی نظر میں یہ مقصد کیا ہے۔ اور اہل مدارس میں اس کا استحصال کیوں کر پیدا کیا جاسکتا ہے؟ جو ان کے فکر و عمل پر اثر انداز ہو سکیں؟

مدارس عربیہ کے سلسلہ میں یہ چند سوالات ایسے ہیں جن سے صرف نظر کرنا اور انہیں اپنے شبانہ روزِ غور و فکر کا محور نہ بنانا، پوری ملت کے دینی، علمی اور فکری ضعف و اضمحلال سے بے پروائی برتنے کے مترادف ہے۔

دینی مدارس علوم نبوت کے پاور ہاؤس اور انسانیت کی فیکٹریاں | پچھلے چند صدیوں سے بھی دینی مدارس اور آزاد دینی تعلیم ہی زیادہ تر ہماری حیاتِ جاودانی کے سرچشمے بنے رہے کارِ گاہِ حیات میں ان کی حیثیت انسانی فیکٹریوں کی رہی اور یہ مدارس علوم نبوت کا ایسا پاور ہاؤس ثابت ہوئے جس کا ایک سرِ نبوت محمدؐ اور دوسرا سرِ ملت محمدؐی سے وابستہ رہا۔ اس کے ذریعہ ملت کی پڑمردہ رگوں میں ایمان و یقین کی تہی حرارت دوڑتی رہی اور اس کی ضورافشانی سے الحاد، دہریت اور فاسد اعمال و عقائد کی ظلمتیں کا فور ہوتی رہیں۔

تربیتی پہلو | ان مدارس سے نکلنے والوں میں بہت سی ایسی عبقری شخصیتیں تھیں جن میں ایک ایک کبھی کبھی پوری ملت پر بھاری ہو جاتی۔ اور آج مدارس کے اندرونی ماحول بخارجی اثرات، تربیتِ اخلاق، علمی ریسرچ، کردار اور عمل کی بلندی، مقصد سے شیفتگی، اساتذہ اور طلبہ کے باہمی مخلصانہ روابط، غرض ہر لحاظ سے کمی آگئی ہے۔ جب کہ نئے حالات کی بناء پر مدارس اور ان میں ایسی چیزیں اہمیت رگِ جاں سے لمبی بڑھ چکی ہے۔ اس لئے تمام اہل علم اور اصحابِ دل حضرات کا اس ضعف و منزل کے اسباب کی نشاندہی کر کے تدبیرِ اصلاح پر توجہ دینا دین کی ایک اہم پکار پر لبیک کہنا ہوگا۔ یہ تو مدارس کا تربیتی پہلو تھا۔

عصرِ جدید اور مدارس عربیہ کا نظامِ تعلیم | نظامِ تربیت کے علاوہ نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم بھی مدتوں سے توجہ طلب مسئلہ ہے۔ بلاشبہ موجودہ دوس نظامی نے اپنے عہد کے لحاظ سے ہمہ گیری اور ریسرچ فی اعلم اور اس سے زیادہ ماحول اور تربیت کی بدولت ملت کو ناقص روزگار افراد دیئے۔ مگر عہدِ جدید اور اس کا علم جدید اس نصاب کا وہی نہایت وسیع کر کے کا طلب گار ہے۔ بیسویں صدی سے نہ صرف دیگر علوم بلکہ

اسلامی علوم و فنون، تاریخ، اسلامی فلسفہ، فقہ اور قانون سازی، اسلامی علم الکلام، عمرانیات، لسانیات، سیاسیات، اقتصادیات، ہر چیز کے متعلق بحث و استدلال، غور و فکر اور بظاہر و تحقیق کے نئے گوشے پیدا کر کے تمام زاویے اور طور طریقے کافی حد تک بدل دیئے ہیں۔ پھر اتنے ہمہ گیر اور شاخ در شاخ کہ جب تک کوئی عالم ان سے پوری مناسبت پیدا نہ کرے، وہ جدید علمی دنیا کا پورے شرح صدر کے ساتھ چیلنج قبول نہیں کر سکتا۔ اور یہ مناسبت صرف موجودہ نصاب سے پیدا ہونی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ تاریخ اب ایک منضبط سائنس ہے۔ جغرافیہ علم کی سینکڑوں شاخوں کو اپنے اندر سمیٹ چکا ہے ادب کا میدان علم و ثقافت کے تمام اہم شعبوں پر حاوی ہو چکا ہے۔ جدید ادب عربی تحریر و تقریر ہر پہلو سے توجہ طلب بن گیا ہے۔ ریاضی علوم اور طبیعیات، ثری سے ثریا تک پہنچ چکے ہیں۔ منطق، نئی ریسرچ اور بحث و استدلال کی شکل میں مراحل تکمیل کو چھو رہی ہے۔ فلسفہ کئی مسلمات، مشاہدہ اور تحقیق سے غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ نئے مسئلہ نظریاتی اصول بھی آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ پھر اسلامی علوم و آثار پر کہاں کہاں سے گولہ باری ہو رہی ہے۔ اور کن حربوں سے کام لیا جاتا ہے۔ استشراق کے پردہ میں ایک مستقل علمی دنیا اسلام اور اسلامی علوم و شخصیات کو مشق ستم بنائی ہوئی ہے۔ قانون کی تدوین و ترتیب اقوام عالم میں ایک مستقل فن بن چکا ہے۔

شراب کہنہ اور جام نو | اس غرض اس صدی کے علمی تقاضے، علمی زبان، علمی طریق کار گویا ہر چیز کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ اسلام اور اس کے اصول ابدی اور غیر تبدیل میں، نہ تحریف کے رد اور نہ ترمیم کے، اور نہ تجدید کے۔ مگر علماء اسلام کو یہ شراب کہنہ جام نو میں پیش کرنے کی اہلیت بہم پہنچاتی ہے۔ اس لئے کہ اسلام تو عیسائیت کی طرح میدان سے ہٹ کر عزت نشینی کو غنیمت نہیں سمجھتا، وہ تو جامع کامل دین، قوت مقابلہ سے بھرپور اور ہر دور میں نئے جوش اور ولولہ سے معمور رہا ہے۔ اور آنکھیں ملا کر ہر دور کے افکار و نظریات کا چیلنج قبول کرتا چلا آیا ہے۔ اس لئے آج بھی ضرورت ہے کہ علماء کرام اور ہمارے علمی ادارے جدید آلات و وسائل اور علمی اوزار حرب و ضرر

سے پوری طرح لیس ہو کر نئے تقاضوں کا سامنا کر سکیں۔ ہمیں دور میں اللہ نے ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ، غزالیؒ، رازیؒ، ابن تیمیہؒ، رومیؒ، ابن رشدؒ، شاہ ولی اللہؒ، محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اہل فکر و نظر دیئے جن کی بدولت اسلام آج تک زندہ و تابندہ رہا۔ ضرورت ہے کہ نیا دور بھی اپنی ذمہ دالیوں کو محسوس کر کے یہ امانتِ عظمیٰ پہچلے دور سے بڑھ کر جوش و خروش اور شان بان کے ساتھ اگلی نسلوں تک پہنچا سکے۔ — مقابلہ شدید تر ہے اور ہر آنے والی گھڑی وقت کی نزاکتوں میں اضافہ کر رہی ہے۔ جنگ کا محاذ ہمہ گیر ہوتا جا رہا ہے علمی و فکری لحاظ سے نیا نیا اسلحہ میدان میں آ رہا ہے۔ اور قرآنِ کریم و اعدوہم ما استطعتم من قوتہ کی صورت میں پکار پکار کر دعوتِ تیاری دے رہا ہے۔ الغرض نصاب کے سلسلہ میں بڑی وسعتِ نظر کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے تبسلیم کی کل مدت کتنی ہونی چاہیئے۔ اس مدت کو کتنے حصوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے، اہم اور لازمی مضامین اور اختیاری مضامین کا تعین اور پھر طریقہ تبسلیم کے ساتھ مطالعہ، تصنیف و تالیف، مؤثر ترین دعوت اور اس کا طریق کار۔ الغرض صد ہا گوشے ہیں جو بحث و تحقیق ہیں۔ اسے حسن اتفاق کیئے یا البلاغ کے ادارے کے ساتھ توارد فکر کہ علمی و فکری زندگی کے بارہ میں اکابر علماء اور چیدہ چیدہ اربابِ دانش کے تجربات و تاثرات سامنے لانے کے سلسلہ میں اختص نے بھی ایک سوالنامہ روانہ کیا۔ نصاب و نظام پر غور و فکر کرتے وقت اگر ان سوالات کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا تو اس سے کئی تعلیمی، مطالعاتی اور تربیتی امور پر کچھ روشنی پڑ سکے گی۔

تعلیمی اور تربیتی پہلو کے بارہ میں چند اور اہم سوالات

- (۱) آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی کس کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے۔
- (۲) ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیات۔
- (۳) کن مجلات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

(۴) آپسے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درس گاہوں سے خاص اثرات لئے،
ایسے اساتذہ اور درس گاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلبہ کی تعمیر و تربیت
میں مدد ملی۔

(۵) اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و لوازل کا سامنا ہے اس
کے لئے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کا رآمد اور مفید ثابت
ہو سکتی ہیں۔

(۶) علمی فہمکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے، تحریفی، الحادی اور تجدیدی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث
عقلیت، اباحت، تجدید، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) مہر و پیر ہیں۔ ان
کے سنجیدہ علمی احتساب میں کون سی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کر
سکتی ہیں۔

(۷) موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

(۸) مدارس عربیہ کے نصاب میں وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر
بنا سکتی ہیں۔

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ (ستبر ۱۳۷۱ھ)

دورِ جدید کے مسائل

طلبہ مدارس اور جدید دور کے مسائل | وفاق المدارس العربیہ دینی مدارس کی ایک
تنظیم ہے۔ دو ڈھائی سو مدارس عربیہ اس سے وابستہ ہیں۔ اس تنظیم کی نگرانی میں دورہ چھٹن ٹریف
کے سالانہ امتحانات ہیک وقت ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف
کا ہر چھ سوالات ہمارے سامنے ہے جس میں طلباء سے دیگر فقہی و علمی سوالات کے علاوہ
عصر حاضر کے آمدہ مسائل، تجدید نسل، عزل، عائلی قوانین کے ضمن میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ،
ان معاصر قرائن کی شرعی حیثیت، اشیاءِ داریہ موات کے ضمن میں بیچا ہوا اور سندھ کے انگریزی

دور کے مرتبوں اور جاگیروں کی شرعی پوزیشن اور حدیث نہی عن کراء الارض کے ضمن میں اشتراکیت کا تعاقب وغیرہ امور پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا گیا ہے۔ ان مسائل میں عربی طلباء کی استعداد کا حال تو نتائج آنے پر معلوم ہوگا، مگر اس قسم کے سوالات سے طلباء اور اساتذہ ملازمین عربیہ کو جدید مسائل اور عصر حاضر کی ضرورتوں پر تنبیہ ہو جانی چاہیئے۔ بلاشبہ آپ قرأت خلت الامام، آمین بالجہر، امتناع نظیر اور امکان کذب جیسے مسائل پر بھی بحث و مباحثہ کرتے رہیں۔ البتہ دور جدید کی ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ کتاب و سنت پڑھاتے وقت جدید حوادث و نوازل پر غور و تحقیق اور طلباء کو اس سے متعارف کرانے کا خاص خیال رکھا جائے۔ اسلام دین ابدی ہے اور ان تمام مسائل کا صحیح حل علماء ہی پیش کر سکتے ہیں۔ اور انہیں عصر حاضر کے چیلنج دینا ہے۔ دسمبر ۱۹۹۷ء

دینی مدارس اور لادینی قوتیں

اختیارات میں یہ غیریں آپکی ہیں کہ حکومت اب دینی مدارس کو بھی اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے اور اس کے ساتھ ہی محترم وزیر مذہبی امور نے بھی خطباتِ جمعہ کو سرکاری ہدایات کا پابند بنانے کے لئے ایک ”حسین“ منصوبہ پیش کر دیا ہے۔

منبر و محراب کے ساتھ مسجد و مدرسہ کو بھی آمریت کی لونڈی بنا دینے کے یہ ارادے نئے نہیں بلکہ اسلامی خلافت کے ملکیت سے بدل جانے کے بعد ہر دور کی لادینی طاقتوں کی ایک دیرینہ حسرت رہی ہے۔ یہ حسرت انگریزوں سے پہلے بھی دینِ اکبری کے علمبردار اکبر کے زمانہ میں ظاہر ہوئی رہی۔ اس دور کے ابوالفضل اور فیضی نے دین کے رہے ہیں، نقوش کو بھی مٹا دینے ہی کے لئے اکبر کو آمادہ کیا کہ آزادانہ دینی نظامِ تعلیم و تبلیغ کے تمام مظاہر کو ایک ایک کر کے مٹا دیا جائے۔ پھر انگریز کا دور آیا اس نے کیا کچھ نہ کیا لاکھوں علماء و تنبیغ ہوئے، دینی مراکز تہس نہس کر دیئے گئے، مدارس اجڑ گئے، مساجد مسمار ہوئیں، کتاب و سنت کو پائمال کیا گیا۔

برصغیر کے اسلامی تشخص میں مدارس کا کردار | مگر دین کی آزادانہ شان بان کو برقرار رکھنے والے علماء حق اتنے سخت جان نکلے کہ سب کچھ لٹا کر بھی محبوبائے دین اور بیلائے علم کی آبر و برقرار رکھی۔ اور علمِ دین کو اقتدار کی غلط خواہشات کی تکمیل کے لئے ایک دانت بن جانے سے پہلے رکھا۔ برصغیر میں عیسائیت کی یلغار ہوئی، ہندو اکثریت نے مسلمانوں کو مٹانا چاہا، مغربی سیلاب کی یلغار ہوئی دوسو برس انگریزوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو ظاہراً و باطناً انگریز بنانے کے لئے کروڑوں اربوں رقم خرچ کی ایک نیا نظام و نصابِ تعلیم رائج کیا، یہ سب کچھ ہوا مگر برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کا انجام آندلس، تاشقند اور سمرقند کی طرح نہ ہوا، اسلام یہ صرف بچا رہا بلکہ ہر باطل قوت کو دبا دیا کر ابھرتا رہا۔ آج ہماری اسلامی تعلیم، ثقافت، اسلامی تشخص اور پھر نظریہ پاکستان کے نام پر الگ خطے کا حصول یہ سب بچان مدارس عربیہ ہی کی بدولت ہے۔ جو غلامی کو تاریکیوں میں ایک روشن فتیل

کی طرح نہ صرف اسلامی علوم بلکہ اسلامی اخلاق و عادات، آزادی اور حریت، جہاد اور سرفروشی کی روشنی بھی پھیلاتے رہے۔ یہیں سے حریت فکر اور جمودت ذہن سے سرشار قائدین حریت اور سرفروشان ملک و ملت نکلے۔

بہر حال یہ سب چیزیں تاریخ کا ایک ایسا واقعہ اور قطعی حقہ ہیں جس پر کسی افسانے کی ضرورت نہیں۔ مدارس عربیہ نہ ہوتے تو آج برصغیر کی مسجدیں اذانوں کو ترستیں، مدرسے تعلیم دین کے نام سے نا آشنا ہوتے اور یہاں کی حالت امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کے دیس سے مختلف نہ ہوتی آج اسپین کی مسجد قرطبہ کی طرح لاہور کی شاہی مسجد بھی اذان اور نماز کے لئے ترستی اور اسلامی سربراہوں کے اجتماع جیسا حسین و جمیل منظر کبھی نہ دیکھ سکتی۔

مسجد و محراب کی قفل بندی کی ناکام کوششیں | ایوب خان کے دور میں اسلام دشمن طاقتوں کی نظر میں بھی مدارس پر پڑیں بے دین لوگوں نے اسے سہارا دیا منصوبے بنتے رہے، ملت فروش مذہب نما افراد نے تجاویز بتائیں کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امیر المؤمنین بننا ہے تو مولویوں کو ختم کر دو، دین کو ماڈرن بنا دو، مدارس کو قفل لگا دو، تمہیں بقائے دوام مل جائے گی اور جلد وقت بن جاؤ گے، ایسے ہی خرد ماغلوں نے ایوب خان سے عائلی قوانین نافذ کروائے اور دین کی تحریک و تبلیغ کا ایک طویل سلسلہ سوائے زمانہ ڈاکٹر فضل الرحمن کی شکل میں شروع کیا جو ایوب خان کے دوام کا نہیں بلکہ علماء اور دینی قوتوں کی شدید ہزاری کا سبب بن کر بالآخر ایوب خان کے شرمناک زوال پر منتج ہوا۔ ایوب خان اہل دین کو نہ پھیرتے تو ملکی استحکام و سالمیت اور مادی ترقیاتی منصوبوں کے لحاظ سے وہ اوروں سے بہر حال بہتر تھے اور اہل حق کو اس لحاظ سے ان سے کوئی میر نہ تھا۔ مگر وہی ہوا جو سنت اللہ ہے۔ آج نہ ایوب خان ہے، نہ ڈاکٹر فضل الرحمن، نہ ان لوگوں کو ان کے درباری ملت فروش مولویوں کے فترے بچا سکے نہ سلطان وقت کی چوکھٹ پر بیٹہ۔ ان کے لئے مشائخ کی دعائیں ان لوگوں کا آج بھی یہی شیوہ ہے۔ صرف لبادہ بدل کیا ہے مگر مذہب زندہ ہے، علماء حق کا دلولہ از جوش قائم ہے۔ مدارس عربیہ اسلام کی ضیاء باریوں میں

رواں دواں ہیں مساجد کلمہ حق سے گونج رہی ہیں۔ مجالس وعظ و تبلیغ شاد و آباد ہیں حیرت تو موجودہ حکومت کے ”قائد عوام“ وزیر اعظم بھٹو صاحب پر ہے جنہیں عوام کے مزاج پہچاننے کا ملکہ ہے۔ وہ حالات اور اس کے نتائج کو بھی سمجھتے ہیں۔ مگر بیٹھے بھٹکے کن بے بصیرت لوگوں نے انہیں بھی ایک ایسے راستہ پر ڈال دیا جو بالآخر مسلمانوں کی نہایت دلآزاری اور اللہ کی رستوں سے محرومی ہی کا سبب بنے گا۔ اور اپنے دامن میں سوائے حرمان اور بربادی کے کچھ نہیں رکھتا۔

مدارس اور لادینی قوانین | قادیانی مسئلہ کے حل ہونے کے بعد یکا یک ایسی باتوں کا اخبارات میں آجانا اور حکومت کا اب تک چپ سادھ لینا مختلف پریشان کن افواہوں اور خیالات کا سبب بنتا جا رہا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے قادیانی مسئلہ پر عجیب اور بے بس ہو کر جو قدم اٹھایا اس سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ یہاں کی اسلامی طاقت کا ایک اہم ترین سرچشمہ مدارس عربیہ ہیں، قادیانیوں کو تو اپنا دشمن پہلے سے معلوم ہے۔ ملک میں سوشلسٹ طاقتوں کو بھی علماء اور ان کے مراکز اور سرچشموں کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اب اگر حکومت نے خدا نخواستہ کوئی بھی ایسا اقدام کیا تو اسے لازماً ان تین طاقتوں کا قادیانی مسئلہ کے فاتحین سے انتقام سمجھائے گا۔ کیا واقعی حکومت ایسا اقدام کر کے قادیانیوں کے زخموں کا اندمال کرنا چاہتی ہے اور کیا واقعی یہاں لادینی سوشلزم کا قطعی قیام مقصود ہے؟ اور کیا حکومت کا مقصد یہی ہے کہ اس کے لادینی اقدامات پر کوئی انگلی اٹھانے والا نہ رہے۔ اور بجائے کلمہ حق کے یہاں ہر فاجر و فاسق کے منکرات و معاصی کو اللہ اور رسولؐ کی عین اطاعت قرار دینے والے سرکاری ملاؤں اور علماء سوء کا کا دور دورہ رہے؟ یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے اور حالات ان اندیشوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔

مدارس کا استحصال | حکومت نے بہت سے کارخانے بنک اور زمینیں قومی قومی تحویل میں لے لی ہیں۔ اب شاید وہ ان دینی کارخانوں اور مدارس عربیہ کا بھی استحصال کے نام پر استحصال کرنا آسان سمجھتی ہے۔ مگر اسے شاید معلوم نہیں کہ مادی منافع پر مبنی

فیکریوں اور املاک کا معاملہ اور ہے اور شمع رسالت کو روشن رکھنے والے مدارس اور مراکز کی حیثیت اور۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے اور اہل علم اس معاملہ میں نہایت حساس حکومت کو چند ٹکوں کے لئے ایمان اور ضمیر بیچنے والے بہت ہی کم ملیں گے۔ مدارس عربیہ کی چٹائیوں پر عمر عزیز صرف کر دینے والے اساتذہ اور سوکھے ٹکڑوں پر گزارا کر کے جو انیاں لٹا دینے والے طلباء علوم نبوت کے ان پاور ہاؤسوں کو پہچانے کے لئے سردھڑکی بازی لگائیں گے۔ جو مدارس دینیہ کی شکل میں قائم ہیں۔ جن کا ایک سرادامان نبوت سے اور دوسرا عالم کی بقاء اور مسلمانوں کی حیات ابدی سے وابستہ ہے۔

متحدہ تنظیم ہمیں خوشی ہے کہ ارباب مدارس اور ہر مکتب فکر کے علماء حق نے ملتان میں جمع ہو کر اس بارہ میں اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے۔ مدارس عربیہ کے تحفظ کے لئے ایک فعال متحدہ تنظیم اتحاد المدارس العربیہ کے نام سے قائم کر دی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ تمام مدارس بلحاظ اختلاف مسلک و مشرب اس تنظیم کی ہدایات اور مشوروں کی قطعی پابندی کریں گے۔ تاکہ مدارس عربیہ کا یہ چراغ مصطفوی ہمیشہ ہمیشہ روشن رہے۔ (جلد اول، شمارہ ۱)

قادیانیوں کے عزائم

ہم نے اس سے قبل دینی مدارس کو قومی تجویز میں لینے کی افواہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا تھا کہ قادیانی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جانے کے بعد ملک کے لادینی عناصر قادیانیوں کی شہ پر علماء اور طلباء دین کی قوتوں کے اسل سرچشمہ مدارس عربیہ کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ان خدشات کی تائید قادیانی حلقوں اور مرزائی پریس کا اس بارہ میں تبصروں سے ہو سکتی ہے قادیانی جماعت کے ترجمان ”پیغام صلح“ ۱۶ جنوری ۱۹۷۵ء کا شمارہ ہمارے سامنے ہے

اس کے مقالہ افتتاحیہ اور ایک مضمون میں حکومت کے ایسے ارادوں کا پُر جوش غیر مقدم کرتے ہوئے مدارس عربیہ کو امت مسلمہ کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

پیغام صلح کا سرزائی مقالہ نگار جو ملت کے اس طبقہ علماء کے ہاتھوں ضرب کاری کھا چکا ہے۔ حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ۔

”ایسے اقدامات کو جلد غلط جامہ پہنایا جائے کہ اس طرح سملج دشمن اور تخریب پسند روایت کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور قومی اتحاد اور وحدت ملی کا تصور روشن ہو جائے گا“

قادیانی صحافی کو ان مسلمانوں کے دینی مراکز کے اصلاح نظام و تصابِ تعلیم کا ورد بھی کھائے جا رہا ہے۔ قادیانی اخبار کو اس بات کا بھی دکھ ہے کہ ان مدارس میں مختلف طریقوں سے جمع کی جانے والی لاکھوں رقومات کا خرچ اموال کا بدترین ضیاع ہے۔ مگر وہ خود یہ نہیں سوچتا کہ استوار اور اسلام دشمن طاقتوں کے درپردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عزائمِ خبیثہ کی تکمیل کے لئے ان لاکھوں کروڑوں روپیہ کا مصرف کیا ہے۔ جو قادیانیت کے پردہ میں خرچ ہوتے ہیں اور اس دولت سے مسلمانوں کی وحدت ملی کو کیا فائدہ پہنچا۔ وہ کروڑ روپیہ جس کی مرزا ناصر نے اپیل کی تھی، کہاں سے آئے۔ جس کا مصرف ربوہ اورد قادیان کی شرمناک پاپائیت کی ہوس رانیوں کی تکمیل کے سوا کچھ نہیں اور جو عالم اسلام میں درپردہ آئے دن کی سازشوں میں لگائے جا رہے ہیں۔ اپنے سادہ لوح قبیحین کے دسایا اور دراشتوں کے خون پسینہ کی کماٹی کو جاہ و باہ کے کن قبیح اور شرمناک طریقوں سے ہضم کیا جاتا ہے۔ اور یہ سامراجی گماشتے عالم اسلام میں ایک طرف تو صیہونیت کے ہرادل دستہ ہیں و دوسری طرف استعماری تجوریوں سے ایتھوپیا میں مسلمان کا خون بہا رہے ہیں قبرص میں ترکوں کے خلاف سرگرم ہیں، کشمیر کو بھارت کے ہاتھوں قادیان کی موہوم امید پر رہن کر اپنے ہیں۔ مگر انہیں فکر ہے تو ان طیب و طاہر پاکیزہ چندوں کا

جو درہند مسلمان اپنا پیٹ کاٹ کر دینی مدارس پر لگاتے ہیں اس لئے کہ تاجدارِ ختمِ نبوت کے علوم اور مواریتِ نبوت و ہدایت کی یہ حفاظت گاہیں سیلہ کذاب کی اولاد کے استیصال کے مراکز ہیں۔ وہ ان مدارس عربیہ سے عشقِ نبوی اور حفاظتِ اسلام کے جذبہ سے سرشار ان جانباز فارغ التحصیل علماء کو انسانی ضیاع قرار دیتے ہیں جو اپنی مرضی سے دنیا اور اس کی رنگینیوں کو کھلی دالے آقا کے دین پر تہج چکے ہیں اور رو گئے سو کھے ٹکڑوں پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔

بہر حال قادیانی اخبار نے ہمارے خدشات کی تائید کر دی ہے کہ مدارس عربیہ کا گلا گھونٹنے کی یہ کھچڑی کہاں کہاں پک رہی ہے۔ ہمیں قادیانی جماعت سے اس بارہ میں کوئی شکوہ نہیں کہ ملتِ مسلمہ کی قادیانیوں کی تو اب کھلی جنگ ہے۔

مدارس عربیہ کی ”اصلاح“ کے پُر فریب سنہری وعدے | مگر افسوس تو ہمیں اپنوں کی بعض ایسی دردمندانہ ”تجاذیز اور منصوبوں“ کو دیکھ کر ہوتا ہے جو علماء اور طلبہ مدارس عربیہ کی غیر خواہی اور ان کی حالت بہتر بنانے کی شکل میں ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔

مثال کے طور پر ہمارے محترم وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی کا ایک انٹرویو مطبوعہ ”جنگ“ ۲۷ فروری ۱۹۷۵ء ہمارے سامنے ہے انہوں نے دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کی تردید کے باوجود کچھ باتیں ایسی کی ہیں جن پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ انہیں ان مدارس کے اساتذہ کی تنخواہوں اور طالب علموں کی حالت بہتر بنانے کی بھی فکر ہے۔ کیونکہ بقول ان کے یہ لوگ دستِ سوال دراز کئے پھرتے ہیں۔ مدارس عربیہ کو مالی امداد دینے کا بھی ذکر ہے۔

اہل مدارس کا مطمح نظر کبھی دنیاوی نہیں رہا | مگر کیا محترم مولانا یہ نہیں جانتے کہ یہ لوگ حصولِ علمِ دین کی راہ اپنی جوانیوں کی متاعِ عزیز جو شاہدیتے ان کا مطمح نظر دنیاوی آسودگی اور آسائشِ حیات نہیں ہوتا۔ زندگی کے دیگر شعبوں میں جا کر یہ راستے تو ان پر بھی وا ہو سکتے

تھے۔ مگر انہوں نے سبوج کر اور ایسی تمام خواہشات کی قربانی دے کر اپنی زندگیاں کتابِ سنت کی شمعِ تابناک کو فروزاں رکھنے کے لئے وقف کر دیں انہیں معلوم ہے کہ یہ راہِ رحیم و فامادی خوشحالی کی کبھی مرہون نہیں رہی۔ یہ کانٹوں کی سیج ہے پھولوں کی نہیں۔ اصحابِ صفہ کی سیرتِ مقدسہ ان کے سامنے ہے۔ اور وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ جنہیں مادی حالت کی بہتری اور دنیوی جاہ و جلال، عہد سے اور مناصبِ جلیلہ درکار ہوں تو انہیں اس راہِ عشق سے کیا سروکار۔ (ع)

جس کو ہو جان و دل عزیز تیری گلی میں جلے کیوں

زہد و ایثار کا صلہ | ان لوگوں نے انگریز کے عہدِ غلامی میں چٹائیوں اور بوریوں کی رہائش اور روکھے سوکھے ٹکڑوں پر قناعت کو ترجیح دی ورنہ انگریزی مراحم و عنایات کے دروازے ان پر بھی کھل سکتے تھے۔ یونیورسٹیوں کی خلاقی زندگیاں انہیں پکار رہی تھیں وہ بھی تھر اور خان بہادر بن سکتے تھے شمس الاسلام اور شیخ الاسلام جیسے مناصب تو خان بہادر اور سر سے بھی سستے داموں بک رہے تھے مگر ان فقراءِ زہدِ علم نے یہ سب کچھ بھرخدا ئے غیور کی بارگاہ سے کوئی سید احمد شہید بن کر نکلا کوئی محمد قاسم ناٹوئی، کوئی شیخ ابندہ اور کوئی شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے نام سے اسلامیانِ ہند کے قلوب پر بے تاج حکمران بنا، کوئی حسین احمد مدنی کی شکل میں عرب و عجم کی سیادت کی خلعت سے نوازا گیا، کوئی اشرف علی تھانوی کی صورت میں حکیم الامت بنا تو کوئی احمد علی لاہوری کے پیکر میں قطب ارشاد اور شیخ التفسیر بن کر نمودار ہوا کوئی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی صورت میں امیر شریعت بن کر منقہ خطابت پر جلوہ افگن ہوا۔ پھر مولانا بہ کیوں بھول گئے کہ۔

سنہری اور پُر فریب وعدے | اس سے قبل بھی معیارِ زندگی کی بلندی اور معاشی

بہتری کے نام پر کئے گئے ایسے سنہری عہد و بیہیان کا کیا شہر ہوا۔ مساجد اور مزارات کو تحویل میں لینے کے وقت بھی ایسے ہی اصلاحی جذبات سامنے آئے، خطباء کی معاشی حالت کی بہتری اور باعزت مقام اور وقار کے مزدے بھی منگے گئے۔

سرکاری تحویل میں لئے گئے اوقات کی تباہ حالی | مساجد و خانقاہوں اور مزارات کی

تھانہ خواہ دیکھ بھال کرنے کے وعدے بھی ہوئے، لیکن کیا بعد کے واقعات نے ان ساری باتوں کو سراب نہیں ثابت کیا بہت سی مساجد کی آمدنی لاکھوں تک پہنچتی تھی، آج وہ کمپرسی کے عالم میں ہیں۔ بسا اوقات ایک چٹائی اور بلب کے لئے مسجدیں ترستی ہیں کچھ دیندار نمازی از خود چند اکٹھے کر کے دیکھ بھال کا کام چلا لیتے ہیں۔ وقف الماک کی لاکھوں آمدنی اپنے اصل شرعی مصارف پر خرچ ہونے کی بجائے افسران اور انتظامیہ کی فوج ظفرِ موج کی بھاری تنخواہوں اور تکلفات پر لگ جاتی ہیں اور کچھ یورپ کی مادی اور غیر مذہبی تعلیم کے وظیفوں اور نام نہاد ثقافتی سرگرمیوں پر خطیبوں کی تنخواہیں کئی کئی ماہ کی رہتی ہیں۔ معیار زندگی بلند تو کیا ہوتا، اوقات کے بے شمار خطیب ایسے بھی ہیں جن کی تنخواہ اس جان لیوا گرانی میں بھی پچاس روپے سے تجاوز نہیں۔ پھر ظلم یہ کہ وہ مستحل سیاسی جوڑ توڑ کے رحم و کرم پر رہتے ہیں۔ غازیوں کی سیاسی وابستگیوں کی رسد کشی کا شکار رہتے ہیں۔ اور جدھر کا پلڑا سرکار والا تبار کے ہاں بھاری ہٹوا خطیب اس کی زد میں آگیا اور ایک پٹواری کی طرح جب چاہا ایک مسجد سے اٹھا کر دوردراز کسی شہر میں تبدیل کر دیا۔ پھر ۵۸ سال عمر کے جرم میں ریٹائرمنٹ کی تلوار انک سر پر مستط، حالانکہ منصب و عظ و ہدایت اور مقام رشد و تبلیغ میں عمر کے ساتھ اور بھی نچنگی اور رسوخ آتا ہے۔ ہمیشہ سے یہ لائن ریٹائرمنٹ کی لغت سے یکسر نا آشنا ہی ہے۔ رہی سہی کسر جو رہ گئی تھی، اب ان بے چاروں کو خطبہ میں ”وحدت موضوع اور تجدید مضامین“ کے شکنجوں میں کس کر پوری ہو جائے گی جس کی خبریں آج کل آرہی ہیں۔

سرکاری تحویل میں لئے گئے سکولوں، کالجوں میں اسلامیات کی حالت | پھر پرائیویٹ
 تعلیمی اداروں اور سکولوں کو تحویل میں لینے کے وقت بھی ایسے ہی دلنوازا اور جاذب نظر نغمے سننے میں آئے کہ اب ان اداروں کی کایا پلٹ جائے گی۔ نتیجتاً جو ادارے عام مسلمانوں کے جذبات ملی کے مہارے چل رہے تھے وہ رضا کارانہ جذبات اور مسلمانوں کے تعاون سے محروم ہو گئے اور وڈھائی سال گزر جانے کے باوجود اب بھی غیر یقینی کیفیت سے دوچار ہیں نہ ان اداروں کے اساتذہ کو مستقل ہونے کے پروانے مل سکے ہیں

نہ واضح طور پر ان کے مشاہدوں کا تعین ہو چکا ہے۔ اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ تنخواہوں کی حد بندی کا مسئلہ اٹھا بھی تو جو حکومت دینی مدارس کی معاشی حالت بہتر بنانے کی فکر کر رہی ہے۔ اس نے تنخواہوں کے سکیل بحریہ ۸ جنوری ۱۹۷۵ء میں انگلش وغیرہ عمرانی مضامین کے ان ٹرینڈ اساتذہ کی شرح تو مقرر کر دی گئی ہے۔ لیکن ان ٹرینڈ فاضلین علوم شرقیہ اور اساتذہ دینیات و معتیین قرآن کے کسی سکیل کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایسے اساتذہ کو ۱۹۷۳ء کے سکیل کے مطابق نوٹھے روپے دیتے کی ہدایات جاری کر دی گئیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کے جذبے کے تحت حکومت کی نظریں بار بار مدارس عربیہ کی طرف اٹھتی رہی ہیں۔ لیکن کیا حکومت خدمت اسلام کی اور تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو چکی ہے۔ ملک کے تمام شعبوں میں اسلام جاری اور ساری ہو چکا ہے، تمدن، تہذیب، سیاست و معاشرت، اخلاق و معاشیات کے ہزاروں ایسے شعبے ہیں، جو زبان حال سے حکومت کو پکار پکار کر دعوت اصلاح احوال دے رہی ہیں۔

خدمت اسلام کا میدان عصری نظام تعلیم | مگر یہاں ہم صرف ایک ہی مثال پر اکتفاء کرتے ہیں جس کا تعلق تعلیمی شعبہ ہی سے ہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد کیا ہمارے حکمرانوں کا اہم ترین فریضہ نہ تھا کہ ملک کے تمام عصری نظام و نصاب تعلیم کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیا جاتا یہ نہ ہو سکا تو کم از کم یہ تو لازمی تھا کہ عصری تعلیم گاہوں میں اسلامی تعلیمات و اخلاق، قرآن و سنت اور عربی و مشرقی علوم پر خصوصی توجہ دے دی جاتی کہ اب ہمیں غلام ہندوستان کے لئے دسی کڑکوں کی ضرورت نہ تھی بلکہ ایک اسلامی مملکت کے لئے مہذب اور عالم و فاضل شہریوں کی چلہیٹے تھا کہ اسلامی تعلیمات کو اہم لازمی مضمون کی حیثیت دے دی جاتی اور ان علوم کے اساتذہ اور طلبہ کو ترجیحی نہیں تو کم از کم انگریزی اور دیگر عمرانی علوم کے اساتذہ اور طلبہ جیسا با عزت مقام اور مراعات تو دے دیئے جاتے، مگر یہاں تو ۲۷ سال گزرنے کے بعد بھی اسلامیات

یا علوم شرقیہ کا جو برائے نام سلسلہ ہے اس کے اساتذہ کی حالت زار سے کون بے خبر ہے۔ نہ سرکاری درس گاہوں میں ایسے اساتذہ دینیات کے لئے لازمی آسامیاں ہیں نہ وہ حقوق و مراعات جو انگریزی پڑھانے والوں کے لئے ہیں بعد از خرابی بسیار تعلیم کے سرکاری اداروں میں اسلامیات کو پہلے اختیاری اور پھر لازمی حیثیت دی گئی مگر وہ بھی ثانوی سطح پر، مگر اکثر صوبوں میں عملاً تدریس قرآن کا صرف آنا انتظام ہے کہ محض سطحی اور رسمی طور پر بعض جگہوں میں گویا خانہ پری کر دی گئی ہے۔ اور یہ طور لکھتے وقت تو یہ افسوسناک اطلاع بھی سامنے آچکی ہے کہ:-

”وفاقی وزارت تعلیم کے شعبہ تدوین نصابات نے سرکلر نمبر

F-S-1/74-HSC جنوری ۱۹۷۵ء کے ذریعہ اپنے مجوزہ

تعلیمی اسکیم برائے نصاب انٹرمیڈیٹ میں اس نصاب کی

فہرست سے اسلامیات کے مضمون کو یکسر خارج کر دیا ہے اور

اس کی جگہ فنون لطیفہ یا مخصوص موسیقی کو مستقل مضامین کی حیثیت دی

گئی ہے“

چیسٹ یارانِ طریقت بعد ازین تدبیرا

پھر کیا ”خدمتِ اسلام کا یہ جذبہ“ آگے چل کر ملا رس علومِ نبویہ کو بھی رقص و سرود

موسیقی، آرٹس اور کلچر کے مراکز میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ — ولا فعلہا اللہ

الیوم القيامة۔

علومِ مشرقی اور برطانوی دور سے بھی بدتر حالت | بہر حال عصری تعلیم گاہوں کے

اساتذہ دینیات اور فضلاء علومِ شرقیہ کی معاشی حالت بہتر بنانے پر کتنی توجہ دی

گئی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فاضل عربی اوٹ

اور دوسرے اسناد رکھنے والے اساتذہ کو دیگر لازمی مضامین پڑھانے والے

یٹچروں کی مساوی حیثیت میں مشاہرے دیئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں بلکہ

۱۷۵، ۵، ۱۲۰/۴، ۱۰۰/۱۰۰ یا بالقطع۔ ۱۰۰/۱۰۰ پے تنخواہ مقرر کی گئی، تنخواہوں کے

گوشواروں کو سامنے رکھ کر آپ پر یہ تفاوت عیاں ہو جائے گی کہ برطانوی دور میں انگریزی اساتذہ اور علوم مشرقیہ کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اتنا غیر معمولی فرق نہ تھا جو کہ اب ہے یہ تفاوت ۱۹۲۵ء میں پچاس روپے تھی تو پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۲ء میں ۷۰ روپے ہو گئی۔ ۱۹۷۰ء میں ۲۰۰ روپے ہو گئی۔ اور اب عوامی دور کے نمیشنل پے سکیل میں ۱۸۵ روپے ہو گئی۔ یعنی انگریزی اور عمرانی پڑھانے والوں سے اسلامی تعلیمات اور عربی کے معلمین کو ۱۸۵ روپے کم ملتے ہیں۔ یہی تفاوت اسلامیات اور انگریزی نصاب کے پرچوں کے نمبرات میں بھی ہے۔ انگریزی پرچہ کے نمبرات ۷۵ ہیں تو عربی کے سوا اور انگریزی پڑھانے کے لئے ہفتہ میں آٹھ پیر پڑھیں تو عربی کے لئے چار۔ اور یہ واقعہ ہے کہ لازمی اختیاری مضامین میں بھی سائنس کو عربی پر ترجیح دینے کی وجہ سے دیگر طلبہ عربی چھوڑ کر سائنس اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بہر حال اسلامیات اور علم اسلامیات اور دیگر مضامین اور اس کے اساتذہ کے درمیان تفاوت اور حق تلفی کی داستان بہت طویل ہے۔

مقصد یہاں صرف علماء اور طلباء مدارس عربیہ کی معاشی حالت بہتر بنانے کے ”پاکیزہ جذبات“ پر کچھ عرض کرنا تھا۔ مذکورہ انٹرویو میں دینی مدارس کی مالی بے قاعدگیوں اور گڑبڑ کا بھی ذکر ہے۔ نصاب تعلیم کی اصلاح اور علماء کو معاشرے کا مفید رکن بنانے پر بھی اظہار خیال ہے۔ اچھے مدارس کو حکومت کا مالی امداد دینے کی ترغیب بھی ہے۔ ان تمام باتوں پر گفتگو کا میدان وسیع ہے۔ اور یہ سب باتیں علماء حق اور عام مسلمانوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں۔ (ماہ ۵۷)

قومی ملکیت کی تلوار

دینی مدارس پر قومی ملکیت کی تلوار | حکومت کی درپردہ بعض سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت قومی ملکیت کی تلوار سے دینی مدارس کو ذبح کر کے دین کے رہے سہے نشانات اور شعائر کو بھی مٹا دینا چاہتی ہے۔ برصغیر کے مخصوص حالات میں مدارس عربیہ کی قدر و قیمت اور ضرورت و اہمیت کوئی ڈھکی بھپی بات نہیں۔ یہ مدارس نہ ہوتے تو آج برصغیر مسلمانوں کی عظمتوں کا قبرستان بن چکا ہوتا اور یہاں کی حالت سپین اور بخارا و سمرقند سے مختلف نہ ہوتی قیام پاکستان سے لے کر اب تک حکومتی ذرائع سے دین اور اسلامی علوم کے فروغ و اشاعت کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا گیا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو وہ اسلام یہاں بہت مشکل سے مل سکتا جسے لے کر ہم نے نظریہ پاکستان کا نعرہ لگایا اور ایک سلطنت حاصل کی۔ مگر حکومت کی نظریں اٹھتی بھی ہیں تو بار بار ان مدارس اور مساجد کی طرف بھج کر کہ زندگی کے ہزاروں شعبے ابھی اسلامی مملکت کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں۔ جہاں تک مدارس عربیہ کے نصاب، نظام اور خامیوں کی اصلاح کا تعلق ہے، اس کے احساس اور ضرورت سے خود اہل علم اور ارباب مدارس بھی کسی لحظہ غافل نہیں رہے۔ اور نہ حکومت یا کسی بھی حلقے کی کسی مفید اور مخلصانہ مشوروں کو نظر انداز کرنے کا کبھی مظاہرہ کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک سرکاری تحویل میں لینے کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کو حکومت صنعتی اداروں، بنکوں اور فیکٹریوں کے پیمانہ پر نہ پرکھے، ایسے اقدامات دینی و علمی حلقوں میں نہ صرف مداخلت فی الدین بلکہ فتنائے دین سمجھے جائیں گے۔ اس لئے ایسے کسی اقدام کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے اس کی نزاکتوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

عربی لغتہ الاسلام

عالم اسلام کی سب سے قدیم اور عظیم اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر کے ریکیٹر شیخ محمد محمد انعام نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں اپنی تشریف آوری کے موقع پر جو خطاب فرمایا اس میں انہوں نے زیادہ تر زور عربی زبان کی اہمیت محسوس کرنے پر دیا اور فرمایا کہ مختلف زبان رکھنے والے مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اخوت قائم رکھنے کے لئے عربی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مسلمان اپنی علاقائی زبانیں چھوڑ دیں۔ خدا نے ہر ملک اور قوم کے لئے الگ الگ زبانیں بتائی ہیں۔ اور اس کی حکمتیں اور شان قدرت کا ظہور اس اختلاف کا متقاضی ہے، لیکن جب ایک طرف ہم پشتوار و فارسی سیکھتے ہیں تو بحیثیت مسلمان ہمیں عربی زبان کا سیکھنا بھی اس لئے ضروری ہے کہ عربی صرف عربوں کی زبان نہیں بلکہ یہ لغتہ الاسلام ہے، قرآن کی زبان ہے اور ہمارے مقتدرائے دین و دنیا سرور کائنات علیہ السلام کی زبان ہے اور جو اپنے اندر ان کی تعلیمات کو سموئے ہوئے ہے۔ اس لئے اس معاملہ کو تعصب سے نہیں بلکہ اس زاویہ سے دیکھنا چاہیئے، انہوں نے اس سلسلہ میں ایک روایت بھی بیان کی کہ جو اللہ کو چاہے گا، تو لازماً حضور کو بھی، اور جسے نبی عربی سے محبت ہوگی اسے عربوں سے بھی، اور جب عربوں سے ہوگی تو وہ عربی زبان سے بھی محبت رکھے گا۔

ترویج عربی مسلمانوں کی ایک سیاسی ضرورت | مگر اس منطقی اور طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ مسلمان اپنے ماں عربی زبان کی تعلیم و تعلم اور انہام و تعلیم کو اہمیت دیں۔ اس کی ترویج میں بھرپور حصہ لیں انہوں نے بالکل صحیح کہا کہ ایک مسلمان بھائی گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی اسلامی مملکت میں جا کر وہ مسلمانوں کی زبان عربی کے سمجھنے اور سمجھانے والے نہ پائیں، مسلمانوں کے لئے یہ چیز شرم کی بات ہونی چاہیئے۔

عربی کی ترویج کے لئے مدارس عربیہ کی کوششوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس موقف کو بھی سراہا کہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور روابط کے لئے عربی یہاں کی سرکاری زبان ہونی چاہیئے۔ شیخ الازہر نے دارالعلوم حنائیہ اور دیگر مدارس میں عربی زبان کی تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں بجا طور پر خواہش ظاہر کی کہ اس سلسلہ میں جدید عربی نصاب اور جدید ترین کتابوں سے استفادہ ضروری ہے۔ جب کہ ہر زبان کی طرح عربی ادب میں اندازِ تحریر، طرزِ بیان اور نئے نئے الفاظ و اصطلاحات کی وجہ سے کافی تبدیلی آچکی ہے۔ جب کہ ہمارے مدارس میں عربی کو بحیثیت عربی زبان کی تعلیم و ترویج پر کما حقہ توجہ نہیں دی جا رہی اور یہ ایک بڑی کمی ہے جو ہمارے ہاں کے علماء اور طلباء اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔

باہمی ربط و اتصال کا ایک لازمی ذریعہ | اس تقریب کے افتتاح میں قائدِ جمعیت مولانا مفتی صاحب نے بھی عربی کی اہمیت پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی اور اسے پاکستان کے لسانی مسائل کا واحد حل قرار دیا، انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہم اپنی اپنی حدود و حدود میں اس لئے عربی کو سرکاری زبان قرار دینے پر زور دیتے ہیں کہ ہماری داخل اور خارجی ضروریات ہمیں مجبور کر رہی ہیں۔ پاکستان مختلف صوبوں اور علاقوں کا مجموعہ ہے۔ اور ہر حصے کی الگ الگ زبان ہے۔ اب اگر ہمیں کسی ایک زبان کے ذریعہ ان حصوں کو مربوط رکھنا ہے تو سوائے عربی کے کوئی بھی جامع زبان ہمیں نہیں مل سکتی، اپنے اذلی دشمن انگریز کی انگریزی سے نجات پانے کی یہی ایک صورت ہے۔ خارجی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود نے فرمایا کہ چونکہ عربی ہمارے قرآن و رسولؐ ہمارے مذہب اور ہمارے کرداروں عرب بھائیوں کی زبان ہے اس لئے یہ عالم اسلام کے باہمی ربط و اتصال کے لئے ایک لازمی کڑی ہونی چاہیئے۔

پاکستان کی ذمہ داریاں | اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں عربی کو اس کا صحیح مقام دینے

سہ آپ اس وقت سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور شیخ الازہر کے ساتھ شریف لائے تھے۔

کی راہ میں کافی مشکلات ہیں، اساتذہ کا مسئلہ ہے، نئی کتابوں کی فراہمی ہے، عربی کو لسانیاتی حیثیت سے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں وہ جگہ دینی ہے۔ جو ترقی یافتہ مروجہ عربی ادب کو عرب ممالک میں حاصل ہے۔ مگر ایک اسلامی مملکت جب علاقائی زبانوں کے لئے سب کچھ کر سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ملکی و ملی بقاء استحکام کی حامل اس ضرورت پر توجہ نہ دی جائے چونکہ اس کا تعلق پورے ملک سے یکساں رہے گا، اس لئے مرکزی حکومت پر بھی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسیوں میں عربی کی اس ضرورت کا پورا لحاظ رکھا جاسکتا ہے۔ جدید عربی نظام تعلیم اور مروجہ نصابوں پر عبور، عالم عرب کے تعلیمی اور ادبی اداروں علمی شخصیات سے تبادلہ خیال اور استفادہ کے لئے عربی سے ذوق رکھنے والے علماء اور طلباء کے وفد کا عرب ممالک سے تبادلہ ہو سکتا ہے۔ عرب ممالک سے اس سلسلہ میں تعاون اور مدد حاصل کی جاسکتی ہے جس کے نتیجہ میں یہاں عربی زبان کی ترویج و تعلیم کے لئے نہایت مفید تجاویز زیر عمل لائی جاسکتی ہیں، صوبائی حکومتیں اپنی اپنی حد تک مفید اسکیم اور منصوبے بنا کر عربی کے لئے رفتہ رفتہ ایسا میدان تیار کر سکتے ہیں کہ وہ آگے چل کر بغیر کسی دقت کے پاکستان کی سرکاری زبان بن سکے۔ یہ سب کچھ ملک و ملت سے غیر خواہی کے جذبات، عربی سے شغف، علمی ذوق، اور عالم اسلام کے مشترکہ مسائل کا احساس و شعور رکھنے کے علاوہ خدائے کریم کی توفیق اور دستگیری پر ہے، دیکھئے پاکستان کی ملت اسلامیہ کب ایسی اہم ذمہ داریوں کو نبھانے کی اہل بنتی ہے۔

فروری ۱۹۷۳ء

عصری نظام تعلیم اور دین سے بیگانگی

ہمارا سرکاری نظام تعلیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ دین اور اسلامی علوم سے کتنی تیزی سے دور ہوتا جا رہا ہے، اس کا کچھ اندازہ ذیل کے ایک جائزہ سے لگائیے جو ایک ثقہ اور فاضل شخص کا فراہم کیا ہوا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی نگاہ میں رکھئے کہ ہمارے فکری اور معاشرتی انتشار اور عدم استحکام کے ایک اہم بنیادی سبب نئے پود کی عصری تعلیم کا ہوں میں مذہب اسلامی زبان عربی اور اسلامیات سے بے بہرہ ہونا ہے، اس وقت ساری ذمہ داری طبقاتی تفاوت اور معاشی عدم توازن پر ڈالی جا رہی ہے۔ مگر اس ساری بے چینی اور اضطراب کو فقط معدہ اور پیٹ کے بیماریاں سے ناپنا اور ملک کی دیگر تمام تعلیمی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کے زوال اور اس کے محرکات سے صرف نظر کرنا کہاں کی عقلیت سی ہے۔

عربی سے بے اعتنائی کا ایک جائزہ | عربی ہماری اسلامی اقدار اور تعلیمات کی ترجمان ہے اس کے ساتھ حکومت کی بے اعتنائی اور ہماری بے بسی کا نتیجہ کیا ظاہر ہوا۔ اس کا جواب اعداد و شمار کی زبان سے سنئے۔

۱۹۵۳ء میں ۳۶۵۵۸ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۵۳۲۰ تھے۔ پانچ سال بعد ۱۹۵۷ء میں ۵۸۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۳۲۱۷ رہ گئے، دس سال بعد ۱۹۶۳ء میں ۵۸۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۳۲۴۸ رہ گئے، پندرہ سال بعد ۱۹۶۷ء میں ۹۹۹۷۶ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۳۹۹۲ تھے۔

گویا ۱۹۵۳ء میں میٹرک میں عربی پڑھنے والوں کا تناسب ساڑھے چودہ فیصد تھا۔ لیکن پندرہ سال بعد جبکہ طلباء کی مجموعی تعداد میں ۷۳ فیصد اضافہ ہو گیا۔ عربی خواں طلباء و طالبات ۱۷ اور یہ جائزہ بھی ۱۹۵۲ء سے لے کر ۹۷ء تک کا ہے اس کے بعد حالات تو اور بھی بہتر ہو کر ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ بنے ہوئے ہیں۔

کا تناسب ۵ فیصد سے بھی کم ہو گیا۔ یعنی طلباء کی تعداد ساڑھے پچیس ہزار سے ایک لاکھ ہو گئی مگر عربی خواں ۵۳۴۰ سے گھٹ کر ۴۹۹۲ رہ گئے۔ ۱۹۵۳ء میں ایف اے میں پڑانے نصاب کے اندر بارہ ہزار آٹھ سواڑ تالیس طلباء شریک امتحان ہوئے، ان میں ۱۱۵ عربی خواں تھے پندرہ سال بعد طلباء کی تعداد پچپن ہزار سات سو ستاسی ہو گئی اور عربی خواں طلباء کی تعداد ۱۱۹۹ گویا پندرہ سال میں طلباء کی تعداد میں ۳۳۳ فیصد اضافہ ہوا۔ لیکن عربی خواں طلباء و طالبات پندرہ سال سے گھٹ کر صرف دو فیصد رہ گئے۔ اسی سے بی اے، ایم اے میں عربی کو تدریس کا اندازہ کر لیجئے۔

اسلامیات کی بے کسی | یہی حال اسلامیات کا ہے میٹرک تک اسے لازمی قرار دینے کے باوجود اب تک اس کے لئے کوئی مستقل اور قابل افادیت کتاب مرتب نہیں کرائی گئی۔ ایف اے میں اسلامیات محض اختیاری مضمون ہے وہ بھی صرف آرٹس کے طلباء کے لئے موجود قوانین کی رو سے مغربی پاکستان میں ایف اے میں سی کا کوئی طالب علم عربی کسی صورت میں نہیں لے سکتا۔ بی اے کے لئے کراچی اور حیدرآباد یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم کا ایک پرچہ لازمی ہے، لیکن پشاور اور پنجاب یونیورسٹیوں میں نہیں فنی اور پیشہ دارانہ اداروں میں یعنی مغربی پاکستان کے کسی میڈیکل کالج، لاء کالج، کامرس کالج، انجینئرنگ کالج میں اسلامیات کے نام کی کوئی چیز شامل نصاب نہیں ہے، جبکہ ان فنی (TECHNICAL) اور پیشہ دارانہ (PROFESSIONAL) اداروں کی تعداد مغربی پاکستان میں ۵۸ فیصد ہے۔ گویا ہمارے وکلاء، ڈاکٹروں اور انجینیئروں کو دینی تعلیم سے بے بہرہ رکھنا سرکاری پالیسی ہے۔

معیاری کتبچہ نئی تعلیمی پالیسی سے کچھ امید بندھ گئی تھی کہ عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم ہماری افرادی قوت کچھ تو دین اخلاق اور تہذیب و شرافت سے آراستہ ہو جائے گی اور شاید اس طرح قوم کی ڈویتی نیا کچھ سنبھل جائے گی۔ مگر تازہ اخباری خبروں نے ان امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا جن میں کہا گیا ہے کہ حکومت نئی تعلیمی پالیسی کو غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابل برداشت اخراجات کی وجہ سے واپس لے رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں دین اور دینی علوم کے تحفظ اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ و اشاعت کی صورت کیا ہوگی؟

دینی علوم کے تحفظ کے رہے سب سے آنتار کو مٹانے کو شمش | ان حالات میں دینی علوم کا تحفظ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ آزاد عربی مدارس دینیہ ہی کا مرہونِ منت ہے جو الحاد اور تجدد کے علمبرداروں کی نگاہوں میں کھٹکتے رہتے ہیں، اور کروڑوں افراد کی فنی و عصری علوم کے لئے تنگ و دو کرتے کے باوجود مدارس عربیہ کے طلباء کی قلیل تعداد کا اپنی زندگی کو دین اور محض علوم دین کے لئے وقف کرنا ان کے لئے ناقابلِ برداشت مسئلہ بن گیا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ان مدارس کی بساطِ لپیٹ دو، ان کی آزاد تعلیمی روح کو بھی کسی طرح سلب کر لو، انہیں امداد اور گرانٹ کے دامِ زربین میں پھنسا لو، ان کے آزاد اور ترجمانِ حق ضمیروں میں بھاری تنخواہوں کے تارے لگا دو، انہیں اذیت کے شکنجے میں کس دو تاکہ رہی ہو صورت دین کی اشاعت کی رہ گئی ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ جب انگریزی، اردو سائنس، ریاضی، جغرافیہ اور ٹیکنیکل علوم کے لئے مخصوص افراد مخصوص مزاج اور مخصوص تربیت کی ضرورت ہے تو اسلامی علوم و فنون کو اس کلیہ سے کیوں خارج کیا جا رہا ہے تمہیں ان چند گنے چنے مدارس عربیہ کے بور نشینوں کی فکرِ معاش بڑھال کئے جا رہی ہے، مگر کیا آپ نے ملک کی عصری تعلیم کا ہوں میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کے دین اور علوم دینیہ سے بدن اعراض و اجتناب کا بھی کچھ مداوا سوچا ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (التورۃ)

نصابِ اسلامیات میں اتفاق اور بے دینی کا بیج

مرکزی حکومت نے سکولوں اور عصری تعلیم کا ہوں کے لئے اسلامیات کے نصاب کی از سر نو ترتیب و تدوین کے لئے جو کمیٹی نامزد کی ہے اس کے بارے میں پچھلے شمارہ میں ہم نے اپنے خدشات کا اشارہ ذکر کیا تھا۔ یہ مسئلہ عام مسلمانوں بالخصوص اہل علم اور دینی جماعتوں کے لئے جتنی توجہ کا مستحق تھا افسوس کہ اب تک اتنی ہی سر دھری کا شکار رہا۔

ملک کی اکثریت اہل سنت سے نا انصافی | یہاں کی اکثریت (MAJORITY) سنی مسلمانوں کی ہے جن کے عقیدہ کی اساس خلفاء راشدین کے تقدس اور تمام صحابہؓ کی غلط پر تائیم ہے۔ بچوں کے دینی نصاب پر مستقبل میں ان کے عقیدہ، دین اور نظریہ

کا دار و مدار ہوتا ہے اگر اس عمر میں بچوں کے دل و دماغ کا نازک اور پاکیزہ آئینہ کسی غیر اسلامی جارحیت سے مجروح ہو جائے تو عمر بھرا سے جوڑا نہیں جاسکتا ضرورت اس امر کی تھی کہ غیر سنی حضرات کو ان کی جائز نمائندگی دیتے ہوئے بھی اکثریت کی رعایت بہر حال رکھی جاتی اور ایسے لوگ سنی علماء میں سے بورڈ میں شامل کر لئے جاتے جن کا علمی تجربہ، دینی حیثیت اور ذہنی و فکری نچنگی مسلم اور مسلمانوں میں قابل اعتماد ہوتی اور جنہیں اسلامیات کی ترویج اور اشاعت سے والہانہ لگاؤ بھی ہوتا، اور وہ کسی بھی عقیدہ اور مسلمانوں کے کسی بھی قابل احترام شخصیت کے بارہ میں امت کی پوری نمائندگی کا حق ادا کر سکتے۔ مگر ہوا یہ کہ چند افراد کی اس کمیٹی میں نصف یا اس سے زائد نمائندگی شیعہ حضرات کو دی گئی اور وہ بھی ان کے مذہب کے پختہ اور ذمہ دار سرکردہ افراد کو، جب کہ آبادی کے تناسب سے شاید انہیں ۵ نمائندگی بمشکل دی جاسکتی۔

تدوین نصاب کی اہلیت | پھر دوسری انصافی یہ ہوئی کہ دو ایک افراد کو چھوڑ کر باقی سنی حضرات ایسے لئے گئے جنہیں نہ تو مسلمانوں کے جذبات اور معتقدات کے تحفظ سے گہرا اور جذباتی تعلق ہے نہ اسلامی علوم میں مناسب رسوخ اور گہرائی اور نہ انہیں عامۃ المسلمین کا اعتماد حاصل ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں بجا طور پر خطرہ ہے اور اس کے بعض شواہد بھی سامنے آچکے ہیں کہ ایسی کمیٹی جو نصاب تیار کرے گی اس میں نہ تو اکثریت کے جذبات کی پوری رعایت رکھی جاسکے گی اور نہ ابو بکر و عمر اور عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کو ان کا صحیح مقام دیا جاسکے گا، نہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اور اسلام کی اولین تاریخ کو صحیح شکل میں پیش کیا جاسکے گا بلکہ ”اختلافی مسائل“ کے نام پر ان تمام باتوں کو نشانہ ستم بنایا جاسکے گا، ہمیں کسی فرقہ اور طبقہ سے کہ نہیں، شیعہ تو کیا دیگر اقلیتی طبقوں کو بھی ان کے دین اور مذہب کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہے۔ ہمیں ملکی یکجہتی اور ملی اتحاد بہر حال عزیز ہے سنی مسلمانوں کے لئے تمام صحابہ کرامؓ واجب التعظیم ہیں کسی خلیفہ راشد اور صحابی کی عظمت سے انہیں اختلاف نہیں، سب

کو احترام اور محبت کی نظروں سے دیکھنا ان کا جزو ایمان ہے۔ لیکن اگر معمولی سی تعداد رکھنے والی شیعہ ذہنیت کو ان باتوں سے اتفاق نہیں اور وہ خواہ مخواہ دھڑے بازی اور عصبیت کی بناء پر ہماری ملی یکجہتی کو حق و ناحق اور ظالم و غیر ظالم کی تقسیم سے پارہ پارہ کرنا چاہتی ہے تو یہاں کی ایسے کسی بھی ارادہ اور سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ جس سے مسلمان بچوں کا مستقبل مخدوش اور ان کا دینی ذہن مجروح ہو سکتا ہو اور نتیجتاً اس سے ہماری قومی یکجہتی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایسے کسی نصاب کیٹی میں اقلیتی طبقوں کو ان کی شرح آبادی سے زیادہ نمائندگی نہ دی جائے پھر سُنی مسلمانوں کی طرف سے بھی ایسے راسخ العقیدہ علماء لئے جائیں جن کا علم و عمل دینی تصائب، اسلامی حیثیت مستم ہو، مسلمانوں کا ان پر اعتماد ہو اور تعلیم و تربیت سے متعلق امور میں بھی انہیں پورا تجربہ حاصل ہو۔ چند نام نہاد ”ماہرین تعلیم“ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ملک کے سوا داغظم کے جذبات اور معتقدات کو اس طرح خطرہ میں ڈال کر خدشات اور بے چینی کی فضا پیدا کریں اگر حکومت نے بھی خدا نخواستہ ایسے کسی نصاب کو جلدی میں منظور کر دیا تو شش کی کوشش کی تو قوم کا دل اور فہم ایمان و یقین احساس اور شعور اسی طرح اسے ٹھکرا دے گی۔ جیسا کہ وہ عائلی قوانین اور اس طرح کے دیگر غیر اسلامی منصوبے بڑی حقارت سے ٹھکرا چکی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے جگر گوشوں اور لونہالوں کو ابوبکرؓ کے دامن شفقت اور عمرؓ کے سایہ عافیت سے نکال دینے کو اتنی آسانی سے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مئی ۱۹۷۰ء

نظام تعلیم کی نئی پالیسی کیا ہونی چاہیے

زندگی کے مختلف شعبوں میں اہم تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونے والی حکومتیں عصری نظام و نصاب تعلیم کے بارہ میں بھی اپنی نئی پالیسیوں کا اعلان کرتی رہتی ہیں۔ ایسی کسی نئی تعلیمی پالیسی کے بارہ میں اتنا عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایسے نام نہاد اصلاحی اقدامات سے وہ توقعات پوری نہیں ہو سکتیں جو ملک و ملت

